

پیشکش کنندہ

شعاع

2011

www.paksociety.com

www.paksociety.com

WWW.PAKSOCIETY.COM

پیش کشاں پاکستان

شعاع

بانی و مدیرِ ارشد
مدرسین
مدیرِ مسئولین
مدیرِ انگریزی
فلاحی کونسل
بشیر علی
صاحبزادہ ریاض
رضیہ جمیل
اختر ریاض
امت الصبور
شاہین رشید
خالد جیلانی

خط و کتابت نمائندہ

ماہنامہ شعاع

37- ریلوے بازار، کراچی

MEMBER
APNS
CPNE



ناولٹ

محدثوں میں لٹا رشہ خاں 172

انسانے

سچی خوشی 58
 ہجرت سے پہلے زمانہ 102
 تیرا العین باغی 257
 عشق شکر 194

نظمیں غزلیں

غزل 260
 غزل 261
 نظم 261
 غزل 260

پہلی شعاع 10
 حمد 11
 نعت 11
 نئی کی باتیں 12

انٹرویو

رنگ چلنے لگیں 22
 بندھن 17
 دستک 31

ناول

ایک تھی مشال 36
 رقصِ بیل 200

کسٹل بول

نایاب ہیں ہم 68
 یارم 216
 بازگشت 112

قریب سنا اترتے ہیں کچھ رچکھڑی
 پاکستان (اسلام آباد) ... 71X1 ...
 ان پاور فرائیڈ ... 50X10 ...
 امریکہ کی ایٹم بم ... 50X11 ...

اگرچہ 50 سال پہلے شاعر و نثر نگار تھے مگر ان کے شعریں اور ناولات کی تحریریں ابھی تک اس دہائی کی کسی بھی کہانی
 ناول کی سلسلہ کو کسی بھی انداز سے متاثر نہیں کیا ہے۔ ان کی کہانیوں پر اور ان کے ناولات کی تخلیقیت اور سادگی و سادگی
 طور پر یا کسی بھی شکل میں نہیں پیش کیا گیا ہے۔ غلام احمد کی صورت میں قاتل کی کارروائی میں الٹی چاہتی ہے۔



مستقلے

268	خالد جیلانی	کھلتا کی پتہ	270	رضیہ جیل	خط آب کے
287	خالد جیلانی	عید کے پکوان	262	صباح	مُسکراہٹیں
290	ادار	خوبصورت بنے	282	وصفہ نہیں	ایٹنے خانے میں
			266	شگفتہ جاہ	بالوں سے خوشنواں
			285	امت اصبر	تاریخ کے جھڑکے
			278	ادار	مہندی کے ڈرائین

اگست 2014
جلد 28 نمبر 12
قیمت 60 روپے

خط و کتابت کا پتہ: ناہاڑہ شہار، 37 - اردو بازار، کراچی۔

رَضِیَہ جیل اور حسن پریشک پریشک کرنا کیا - مقامی ایڈیٹری کی طرح پوسٹل سروس کریں

Phone: 32721777, 32726617, 021-32822494 Fax: 0092-21-32768872

Email: shuang@hawaibondigost.com website: www.hawaibondigost.com



شعاع کا اگست کا شمار سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔
 اللہ تعالیٰ کے حضور سر بسجود ہیں کہ اس کا گرم، بہرہ رسانی اور نواز میں شامل رہیں اور کامیابی سے کنگے بڑھتے ہوئے
 ہم یہ طویل مسافت طے کر چکے ہیں۔
 شعاع نے روزِ اوّل ایک معیارِ یقین کیا اللہ اسے ہر حرف برقرار رکھا بلکہ خوب سے خوب تر بنانے کی کوشش
 کرتے اور وقت کے ساتھ ساتھ کامیابی کی نئی منزلیں سر کھاتے ہوئے آگے بڑھتا رہا۔
 ہماری کامیابی میں سب سے بڑا حصہ ہماری مصنفین کا ہے۔ ان کی بہترین تخلیقات شعاع کی زینت ہیں۔
 ہم تبدیل سے بن کے نمودار ہیں۔
 ہم اپنی قارئین کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ مدد ہر قدم پر ہمارے ساتھ رہیں۔ ہماری غفولی کو سراہا اور اپنے
 بہترین لکھنؤوں سے شعاع کو خوب سے خوب تر بنانے میں ہمارا ساتھ دیا۔ ہمارے قلوب کے یہ تجلیں ہمیشہ ہماری ساتھ رہیں۔
 یہ شمارہ آپ کو ملے گا تو آپ جہد کے استقبال کی تیاریوں میں مصروف ہوں گی۔
 تادمین کو ہماری جانب سے دلی عید مبارک۔
 عید آپ کے لئے ذخیروں خوشیوں کے لئے ہے۔ آپ کے دل اور آنکھیں آبلو اور خوشیوں سے بھرے ہیں۔ آمین۔
 عید کے ہر منٹ موقع پران لوگوں کو نہ بھولے گا جو اسی وقت ایک گزنی آزمائش سے دوچار ہیں۔ بے سولیاں
 بے گھر، دہرہ میں۔ اللہ تعالیٰ ان کی زندگیوں میں بہت کامیابی دے اور وہ عافیت اور سلامتی کے ساتھ اپنے گھروں
 کو لوٹیں۔
 یہی عید تمام پاکستانیوں کے لئے ہے۔ اس کے لئے ہر شاعر لوگوں کے قربانیاں دی ہیں اور اب
 تک بے سہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو قائم و دائم رکھے۔ آمین۔

اسکس شمارے ہیں،

- آسینا آئی کا مکتل ناول۔ نایاب ہیں ہم۔
- سید میر کا مکتل ناول۔ ہلاکت۔
- میرا قید کا مکتل ناول۔ یارم۔
- رخسانہ نگار عدنان اور نیلہ عزیز کے ناول،
- رشید خالد خان کا ناول۔ محبتوں میں بالائی بات نہیں چلتی،
- نرو بختاوی، رفیعہ مہدی، تقیہ العین، غلام نبی اور شہباز محمد بیگ کے اٹلانے،
- رنگ چلے لگیں، عبا بھڑوانے۔ قارئین سے سروے،
- عید فلان اور آمنہ فلان کا بندھن،
- معروف شخصیات سے گفتگو کا سلسلہ۔ دستک،
- پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش، عید، نبوی کا سلسلہ،
- عید کے پیمان، ہندو کے دیوتاؤں، آئینہ عکس میں، خط آپ کے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں۔
- شعاع کا سالگرہ نمبر آپ کو کب ملے گا؟ آپ کی ملنے کے منتظر ہیں۔



رسول مجتبیٰ کیسے، محسود مصطفیٰ کہتے
خدا کے بعد میں وہ ہیں پھر اس کے بعد کیا کہتے
شریعت کا ہے یہ امر خاتم الانبیاء کیسے
محنت کا تقاضا ہے محبوب خدا کیسے
جب ان کا ذکر ہو دنیا سراپا گوش ہو جانے
جب ان کا نام آئے مرجبا علیؑ کہتے
مرے سرکار کے نقشِ قدم شیعہ ہدایت ہیں
یہ وہ منزل ہے جس کو مغفرت کا ارت کیسے
محسود کی نبوت دائرہ ہے نوری مدت کا
اسی کو ابتدا کہتے، اسی کو انتہا کہتے
غبارِ راہِ طیبہ سرمہ چشمِ بصیرت ہے
یہی وہ خاک ہے جس خاک کو خاکِ ثناء کیسے
ماہرِ اقلادی

ہے نرغہِ اعدا میں کہ تنہا بھی بہت ہے
دل کو تری رحمت پہ بھر دیا بھی بہت ہے
ہے کسی پیر کی چاہت کا ٹکنا نا بھی دلا میں
اور اُن کو ترے عشق کا دھوی بھی بہت ہے
وہ اُن کو مگر کوئی بشارت ہی کا موسم
دُکھ جن کے مقرر میں یہ لکھا بھی بہت ہے
کیوں کہ وہ کچھ پائیں ترے حق کو یاد میں
دل جن کا ہوس گردے میلا بھی بہت ہے
ٹک جائے قلمِ حرفِ ثناء پر میرا آ کر
ہر چند سخن کا یہ سلیقہ بھی بہت ہے
سمجھ نہ تو دیا دوست نہ نہیں کافی
گر کہو تو کڑی کا یہ ہالا بھی بہت ہے
بخشش کے یہ لائق نہیں تو پھر بھی کرم کر
نظرِ اکیلا بھی ہے پیسا بھی بہت ہے
نعمانِ نلدیق

ادگار



توبہ واستغفار کا بیان

دے گا جبکہ وہ بخشش مانگنے والے ہوں۔" (الاحقاف۔

(33)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور وہ لوگ جب کسی برائی کا ارتکاب کر لیتے ہیں یا اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو اللہ کو یاد کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ اور اللہ کے سوا کوئی

دن میں ستر مار

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔

"میں دن میں ستر مرتبہ سے نواہ اللہ سے استغفار کرتا اور اس کی طرف توبہ کرتا ہوں۔" (بخاری)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں اور وہ اپنے کیے پر جانتے ہوئے اصرار نہیں کرتے۔" (کل عمر لکھنؤ 1)

اس موضوع پر کثیر آیات ہیں اور مشہور ہیں۔

جلن ہے اگر تم گناہ نہ کرو تو اللہ تعالیٰ تمہیں ختم کر کے ایسے لوگ پیدا فرمائے گا جو گناہ کریں گے اور پھر اللہ سے استغفار کریں گے تو اللہ ان کو معاف فرمائے گا۔" (مسلم)

فوائد مسائل :

1۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ کو گناہ کا ارتکاب کرنا پسند ہے بلکہ اس انداز بیان سے اصل مقصد توبہ

بخشش طلب کرنے کا حکم اور اس کی فضیلت

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"آپ بخشش مانگیں اپنی لغزش کے لیے اور مومن عہدوں اور مومن عورتوں کے لیے۔" (محمد

(19)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اللہ سے بخشش مانگیں۔ بے شک اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا تمہایت مہربان ہے۔" (النساء 106)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"پس اپنے رب کی خوبیوں کے ساتھ اس کی پاکیزگی بیان کریں اور اس سے بخشش مانگیں بلاشبہ وہ خوب نپہ قبول کرنے والا ہے۔" (التحریم 3)

اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"پرہیزگار لوگوں کے لیے ان کے رب کے پاس یاغاث ہیں (اللہ تعالیٰ کے اس قول تک) اور رات کے آخری سہر میں استغفار کرنے والے ہیں۔" (قل عمران 15-18)

اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے۔

"جو شخص کسی برائی کا ارتکاب کرے یا اپنے نفس پر ظلم کرے پھر اللہ سے بخشش طلب کرے تو اللہ کو بہت بخشنے والا تمہایت مہربان پائے گا۔" (النساء 110)

نیز اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

"اور اللہ تعالیٰ تیری موجودگی میں ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے اور (اسی طرح) اللہ ان کو عذاب نہیں

سید الاستغفار

حضرت شہزاد بن اوس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”بندے کا یہ کما سید الاستغفار (استغفار کا سوا) ہے۔“

اللَّهُمَّ أَنْتَ ذِي الْإِلَهَةِ إِلَّا أَنْتَ خَلَقْتَنِي وَأَنْتَ عَبْدُكَ، وَأَنَا عَلَى عَهْدِكَ وَوَعْدِكَ مَا اسْتَطَعْتُ أَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّ مَا صَنَعْتُ، أَلْبِسْ لَوْنِي بِرَبِّكَ عَلَيَّ، وَأَلْبِسْ بَدَنِي بِكَ، عَاغِزِي، فَإِنَّهُ لَا يَغْنُرُ اللَّهُ كَذِبَ إِلَّا أَنْتَ ۝

ترجمہ: اے اللہ! تو میرا رب ہے۔ تیرے سوا کوئی معبود نہیں۔ تو نے ہی مجھے پیدا کیا اور میں تیرا بندہ ہوں اور میں جہاں تک طاقت رکھتا ہوں تیرے عہد اور وعدے پر قائم ہوں اور میں اپنے کیے ہوئے عمل کے شر سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ میں ان نعمتوں کا اقرار کرتا ہوں جو تو نے مجھ پر کیں اور میں اپنے گناہوں کا بھی اعتراف کرتا ہوں۔ چنانچہ تو مجھے معاف کر دے۔ بے شک تیرے سوا کوئی گناہوں کو معاف کرنے والا نہیں۔“

جو شخص یہ دُکلات استغفار کو ان میں دل کے یقین کے ساتھ پڑھے اور شام ہونے سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جنتی ہے اور جو اسے یقین کے ساتھ رات کو پڑھے اور صبح ہونے سے پہلے اسے موت آجائے تو وہ جنتی ہے۔ (بخاری)

فوائد مسائل :

1۔ اس میں استغفار کے کچھ آداب بیان کیے گئے ہیں مثلاً اللہ کی ذات و صفات پر کامل اعتماد یقین۔ اللہ کی نعمتوں کا اقرار و اعتراف اور اس کے مقابلے میں اپنی کوتاہیوں کا اعتراف اور بارگاہ الہی میں عاجز و نیاز کا اظہار وغیرہ۔ یہ دعا ان تمام باتوں کو جامع ہے اس لیے اسے استغفار کا سید (سوار) قرار دیا گیا۔

و استغفار کی اہمیت کو واضح کرنا ہے کیونکہ گناہ تو ہر انسان سے ہوتا ہے، کوئی انسان گناہوں سے پاک یا محفوظ نہیں۔ لیکن اللہ کو وہ لوگ پسند ہیں جو گناہ کر کے اس پر اڑتے نہیں ہیں بلکہ توبہ و استغفار کا اہتمام کرتے ہیں اور اللہ کی بارگاہ میں گزر جاتے ہیں۔ توبہ و استغفار سے بندے کا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس لیے یہ بہت پسندیدہ عمل ہے۔

استغفار

حضرت امین عمر رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ایک جگہ میں سو مرتبہ (یہ استغفار کہتے ہوئے) شمار کرتے

رَبِّ اغْفِرْ لِي وَتُبْ عَلَيَّ إِنَّكَ أَنْتَ

الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝

اغلنی و تب علی۔
”اے اللہ! مجھے بخش دے، مجھ پر رحم فرما۔ بے شک تو بہت رحم فرماتے والا، اہمیت مہیا ہے۔“
(اسے ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا ہے۔ اور امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث مسنن صحیح ہے۔)

فوائد مسائل :
1۔ اس سے دعا کا ایک سبب یہ معلوم ہوا کہ دعا کے مطابق اللہ کے صفاتی نام استعمال کیے جائیں جیسے توبہ استغفار میں اس کی صفت توبہ و اہمیت اور صفت بخوری و رحیمی کا اور دنیا کے معاملات میں اس کے جواد و کریم اور معطی و غیور ہونے کا ذکر کیا جائے۔

ہر غم سے نجات

حضرت امین عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”جو شخص استغفار کی پابندی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہر شے سے نکلنے کا راستہ عطا کرے اور ہر غم سے اسے نجات عطا کرتا ہے اور اسے ایسی جگہ سے رد کر دیتا ہے جہاں سے اس کو گمان بھی نہیں ہوتا۔“
(ابوداؤد)

صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل بھی ہو جاتا ہے۔
معافی

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ "اے ابن آدم! جب تک تو مجھے پکارتا رہے گا۔ اور مجھ سے امید و ہمت رکھے گا تو تو جس حالت پر بھی ہو گا میں تجھے معاف کرنا رہوں گا اور میں کوئی پروا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تیرے گناہ آسمان تک پہنچ جائیں پھر تو مجھ سے معافی طلب کرے تو میں تجھے بخش دوں گا اور میں کوئی پروا نہیں کروں گا۔ اے ابن آدم! اگر تو نشن بھر گنہگاروں کے ساتھ میرے پاس آئے پھر تو مجھے اس حال میں ملے کہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ لیا ہو تو میں بھی اتنی مغفرت کے ساتھ تجھے ملوں گا جس سے زمین بھر جائے۔" (اسے ترمذی نے روایت کیا ہے اور کہا ہے یہ حدیث حسن ہے۔)

قوائد و مسائل : اس میں گناہ گاروں کے لیے خوش خبری ہے۔ لیکن کون سے گناہ گار؟ جو گناہوں پر اصرار نہیں کرتے اور پچھلے سے توبہ کر کے اللہ سے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں۔ گناہ کتنے بھی زیادہ ہوں اللہ کی مغفرت و رحمت اس سے بھی زیادہ وسیع ہے لیکن شراباوی سے جو قرآن سننے بیان کی بات کہ وہ گناہ پر اصرار نہ کرے کیونکہ اصرار کے ساتھ توبہ و استغفار ایک بے معنی فعل ہے۔ جب انسان نے گناہ چھوڑا ہی نہیں ہے بلکہ وہ مسلسل اس کا ارتکاب کر رہا ہے تو

اس کی پابست اللہ سے یہ کہنا کہ یا اللہ مجھے معاف کر دے۔ ایک عجیب بات ہے بلکہ اللہ سے مذاق ہے اس لیے ابن احباب سے یہ سمجھ لینا کہ محض زبان سے استغفار اللہ بڑھ لینے سے ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہ معاف ہو جائے گا بھولنی ہے کیونکہ استغفار اللہ پر حنا تو نہیں ہے صرف ایک درخواست اور دعا ہے جسے اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق رد یا قبول فرماتا ہے جب کہ

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (سلام پھیر کر) اپنی نماز سے فارغ ہوئے تو تین مرتبہ استغفار فرماتے اور یہ دعا پڑھتے۔

اَللّٰهُمَّ اَنْتَ السَّلَامُ وَ مِثْلُ السَّلَامِ
تَبَنَّاكَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالْاِكْرَامِ

"اے اللہ! تو سلام ہے اور سلامی تیری ہی طرف سے ملتی ہے۔ اے عزت و جلال کے مالک! تو بڑی برکتوں والا ہے۔"

استغفار

حدیث کے راویوں میں سے ایک راوی امام ابو ذری سے پوچھا گیا آپ استغفار کیسے کرتے تھے انہوں نے کہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے استغفر اللہ استغفر اللہ میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔ میں اللہ سے بخشش مانگتا ہوں۔ "(مسلم)

قوائد و مسائل :
1۔ سلام پھیرنے کے فوراً بعد مذکورہ دعا پڑھنا مستنون عمل ہے۔ اس مستنون دعا کو چھوڑ کر اللہ اللہ اللہ کاوردیا صلاۃ و سلام وغیرہ پڑھنا اور بھی جائز و بلند سنت رسول سے انحراف ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی وفات سے قبل یہ کلمات کثرت سے پڑھتے تھے۔

سبحان اللہ و بحمدہ۔ "اے اللہ! میں تیری پاکیزگی بیان کرتا ہوں تیری خوبیوں کے ساتھ۔ میں تجھ سے معافی کا طلب گار ہوں۔ اور تیری بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں (بخاری و مسلم)

قوائد و مسائل :
1۔ ویسے تو ہر وقت اور ہر وہی توبہ و استغفار کا اہتمام ضروری اور بہتر ہے لیکن زندگی کے آخری ایام میں تو بالخصوص اس کی بہت ضرورت ہے اور اس طرح نماز

توبہ یہ ہے کہ انسان گنہگار کے ارتکاب سے باز آجائے۔
پھر اس پر بارگاہ فیسی میں خدمت کا اہتمام کرے اور محل
میں یہ عزم رکھے کہ آئندہ اس گنہگار کا ارتکاب نہیں
کروں گا۔ اس قسم کی توبہ اللہ تعالیٰ ضرور قبول فرماتا
ہے اور کوئی اور دلیل نہ ہوتی اس کی مغفرت یعنی ہے۔

صدقہ اور استغفار

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ
کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
”اے عورتوں کی جماعت! صدقہ کیا کرو اور کثرت
سے استغفار کیا کرو“ اس لیے کہ میں نے جہنم میں
اکثریت عورتوں کی دیکھی ہے۔

تو ان میں سے ایک عورت نے کہہ ”اے اللہ کے
رسل! ہم عورتوں کے زیادہ جہنمی ہونے کا سبب کیا
ہے؟“

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا“ تم لعین طعن
زیادہ کرتی ہو اور خاوند کی ناشکری کرتی ہو۔ میں نے
عقل اور دین میں ناقص ہونے کے بلکہ خود تم عورتوں
سے زیادہ عقل مند پر غالب آجائے والا کوئی نہیں
دیکھا۔“

اس نے پوچھا ”ہمارے اندر عقل اور دین کی کیا کمی
ہے؟“

”آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا“ نقصان عقل تو
یہ ہے کہ دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے
(پس یہ عقل کی کمی کی دلیل ہے)۔ اور (نقصان دین
میں) کہ نماز نہیں پڑھتی (مصلحان میں روزہ نہیں
رکھتی یہ نقصان دین ہے)۔“ (مسلم)

فوائد مسائل : اس حدیث میں عورت کی
ایک فطری کمی ”نقصان عقل“ بیان کی گئی ہے یعنی مرد
کے مقابلے میں اس کے اندر عقل کی کمی ہے۔ اس کا
 لحاظ کرتے ہوئے شریعت نے عورت کی گواہی کو مرد کی
گواہی کے مقابلے میں تو حاق قرار دیا ہے۔ یہ ایسے ہی
ہے جیسے عورت مرد کے مقابلے میں جسمانی اعتبار سے

کنویر اور نازک ہے اور اسی جسمانی نزاکت کے پیش
نظر شریعت اسلامیہ نے اسے کسب معاش کی ذمہ
داریوں سے قاصر رکھا ہے کیونکہ اس کے لیے اسے
گھر سے باہر نکل کر جدوجہد کرنی پڑتی ہو اس کی جسمانی
نزاکت اور دیگر مقاصد شریعت کے خلاف بات تھی۔

مغرب میں جو مسلمات مرد و زن کا سب سے بڑا علم
بمذہب ہے سو سالہ جدوجہد کے بعد بھی عورت مرد کے
مسوا کی درجے پر فائز نہیں ہو سکی۔ وہاں آج بھی تمام
کلیدی عہدوں پر مردوں ہی کا قبضہ ہے۔ لیکن تمام
اہم ملکی دین الاقوامی بالیسیاں مرد ہی چلاتے ہیں اور ان
کے تمام ضروری معاملات میں مردوں ہی کا غلبہ دخل
ہے۔

اس لیے اس کی عزت اسی میں ہے کہ اسلام نے
اس کی فطری کنویری کے پیش نظر اس کا جو دائرہ عمل
تجویز کیا ہے وہ اسے قبول کرے اور اپنی سرگرمیوں کا
 دائرہ اسی فطری حد کے اندر محدود رکھے۔ اس سے
تجلیوز کر کے وہ اپنے نسوانی عظمت و وقار پر بھی ضرور
ہو جائے گی جیسا کہ آج مغرب کی عورت غلام ہو چکی
ہے۔

عورتوں کو کثرت سے استغفار اور صدقہ کرنے کے
 علاوہ ”خاوندوں کی ناشکری اور غیبت و بدگواہی اور لعین
طعن سے بھی اجتناب کرنا چاہیے تاکہ وہ جہنم کا
ایہ من بننے سے بچ جائیں۔

دل اور اعمال

”حضرت ابو ہریرہ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ
عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
نے فرمایا۔

”اللہ تعالیٰ تمہارے جسموں اور تمہاری صورتوں
کو نہیں دیکھتا بلکہ وہ تمہارے دلوں اور عملوں کو دیکھتا
ہے۔“ (مسلم)

فائدہ :

1۔ اس حدیث سے بھی اخلاص اور تصبیح نیت کی

اہمیت واضح ہے اس لیے ہر نیک عمل میں اس کا اہتمام ضروری ہے اور دل کو ہر اس چیز سے صاف رکھنا چاہیے جس سے وہ عمل پر بار ہو سکتا ہے جیسے ریا کاری اور نمود و نمائش کا جذبہ یا دنیا کا لالچ یا اسی قسم کے اور غلیظ مقاصد تاہم دلوں کا جلیں چونکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے اس لیے اعمال کی اصل حقیقت قیمت والے دن ہی واضح ہوگی جب کہ لفظ تعالیٰ کی بارگاہ سے بھیجا یا برا بدلہ ملے گا دنیا میں انسان کے ساتھ اس کے ظاہری اعمال کے مطابق ہی معاملہ کیا جائے گا اور اس کی باطنی کیفیت کو اللہ کے سپرد کر دیا جائے گا۔

نیک بیوی

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے "مومن کو اللہ کے تقویٰ کے بعد نیک بیوی سے بہتر کوئی چیز نہیں مل سکتی۔ (ایک بیوی کہ) جب وہ اسے کوئی حکم دے تو وہ اس کی تعمیل کرے جب اس کی طرف نظر اٹھا کر دیکھے تو اسے خوش کر دے اگر اسے کوئی قسم دے تو وہ قسم پوری کر دے اگر وہ اس کی نظروں سے اوچھل ہو (سفر وغیرہ میں چلا جائے) تو اپنی ذات کے بارے میں اور اس کے مال کے بارے میں اس سے غفلت رہے (خیانت نہ کرے)۔"

دین والی عورت سے نکاح کرنا

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

1۔ "عورتوں سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے (کسی سے) اس کے مال کی وجہ سے (کسی سے) اس کے حسب و نسب کی وجہ سے (کسی سے) اس کے حسن و جمال کی وجہ سے (کسی سے) اس کی دین داری (اور نیکی) کی وجہ سے۔ تو دین دار عورت (کے حصوں میں لکڑی کا میاب ہو جا۔ تیرا بھلا ہو۔"

فوائد و مسائل :

1۔ نکاح کا مطلق زندگی بھر کے لیے ہوتا ہے اس لیے زندگی کا ساتھی تلاش کرنے میں کوشش کی جانی ہے کہ وہ ایسا فرد ہو جس کے ساتھ زندگی خوش گوار ہو جائے۔

2۔ اچھی بیوی یا اچھے خاوند کی خواہش ایک جائز خواہش ہے تاہم اس انتخاب کا معیار درست ہونا چاہیے۔

3۔ اکثر لوگ ظاہری چیزوں کو بغضیت کا معیار سمجھتے ہیں۔ بہت سے لوگ مل دار خاندان میں شادی کرنا پسند کرتے ہیں تاکہ ان کی دولت میں حصہ دار ہو سکیں، حالانکہ دولت واقعی چھلوس ہے۔ امیر آدمی دیکھتے دیکھتے مفلس ہو جاتے ہیں اور غریب آدمی کے دن بھر جاتے ہیں اور اسے دولت حاصل ہو جاتی ہے اس لیے دائمی تعلق قائم کرنے کے لیے یہ معیار قابل اعتماد نہیں۔

4۔ بہت سے لوگ معزز خاندان میں رشتہ کرنا پسند کرتے ہیں لیکن ضروری نہیں کہ دنیا میں معزز سمجھے جانے والے خاندان کا ہر فرد اخلاق و کردار کے لحاظ سے بھی اعلیٰ ہو۔

5۔ اکثر لوگ ظاہری حسن و جمال پر فریفتہ ہوتے ہیں لیکن یہ معیار انتہائی ناقابل اعتماد ہے کیونکہ عمر گزرنے کے ساتھ ساتھ حسن میں کمی ہوتی چلی جاتی ہے۔

6۔ اصل قابل اعتماد معیار نیکی اور تقویٰ ہے۔ نیک بیوی غریبی میں بھی باوقار رہتی ہے اور اہلثروت میں مغرور ہو کر خاوند کی توہین نہیں کرتی اور مجھے خاندان کی عورت میں اکثر نفرت و تکبر کی بدعات پائی جاتی ہے اور وہ اپنے خاوند پر حکم چلانے کی کوشش کرتی ہے جس کی وجہ سے خاوند اور بیوی میں محبت پیدا نہیں ہو پاتی جو خوش گوار زندگی کے لیے ضروری ہے لیکن نیک بیوی جو خاوند کے حقوق و فرائض سے اٹھنے والی ہے اور اپنے خاندان کی ہوا و آبی خاندان کی کمر کو جنت بنا دیتی ہے۔

جنید خان بستر ڈاکٹر آمنہ خاتون

شاپین کشید

گپ شب لگائی۔ ہم دونوں نے بھی ایک دوسرے سے بات چیت کی اور پھر میں نے اسی سے کہا کہ آپ باقاعدہ رشتہ بنج دیں۔

”یعنی پہلی ملاقات میں ہی آمنہ مل کو بھانجیں؟“
”ہاں جی۔ پہلی کے لحاظ سے ایک بیوی میں جو خوبیاں ہونی چاہئیں وہ سب مجھے آمنہ میں نظر آئیں۔ پروگرامیٹر“ علیم یافتہ ہے“ ڈاکٹر ہے اور اب اپنی آنکھ ڈی

بھی کر رہی ہے۔ ڈیپنڈنسی ہے والد کا قتل ہو چکا ہے۔ دس چار سال پہلے کر رہی ہے ان کا تعلق تھا تو ایک ملاقات سے آجیڈیل فیملی تھی۔

”مفتی کتا عرصہ رہی اور ملاقاتیں ہوئی تھیں؟“

”مفتی کم عرصہ ہی رہی کیونکہ حسب بات کی ہوئی تو دس مہینے کے بعد 20 جولائی 2010ء کو ہمارا نکاح ہو گیا اور 13 ستمبر کو رخصتی ہو گئی اور جیسے میری خالہ بھی اسلام آباد میں ہی رہتی ہیں تو جب ان کے ہاں جانا ہوتا تھا تو ان سے ملاقات بھی ہو جاتی تھی۔ اور گپ شب بھی ہوتی تھی تاکہ ایک دوسرے کے مزاجوں کو سمجھ سکیں۔“

”کہتے ہیں کہ مفتی کا پریرہ جاننے لور رکھنے کا ہوتا ہے مگر جب نکاح ہو جاتا ہے تو بیگم کیسی بھی ہو قبول کر لیا کرتا ہے۔“

”نکاح سے پہلے بھی ہماری گپ شب ہوتی تھی۔ مفتی لور نکاح کے دوران بھی دس مہینے تھے تب بھی اچھی طرح سمجھ لیا تھا اور نکاح کے بعد تو پھر احساسات و جذبات انگ ہو جاتے ہیں۔ نکاح کے فوراً بعد ہی دوسرے داری کا احساس بھی ہونے لگتا ہے۔

شادی کے معاملے میں پروفیشنل لوگوں کا اپنی ہی ایک رائے ہوتی ہے۔ پڑھی لکھی بیوی کی ڈیمانڈ کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اپنے ہی پروفیشن کی بیوی چاہتے ہیں تاکہ گھر میں لڑائی جھگڑے سے بچے رہیں جبکہ کچھ لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ ایک ہی پروفیشن کے میاں بیوی مسائل کو جنم دیتے ہیں۔ مگر ہم کہتے ہیں کہ ساری بات نصیب کی ہوتی ہے۔ ہو شرکاء۔ سفر رب نے تب کی زندگی میں لکھ دیا ہے وہی ہوتے ہیں۔

بندھن کے سلسلے میں اس بار مجھے ”جنید خان“ جن کی بیگم ڈیپنڈنسی ہیں۔ دونوں کے پروفیشن الگ بھی مشکل بھی مگر کس طرح چلتا ہے۔ آئیے دیکھتے ہیں۔

جنید کے بارے میں تب کو بتائیں کہ ان کا پورا نام جنید خان نیازی ہے۔ 2 نومبر 1981ء کو ملتان میں پیدا ہوئے۔ اسٹار ان کا استاد ہو رہے اور تعلیمی قابلیت ایم بی اے ہے۔ جنید خان کے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور فن کا شہر میرا ہے۔

”کیسے ہیں اچھے۔ اور یہ بتائیں کہ آمنہ صاحبہ سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی اور کیا آپ کی لومینج ہے؟“

”نہیں جی۔ ہماری لومینج نہیں ہے۔ ٹوٹل لومینج میرج ہے اور میرے خالو کے ایک فیملی فرینڈ کی بیٹی ہیں میری بیگم۔ اور اسی کی طرف سے گیا تھا میرا رشتہ۔ پھر ملاقات کا احوال یہ ہے کہ میری بیٹی نے بتایا کہ فلاں فلاں لڑکی ہے تم ملاقات کرو ہماری فیملی کی ملاقات اسلام آباد میں ہوئی۔ میں نے آمنہ کے گھر والوں سے گپ شب لگائی اور میری بیٹی نے آمنہ کی امی سے

ہے۔ جانتی ہے کہ اسے اپنے شوہر اور بچے کو بھی ماتم دینا ہے۔ آسنے والے مسافروں کی توجہ بھگت بھی کرتی ہے۔ میں تو اس کے حق میں ہوں کہ عورت نے جس پروفیشن میں پڑھائی کی ہو اسے جاری رکھے اور شادی کے بعد اسے کٹ آف نہیں کرنا چاہیے۔

”کیا شادی یہ سوچ کر کی گئی کہ میں کسی بھی لیلہ کی ایک پروفیشنل لڑکی سے شادی کروں گا؟“

”نہیں۔ ایسا کچھ نہیں سوچا تھا میں تو مکمل طور پر قسمت پر یقین رکھنے والا انسان ہوں اور اللہ نے جس کے ساتھ میرا جوڑ بٹھا مجھے اس پر یقین ہے اور میں اپنی زندگی میں بہت خوش ہوں۔ اس لیے ضرور سوچا تھا کہ والدین کی عزت کرنے والی مہنہ زور والی سوبرس ہو۔“

”شوہن کی فیلڈ سے کسی لڑکی کا انتخاب کیوں نہیں کیا اور لوہیج کو ترجیح کیوں نہیں دی؟“

”یہ تو خیر میں نے سوچ رکھا تھا کہ اپنی فیلڈ میں شادی نہیں کرنی اور یہ میرا مشاہدہ تھا کہ اپنی فیلڈ میں شادی کرنے کا نقصان زیادہ ہے فائدہ کم ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ چاہے وہ آپ کا لائف پارٹنر ہی کیوں نہ ہو اسے ضرور الیہس چاہیے ہوتا ہے اس لیے اگر میں یو کی ایک ہی پروفیشن کے ہوں گے تو ایک دوسرے میں کھسے ہی رہیں گے۔“

”کیا دل چاہتا ہے کہ ایک دوا بیتی یو کی طرف آئے آپ کا ہر کام کرے ہر طرح سے خیال رکھے؟“

”میرا خیال ہے کہ یہ خواہش تو ہر عورت کی ہوتی ہے اور میں خوش قسمت ہوں کہ تمہیں میرا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ کوکنگ بھی کرتی ہے۔ گھر کو بھی سنبھالتی ہے۔ اس لحاظ سے وہ ایک مکمل یو کی ہے۔ تمہیں کو پاکستانی اور کلاسیک ٹینل ڈشیز بھی پکال آتی ہیں۔“

”ہیکم کی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں۔ میاں یو کی میں شروع میں بہت زیادہ ہوتی ہے یا بعد میں؟“

”میرا نہیں خیال کہ اس کی کوئی عادت ایسی ہے جو مجھے ناپسند ہو۔ ہلکی پھلکی عادتیں تو ہوتی ہیں مگر ان کو

لوہر در میاں میں تھوڑی مس انڈر اسٹینڈنٹ بھی ہوتی ہلکی پھلکی مگر شکر ہے کہ ایسا کچھ نہیں ہوا کہ ہمیں بچھڑانا پڑا ہو۔ ہر انسان پر ایک کٹ نہیں ہوتا اور ہر انسان وہ سرے کی لمبیدوں پر پورا بھی نہیں اتر سکتا تو ہلکی پھلکی لالائی میں گھبرا نہیں چکا ہے۔“

”سرال سے تعلقات کیسے ہیں؟ اور آمنہ کو مزاج کا کیا پایا آپ نے؟“

”آمنہ تین بھائیوں کی اکلوتی بہن ہے اور سرال والوں سے میرے تعلقات بہت اچھے ہیں۔ ان کے بھائیوں سے میرا مزاج کافی ملتا ہے اور اچھا وقت گزارتا ہے اور جہاں تک مزاج کی بات ہے تو ہر انسان کا مزاج نرم گرم تو ہوتا ہے مگر اسے اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہے۔ دماغی طور پر بھی ہے۔ تعلیم یافتہ بھی ہے تو اس کی اپنی رائے بھی ہوتی ہے۔ مگر ہم جو کام کرتے ہیں باہمی مشورے سے ہی کرتے ہیں۔ نرم مزاج بہت ہے۔“

”بہت محبت کرنے والی اور بہت خیال رکھنے والی ہیکم ہے میری۔ بچھڑاؤ والا غصہ ہے مگر جلدی اتر جاتا ہے اور غم تو ہر انسان کو آتا ہے۔“

”ایک بیٹا بھی ہے تب کا تقریباً تین ماہ کا بیٹہ ڈاکٹر ہے ڈاکٹر اسٹریٹ نہیں ہوتا؟“

”جب ہمارے بیٹے لے ہونا تھا تو ہیکم نے جاب سے ہریک لے لیا تھا اور بیٹے کی پیدائش کے بعد اس نے جاب چھوڑ دی ہے۔ کیونکہ وہ اپنی ایج ڈی بھی کر رہی ہے اور اپنی ایج ڈی کے بعد ہمارا بیٹا بھی تھوڑا سا بڑا ہو چکا وہ کاسٹل جاب دوبارہ شروع کر دے گی۔“

”جب کرنے والی یو کی کو اپنی کمائی کا پورا زعم ہوتا ہے کہ میں خود کماتی ہوں۔ اس لیے ہر کام میں عموماً ہاتھ بٹانا چاہیے۔ یا یہ کہ میں مصروف ہوں آپ اپنے کام خود کریں ایسا ہے؟“

”سکراتے ہوئے۔“

”دیکھیں! جب عورت خود مختار ہوتی ہے تو تھوڑا بہت رعب یا زعم آتا تو لازمی ہے۔ لیکن میری ہیکم میں ایسا کچھ نہیں ہے۔ وہ گھر گرہ ہستی والے کام بھی کرتی



نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔ میاں بیوی میں احترام کا عنصر

بھی زیادہ ہونا چاہیے۔

”عورت یا بیوی اپنے شوہر سے کیا چاہتی ہے اور

مرد کیا چاہتا ہے کہ لڑکی خوب صورت ہو؟“

”لڑکی کا خوب صورت ہونا تو ضروری نہیں، لیکن

خوب سیرت ہونا چاہیے اور دیگر خصوصیات بھی ہونی

چاہئیں۔ عورت کو مرد میں ایک طاقت چاہیے ہونی۔

ہے ایک گہرائی چاہیے ہونی ہے اس کے حق کے

لیے لڑنے والا شوہر چاہیے ہو تاکہ اور شوہر کو وہ ایک

کامیاب مرد کی حیثیت سے دیکھنا چاہتی ہے۔ اسی

طرح مرد کو بھی ایسی ہی اچھی خصوصیات چاہیے ہونی

چاہیے۔“

”شادی کی صحیح عمر کیا ہونی چاہیے۔ مرد کی اور

عورت کی؟“

”مرد کی 28، 29 سال ہونی چاہیے۔ جبکہ

لڑکی جب کافی طور پر مدھور ہو جائے اس کی شادی

ہو جانی چاہیے۔ ہم میاں بیوی میں عمر کا ایک نہیں

ہے تقریباً برابر ہی ہیں اور میری شادی بھی ناگم پری

”مرد کے ہاتھ میں اللہ نے پاور دی ہے۔ غصہ، تباہ

تین لفظ بولے اور غاص کر دیا۔ تو اس کے ہوتے میں

آپ کیا نہیں مگے۔ یہ آٹا، ٹانا“ میں جو طلاق دو ہائی

ہے تو کیوں ہوتی ہے؟“

”طلاق بہت بڑی چیز ہے اور ایسا ہونا نہیں

چاہیے۔ وہ انسان مکمل طور پر ایک دوسرے کو اندر

اسٹینڈ نہیں کرتے۔ مرد نے اپنے حساب سے اپنے

ماحول میں زندگی گزار رہی ہوتی ہے۔ عورت کا اپنا ایک

ماحول ہوتا ہے۔ مگر یہ کوئی ایسا مسئلہ نہیں کہ جس کی

وجہ سے طلاق ہوتی ہے۔ میں تو کہتا ہوں کہ طلاق کا

کٹھن ہوتا ہی نہیں چلے ہے۔ آپشن ہوتا ہے تو نوک

لینے کا سوچتے ہیں اور ایک دوسرے کی غائبی کو

پرداشت نہیں کرتے۔ اگر یہ آپشن نہ ہو تو نوک یعنی

میاں بیوی ایک دوسرے کو پرداشت کر رہے کے طور

پرداشت تو کرنا پڑتا ہے۔ پر لکھت جوڑ کوئی نہیں

ہوتا۔“

”مسٹر مل نزدیک ہونا چاہیے یا دور؟ کیا فرق کچھ

”جی آئمہ صاحب! ایسی گزر رہی ہے لائف؟“
 ”جی ہاں! آئمہ مست! آہی۔“

”آپ دونوں کی اور ملاقاتیں ہیں؟“
 ”کیسے گئے تھے جنید؟“

”بہت سارے بہت اچھے دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ ان میں کوئی غم نہیں ہے۔“

”جب بتا ہوا کہ ایک معروف آرٹسٹ سے شادی ہو رہی ہے تو کیا احساسات تھے آپ کے؟“

”کچھ خاص نہیں۔ بس یہی کہ فیصلہ لائف ہو گی کہ نہیں ہاں ایک ساتھ محو مہر کیسے یا نہیں۔ مگر

اللہ کا شکر ہے کہ ایسی کوئی مشکلات پیش نہیں آئیں۔“

”شادی کے بعد جنید کو کیا پایا؟“
 ”سوچا تو اچھا تھا لیکن سوچ سے کہیں زیادہ اچھا پایا

انہیں۔“
 ”تاہل میں کتنا فرق تھا۔ یعنی آپ کے گھر اور ان

کے گھر کے؟“
 ”جی بات کہوں تو ان کے گھر اور ہمارے گھر کے

ماحول میں کوئی زیادہ فرق نہیں تھا۔ تھوڑا بہت فرق تو اپنے بہن بھائیوں کے ماحول میں بھی ہوتا ہے تو ایسا

کچھ خاص فرق نہیں لگا۔“
 ”کون سی رسمیں انجوائے کیں اور کس میں

بوریت ہوئی؟“
 ”رسمیں اتنی ہوئی ہی نہیں۔ ہاں ہماری طرف

سے جو رسمیں تھیں ان میں مجھے بہت مزا آیا تھا اور یقیناً انہوں نے بھی انجوائے کیا ہو گا۔“

”منہ دکھائی میں کیا ملا تھا اور ہلی مہون کے لیے کہاں گئے تھے آپ دونوں؟“

”منہ دکھائی میں انہوں نے مجھے گولڈ کاہرسلٹ دیا تھا اور ہلی مہون کے لیے ملائیشیا اور دبئی گئے تھے اور

انجوائے کیا تھا۔ اور گارڈن تھا ہمارا۔“
 ”مکاح اور رخصتی کے وقت کیا احساسات تھے

لوگوں کا خیال ہے کہ دور ہونا چاہیے۔ نزدیک ہو تو لڑکی کو ہر وقت میٹھا یاد دلاتا ہے۔“

”میرا سسرال تو اسلام آباد میں ہے اور میں تو اس بات کا کامل ی نہیں ہوں کہ بیوی کو میٹھا نہ جانے

دون میں تو اپنی بیوی کو کھلی چھٹی دے دیتا ہوں کہ جب دل چاہے چلی جائے کیونکہ جب لڑکی سسرال آتی

ہے تو ایک نئے سیٹ اپ میں آتی ہے اور اس کو ٹائم لگتا ہے ایڈجسٹ ہونے میں تو اگر وہ اپنے میٹھے چلی

جائے تو اسے سانس لینے کا تھوڑا موقع مل جاتا ہے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ بیوی کو سسرال میں ہی رکھو تاکہ وہ

ایڈجسٹ ہو سکے مگر میں ان باتوں کو نہیں مانتا سب سیٹ ہو جاتا ہے بے شک ٹائم لگتا ہے۔“

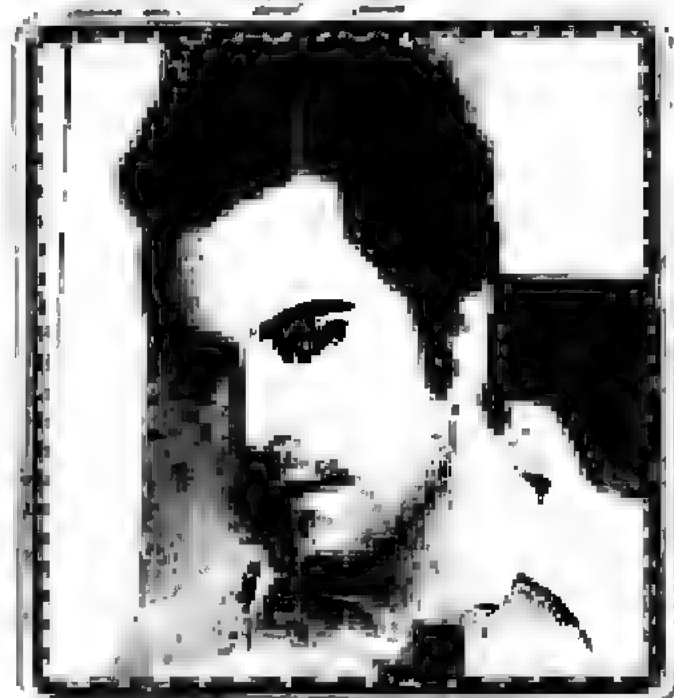
”اس انٹرویو کے ذریعے اپنی بیگم کو کچھ کہنا چاہیں گے جو آپ آج تک اس کے منہ پر نہ کہہ سکے

ہوں؟“
 ”نہیں لیا کچھ نہیں ہے جو کچھ بھی کہنا

ہوتا ہے ہم ایک دوسرے کے سامنے ہی کہہ دیتے ہیں اور ہمت نہ ہوتی کہ انسان سامنے کہہ دے بجائے

اس کے کہ کسی دوسرے بندے کے ذریعے گئے شکوے آ رہے ہوں۔“

آئمہ جنید خان



تو؟
 ”مجھے اندازہ ہے کہ وہ ایسا نہیں کریں گے کیونکہ
 جنید مجھ سے بہت خوش ہیں اور مجھ سے بہت محبت
 کرتے ہیں۔“
 ”لورہ یہ آخری سوال کہ شادی کی رات کمرے میں
 آکر پہلا جملہ کیا بولا تھا آپ سے؟“
 ”شاید سلام کیا تھا۔ ٹھیک سے یاد نہیں۔ شادی
 کی رات لورہ ہنگاموں میں اتنی تھکاوٹ لگ جاتی ہے
 کہ کچھ ٹھیک طرح سے یاد ہی نہیں رہتا۔“
 لورہ اس کے ساتھ ہی ہم نے بس جوڑے سے
 اجازت چاہی اس شکر یہ کہ ساتھ کہ انہوں نے ہاں
 دیا۔



ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
 سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

لطیف کلامی



فاخرہ جبین

قیمت: 400 روپے

فون نمبر:

32735021

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

37، لورہ بازار، اسلام آباد

آپ کے؟
 ”نکاح کے وقت میں تو بہت روٹی تھی۔ دولت کی
 شاید ایسا ہوتا ہے لورہ رخصتی کے وقت بھی ایسی ہی
 کیفیت تھی بہت اداس تھی اور ہڈ پاتی ہو رہی تھی
 اور شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ میں اپنے والدین کی
 آنکھوں میں اور تین بھائیوں کی ایک ہی ہنس ہوں تو
 لاڈل کی بہت تھی اور ابھی بھی مست لگتی ہوں۔“
 ”جنید کو تب کس روپ میں اچھی لگتی ہیں؟ اسلام آباد
 میں یا نئی دہلی؟“
 ”میں اسیں سلام کی میں ابھی لگتی ہوں بس
 آنکھوں میں صرف کا غلنگانان کو اپنا لگتا ہے۔“
 ”آپ کی جاب جنید کی فیلڈ لورہ پر مشورہ ہے۔ لائف
 ڈسٹریب ہوئی ہے؟“
 ”نہیں۔ جاب نے تنگ نہیں کیا کیونکہ جب جنید
 نہیں ہوتے یہاں تو اپنے آپ کو مصروف رکھنے کی وجہ
 سے جاب کرتی ہوں ورنہ مشکل ہو جاتا ہے گھر کے بغیر
 مٹم گزارنا۔“
 ”اسلام میں چار شادیوں کی اجازت ہے اگر کرلی

ایک شعلہ اگست 2014 21

عید۔ محبت خوشی شانانی کا دن 'فرائض کی ادائی کے بعد قدرت کا انعام اور تحفہ۔ تمام گلے شکوے دور کر کے محبت اور دوستی کے اظہار کا دن۔ تمام دنیا کے مسلمانوں کا یہ تہوار اپنے اندر عیوب و عیبت شکرگزاری اور خوشیوں کے ہزاروں رنگ سمیٹے ہوئے ہے۔

عید کے ساتھ جڑی خوب صورت روایتیں اس تہوار کو دلکش اور حسین بناتی ہیں۔ عید کے دن خصوصی اہتمام کیے جاتے ہیں۔ خصوصاً خواتین اور لڑکیوں کی تیاری تو خستہ ہونے کا نام ہی نہیں لیتی۔ مندی کے دن قریب نقش و نگار سے سجے ہاتھ ٹھانیوں میں دھکتی ٹانگ چڑیاں خوش رنگ بلوسات۔ عیدی لینا اور عیدی دینا ہماری خوب صورت روایتیں ہیں۔

اس بار شعل کا سالگرہ نمبر عید کے موقع پر آ رہا ہے۔ اس لیے قارئین سے سروے سالگرہ نمبر اور عید کے حوالے سے یہ سوالات یہ ہیں۔

- 1۔ چاند رات کو آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں اور عید کا دن کیسے گزارتی ہیں؟
 - 2۔ سو دنوں کی ڈسٹ ہے جو عید کے دن آپ کے ہاں الٹنی پٹنی اور سب سے پسند کرتے ہیں؟
 - 3۔ شعل میں شائع ہونے والی آپ کی پسندیدہ مصنفین اور وہ آپ کو کیوں پسند ہیں؟
 - 4۔ اس سال شعل میں شائع ہونے والی غریبوں میں آپ کا پسندیدہ جملہ شعر یا اقتباس؟
- آئیے دیکھتے ہیں ہماری قارئین نے ان سوالات کے کیا جوابات دیے ہیں۔

رنگ چنے لگیں صبا طہر جان

آراہ

سمرت الخلف احمد۔ کراچی

گلشن ہوں اسی لیے میری جیولری اورینٹل اور ایک لب ہر ایک چیز پر قیامت ادائی ہے۔ ابو اور امی سے عید ملنے کے بعد ایک دو صبر سے عید ملتے ہیں لہذا اور ابو سے من مانی عیدی وصول کرتے ہیں۔

بھائیوں کو کھانا اور کپڑوں کے ساتھ انجوائے اور مستی کرنے میں گزار جاتا ہے۔ آپ کہ دو سرائوں شاندار روایت کو برقرار رکھتے ہوئے دلدار ابو سے عید ملنے جاتے ہیں تیسرے دن دانی کے کھد با کھلا کرتے ہیں غرض کہ عید کا دن میرے لیے بہت سی خوب صورت اور منفرد ہوتا ہے۔

2۔ عمو! ہمارے گھر عید کے دن امی چکن بریانی بناتی ہیں لیکن یہ عام بریانی نہیں ہے یہ لبرائن کی خاص ڈش ہے جو ہمارے گھر بہت جلدی ہے اور ذوق و شوق سے کھائی جاتی ہے۔ ابو کی فوری ڈش بناس کے ساتھ رات ہوتا ہے۔

انہ پندیدہ اور منفرد ہے تو اپنی کمالیت اور صلاحیت کی وجہ سے سب رانگزی ایک سے بڑھ کر ایک ہیں لیکن چا

1۔ چاند رات کو ہماری مصروفیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے۔

ہم رات دیر تک جاتے ہیں عید کے کپڑے پر نہیں کرتے ہیں ایک دوسرے کو ہنسنی لگاتے ہیں بچی بس صحیحہ اور کڑو وغیرہ ہندی لکوائے آتی ہیں۔ کوئی فیصل کر رہا ہوتا ہے تو کوئی جیولری سلکٹ کر رہا ہوتا ہے غرض کہ ہر طرف کھٹکھی خوشیوں کا راج ہوتا ہے سب اپنی اپنی تیاریوں میں مگن ہوتے ہیں۔ اپنے آپ کو ستوارنے کے ساتھ ساتھ گھر کی تبدیلی رفتاری اور عید کے لیے عزت و ادب شکر کا بھی اہتمام کیا جاتا ہے ایسی مذاق اور مذاک جو تک میں چاند رات کو بھرپور انجوائے کیا جاتا ہے۔

کہ جسے لاگو ہے قاری ہونے کے بعد میں خود کو بہت ہی اہتمام سے تیار کرتی ہوں۔ کیوں کہ میں بہت ہی



خلعت شیشیاں شریف۔ سرگودھا

1۔ چاند رات کو میری مصروفیت بھی بس عام سی ہوتی ہے کیونکہ ہم لوگ گاؤں میں رہتے ہیں اس لیے اپنی شاپنگ دکانوں سے پہلے غسل کر لیتے ہیں اور اس دفعہ تو میں نے رمضان سے بھی پہلے شاپنگ کر لی تھی کیونکہ رمضان میں بازار کے پھیرے (فٹ)۔

چاند رات کو میں بچوں کو تیار کرنے کو تیار ہوتی ہوں کیونکہ ہم بچوں والے سب ایک درمیان کے گھر میں ایک بار دینے آتے ہیں اور سرگودھا کے آٹے والے دشت دار جن میں میرے بھائی اور ان کے بھائی بھی ہیں ان کے چاند رات کی خوشیاں ادا کرتے ہیں۔ ان کی خاطر آٹے کے لیے میں اور میری لیبارہ سالہ بی بی ہنس پر ہنس ہوتے ہیں۔ پھر آٹے کے والوں کا سالانہ شروع ہو جاتا ہے کیونکہ ہمارا خاندان بہت بڑا ہے اس لیے رات گئے تک یہ سالانہ چلا رہتا ہے۔ لڑکیاں آٹے میری بی بی اور چھوٹا بیٹا دو کہ ساتھ ساتھ کاتے مندی نکات میں باہر نکالتے ہیں۔ بڑا بیٹا درختوں کے ساتھ مصروف ہوتا ہے۔ میاں صاحب عمو انوں کے ساتھ کپ ٹپ میں مصروف ہوتے ہیں۔ میں اس اور ان کے لیے کچھ نہ کچھ بنا کے رکھ دیتی

نہیں کہیں بیلا مزے سے مجھے دلی انیسیت سبب میں ان کو دل کی کڑائیوں سے پرند کرتی ہوں ان کی ہر خبر کو بہت ہی ذوق و شوق سے پڑھتی ہوں۔ نمبر احمد مجھے بہت ہی سادھی ہوتی تھی چنانچہ ان کی کچھ یہ ہے کہ ان کی تحریریں ہر دکاندار سے کوئی دفتر اور منظر ہوتی ہیں۔ بلکہ ہر دکاندار ہنس دلا کر سبق آموز ہوتا ہے۔

فرحت اشتیاق تو میدان کا چاند ہیں جو کبھی بھی اپنی محبت دکھا کر ہالوں میں پھیل جاتا ہے میں نے انہیں بی بی میں دیکھا تو خوشی سے میری آنکھیں ٹپ ٹپ ہونے لگیں۔ سویر اور اب سبب لکھیں فرحت اشتیاق بھی میری دوست

ہیں یہ بھلا کبیر زوی کے کھیل ہوں منہ سے صد تانے

میں ایسوی مندی کی دلی بہت پرست ہوں ہانک یا منہ کھینچنے والی ساتھیوں تک منہ منہ کر کے امر کی ساری پوچھ لگا کر اب منہ سے صد یاد آتے اور صد اتنا صبر آتا کہ جیم انکا کریم شہزاد نہیں کرتا لعل نہیں دینا دستار دینا نہیں اپنے دوار سے ادا کرتا نہیں۔ نور اسایہ غایت میں لے لیتا ہے۔

2۔ سو کوئی سی ڈش ہے جو لازمی بنتی ہے۔ اس طرح تو بہت سی ڈشیں ہیں جو لازمی بنتی ہیں اور ہر گھر میں بنتی ہیں لیکن۔ گریڈوں کے حوالے سے ایک ڈش بنتی ہے جسے کھوئے والا قلعہ کہتے ہیں۔

3۔ شعاع کی مستقیم توسیع میری پسندیدہ ہیں ان میں ماماٹک میرے فوٹو پر بڑا بڑا کی وجہ سے بہت پسند ہیں۔ فائزہ افتخار داسی ڈھولن داری۔ راحت جمیں زور موسیٰ سعید و احمد جبر کمال، احمد احمد جنت کے پتے اور قراقرم کا تاج گل۔ اس کے علاوہ نکتہ سیما۔ پیرامید، سائرہ رضا، قیصر نبوی اور تقریباً ہر شخص کی ہر تصویر میری پسندیدہ ہے۔ یہ سب بڑے شعاع میں ہر جملہ پر اقتباس سبق آموز ہوتا ہے لیکن آپ نے ایک کی شرط رکھی ہے تو وہر خستہ اکابر کا ایک بھی مثال میں لکھا ہے۔

”یقیناً“ جب اور وہ مضبوط ہو جائے کسی مشکل پر قابو پائے گا تو خدا اپنی رحمت کے وسیلے بنائی جائے گا۔ تمام قاری، سنوں اور شعاع کی چوری نیم کو عید مبارک میرا خوشی۔ منڈی بساؤ الدین

1۔ سب سے پہلے تو چاند رات کی عبادت مکمل کرتی ہوں اور پھر کچن کا رخ کرتی ہوں اور مزے دار سی کھیر کی تیاری کا مرحلہ شروع ہو جاتا ہے۔ ساڑھے دس ایکارہ بجے تک اس کام سے فارغ ہوتی ہوں تو سیدھی بستر کی دھڑکی آتی ہے کیونکہ کپڑے استری کرنے اور صفائی ستھرائی کا کام میں دن میں کر چکی ہوتی ہوں۔ منڈی میں نے کبھی انکلی نہیں۔ شادی سے پہلے اپنی بہت ڈانٹا کرنی تھیں کہ لڑکیوں کو منڈی لگانے کا کتنا شوق ہوتا ہے مگر اسے پروا نہیں۔ اب شادی کے بعد شوہر کو بھی پروا نہیں ہوتی منڈی لگانے یا نہ لگانے۔ انیس ان باتوں سے بالکل واقف نہیں ہوں۔

2۔ عید کے دن صبح بلکی پھلکی سی صفائی کے بعد بچوں کو تیار کرتی ہوں۔ میاں صاحب عید کی نماز پڑھنے چلے جاتے ہیں تو میں بھی ان کے دلہن آئے تک تیار ہو جاتی ہوں عید والے دن تیار ہونا مجھے اور انہیں دونوں کو عید پسند ہے کیونکہ۔ نامہ اسلامی تہوار ہے۔ اسے بھرپور طریقے سے منانا چاہیے۔

عید والے دن میں نہ ناچاٹ۔ چکن روٹ اور بیانی ضرور بناتی ہوں جو کہ سب کو پسند آتی ہے۔

ہوں۔ اسی طرح کھانوں والے ایک دوسرے کے گھر میں میں تہا کے چاند رات مناتے ہیں۔ میں چاند رات کو نہیں نہیں جاتی صرف گھر پر مسافروں کو اٹینڈ کرتی ہوں اور عید پر سب کے گھر میں جاتی ہوں۔ سب میں عیدیاں بانٹتے۔

سب کا اس سے فارغ ہو کے اپنے ہاتھوں پر منڈی لگاتی ہوں آخر دل تو بچہ ہے۔

عید کے دن میں صبح سویرے اٹھتی ہوں کیونکہ تفصیلی صفائی تو چاند رات سے بھی پہلے مکمل کر چکی ہوتی ہوں اس لیے ایک بار پھر صاف گھر کو دوبارہ صاف کرنے کے جلدی جلدی صفائی مکمل کرتی ہوں۔ پھر سب کے لیے ناشتہ ہال ہوں جو کہ اکثر سوپوں اور چائے پر مشتمل ہوتا ہے۔

اس کے بعد میاں صاحب کو عید کی نماز کی تیاری میں مدد کرتی ہوں کیونکہ انہیں سامنے پڑی ہوئی چیز بھی انہما کے دینی ہوتی ہے۔

ان کے جانے کے بعد میری تیاری میں تیار ہوتی ہوں اب اور مجھ سے عید بنتی ہے۔ نماز سے اب اس آنے کے بعد میں میاں صاحب سے اور مجھ سے عید لی جاتی ہے۔

پھر کوٹنگ کی طرف آتی ہوں۔ اور گھر کے گھروں سے آتی ڈشز وصول کرتی ہوں جی ہاں ابھی تک گاؤں میں یہ رواج ہے۔ اور خود سب کے گھروں میں کبھی ملو، کبھی سہیاں اور کبھی کھیر وغیرہ بھجواتی ہوں۔ اس کے بعد بھائی وغیرہ عید پر دینے تہاتے ہیں مگر گودھا سے آئے لوگ اپنے اپنے گھر میں رہتے ہیں اس لیے صبح کو ان سے دوبارہ ملاقات ہوتی ہے۔

آپ لوگ کہتے ہوں کہ میں نے اپنی تیاری کا کوئی ذکر نہیں کیا تو جناب حسب میں تیاری نہیں ہوتی تو ذکر کیسا۔ جی ہاں۔ سر تھارو منہ چھارو والا حملہ محاورہ نہیں حقیقتاً غصہ نہ آتا ہے۔

پھر جی ہاں۔ لیکن سب کے گھر میں جاتی ہوں عید پر دینے۔ اپنی منڈوں۔ ہنوں بھائیوں اور لن کے بھائیوں کے گھر میں سے دوتے دوتے ہوئے جو لوگ لہجہ میں بیٹھے ہوں ان کو مبارک باد دیتے دیتے شام اور پھر شام سے رات ہو جاتی ہے۔

اس طرح اس خواصورت دن کا اختتام ہو جاتا ہے ہم لوگ عید کے دوسرے دن کنگ پر جاتے ہیں۔ رات کو سوئے پہلے اپنی عید کی تمنا نہیں بھولتی۔



3۔ شعلع میں شائع ہونے والی پسندیدہ مصنفین کی فہرست میں سر فہرست ہمیشہ شازیہ چوہدری ہی رہیں گی۔ اللہ انہیں غریقِ جنت کرے (آمین) ان کے بعد عبیدہ احمد، رخسانہ نگار، ہرین، نمرہ احمد ہیں۔ 4۔ اسی سال پچیس سال شائع ہونے والی امایہ خان کی کہانی کے ان جملوں کی صداقت پر یقین لے آئی۔

”ہر انسان کے لیے اللہ تعالیٰ نے دنیا میں کم از کم ایک ایسا شخص ضرور پیدا کیا ہے جو اس سے بے حد محبت کرتا ہے اس کی تمام برائیوں، بد صورتوں اور خامیوں کے باوجود وہ اس سے پیار کرتا ہے اس کی چاہت رکھتا ہے اور اپنی سب کچھ محبت سے وہ کبھی دستبردار نہیں ہوتا۔“

مختل اشرف بہشتی خصلت اور کاڑھ

اور دماغی بہت پسند ہے۔ جیسے پانی روں اور شروع سے لے کر اختتام تک میں عمر میں جلتی رہتی ہوں۔ بس میں سوچتی ہوں کہ وہ کیا ہوا کہ کہانی پر مبنی رسالہ رکھا اور اٹھ گھنٹہ کہانی پر مبنی ایسے کہ ہر کردار کو سمجھو۔ قاری کردار کے ساتھ رہے اس کے دکھ درد کو محسوس کرے اس کی خوشی پر مسکرائے اور کردار کی نفسیات یوں سمجھے کہ اسے کوئی ڈاؤن نہ رہے۔

4۔ نمرہ احمد کی تحریر جنت کے بہت ہے۔
”اللہ نور ہے آنکھوں کا اور زمین کا“ جبکہ دل کو مارے بغیر نور نہیں ملتا۔“

ایضہ رفتی۔ ہارون آباد

1۔ میری چاند رات کی مصروفیات کچھ خاص نہیں ہوتیں۔ شاپنگ وغیرہ تو رمضان میں ہی ہو جاتی ہے کیونکہ چاند رات کو ہم کبھی باؤزار نہیں گئے۔ بس یہ ہو، ہے کہ چاند رات کو سب کے کپڑے پر نہیں کرنا ہے کیونکہ عید

کے دن لائٹ کا کیا بھروسہ۔ پھر دس بجائی اور کسٹرو وغیرہ کا کرکے دیتی ہوں۔ ایسے چھوٹے، بڑے کام کرتے کرتے دس گیارہ بج جاتے ہیں پھر ساری کرنل آٹھ بجی ہو جاتی ہیں اور

1۔ قبلہ کیا خوب سوانی پوچھا تپ نے۔ آخری روزت میں سارا گھر لپٹ ہو چکا اور کسبہ ڈھیر لپٹا کام اور او اکیلی جانیں (میں اور امی) اور حرواشک نشین میں کپڑے محسوس رہے ہیں اور ہر برتن دھل رہے ہیں۔ ساتھ ساتھ سلائی مشین کی آواز بھی اس منظر کا ہم حصہ ہے۔ پھر امی کی آواز ہے ”آئے آئے اس قمیص کے فن انجی مانگتے ہیں۔ یہ قمیص اور ہر گنگے کی۔ اور ہر تریانی کر“ رات کے گیارہ بجے تک جاگتی ہوں۔ شو کیمیں میں کپڑے بچھا کر برتن جوڑ کر سب کے کپڑے پکس کر کے اور کمرہ سیٹ کرنا خشہ، عشیہ کے مندی لگائی ہوں اگر وہ بے چاریاں جاگ رہی ہوں تو چٹکن تو ہو جاتی ہے مگر یہ چٹکن بھی بڑی اپنی لگتی ہے۔

غیبت۔ ہمارے عید میں چاہتی ہوں کہ میرا عید کا سارا دن خوشی خوشی گزرنے۔ مگر سوائے بچپن کی عیدوں کے کوئی عید ایسی نہیں گزرتی۔ شاید اس لیے کہ آٹھی عذاب ہے یا رب!

2۔ ہمیں کاھلو لازمی بنتا ہے خواہ عید کے پہلے دن سب یا دو صحت دن۔

3۔ دیکھ تو ماشاء اللہ ہر مصنفہ ہی قابلِ تعریف ہے۔ مگر مجھے نیا تر اسید روزانی، نمرہ احمد، نیلاب بیگم، سمیرا امید اور سائرہ رضا پسند ہیں۔ مجھے فن کی تھلری کی بے ساختگی

اور بہت قریبی دوستوں اور محلہ داروں کے گھر بھیجا جاتا ہے۔

عید نماز کے فوراً بعد ہی ملنے والوں کا ہنسا بندھ جاتا ہے جس کے لیے ہم نے فروٹ جات 'ٹٹائی' 'پاپ' 'نگنیس' اور گولڈ رنگ 'جائے' کا انتظام کیا ہے۔ آہستہ آہستہ دیر آرام کر کے نیم شام کو گھومتے پھرتے ہیں اور پھر جلدی سو جاتے ہیں۔

3۔ شعلہ کی تمام مصنفین مجھے بہت پسند ہیں۔ سارہ رضا، نرملہ احمد، سمیرا حمید، حنیفہ صید، ثناء سیمار، فسانہ انکار، فیصلہ عزیز جات، شعیب نام ہیں کہ صفحہ پھر ہوں سب بہت اچھے ہیں مگر سارا رضا اور سمیرا حمید جتنا حقیقت سے قریب لگہ رہی ہیں ان کا انداز تحریر مجھے کسی اور دیا بخلاف بنا دیتا ہے۔ مجھے بہت پسند ہیں۔ دہل

4۔ بہت پیچھے کیوں جا میں لکھی دو کئی نبوی نے دل لکھا ہے منظر سے بعد تک اس کی چند انہیں مجھے دیوانہ کر رہیں۔ "بندہ بھی کچھ سلسلہ نہیں دیتا بندہ تو صرف اپنی ذات کو اپنی لاکھ کو خوش رہ کھتا ہے پھر یہ بدقولی ہی ہے کہ وہ اپنے بہت کوئی کو اعلا تر بنا دیتا ہے اور محبوب حقیقی کو پھوڑ دیتا ہے دور ہو جا آہے انسان جاہل ہے کہ اولی کو اعلا کر کے ترکو پڑھو اور اپنی ریاضت محبت کو بہتر اور "مستہافتا ہے اس غلط فہمی اور خوش طمانی میں اللہ است پھر کسی بندے سے ذلیل نہ روا جتا ہے۔"

عائشہ جمیل۔ بلدیہ ٹاؤن کراچی

1۔ دہل۔ چاند رات کو مصروفیات کیا ہوتی ہیں؟

ای آپ میری چوڑیاں دلی ہیں؟
شرین آبی بلینز سدراسے پہلے مجھے مندی ملگدی ہیں۔
نوشین باقی: میرے کپڑے سالی اوگے ہیں تو مہوش سے ہو لیں کہ میرا سوت بھی رہیں کر دیں۔ یہ تو ہوتی تھی ہمیں کی "موسم سی چاند راتیں" کھانا پینا مونی مستی اور اسب۔
"کپڑے رہیں کر لو" اور اگر صبح عید ہوئی تو۔ چھا بنانے کے لیے بھی سامان ریڈی کر لیں۔ "میں اب تو ایسی ہی تو اڑیں اتاری ساتوں سے لکرائی ہیں اور ہمیں مصروف رہتی ہیں۔"

مندى نكاشہ کے ساتھ ساتھ فی وی پہ چاند رات شوز

مندى نكاشہ شروع۔

عید کا دن تو میرا ہمیشہ بہت اچھا گزرتا ہے۔ میں پہلے ہی مہمان کو گھر دیتی ہوں کہ عید والے دن میں نے کوئی کام نہیں کرنا۔ اس لیے عید نماز پڑھنے کے بعد اپنی فریڈم اور گزرتے کے ساتھ سب شپ ہوئی ہے۔ خوب کھوتے پھرتے ہیں اور اپنی عید کو یاد گار بناتے ہیں۔ ویسے اس دن ہم نے بازار پر ہلے کا چان بٹایا ہے۔ اگر کوئی سنے کر گیا تو۔

2۔ عید والے دن دشمن تو بہت ہنسی ہیں مگر بابا بگانی ہیں میں نہیں۔ پھر بھی ایک خاص ڈسکسپ میری ہنسی ہے۔

3۔ پسندیدہ مصنفین تو ساری ہیں مگر کچھ تو زیادہ ہی باریت نورت ہیں جن کا شعلہ میں ہم دلچ کرتی ہیں بڑا خوش رہتا ہے۔ ان میں سر فرست سارا رضا، نرملہ انوار، نایاب دیالی، امیہ خان، ظہیر حسین، ظہیر سمیرا حمید ہیں۔

4۔ پسندیدہ ہنسنے ہیں تو بہت ہیں اب کون سا لکھوں اور کون سا چھوڑوں؟ سمیرا حمید کے گلن یارم سے یہ جملہ مجھے بہت اچھا لگا۔

"مسکراؤ" دہل کے لیے زندگی میں کوئی دن نہیں بنا۔"

"انڈازے کا حق صرف پردہوں کے پاس ہی نہیں۔"

شرین ظفر۔ ملتان

1۔ چاند رات کا اہتمام۔۔۔ ام 27 شب سے بھی پہلے سامان خرچ کر رکھ لیتے ہیں۔ چاند کا امان ہوتے ہی سب سے پہلے شیر خرچہ تیار کرتے ہیں ہم 35-41 سال سے یعنی پہلے میری امی اور اب میں اور عائشہ بھانجن مل کر شیر خرچہ ہلاتے ہیں۔ تقریباً "تین" گھنٹوں کا۔ اللہ میری بھابھی کو زندگی صحت دے۔ اس نے صحیح معنوں میں امی کی کنی لاری کی ہے۔ حالانکہ وہ چھوٹی ہے ہم سے۔

عائشہ کامیاب میرا چھوٹا بھائی شرن میں چھپل سجالینا ہے۔ تین بچے اس کے "تین" میرے سب کے "تینوں" پر مندی بھی لگاتا ہے حالانکہ وہ بینک میں V.P کی پوسٹ پر ہے اند بھلکی سے بڑا بارون غیر شادی شدہ ہے وہ جو شیر خرچہ پکھنا شروع کرتا ہے تو لینڈ تک لگا کھا کر اپنا برا ملل کر لیتا ہے۔

2۔ ہمارے گھر میں شیر خرچہ سی وہ لازمی اٹھ ہے جو کہ بہت ہی اہتمام سے اور بہت زیادہ ہوتا ہے سب رشتہ داروں



بھی رخصتی اداں۔ یوں مصروف سے دن کے ساتھ ہر سورت
کی چاند رات۔

عید کا دن بہت ہی عزیز اور ساگرز آتا ہے۔ نماز عید سے
پہلے ہی گھر کے کاموں سے فراغت مل جاتی ہے۔ فریڈا
اور کزنز وغیرہ کو عید ویش کرنا چونکہ عید کا پہلا دن ہے
اپنے اپنے گھر میں گزارنا پسند کرتے ہیں تو کچھ سوکرائی
وی دیکھ کر گھماپی کر یا پھر ٹیکسٹ پیسز اور رسالے بھیج کر اور
آخر میں بھائیوں سے ایک زید۔ ست سی بجٹ کر کے عیدی
تکرا کر عید کے دوسرے دن ہی مہمانوں کی آمد کا سلسلہ
شروع ہو جاتا ہے جو کہ ہم جو انٹرنیٹ سلسلے میں رہتے ہیں
تو عید کا مزا مزید دہرایا جاتا ہے جب تک کہ کارڈنگرام جیسا

ہو (۲) خاص ڈش تو ایسی کوئی نہیں جو ہر عید پر لازم بنتی
ہو۔ ہر عید پر کچھ نہ کچھ نیا ضرور ٹرائی کیا جاتا ہے۔
(۱) شعلات میں شائع ہونے والی میری پسندیدہ ترین
اصناف کی لسٹ خاصی لمبی ہے مگر سرفہرست ”نمو احمد“
میں جنہوں نے ہمارے لیے خوب صورت سادل کو چھو
لینے والا ناول ”بخت کے پتے“ تحریر کیا۔ میرا حق یہ ہے
”من عزم“، ”فائزہ افتخار“، ”سندھیا“، ”صائمہ اکرم“، ”چوہدری
”دیمک ذراہ“، ”بخت“

(۱) سترین اقتباس ”دیمک ذراہ“، ”صائمہ اکرم“
چوہدری کے ناول سے۔

”بس ماں حق میرے لیے دعا کریں۔“ ”ڈاکٹر خاور“ نے
تھکے تھکے انداز کے ساتھ وہیں گری پر بیٹھ گئے۔

”پترا تیری اللہ کے ساتھ کوئی ٹرائی ہے کیا؟“ ”ہیلہ مائی
کے سوال پر وہ ہکا بکا رہ گئے فوراً ہی ٹی ٹی میں سر لایا۔

”بہت اللہ مونسے سے کوئی ٹرائی نہیں تو پھر پتے دل
سے فوراً اپنے لیے دھا کر۔ پترا جو دکھ اور پریشانی تیرے حصے
میں آئی ہے اسے تو چاہتا ہے یا تیرا رب۔ بھلا کوئی اور اتنے
پتے دل سے تیرے لیے دعا کر سکتا ہے؟“ ”ہیلہ مائی نے
ڈاکٹر خاور کو جواب کیا۔

”لیکن ماں جی ایک مسلمان کی دعا دوسرے مسلمان
کے حق میں قبول ہوتی ہے۔“ انہوں نے یاد دلایا۔

”میں نے کب انکار کیا؟“ ”ہیلہ مائی نے سادگی سے کہا۔
”لیکن جب انسان کو کوئی چوٹ لگتی ہے یا اس کے جسم کا
کوئی حصہ ہلکا سا چل جاتا ہے تو انکا بندہ اس کی تکلیف کا

اندازہ ہو کر سکتا ہے لیکن دوسرا محسوس تو نہیں کر سکتا ہے۔“

سائمن ڈاؤن۔ چاہے گھر والا

1۔ چاند رات کو میں سب کزنز کو مندی دلاتی ہوں اور
پانچ تھک جاتے ہیں لیکن لیا کموں اور کسی کو مندی نہ لگانا
آتی تو نہیں ہے۔ چاند رات کو ہم میں سے کوئی بھی نہیں
سو تاکوں کہ اس کی یہ سزا ہوتی ہے کہ جو سنے گا اس کے
منہ پر مندی لگا دی جائے گی۔ اس کے علاوہ ہم ایک
دوسرے کو چوڑیاں پہنا دیتے ہیں۔

2۔ ہمارے گھر میں عید کے دن لازمی پکنے والی ایش
سویاں ہیں اور اس کی ترکیب کے نہیں آتی؟

3۔ شعلات میں شائع ہونے والی میری پسندیدہ مصنفہ نمو
احمد ہیں۔ نمو احمد کی ایسی کوئی تحریر نہیں ہے نکتہ میں نے
نہ پڑھا ہو ہم سب کزنز نمو احمد کی دیو لیلی ہیں۔ ہمارے بس
میں دو آقا تو ہم سب نمو احمد کا نام گنیز بک آف ورلڈ
ریکارڈ میں لکھا ہوا ہے کہ نمو احمد دنیا کی سب سے خوب
صورت راہنما ہیں۔ نمو آلی ہو آکر کٹ آئی ہو پوری سچا
4۔ نمو احمد کی تحریروں کا لکھا ہر غلط میرا پسندیدہ ہے۔
ہیں البتہ شعریہ پسند ہے۔

کملی قابل بدلتے ہیں فقط چہرے بدلتے ہیں
جب اپنا سفر ہے "قاسم" بھی ساتھ چلتے ہیں
تلی مرزا۔ گجرات

(1)۔ سہاری رات کام کاج کھانے پکانے میں گزار جاتی
ہے۔ ہندی لڑکا کر پھر بچہ کی نماز پڑھ کر سو جاتی ہوں عید کا
دن بہت اچھا گزارتا ہے مسافروں کی آمد و رفت خاطر قواسم
میں گزار جاتی ہے۔

(2)۔ عید کے دن خاص ڈش چکن روٹ ضرور بنتا ہے جو
سب خوشی سے کھاتے ہیں۔

(3)۔ نایاب جیلانی "نبیلہ عزیز" منو احمد "صائمہ اکرم" امایہ
خان "رخسانہ نگار عدنان۔ ان کی حقیقت پر مبنی کہانیاں
گھریلو اور سمجھنے والی ہوتی ہیں۔

(4)۔ پسندیدہ اقتباس۔

"سب سے جلدی راضی ہونے والی ذات اللہ کی ہے
ہماری بدمست کا ایک "انسوا سے ہمارا بہت قریبی دوست
بیٹا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی دوست اللہ ہو تو اس
کا کوئی بھی کام کیسے رک سکتا ہے۔"

عالیہ عثمان۔ چکوال

1۔ کیا بتائیں مہینہ مصروفیت کی وجہ سے نہیں انٹرویو کے بعد تو
بس سمجھو پاؤں کے پیچھے بھیجے لگ جاتے ہیں۔ جیسے ہی
چاند نظر آئے تو دونوں چچا پھر مالیاتی کے گھر بڑوں کو چاند
رہلت کو مبارکباد دینے کو سلام کرنے جانا ہوتا ہے
خاندان کی بیوی بیٹیوں اور ہوں گا اہم فریڈ سے یہ بھی
ایک رسم ہے بیویوں کو گھر پہنچنے کی یاد دلا کر ساتھ یاد دہانی لانا
ہوتا ہے کہ حج عید ہے اور عید کی باریک دہائی آپ خود
سمجھنا چاہیں۔

2۔ کچھ ہر عید پر لازمی بنتی ہے چاند لکھ اس کو کہتے سویوں
والی عید لیکن آج تک ہمارے گھر میں سویا نہیں کھیں۔
اس کے علاوہ بنتی ہے پرانی چٹا چٹا دہی بھلے سارا
رمضان کھاتے ہیں پھر بھی عید والے دن ضرور بنتے ہیں۔

3۔ سائرہ رضا "منو احمد" سمیرا احمد "نکلت سیمائیزا۔
راضی "نکلت عبد اللہ" سمیرا حمید "کیز نبوی اور جناب وجہ
ہے پسندیدگی کی ان کے حقائق اور موضوعات پر جاوے اور
الفاظ جو لوگوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

4۔ منعم سے مورتک کا اقتباس:
"بندہ کبھی صلہ نہیں دیتا بندہ تو صرف اپنی ذات کو اپنی
انگو خوش رکھتا ہے پھر یہ بندہ قوی ہے کہ وہ اپنے جیسے اپنی
کو اعلیٰ ترین بناتا ہے اور محبوب "عشق" کو چھوڑ دیتا ہے دور
ہو جاتا ہے۔ انسان جانی ہے کہ اپنی کو اعلیٰ اور کم تر کو برتر
اور اپنی محبت و ریافت کو بہتر سمجھتا ہے اس غلط فہمی
فوش لکلی میں اللہ اسے پھر کسی بندے کے ہاتھوں وکیل
کر دے گا۔"

افشاں یاسر گوہر۔ گوجرانوالہ

چاند رات۔ بازار جلنے کا دلچسپی نہیں۔ سب تیاری
رمضان سے پہلے کرنے کی کوشش کر لیں ہوں چاند رات کو
چڑیاں اور مندی تو چٹیاں لگو لگی ہیں جبکہ عید کے
پلوں عید کے کپڑے وغیرہ دستی ہوں۔ گھر کو صاف ستھرا
کر لیتی ہوں تاکہ عید کی صبح ہر قسم کی پریشانی اور ہڑوٹک
سے بچا جاسکے۔ اللہ اللہ وقت سے پہلے کام کرنے کی
عات لے بھی پریشان نہیں ہونے دیا۔ عید کے لیے سب
کو فٹ چاند رات کو کرنے کی کوشش کرتی ہوں تاکہ عید کی
مصروفیت میں کوئی روانہ جائے۔ عید کے روز کی دشمنی تو مہینہ
چاند رات کو تیار کر لیتی ہوں۔ پھر نماز عشاء کے بعد آرام
سے لے لے دن کا انتظار۔

فجر کے بعد ہی تیار ہونا شروع ہو جاتی ہوں۔ ساتھ ساتھ
بچوں کی اور میاں صاحب کی مدد بھی کر لیتی ہوں۔ سرت
بچے ہم عید گھر آتے جاتے ہیں۔

واپسی پر ساس لگی (جو کہ چھو چھو بھی ہیں) اور سر
صاحب سے بہار اور عیدی لینے ضرور جاتے ہیں۔ مٹی تو
عید کا منہ ہے بڑوں کی دعاؤں اور عیدی سے۔ پھر گھر
تستے ہیں جو کہ ان کے سلسلے ہی ہے۔ گھر تہ تیہ ہم
ہوتے ہیں اور ہمارا بچن۔ میرا ایمان ہے۔ اللہ کا ہم لے کر
جو بھی چاہیں۔ لذت ہی دے گا۔

میرے گھر واپس کو میری مائی ہر چیز پسند آتی ہے
اللہ اللہ ہے خوب تعریفیں کرتے ہیں۔ بچوں کے پاس
معالے میں تھوڑے پھل واقع ہوئے ہیں مگر ٹاؤٹے
والے بھی کمال کی نظر رکھتے ہیں ہم بیان ہی جاتے ہیں کیا
اسیں اچھا لگا کیا نہیں۔ بچوں کو بڑائی "مشن" تو رہے مگر غور
کوک چاہیے ہے جبکہ میں عید پر لازمی طور پر شیر خرما ہائی

خواتین ڈائجسٹ

اگست 2014ء کے شمارے میں ایک تصویق



- نریمانہ کا مکمل ڈول "نمل"
- تنویرہ یاقین کا مکمل ناول "عبدالست"
- سعید صوفی کا مکمل ناول "ابھی اکت ہے"
- عفت سحر ہاشمیر سعید کے ناول
- ثایاب دیناالی اور نور عین کے ناول
- شمیم عفت علی اصباحی یا عین قرۃ العین خرم
- اور شمیم عین کے ناول
- لی بی بی کا "طیفور و نمل" سے ملاقات
- "محمد یحیٰ قریشی" سے بات
- کرمان لرن روشنی تنصیفی اردو لٹریچر
- نعتان کے شعور اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں

اگست 2014ء کا شمارہ آج ہی خریدیں۔

ہوں اور ارد گرد کے سب گھروں میں ضرور پہنچتی ہوں
 قحطاً۔ عید کے روز بچوں کی فرمائش پر چکن بریسٹ اور
 آلو، بٹر، چکن، چٹنی بنائی ہوں۔ میرا اور شعل کا ساتھ کم
 و بیش پچیس سال پر محیط ہے۔ صبر و اجہ، فرحت
 اشتیاق، ساتھ رضا اور بے شمار معشوقین۔ نریمانہ احمد تونس
 جیت نیس ڈول کو چھوٹی تحریریں پیر کامل بہت پڑھا ہوا
 فن میں اتر گیا۔ میری دیکھتے شعل کی ہر مصنف ہر قاری
 کو رب العالمین دنیا آخرت کی کامیابیوں سے نوازے۔

آہیں۔ آخر میں دست بدار اور پسندیدہ شعر
 آؤ کائنات کو بانٹ لیتے ہیں
 تم میرے باقی سب کچھ تمہارا

حانیہ پسندیدہ شعر
 کچھ اسی طرح سے وفا کی مثل دیتا ہوں
 سوال کرتا ہے کوئی تو تائن دتا ہوں
 اسی سے کھانا ہوں اکثر قریب مثل کا
 میں جس کے پاؤں سے کھانا نکال دیتا ہوں

آہر ملک و مولہ

1۔ چاند رات کو میرے اور اطفال نے انھ کر گئے
 ہیں۔ تو چاند رات کو مصروفیت دست ہی ہوتی ہے۔ سب
 کے کپڑے چاند رات کو ہی پرئیں کر گئے ہوتے ہیں۔ گھوڑ
 عموماً میری یمن ہی کرتی ہے۔ میں تو بس چھوٹی یمن کے
 ہاتھ عین کند سے کرتی رہتی ہوں۔ بچرائی کی تصویر کی دست مد
 کر دیتی ہوں۔ مگر اس دفعہ میری مصروفیات اور مختلف ہوں
 گی۔ کیونکہ یہ میری شادی کے بعد پہلی عید ہے۔

2۔ گھر ایک ایسی خوش ہے ہو کہ ہر فرد پر تارے گھر
 ضرور ہوتی ہیں۔ اور سب ہی پسند کرتے ہیں۔ آٹھ نوادے
 تو پہلے ہی دن ختم ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ ہر کدوست انگ
 آتے ہیں۔ بھائی اور یمن کے انگ میرے انگ۔ اور جس
 کے دوست وہ سرے دن آئیں۔ اسی کو وہ سرے دن پھر
 کسرا پکا پڑتا ہے۔ عموماً میری دوست وہ سرے دن ہی
 آتی ہیں۔

3۔ شعل میں شائع ہونے والی تقریباً ساری عو
 مصنفین میری پسندیدہ ہیں۔ مگر قبلہ عزیز اور ثایاب دیناالی
 میری پسندیدہ ترین مصنفین ہیں۔ کیونکہ پسند ہیں یہ میں
 نہیں بنا سکتی۔

4۔ اس سال غزوری میں شائع ہونے والی نایاب جیلانی کی تحریر میں شائع ہونے والا شعر۔

بڑی بے لعل ہے زندگی اسے من کے کوئی پناہ نہ
کوئی چاند رکھ میری شام پر میری شب کو مرکا گلاب کر
کوئی بدگمان سا وقت ہے کوئی بدگمان ہی دھوپ ہے
نہی سایہ دار سے لفظ کو میرے جلتے دل کا جھلب کر
میرا پسندیدہ شعر ہے۔ میں کئی مرتبہ بے خیالی میں اس
کو اپنی رات ہی ہوں۔

سمیعہ محرقہ کی ضلع ہماہل نگر

1۔ چاند رات کو جناب نگر کے کام ہی نہیں ختم ہوتے
سائیں بھی چلتی رات ہی ہیں سائیں کرتے کرتے لہیر تو تیار ہو
نی جاتی ہے۔ پھر میرے بھائی کپڑے وغیرہ استری کرتے
ہیں تو میں کتنی ہوں کہ میرے بھی۔ میں نے مزے کی بات۔
پھر میں اپنے ہاتھوں پر ہندی لگوئی ہوں تو جناب اسی
طرح تو چاند رات گئی۔

اب قلمی عید۔ صبح اٹھتی ہی نماز پڑھتے جاتے ہیں۔ عید
یہنا کر کے ہم بھی جی کی بدد کرتے ہیں یعنی اجار گوشت اور
برا گوشت۔ برا گوشت میں پیال ہوں اور سب تعریف
کرتے ہیں۔ اتنے میں میری دونوں بھینیں بھی آ جاتی ہیں
پھر عید کی خوشی کو چار چاند لگ جاتے ہیں۔

2۔ اس قیامت سوال کے لیے (سوری) کیونکہ ان کا
کے نام سے چاہتی ہوں پسند ساری ہیں جو ہم ہر ماہ سے چینی
تے اتھاڑ کرتے ہیں اور انجوائے کرتے ہیں۔ رقص میل
کے چولہے بول۔

"لیکن میری نظر میں یہ زندگی کوئی زندگی نہیں ہے
انسان کو اپنی ذات اور اپنی سوچ کے ساتھ چلنا چاہیے۔ دنیا
تو اور عمار کی گھوڑا ہے نہ جانے کب کس طرف سے دار کر
جائے۔ دنیا کو رنگ بدلتے دیر نہیں لگتی۔ اس لیے بہتر
کہ اپنی ذات کا رنگ اپناؤ جو بیش تھارے ساتھ رہے گا
تھارے ہی پہچان دیں گے۔"

اور پسندیدہ شعر

مٹا تھارا مجھ سے اک حادثہ نہ تھا
یہ کارنامہ دل کا کرشمہ دعا کا تھا

صبا احمد کراچی

1۔ چاند رات کے حواسے سے جو مصروفیات ہوتی ہیں

انہیں میں کسی حد تک دنیا میں ہی یا شام تک نبھاتی
ہوں ساری اہر کو فون کر کے چاند کی مبارک بلواتی
ہوں۔ تھوڑے بہت گھر کے کام بننا کر میں اپنی صاحبزادی کو
عید کی بلکی بھگلی شاپنگ کے لیے لور چاند رات کی رونقوں
دکھانے کے لیے بازار لے جاتی ہوں۔ انہی پر چھوٹ لیتا
نہیں جھوٹے۔ بارہ ایک بجے تک ہم سو جاتے ہیں۔
عید کے دن کا آغاز نماز فجر سے ہی ہو جاتا ہے۔ عید نماز
عید کے لیے جاتے ہیں۔ عید گاہ سے واپسی پر کچھ ملاتے

کپڑوں میں تیار ہنرہ اپنے ہاتھ جاتی تو عید مبارک کہتی
ہیں۔ ہاتھ لٹکی ہو کر جواب میں دعا میں کہتے ہیں اور ہم
دونوں کو عید ہی کہتے ہیں پھر ہم سب مل کر سیر خرما کھاتے
ہیں اور پھر پورنا شکر کرتے ہیں۔ پھر سمانوں کی آدہ سا ملہ
نور مل جاتا ہے۔

اسے دن لڑی کے یہاں جاتا تو کہہ ہے یہ سارا احوال تو
تھوڑے ساں پہلے کی عید دن کا ہے۔ اب تو ہماری بیٹی بھی
نومانی ہے۔ لب چاند رات تو یہ بدھ بازار جاتے کے نام پر
بھی گاؤں کو ہاتھ لگاتی ہوں۔

اسی عید پر تو میں نے بھی تک کوئی اہتمام نہیں کیا۔ بل
پر فون سے خالی ہے۔ میرے بارے بھانجے قراؤ حق
مختصر ملاقات کے بعد (11 جون کو صرف اکتیس برس کی عمر
میں ہمیں رونا پھر کر اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔ اللہ
تعالیٰ اسے اپنے اور رحمت میں جگہ دے۔

2۔ عید پر تھارے ہمارے شیر خرما کے مااد ایک اور روایتی
ڈش کھی پورا بناتے اور لوگوں کو بہت پسند بھی آتا ہے
ترکیب پھر بھی سکی۔

3۔ یوں تو ساری مصنفین ہی اچھا لکھ رہی ہیں لیکن ان
سب میں سائما رضا سمیرا حمید شہزاد احمد اور ملیا جیلانی
سرفہرست ہیں۔

1۔ پسندیدہ زبان۔ تیز نبوی کے ہاں ضمیر سے صدمہ کا۔
"اب کیسی ہو گیا؟"

چند کھنڈوں بعد جواب آیا تھا۔ "پہلے سے بہتر ہوں"
اس نے سکون کی سانس بھری۔ وہ اس کے "اب" سے
بات سمجھتی تھی اور دعا کی "پہلے" سے۔
کچھ لوگ کہی ہوئی بھی نہیں سمجھتے اور کچھ ان کہی بھی
سمجھ جاتے ہیں۔ وہ ان کی سمجھ لیں ان کا شمار بہترین
روستوں میں ہو سکتا ہے۔

دستک دستک دستک

شائین رشید

تو بنائے والوں میں سے ہیں ہمیں تو کائنات چاہیے
اور راسخ تو کائنات ہلو ہوتا ہے مگر لوگ کہتے ہیں کہ
نہیں ڈائریکٹر کمال کا دونا چاہیے جبکہ میں کہتا ہوں کہ
جب تک آپ کے پاس کائنات اچھا نہیں ہوگا آپ
کچھ کر ہی نہیں سکتے تب ہلو ہی کھڑا نہیں ہوگا تو آپ
کیا کریں گے۔

"آپ کو لعینہ تھی کہ "دل کا دروازہ" لوگ پسند
کریں گے؟"

"مجھے اتنا تو اندازہ تھا کہ کہانی بہت اچھی ہے۔ میں
تو کہتا ہوں کہ اس کہانی پر ایک فلم بہت خوب صورت
بن سکتی ہے۔ میں نے اس پر اتنا زیادہ غور نہیں کیا تھا۔
بلکہ شاید کاشمیری جو بالکل میرے بھائیوں جیسے ہیں،
انہوں نے مجھے کہا کہ یہ ڈرامہ آپ کریں "ساجد بھائی"
کے ساتھ یعنی میں بھی ایک سیریل کیا ہے جو "اردو
دن" سے شروع ہونے والا ہے خیر انہوں نے مجھے
"دل کا دروازہ" کی اسٹوری بتائی اور کہا کہ آپ نے
اسے کرنا ہے۔"

"ہاں میں آپ نے خود بھی تو لولاکاری کے جوہر
دکھائے ہیں؟"

"بالکل دکھائے ہیں ایک چھوٹا سا ریل تھا جس کے
لیے میرے دوستوں نے کہا کہ اسے آپ کر لیں وہ
میں نے کر لیا تو رخ صلاحہ کو میری پرکار منس اتنی پسند
آئی کہ انہوں نے جب کہانی کئی سال آگے چلی گئی تو
میرے لیے "یوہاے" کا ریل لکھا کہ آپ بہت اچھے
پرکار مرزوں اور میری تعمیلی کو آپ کی لولاکاری بہت پسند
آئی ہے اس لیے آپ کریں تو پھر انہوں نے میرے
رول کے لیے مزید لکھا لیکن میں آپ کو بتاؤں کہ

کامران اکبر خان

"کیسے ہیں آپ؟" کھلا ہے دل کا دروازہ "تو دیکھ ہی
رہے ہیں مزید کیا کر رہے ہیں؟"
"اللہ کا شکر ہے اور آج کل "ہم ستارہ" کی شوٹ
میں مصروف ہوں۔"

"لگتا ہے کہ ہمارے ڈائجسٹ کی راسخز آپ
ڈائریکٹر حضرات کو بہت پسند آتی ہیں؟"

"بھئی آپ کے ڈائجسٹ کی راسخز تو مکمل کا کھسکی
ہیں۔ میری بہن بہت شوق سے پڑھتی ہیں تمام راسخز
کو اور مجھے یاد ہے کہ کچھ عرصہ قبل میری بہن نے مجھے
کئی سارے نام دیے تھے کہ آپ ان کے بلور پر کچھ
بنائیں۔ ہلری پوری فیملی کو ڈائجسٹ پڑھنے کا کریز ہے
جن میں میں بھی شامل ہوں تھا مگر میں عمران، شیا
افتخ اور عباسی ڈائجسٹ وغیرہ زیادہ پڑھتا تھا تو جب
میری بہن مجھے اچھی اچھی کہانیاں سناتی تھی تو میں کیا
کہتا تھا کہ نہیں بھئی یہاں پہ کوئی ڈرامہ نہیں بنائے گا۔
جو نام چل رہے ہیں میں وہی چلیں گے مگر آپ یقین
کریں کہ ایک سال کے بعد وہ تمام ناڈر کہانیاں جو
میری بہن تجھے بتاتی تھی وہ مختلف سی وی چینلز سے
ڈراموں کی شکل میں قن امر آرہے تھے تو میری بہن
نے مجھ سے بہت شکوہ کیا کہ آپ نے میری بات نہیں
مانی اور لوگوں نے اپنا کام کر دیا تھا آج اگر پچاس ڈرامے
بن رہے ہیں تو میں ڈر لے تو آپ کے ڈائجسٹوں کے
بھی ہیں اور تمام کے تمام ہی ہسٹ گئے ہیں۔"

"دل کا دروازہ" کے لیے کیا رپائس آیا؟"

"بہت اچھا رپائس مل رہا ہے اور میں اس کی راسخز
رخ چوہدری کو نہیں جانتا تھا مجھے تو اسکرپٹ ملا میں
نے پڑھا تو مجھے بہت اچھا لگا اور مجھ سے کہا گیا کہ آپ
نے اس کو ڈائریکٹ کرنا ہے تو جب رخ چوہدری کا
میرے پاس فون کیا کہ کامران میں نے جس طرح سوچا
تھا اس طرح آپ نے ڈرامہ بنایا ہے اور مجھے اس کا
بہت اچھا فیڈ بیک مل رہا ہے تو یقین جاتے ہیں کہ مجھے
بہت خوشی ہوئی تو میں نے ان سے یہی کہا کہ دیکھیں ہم

ڈائریکٹر ہوں مگر مجھے اوانکاری مکمل کام لگتا کیونکہ جب انسان کمرے کی لائٹوں کے سامنے آتا ہے تو ٹھنڈے گرم پینے پئے لگتے ہیں خیر اس میں غلط طور محسن اور اساجا جائیے بہت کمال کام کیا ہے اور اب میں نے سرف چودھری صاحب سے کہہ دیا ہے کہ آپ کے پاس آپ کے لکھے ہوئے جتنے بھی بلوڑ ہیں وہ سب مجھے دے دیں تو کہنے لگیں کہ میری تو یہی خواہش ہے کہ آپ ہی میرے بلوڑ پہ کام کریں تو میرے لیے یہ بہت بڑی ہمت ہے۔

”کیا ایک رائٹر ایک اچھا اسکرین لے ڈائریکٹر بھی ہو سکتا ہے؟ ڈائریکشن سے پہلے اس فیلڈ میں کیا کرتے تھے؟“

”فلم کے لیے جب کوئی کمپنی نکھی جاتی ہے تو مکالمہ لکھا جاتا ہے اور ساتھ یہ بھی کہ جب اس نے یہ مکالمہ بولا تو اس کے پیچھے اس کی ماں کی تصویر بھی لگی ہوئی تھی مگر ہمارے پاس جو وسائل ہیں وہ مکمل نہیں ہیں ہمیں اس طرح کی چیزیں نہیں مل سکتیں رائٹر اپنی تحریروں کو اسکرین لے لکھیں ماسک فلم کا کام سب سے ہوتا ہے جبکہ ہم آئن لوکیشنز کام کرتے ہیں اور میں ڈائریکشن سے پہلے کمرشل والی سائیڈ پہ خاصا کام عموماً کرتا تھا ڈرامے کی سائیڈ پہ مجھے زیادہ عرصہ نہیں ہوا ہے میں فلم کے لیے انسان کو ڈھونڈتا ہوں سب تک اس فلم میں آپ کا مشن نہیں ہوگا آپ کو کام کا مزہ بھی نہیں آئے گا۔“

”کس طرح آئے آپ اس فیلڈ میں۔ آپ کلکل چلا کہ میں ڈائریکٹر بنوں“ میڈیا سائیڈ پہ آؤں؟“

”میں نے تو میڈیا میں آنے کے بارے میں کبھی سوچا ہی نہیں تھا۔ بچپن کرنے کے بعد میں سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے تو میرے کزن نے مجھے اپنے پاس بلا لیا کہ وہ کمرشلز کے کام کرتے تھے انہوں نے کہا کہ دیکھ لو جو کام تمہاری سمجھ میں آئے کر لو اس زمانے میں انڈسٹری کمپوٹری ٹی ٹی آئی تھی تو مجھے بڑا اچھا لگا یہ فلم تو اس وقت میں نے ایڈجسٹنگ بھی کی اور اپنی مشن بھی

کی۔ اس دوران کچھ کمرشلز بھی کیے اور پھر سونک کی طرف چلا گیا ان دنوں تصویر بدل صاحب نے جاپان میں ایک ڈرامہ بنایا تھا ”گاڈ فادر“ وہ جب جاپان سے آئے تو چونکہ وہ مجھے جانتے تھے کہ میں ان کے لیے گرافک کرتا تھا تو انہوں نے مجھے کہا کہ تم مجھے ایک پریزنٹیشن بناؤ اور جب پریزنٹیشن بنادی تو کہنے لگے کہ تم میرے ڈرامے کو ایڈٹ کرو میں نے کہا کہ یہ فلم تو میں نے کبھی نہیں کیا تو کہنے لگے کہ تم کر لو گے تو

جب میں ڈرامہ ایڈٹ کر رہا تھا تو میں نے سوچا کہ یہ تو بڑا آسان کام ہے بس پھر مجھے شوق ہوا اس کام کا تو پھر میں نے ایک نیکی فلم کی تھی جو کووی اگرچہ وہ نیکی کلاسٹ تو نہیں ہوئی لیکن جیو والوں نے کہا کہ ہمیں آپ کا کام پسند آیا ہے تو آپ ہمارے لیے ایک ڈرامہ ڈائریکٹ کریں تو بس پھر سلسلہ شروع ہوا اور میں نے مکمل کام کیا۔“

”کیا کیا کر چکے ہیں اب تک؟“

”میں گاسب سے پہلا پروگرام میں نے کیا اس وقت کچن چینل بھی نہیں آئے تھے تو میں نے ”گڈ فوڈ“ کے نام سے ایک پروگرام کیا جس کی میزبان ڈاکٹر مزینہ تھیں۔ یہ پروگرام تقریباً ”ڈیڑھ سال جیو سے چلا پھر جیو سے ایک — ”ہم سب امید سے ہیں“ کی نگرانی پروگرام ”سیا سی بھڑی“ کیا اس کے میزبان محمود اعظم تھے وہ اتنا ہیک پہ گیا کہ ہم سب امید سے بند ہو گیا پھر ڈاکٹر صاحب کی ناراضی کی وجہ سے ہمارا پروگرام بند ہو گیا فوراً ان کا دوبارہ شروع ہو گیا مہیو کے لیے بہت کام کیا۔ پھر راجیل رائو کے ساتھ سب کیا تنہائی کے نام سے لوریہ پہلا سب تھا جس میں تقریباً ”سب ہی فنکاروں کو کام کرنے کا موقع ملا تھا پھر یہ زندگی ہے“ اپنے ٹائم کا بلاکس جسٹو ڈرامہ تھا جو کہ میں نے تقریباً ”ساڑھے چار سب تک کیا لیاری کنگ کیا۔ اب یعنی سے ڈرامہ کر کے آیا ہوں اور دل کا دروازہ تو چل ہی رہا ہے جیو اور اے آر وائی کے لیے میں نے بہت کام کیا۔“

”آپ کو بلی چائس اس فیلڈ میں آنا پڑا اور آپ کو مزو کیا تو آپ نے اسے ہی پرویشن بنالیا۔ اب تو یہی ہونے لگا ہے کہ انسان سوچتا کچھ ہے اور ہوتا کچھ ہے۔“

”جی بالکل۔ انسان کو کچھ پتا ہی نہیں ہوتا کہ کیا ہو جائے۔ ایک ہندو انجینئرنگ پڑھتا ہے مگر وہ کسی اور فیلڈ میں چلا جاتا ہے کیونکہ اللہ نے اس کا رتق باندھا ہوا ہوتا ہے۔ جب میں نے گریجویشن کیا تو مجھے پتا ہی نہیں تھا کہ میں نے کیا کیا ہے۔ بس اللہ تعالیٰ کی مہربانی اور مل ہاپ کی دعاؤں سے ایک لائن مل گئی اور ترقی ہوئی مگر قدرت راستے دکھاتی ہے مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ آپ جو بھی کام کریں خود چھوڑنا ہو یا ہرگز نہ داری کے ساتھ اور ایمان داری کے ساتھ کریں۔ میں دس بارہ سالوں میں ۵۰ تین لوگوں کے ساتھ ان کے پرویشن ہاؤس میں کام کر چکا ہوں کم لوگوں کے ساتھ زیادہ عرصے تک کام کرنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے مجھے پسند کیا تو اتنے سال میرے ساتھ کام کیا اور نہ وہ مجھے چھوڑ بھی سکتے تھے۔ ہر کام میں ایمان داری بہت ضروری ہے۔“

”آپ نے کہا جس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے پھر ہمارے فنکار باہر جا کر پیسہ کیوں کماتے ہیں؟“

”اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے مگر سیاست بھی ہے اور ہماری مارکیٹ چھوٹی بھی ہے ہمارے پاس فیلڈ بہت ہے۔ انڈیا میں کیا نہیں ہے وہاں فیلڈ کی قدر ہے تب ہی تو ہمارے لوگ باہر جا کر ہٹ ہو جاتے ہیں۔ سازشیں اور سیاست کی وجہ سے ہمارے لوگ پیچھے رہ جاتے ہیں ورنہ آپ دیکھیں کہ اسنوکر کرکٹ اسکو ایش باکی ہم ہر قسم میں آگے تھے مگر سیاست نے سب کچھ بری کر دیا ہے پھر ہمارے بھائی جو تھک بنیادی سوئس مثلاً لائٹ کا مسئلہ پانی کا مسئلہ گیس کا مسئلہ برٹالیں آئے دن جھگڑے ان میں اتنے پھس کر رہ گئے ہیں لوگ کہ آگے کے لیے سوچنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔“

”تپ کسی رائٹر کی اسٹوری لیتے ہیں تو پہلے اسے پورا پڑھتے ہیں یا؟“

”نہیں پوری اسٹوری پڑھتا ہوں اور اللہ کا ہوا کرم ہے کہ میری یادداشت بہت اچھی ہے میں کوئی

اسٹوری پڑھ لوں اور تین چار ماہ کے بعد اس پر کلم شروع ہو تو مجھے ایک ایک لفظ یاد ہوتا ہے شاید اس کی وجہ یہ ہے کہ ایک تو میں پڑھتا ہوں اور دوسری یہ کہ بہت دلچسپی اور توجہ کے ساتھ۔“

”چلیں جی کامران! اب آپ کچھ اپنے بارے میں یعنی فی زندگی کے بارے میں بتائیں؟“

”ہم پاکستان میں پیدا ہوئے لیجو کا تعلق بمبئی سے ہے امی بھائی کی نہیں ہیں تخرانیہ کی سائیڈ سے ان کا تعلق ہے۔ امی کی سائیڈ کے سارے لوگ باہر ہیں کوئی انڈیا کوئی دکن تو کوئی لندن میں ہے یہ سب لوگ پاکستان آگئے تھے مگر پاکستان ان کی سمجھ میں نہیں آیا تو واپس چلے گئے۔ تحصیل کی سائیڈ سے ماشاء اللہ کافی پڑا کتبہ ہے۔ آٹھ دس تو ماہوں ہیں خدائیں بھی اچھی خاصی ہیں۔ میں نے گریجویشن کیا ہے میری وہ نہیں ہیں جن کی شادی ہو چکی ہے میرا بھائی بھی اس فیلڈ میں آج کا ہے لو کار می کا بھی اسے شوق ہے میری شادی ہو چکی ہے اور ماشاء اللہ سے ملنے کے بھی ہیں۔“

”تپ نے کہا کہ اس فیلڈ میں پیسہ بہت ہے تو یہ بتائیں کہ سب سے زیادہ کون کما رہا ہے ڈائریکٹر رائٹر یا انکار؟“

”اس وقت جو سب سے زیادہ کما رہا ہے وہ انکار ہے اس کو کوئی فرق نہیں پڑتا کہ ڈرامہ چلے یا نہ چلے۔ ڈائریکٹر پروڈیو سر اور رائٹر وہ لوگ ہیں جو پہلے دن سے لے کر آخری قسط تک ہونڈ ہوتے ہیں لو کاروں کا تو یہ حال ہے کہ اپنا کام ختم کیا پیسے بکڑے اور یہ جاو جا ہوئے۔“

افتخار خان ایف ایم 91.6 پشاور

”جی کیا حال ہیں اردو کے کیسے گزر رہے ہیں؟“

کے ہیں، لیکن پشاور میں کافی حد تک تبدیلی نظر آرہی ہے خاص طور پر تعلیم اور صحت میں، مضافی شہرانی میں بھی کافی حد تک بہتری آئی ہے۔
"ریڈیو کے علاوہ کیا کر رہے ہیں مطلب کوئی جاب یا بزنس؟"

"جی ریڈیو کے علاوہ ایک چھوٹا سا بزنس بھی کر رہا ہوں اور ساتھ میں ایک اسکول بھی چلا رہا ہوں۔"
"ریڈیو پر آج کل کب پروگرام کرتے ہیں؟"
"آج کل 1.30 PM سے پروگرام کرتا ہوں جو کہ علاوہ ہر دن 8 بجے شروع ہوتا ہے اور شام 10 بجے تک پروگرام کرتا ہوں۔"
"اور شاہی میزبان کیسے ہیں؟"

"بابا۔۔۔ سب سے مشکل سوال مجھے یہی لگتا ہے اس کا جواب دو سال کے بعد دوں گا۔"
"آج دو سال بعد شاہی ہے؟"
"جی ہاں کہہ نہیں سکتا۔"

"پشاور کے حالات آئے دن خراب رہتے ہیں موت سے ڈرتا ہے؟"

"موت تو جی ایک دن آتی ہے۔ بس اب اس بات پر لگتا ہے کہ کہیں ان حادثات میں اللہ معذوری کی زندگی نہ دے بہت خوف آتا ہے بتاتی ہے اور سچ پوچھیں تو اب ہم ان خراب حالات کے بہت عادی ہو چکے ہیں۔"

"بہت ہوئے۔ جی جی۔ مگر امن و سکون بھلا کے برا لگتا ہے۔ اللہ تعالیٰ پورے ملک میں امن و سکون قائم کروے اور ہمارا ملک بھی ایک ترقی یافتہ ملک بن جائے آمین۔"
"ایم ایف کے پروگرام سامعین کے لیے فائدہ مند ہوتے ہیں؟"

"کچھ کچھ جیسے ہونے چاہیں ویسے نہیں کیونکہ ہمارا دھیان میوزک کی طرف زیادہ ہوتا ہے۔ میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر موضوع کو زیر بحث لائیں اور لوگوں کے خیالات معلوم کروں۔"

"اور جناب آپ سب کو عید مبارک۔ کہ عید سے پہلے یہ میگزین آجائے گا۔"



"الحمد للہ بالکل ٹھیک ٹھاک اور روزے بھی ٹھیک جا رہے ہیں۔ اللہ کا شکر ہے۔"
"عید کی کیا تیاری ہے؟"

"عید کی تیاری تو تقریباً ہو ہی چکی ہے اب جو تھوڑی بہت رہ گئی ہے وہ عید سے ایک دو دن پہلے کریں گے یا چند رات کو کریں گے من شاء اللہ۔ چند رات کو شاپنگ کرنے اور گھومنے پھرنے کا اپنا ہی ایک مزاج ہے۔"

"آپ کا مفضل المبارک اور عید کا چاند کون سا ہے؟"

"فوق ہے۔ چاند اس لیے پہلے لگتا ہے کہ شاید ہم چاند کے بہت قریب ہیں اس لیے ہمیں جلدی نظر آجاتا ہے۔"

"ہر سال دو عیدیں ہوتی ہیں پشاور میں۔ آپ کس کے ساتھ ہوتے ہیں؟"

"یہ حیثیت اور سب کے اور میڈیا کا حصہ ہونے کی وجہ سے میں تو دونوں کے ساتھ ہوتا ہوں اور دونوں کے ساتھ عید انجوائے کرتا ہوں۔"

"پشاور کے کیا حالات ہیں اور عمران خان نے کچھ کیا پشاور لوہر کے پی کے دیگر شہروں کے لیے؟"

"حالات تو اب ایسے ہی ہیں جیسے پورے پاکستان"

مخمسہ نگار عدنان



عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشری ان کی بہو ہے اور ذکیہ نسیم کی بیٹی ہے۔ عمران بشری کا بھائی ہے۔
 منسل ڈاکیہ بیگم کی خواہی اور نسیم بیگم کی بھتیجی ہے۔ بشری اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحہ مدینی
 بہو سے نکاح و کسالی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے کہ ان کی بیٹی بشری کو سسرال میں دست چکھ ہوا اشت کرنا پڑا
 سب سے سہل کی مسلسل کوششوں کے بعد بشری کی اند فوزیہ کا بااثر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح ہوا ہے روز بشری
 وہ لہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشری کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس
 زادہ دلور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشری اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا
 چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو پہچاننے سے منع کر دیتا ہے۔ بشری اور عدیل ایک بھتیجے کے لیے
 اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشری کے پاس سات ماں بعد پھر خوش خبری ہے۔

عنان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عنان کے والد فاروق صاحب
 سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹ اور لکڑی کی دھن فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔
 ذراچہ کو زمین کا سودا کر کے وہ عنان کے ساتھ خوش خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ذکیہ کی رادوات میں قتل ہو جاتے
 ہیں۔

عنان کے قریبی دوست زاہر کی مدد سے عاصمہ عنان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹ سے
 سات لاکھ روپے وصول کیا ہے۔ زاہر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔
 اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہر نسیم بیگم سے تین لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی





رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشری سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے ملائے کو کھتا ہے۔
حمیدہ خاں عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زہیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بند رہے ہیں
جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرتے ہیں۔ وہ
جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زہیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر تہانا ہے کہ دوران عدت آشتی
ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے۔ شرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر تہائے سورہ عاصمہ کو کان دکھانے لے
جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا شکار بناتا ہے اور وہیں پھونڈ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہمان ہونے کی صورت میں فوریہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سولور اس کے گھر والوں کو سورہ الزام
ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشری کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشری کو دھکارتا ہے اس
کا پاداش ہو جاتا ہے عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ زہیر اس رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی
جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دکھاتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے عاصمہ اپنے حالات سے شک
آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم ناکامی جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے عاصمہ
کے سارے حالات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زہیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے رشتہ مند کھسپے ہیں اور
اب مفور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم عاصمہ کو ایک مکان دلایا ہے۔

بشری اپنی واپسی الگ گھر سے شروع کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان
ہے عدیل مکان کا لوہہ والا پورشن بشری کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشری کو مجبور کرنا ہے کہ وہ فوریہ کے
لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشری سے جھگڑتا ہے۔
بشری بھی بہت دھمکی کا ظاہر کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشری کو طلاق دے دیتا ہے اور مشکل کو حل نہیں لیتا ہے۔ مثال بنار
پر جاتی ہے۔ بشری بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چین کر کے آتا ہے عدیل
عمران پر انحراف کا پرچا کھاتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھر پر مسائل کی وجہ سے آئے دن تھکیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی
جاتی ہے۔ اچانک ہی فوریہ کا کہیں رشتہ ملے ہو جاتا ہے۔

انسپلر طارق دونوں فریقین کو سمجھا جھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل مثال کو لے
جائے تاکہ وہ بشری کی کہیں فوریہ شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچتی ہیں۔ فوریہ کی شادی کے بعد
نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپلر طارق ذکیہ بیگم سے بشری کا رشتہ مانتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں مگر بشری کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک
پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بلور کر آئے اور رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جاوٹوں والی عورت لگتی
ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے ٹھہرا پاتی ہے۔

بشری کا ساتھ ساتھ منکبتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لابی میں بشری سے
ملاقات کرنا ذکیہ بیگم سے شادی کر لیتا ہے پھر شادی کے نام ہو جاتا ہے پر ایک بڑے سیٹل کے ساتھ وہاں اپنی بیٹی ذکیہ بیگم
کے پاس آ جاتا ہے اور وہاں بشری سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشری تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشری اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا عزم کرنا ہے مگر بشری قہقہے نہیں
مانتی پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل رضی ہو جاتے ہیں کہ صبح کے ابتدائی چند روزوں میں مثال بشری کے
پاس رہے گی اور پھر چند روز عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا
ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان ٹھہرنے لگتی ہے۔ بشری کے گھر میں سیٹل اور احسن اس
کے ساتھ کچھ اچھا رہاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی ہر سہولت عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین ٹکڑے بشری

اور عدیل کے سنے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑ جاتی ہے۔ مثل اپنا اعتدال کو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملاشیا چلا جاتا ہے اور مثل کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوانا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثل کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثل مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پر طاقی کی حالت میں اسے ایک نشی ٹھک کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثل اپنے ماموں کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ سبنا سہرویش امیریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوہنگ سینئر خوب نئی کر جاتا ہے۔ اسے مثل بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال واقعی کی نظروں میں آجکی ہے تاہم لاغول ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور تہنی عاصمہ کی انٹیمیل اوریشہ اور اسے کو اپنے میٹرو وقار وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واقف بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو خیر میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے ٹھیک نہ رہا ہے۔

—۱۸—

اٹھارہویں قسط

بشری گھری نیند سو رہی تھی۔ احسن کمال کے فون پر کوئی مسیج آیا۔ ہلکی سی سسٹم فون پر بشری نے کچھ ناگواری سے کوٹھ پھلی تھی۔ بہت مینوں سے اس کی نیند کم ہوئی جا رہی تھی۔ ارد گرد بھی ہلتا تو فوراً اس کی آنکھ کھل جاتی اور پھر بہت کوشش کے بعد خود کالی دیر تک سو نہیں پاتی تھی۔

تنگ آکر اس نے سیڈنگک پلو لیتا شروع کر دی تھیں مگر احسن کمال نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے ٹوکا تھا۔ کچھ دنوں کی بے چینی کے بعد اس کی نیند کچھ بہتر ہو رہی تھی مگر ابھی جو مسیج فون سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ

کھلی طور پر جاگ چکی تھی۔ ”بھئی احسن سے سیٹی اور مثال کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ احسن نے ابھی مثل کو پسند تو نہیں کیا۔ بس اس کے انداز میں مثال کے لیے ایک سو سو مری سی ہے جو کہ ایک نیچل کھل ہے“ مثل کا سا باپ تو بے نہیں۔

ہاں مگر سیٹی اور مثال کا رشتہ طے ہو جاتا ہے تو احسن خود غور مثل کو پسند کرنے لگے گا جیسے آج کل سیٹی۔ اس کے ہونٹ خود بخود مسکراتے لگے۔

شام میں جب مثل لان میں اپنی کتاب کے لیے کوئی سوال پٹنے میں رہی طرح سے گمن تھی تو سیٹی کے لیے جوس لے کر آتی بشری نے خود کھا تھا اور کس محبت سے مثال کو دیکھنے میں گمن تھا۔

سیٹی کی مثال کے لیے پسندیدگی بہت دلوں سے کم از کم بشری سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ مثل پر بہت توجہ دے رہا تھا اور پہلے کی طرح بات بات پر اس سے الجھتا بھی نہیں تھا۔ مثل کچھ بات کرتی تو بہت توجہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ بلکہ آئینہ نے بھی ایک بار طنز سے کہہ دیا کہ ”مما! لکھا ہے بھائی بہت شریف ہو گئے ہیں۔ اب وہ مثال قبل سے بالکل بھی ڈٹا فساد نہیں کرتے۔“

اور سچی بات تو یہی ہے کہ آئینہ کے یوں کہنے پہ ہی بشری نے سیفی کے سلیے کی تہذیبی کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

"یہ سکتا ہے مثال بھی اس تہذیبی کو محسوس کر چکی ہو تو بھی تو اب سیفی سے جھگڑا نہیں کرتی۔"
"تو کیا معاملہ وہ طرف ہے۔" وہ بے اختیار ہی مسکراتے لگی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر احسن کمال کی مخالفت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو، زیادہ دیر جم نہیں سکے گی۔ یوں بھی وہ سیفی کی پسند کو رد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ بالی گاؤ۔ اگر ایسا ہو جائے تو میری مثال پھر عیش کے لیے میرے پاس میرے گھر میں رد جائے گی۔"

ایک بہت سی خوش کن نئی فرما احساس۔

وہ کمپنیوں سے ٹیکسٹا کر اب بیڈ کے کراؤن سے ٹیکسٹا چکی تھی۔ احسن کمال گہری غیبت میں تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے سیفی مثال کو اپنے ساتھ یو کے لے جاتا چاہے اگر ایسا ہو گیا تو یہ بھی برا نہیں سمجھتا ہے۔
دونوں ایک دوسرے کے قریب رہیں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھا وقت گزاریں گے۔ اس گھر میں تو وہ سکتا ہے سیفی کی دیکھ کر ہمارے بچے کے بعد بھی احسن میری مثال کو وہ مقام نہ دے سکے جو وہ عزیز و کرم کرتی ہے۔"
وہ اپنے خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی۔

"بہت سادہ معصوم اور بے زبان سی ہے میری مثال، مگر اس کی سادگی پہ رحم آتا ہے جو اتنا اچھا رشتہ جیسے خود چل کر اس تک آیا ہے۔ اب میں عدیل کو بتاؤں گی کہ اصل میں مثال سے پیار کس کو ہے۔" اس نے زعم بھرے

طنطنیے سے سوجا۔

"تو اس عدیل کو تو کبھی بھی اپنی ذمہ داریاں دھنک سے بھائی نہیں آئیں۔ اس نے تو ابھی مثال کی شادی یا رشتے کی بات کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہو گا۔ یہ تو صرف ہل ہوتی ہے جو اس کی باتیں سوچتی ہے جسے بیٹیوں کی فکر ہوتی ہے اور میں نے تو نہ کھانا ہے بلکہ اس بات کو برداشت کیا ہے کہ وہ اپنی نئی شادی اور بچوں میں گھن ہو کر مثال کو بالکل بھلا بیٹھا ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے آتی ہے تو کیسی زرد اور دکھڑی سی ہوتی ہے اسے عدیل کے گھر میں نہ توجہ ملتی نہ پوری خوراک۔"

عدیل تو تھائی شروع سے ایسا۔ جب اس کا جھکاؤ ایک طرف ہوتا تھا تو دوسرے کو بالکل بھول جاتا تھا۔ اچھا ہے مثال کے رشتے کے لیے مجھے اس کی ششیں نہیں کھانیں گی۔

اور جب سیفی اور مثال کے رشتے کا اس کو بتا چلے گا تو اس کے منہ پر پڑنے کی اور۔۔۔

"ابا بات ہے بشری! ایسا آئینہ نہیں آ رہی۔ اس طرح کہیں بیٹھی ہو؟" احسن کمال نے کراٹ لیتے ہوئے اسے یوں پیچھے دیکھا تو آئینہ میں بھاری آواز میں پوچھنے لگا۔

بشری اس کی طرف دیکھ کر یوں کھل کر مسکرائی جیسے رات کی نیند پوری کر چکی ہو اور دونوں مضموم کی سیر کے بعد واپس لوٹے ہوں اور کسی بہت دلچسپ موضوع پر کھلی ہوئے بات کر رہے ہو۔

"نہیں بیسی! آٹھ کھل گئی تو پھر نیند نہیں آتی اور میں نے بھی سوئے گی کو شش نہیں کی۔"

وہ خوش دلی سے مسکرا کر نظروں میں احسن کے لیے پیار سمو کر بولی۔

"سو جاؤ سوئے گی کو شش کرو۔" وہ اس کے انداز سے بے خبر جیسی ہی جھانکی لیتے ہوئے بولا۔

"کچھ دیر جاگ لوں گا میرے ساتھ۔ مجھے نیند نہیں آ رہی۔" وہ پھر سونے جا رہا تھا۔ اس کے ارادے کو بھانپتے

ہی وہ جلد ہی سے اس کا بازو پکڑ کر کچھ دیر سی سے بولی۔

”یاس۔ خیر آری ہے بہت۔ تمہیں پتا ہے پھر آفس کا بھی نمٹنا ہے۔ صبح اٹھنا مشکل ہو جائے گا۔“ بھاری بو تھل تو اذ میں کہہ کر وہ سستی سے اٹھتے ہوئے بولا۔

”تیا تم کیا ہو رہا ہے؟“ وہ سٹریڈ ٹیبل پر پراسٹل فون ڈھاکرنا تمہیں دیکھنے لگا۔

”اچھا کی ہے ہیں۔ اچھی تھلی خیر خراب کر دی ہے تمہ نے میری بھی باور اپنی بھی۔“ وہ کچھ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

”مجھے تو خیر خیر آری نہیں رہی تو خراب کیا ہوگی۔ توڑی دیر باتیں کر لیتے ہیں تو پھر خیر آنے لگے گی۔“ وہ آخر میں کچھ مصروفیت سے بولی۔

”بھلا اس وقت کوئی کی بات کر سکتا ہے؟“ وہ اسی بے زار لہجے میں کوفت سے بولا۔

”بہت سی ایسی باتیں جنہیں دن میں کرنے کا موقع ملتا ہے نہ نام مصروفیت اور نہ سرے کاموں کی وجہ سے۔“ بشری کچھ ہنسنے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔

وہ کچھ چونک سا گیا۔

”اچھا ایسی کون سی باتیں ہوتی ہیں جو نہ جاتی ہیں۔ میرا تو خیال ہے میں بزنس کے ساتھ تمہیں گھر اور بچوں کو بالکل پرلپڑا تمہ سے رہا ہوں۔“ وہ سر کھجا کر ہمیشگی طرح ایک ذمہ دار ہونے کو ظاہر کرتے ہوئے کچھ غور سے بولا۔

”بچوں ہی کے بارے میں میں بھی سوچ رہی تھی۔“ بشری اسے کن اکھوں سے دیکھ کر بولی۔
احسن کمال نے اسے کچھ حیرانی سے دیکھا۔

”میں سمجھا نہیں۔ بچوں کے بارے میں ایسی کون سی بات ہے جو تمہیں بھی مانعہ کرنا چاہتی ہو۔“ وہ بشری کے لبوں جھلنے والے انداز پر قدرے ناگوار رہی سے بولا۔

”کچھ میونس نہیں۔“ بشری اس کے ایسے انداز پر ہمیشگی سے کچھ گھبرا جلیا کرتی تھی۔

”بچے بڑے ہو گئے ہیں۔“ وہ اسے دیکھ کر اور ادک کر بولی۔

احسن کمال اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔

”یہ وہ بات ہے جو دن بھر میں کرنے سے رہ جاتی ہے تمہارے خیال میں یا جسے میں نظر انداز کر رہا ہوں۔“ وہ کچھ کڑے لہجے میں بولا۔

”نہیں بالکل نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ تم نظر انداز کر رہے ہو۔ یونہی۔ ابھی خیر نہیں آ رہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔“ سیٹی کی اسٹریڈ مکمل ہونے میں بس سال ڈیڑھ سال کا تو نام نہا ہے۔“

وہ جلدی جلدی صفائی دینے والے انداز میں بولی۔

”ہوں وقت۔“ تو واقعی کافی تیزی سے گزرا ہے۔“ احسن کمال نے اس تمام دقت میں پہل بار کچھ سکون بھرے لہجے میں کہا۔

”ابھی سیٹی بچہ تھا اور میری انگلی پکڑ کر اسکول میں ایڈمٹ ہونے جا رہا تھا اور مجھے تو دن بھی بہت اچھی طرح سے باور میں جب اس نے کتنی جلدی تمہیں ماں کی جگہ قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد ہمیشہ تمہیں اپنی نگاہوں سے سمجھا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ تم سے۔“ قریب ہے جو بات مجھ سے نہیں کرنا تم سے کر لیتا ہے۔“

وہ پہلی بار مسکرا کر بہت مذاق سے بولا۔ بشری نے دل میں اطمینان بھرا سانس لیا کہ اب اگر وہ مثال اور سبیل کے رشتے کی بات کرتی بھی ہے تو احسن اس کو کسی طرح کی بدتمیزی خیال نہیں کرے گا۔

"میںوں۔۔۔ یہ تو ہے۔ میرے بہت قریب ہے۔ بہت محبت بھی کرتا ہے بلکہ میں آج کل دیکھ رہی تھی کہ کسی میں دلچسپی بھی لے رہا ہے۔ اس کی دلچسپی تو دلچسپ ہو رہی ہیں ایکسا بالکل نئے انداز میں۔" وہ بہت مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

احسن کو بشری کا انداز کچھ دھماکا خیز سا لگا تھا۔ وہ اسے کچھ حیرانی سے دیکھنے لگا۔
 کون ہے؟ "وہ بہت آہستگی سے بولا جیسے اسے ڈر ہو کہ اس کی ساتھی بہت غیر متوقع نام سنیں گی۔
 اس کا انداز ڈراؤنڈا سا تھا۔ بشری نے مسکرائے لگی کہ وہ سرے سے گھر میں ایک دلچسپ لڑکی کو لگی۔
 "یہ کون ہے؟ آئینہ کی توازن تھی۔ وہ رگنی شاید۔" احسن بستر سے چلا نکلا کرتا۔
 "یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تو مثال کی توازن ہے۔ لوہے سے آلی ہے۔ آئینہ تو ساتھ والے بیڈروم میں ہے۔"
 بشری کی توازن کانپنے لگی تھی۔ جانے کیوں۔
 وہ سبہ ریل تھ مول سے کرنی پڑی کمرے سے باہر نکل کر اندھیرے میں لوہے کی طرف بھاگی تھی۔



جب وہ احسن کمان کے مثال کے بیڈروم میں داخل ہوئے کے ڈیڑھ منٹ بعد داخل ہوئی تو وہیں کا منظر دیکھ کر اسے لگا تو وہیں کھڑی کھڑی پتھر کی طرح آدمی زمین کے اندر گڑ گئی ہے۔
 ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں خیال میں کسی بڑے ٹھکانہ بدترین دھیان میں بھی نہیں سوجھا تھا۔ نہ دیکھا تھا۔

مگر جو کچھ نظر آ رہا تھا وہ آنکھ کا دھوکا تھا نہ سراب نہ کوئی بڑا خواب۔ کبھی نہ بھلائی جانے والی ٹھوس حقیقت۔
 کسی بھیانک خواب سے زیادہ خوفناک۔ مگر خواب سے بہت آگے کی چیز!
 بشری فاطمہ منہ ساہولے لگا تھا۔

اس کی مثال۔ اس کی زندگی۔ اس کا نام۔ اس کا سب کچھ اس کی تمام عمر کی کمانی۔ جیسے اپنے بیڈروم میں نہیں سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پہ پاگل ہے۔ امر اپڑی تھی۔ بشری کو لگا کہ یہ منظر دیکھنے کے بعد اب بہت دانی ہوئی ہے۔

مثال کا منہ نہا تو جانے کہاں تھا مگر اس کی سرخ شرٹ کمر بان کے پاس سے نیچے تک لٹھری ہوئی۔ نہیں بری طرح سے پھٹی ہوئی تھی۔

آستین کہنی سے یوں لٹک رہی تھی جیسے درزی اتار چس آستین کے ساتھ توہاناکا لگانے کے بعد جوڑنا بھول گیا ہو۔

اس کے رخسار کے پاس سرخ کھونچ تھی۔
 اور آنکھوں میں اتنی بے بسی بے کسی اور خللیں جیسے وہ انیس سال کی کوئی لڑکی نہ ہو برسوں سے ویران پڑا چڑا کھڑا کھڑا ہو۔ کھنڈر بننے کو ڈھمے جانے کو جس کر جانے کو تیار!
 "قسم۔۔۔ قسم لے لیں بیلا۔ اس لڑکی نے خود مجھے اپنے خون سے ابھی۔ کچھ دیر پہلے خود نکل کر کے۔ اپنے
 درم میں خود۔ خود بلوایا۔ میں تو سو رہا تھا کمری تیر میں تھا۔ آپ تو جا۔ جانے ہیں میں رات میں جلدی سونا

ہوں۔ اس نے فغان کیا مجھے۔ یہ مجھ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ بہانے سے بھوٹ سے دھوکے سے۔ اس نے خود مجھے بلایا۔

میں نہیں سمجھا۔ سمجھ نہیں سکا کہ اس نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں خند سے اٹھ کر آگیا۔ اس نے۔ اس کی نیت ہماری تھی۔

یہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں پہلے بھی میں۔ میں نے بتایا تھا آپ کو۔ یہ مختلف لڑکوں کے ساتھ۔ پھرتی ہے میں نے خود کھا ہے اسے۔ کھانا۔ پیلوئی۔

سینلی اپنے گریبان کے ٹوٹے ٹٹوں کو اس پر برباد گنگو کے دوران دوزیدہ نظروں سے تلاشتارہا تھا۔ اس کی شرت کے گریبان کے اوپر کے تین ٹٹوں میں سے ایک مثال کے نیچے پڑا تھا۔ سراسر اکیل کے اوپر اور تیسرا حسن کمال کے قدموں میں۔

”میں نے کچھ بھی نہیں کیا پایا۔۔۔ میں تو آیا اس کے روم میں۔۔۔ یہاں اندھیرا تھا۔ اور پھر یہ خود مجھ سے

میں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔ تو یہ مجھ۔ مجھے ایک میل کرنے لگی۔ مجھے کہنے لگی کہ میں اس سے شادی کر لوں۔ اور یہ۔۔۔ میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔“

سخت سردی میں سینلی کے ماتھے پر سچے کے قطرے تھے۔ احسن کمال ہانگل خاموش تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اور طیش تھا مگر کس کے خلاف۔ شری پاندانہ نہیں۔ کیا پائی۔

مثال آنکھیں بند کیے چہرہ جھکائے اب بالکل ساکت تھی۔ وہ اب بھی نہیں رہی تھی۔ معلوم نہیں وہ جتنی کسے تھی۔ یا پھر سینلی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مثال نے جان بوجھ کر۔

”نہیں۔۔۔ نہیں ایسا بھی نہیں ہو سکتا اور مثال ایسا کرے گی۔ کبھی ممکن نہیں۔“ شری پاندانہ ساکت کھڑی

ادارہ خزانہ کی جانب سے پہلوں کے لیے 4 غریب سورت اول

ساری بھول بھاری تھی	شریک ستر	کسی راسخ کی سکاش میں	میرے خواب لوٹاؤ
راحت حسین	ذہرہ ممتاز	میونہ نور شیدائی	نہت مہدائ
تہ 308 روپے	تہ 350 روپے	تہ 350 روپے	تہ 400 روپے

منشیانہ مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی

فون 32735021

آندھی کی طرح چلتے خدشوں کے طوفان کو بھٹائے جا رہی تھی۔

”سید میں نے اس کی بات نہیں مانی۔ میں نے اسے سمجھا رہا تھا یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے حسبِ کما۔ میں بالکل ابگمری نہیں ہوں۔“

سلویٰ بنا۔ اس نے زور زور سے ثوابی چیخنا شروع کر دیا اور خود اس نے اپنے کپڑے بھی۔ اس نے اپنا یہ حال خود سے کیا تو۔ میں بالکل بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ اس طرح مجھے ٹرپ کرنا چاہتی ہے شے از سو کنگ۔“

سیتی کا وضاحتیں دیتے دیتے اب سانس بھولنے لگا تھا۔

مثال نے بہت آہستگی کے ساتھ۔ کانپتے ہاتھوں سے۔ اپنے پاؤں کے پاس پڑا آدھا بیڈ سے لٹکا کپڑا بٹھلکے کر اپنی گردن تک ٹھونک کر اس میں چھپا لیا۔

”ایسا! تب نہیں۔ مجھے تو غلط نہیں سمجھ رہے جبکہ میں نے لیا کچھ نہیں کیا۔ میں اس لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ یونہی مجھے یہ کبھی ابھی نہیں ملتی۔“

وہ اب کے باپ کے بالکل سامنے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ باپ کی مسلسل خاموشی نے اسے کچھ کنفیوز کر دیا تھا مگر پھر بھی وہ سہجیل سا لیا تھا۔

احسن کلل نے ذرا اسی گردن تر بھی کر کے پیچھے ہٹ کر اس کی طرح ساکت کھڑی بشریٰ کو دکھا۔

وہ آہستگی سے ایک قدم آگے بڑھ کر مثال کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں مثال کے جھکے چہرے پہ تھیں۔

”تمہیں۔ ایسا کرتے ہوئے ایک بل کو بھی خیال نہیں آیا کہ اس گھر کے تم۔ کیا کیا احسانات ہیں۔ بغیر کسی احسان جتائے میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی سگی اولاد کے برابر گھڑا لیا۔ ہر دفعہ تم نے لڑکی جسے میں نے اپنے بچوں کے لیے پسند کیا ان کی ہر خوشی اور پسند میں تمہیں بھی شافی کیا۔ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔ اور تمہارے یہ صلہ دیا ہمیں؟“

تمہیں شاید ہماری عزت اور احسان کلاں نہیں تھا۔ تم نے اپنی ماں کی عزت کا بھی خیال نہیں کیا لڑکی!۔

لوہر سارا معاملہ صاف ہو گیا۔

پچھلے گریبان اور مجھوڑ حاضرت کے باوجود سارا جرم مثال کے سر قھوپ دیا گیا تھا۔ وہی غلط تھی اور غلط وار بھی!

بشریٰ یہ یہ سراسر پھاڑ ٹوٹا۔ تڑپ کر رہ گئی۔

پہلے خود ناک منظر نے اگر اسے پھر کا کر دیا تھا تو حسن کمال کے اس الزام نے جیسے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

”احسن! یہ تم کیا کہہ رہے ہو تم جانتے ہو۔ تمہیں نظر آ رہا ہے۔ مثال ایسا کیونکر کر سکتی ہے۔ میری بیٹی ہے۔ وہ اس طرح کی گھٹیا حرکت کبھی نہیں کر سکتی۔ یہ اس ٹائپ کی لڑکی نہیں۔ میری مثال ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔“

”اور یہ سیتی۔ میں جانتی ہوں۔ یہ بہت دنوں سے مثال پر بری نظر رکھے ہوئے تھا اور لب اپنے اس گھناؤنے جرم کو چھپانے کے لیے میری بیٹی۔ لیا گھٹیا الزام لگا رہا ہے۔“

بہت دنوں بہت سالوں بعد لڑکی کی بشریٰ کو محسوس ہوا تھا کہ اس کی مثال کو اس وقت جتنی اپنی ماں کی ضرورت ہے نزدیکی میں کبھی نہیں رہی ہوگی۔

اسے اپنی بانہوں میں اٹل میں چھپا کر اس دنیا کی گند کی سے دور لے جانا چاہیے۔

وہ بے اختیار آگے بڑھی اور مثال کو اپنے سینے میں چھپا کر اپنے ساتھ لے گئی۔

مثال کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔
 ”پوچھیں اس سے۔ اس نے یہ گھٹیا حرکت کرنے کی جرات کیسے کی۔ میری بیٹی کوئی ملاوٹ یا بے سارا
 نہیں۔ قیم نہیں یا راہ میں پرالائٹ کا کوئی ہل نہیں جس پر اس نے ایسی بے خوفی سے ہاتھ ڈالا۔“ وہ قہقہے میں بغیر
 سوچے سمجھے بولے چلے جا رہی تھی۔

”تمہیں ہے قیم تو اس کے بے شرم باپ سے کہو اسے لے جائے۔ میں نے کیا اس لڑکی کی بدکھول کا ٹھیکہ اٹھا
 رکھا ہے عمر بھر کے لیے لود بشریٰ۔ تم۔ تمہیں ہوش ہے کہ تم کیا لگو اس کر رہی ہو۔ کس پر اس بدیہی سے
 الزام رکھ رہی ہو؟ تمہاری بیٹی ایسی پاک باؤ اور بیاہیا ہے تو میرا بیٹا بھی ایسا نہیں۔ میں اس کے گروار کی قسم اٹھانے
 کو تیار ہوں۔ میرا خون ایسا گندہ اور گھٹیا نہیں ہو سکتا۔ یہ شرعیہ فساد صرف تمہاری بیٹی کا پھیلا یا ہوا ہے۔ سبیل کو
 اس نے دھوکے سے کل کر کے اپنے کمرے میں رات کے اس پر گندی نیت سے بلایا ہے۔“

احسن کمال بیٹے کو بچانے کی خاطر بشریٰ کو نیچا دکھانے کے خیال سے پھر مثال سے پیچھا چھڑانے کے اس
 سنہری صوبے سے فائدہ اٹھانے کے لیے سامنے نظر آتی نکل چلائی سے یوں نظریں چڑائے گا۔ لود بھر کو بشریٰ
 شدید رہی ہو گئی۔

”تم۔ کہہ رہے ہو کہ۔ یہ سب کچھ مثال نے خود کیا ہے۔ اپنی عزت خود۔ نہیں! احسن! تم ایسا سوچ
 بھی کیسے سکتے ہو۔ تم نے میری بیٹی کو اتنا لگاؤ اتنا کراہو سمجھا ہے۔ یہ ایسا بھی نہیں کر سکتی۔ یہ مروت سکتی ہے مگر۔
 ایسا۔ کبھی نہیں۔ میں نہیں مان سکتی۔ بہ بشریٰ مثال کو اپنے ساتھ چھانے باب کے مضبوط اور بے پلک لہجے میں
 بول رہی تھی۔

”تم مجھے جھٹاؤ گی۔ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ میرے بیٹے نے کیا؟ تم یہ کہہ رہی ہو۔“ وہ جیسے غصے میں
 بے قابو ہو رہا تھا۔

سیفی کے چہرے پر لب اطمینان اور سکون تھا۔ اس نے اپنے کھٹے گریبان کو بند کرنے کی کوشش بھی ترک کر
 دی تھی۔

”لود بشریٰ اور مثال کو بہت تمسخر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔
 ”ایسا ایسا بہت دنوں سے ایسا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے اکسانے کی یہی توجہ حاصل کرنے کی۔“ وہ
 جیسے جلتی پ اور بھی تیل چھڑک کر مزے لینے کو بولا۔

”تم۔ تم ایسی گھٹیا سوچ رکھتے ہو سیفی! مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے تمہیں اپنی سگی بیٹی سے براہ کر توجہ
 دی۔ یاد رہا تھا۔ بھول گئی کہ تم کسی دوسری پرانی عورت کے بیٹے ہو۔ لود تم نے یہ صلہ دیا مجھے۔ میری بے لوث
 محبت کا میری سگی۔ محصوم بیٹی پہ ہاتھ ڈالا۔ اسے رسوا کرتے ہوئے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا اصل میں تم نے
 میری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ تم نے مجھے رسوا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں
 تھی۔“

بشریٰ کی تواضع غم اصدے لود فہم سے پھٹ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی دنیا ہی ختم ہو گئی ہو۔
 اس کا اتنے ساتوں کی ریاضت سخت سب ان چند لمحوں میں ہوا ہو کر رہ گئی ہو۔

آئینہ جلنے کب ان سب کے پیچھے آ سکتی سے آکر کھڑی ہو گئی تھی اور منظر کے سیاق و سباق۔ کو سمجھنے کی
 کوشش کر رہی تھی۔

”تم نے کوئی احسان نہیں کیا اگر میرے بیٹے کو یاد اور توجہ دی اور نہ تم جیسی طلاق یافتہ ایک سگی کی ماں کو کیا مجھ
 جیسا صاحب حیثیت شخص ایسی فراخ دلی سے بھی پاتا۔ تمہیں اپنے عائیشان گھر میں کسی ملکہ کی طرح پیش و

تو اس سے دیکھا جبکہ تم اس قابل نہیں تھیں۔
وہ احسن کمال ایک بالکل بدلا ہوا اجنبی شخص بشری کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بہت سماں پہلے جس نے عقلی کے بعد معذور دیکھ کر اپنا ہاتھ بالکل دھو بی احسن کمال۔

بشری بے یقین سی پھٹی پھٹی آنکھیں لیے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔
”میں۔۔۔ یہ میں تھا جس نے تمہاری اس بے آسرا بیٹی کو جس کا بکا باپ بھی اسے چند دن سے زیادہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اپنے گھر میں پتلا دی۔ اس کی ہر ضرورت ہر خواہش پوری کی اور بدلے میں آج تم میرے سامنے کھڑے ہو کر میرے بیٹے کو پروان چڑھانے کا احسان جتلا رہی ہو۔“ وہ غصے میں جیسے دوا بھر چکا تھا۔

لہو بھر کو بشری کو لگا اس گھر میں وہ اور مثل اجنبی ہیں اور ان کی حیثیت اس گھر کے ملازمین کے برابر شاید ان سے بھی بدتر ہے۔ فوراً گھر کے مالکان پر برس رہے ہیں۔ سنا سم کر رہ گئی۔
بہت سماں پہلے والا منظر جزئیات کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آگیا۔
جب ایک پہلے مرنے والے اپنے منگے خون کی خاطر اسے اور اس کی بیٹی کو بھٹکا دیا تھا۔ انہیں ننانے کی ٹھوکروں میں ڈال دیا تھا۔

اور بھی چند لمحوں بعد پھر وہی نظروں ہرایا جائے گا۔ وہ ابھی ذرا دیر میں اس غصے جنابی احسن کمال کی نفرت کے ہاتھوں اپنے اس دے سرے گھر سے بھی بے دخل کر دی جائے گی۔

لیکن اس وقت میں اور اس میں بہت فرق ہے۔ تب مثال چند سال کی کمسن بچی تھی۔
اور بشری کے پیچھے اس کی مضبوطی اور بھائی کا سارا موجود تھا اور آج۔۔۔ تو پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں سے نکال دی جاتی تو اس بھرپور جوانی اور قیامت خیز حسن کی مالک بیٹی کو نلنے کی گندی نظروں سے چھپا کر کہاں لے جائے گی۔ وہ چلا رہا تھا۔

”تمہاری بیٹی لوہو تمہارے اصل میں تو ان سب آسائشوں کی حق دار تھیں ہی نہیں لوہو غلطی سرا سر میری ہے ایک پرانے مرنے والے کو اس گھر میں جگہ دینے دی اور آج میرے ہی بیٹے کو مجرم ٹھہرایا جا رہا ہے۔“
تو احسن کمال فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ شاکند سی گئی۔

کون مجرم ہے اور کون بے قصور!
”تو تمہیک ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا دھرا میرے بیٹے کا ہے تو بشری یکم اہم اپنی اس پاک سباز بیٹی کو اپنے ساتھ لوہو اس کے باپ کے گھر یا جہاں تمہیں جگہ ملے پہلی جائے۔ کیونکہ میں تو ایسے احسان فراموش نوکوں کو اپنے گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جو عمر بھر بیٹھے چائے کے پودے بچھ رہے۔ ایسا الزام لگائیں۔ چلو سیٹھی بیٹا! ہمیں اب لوہو کوئی بات نہیں کرنی۔“ کہہ کر اس نے یوں سیٹھی کو بازو سے تھام کر ساتھ لگا کر باہر کا رخ کیا جیسے بشری اور مثل نے اس کے ساتھ بہت ہرا کر لیا ہو۔

”یہاں! کیا ہوا ہے؟“ آئینہ کو شیش کے پلوہو پورے معامے کو عمل طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔
کچھ سے ہوئے انداز میں باپ کے اجنبی تیور دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔
”کچھ نہیں جان، اتم چلو اپنے روم میں چل کر آرام کرو۔ ہم صبح بات کریں گے۔“ وہ اس پیار اور استحقاق سے اسے دوسرے سلو میں ساتھ لگائے لے جانے لگا۔

آئینہ نے پیچھے مڑ کر ابھی نظروں سے ہل اور مثل کو دیکھا۔ مثال سے اسے کوئی انیت تھی نہ لگاؤ اور اب وہ جو اس برے حال میں نظر آ رہی تھی تو بھی آئینہ کو اس سے کچھ خاص مدد دی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

مگر اس کا باپ جس طرح اس کی ماں سے چیخ کر بات کر رہا تھا سب اسے بالکل بھی سمجھا نہیں سکا تھا۔
 ”ایسا ملنے کچھ غلط کیا ہے کیا؟ آپ دونوں میں جھگڑا کیوں ہوا ہے اور سیٹی بھائی کی شرت کیسے پھٹ گئی؟“
 تین بیوی سول۔ جن کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی احسن کمال میں۔ اسی لیے تو وہ پریشور ڈالنے کے
 لیے بشری کو خوفزدہ کرنے کے لیے چیخ کر بات کر رہا تھا۔
 ”کچھ نہیں جہن۔ تم بلاوجہ پریشان نہیں ہو۔ جا کر ابھی خیر لو اپنے موم میں۔ صبح ہوگی تو سب ٹھیک ہو
 جائے گا۔ اور کہ۔“ وہ اسے ساتھ لگائے باہر نکل گیا۔
 کمرے میں تبصر خاموشی تھی۔ مثل تو اس سارے ارے کے دوران ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔ بشری
 احسن کمال کے مدد پر پھر سے پتھر کی بن کر رہ گئی تھی۔



”ایسا کیا حرج ہے پلیز! ان جاہل بھائی پریش۔“ عدیل کے گلے میں بائیس ڈالتے ہوئے لاڈ سے بول۔
 عدیل کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔
 عفت نے کچھ ناگوار سی سے شوہر کی طرف دیکھا۔ لاکھ محبت و اپنائیت کے باوجود کبھی کبھی عفت کو لگتا جیسے
 عدیل بچہ میں کبھی صدیوں کے فاصلے پر جا کھڑا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی چاہتے ہوئے اس تک پہنچ نہیں پاتی۔
 ”پری ضد کر رہی ہے۔ اس کا دل ہے تو آپ سان جا نہیں پاتا۔“ کمال الٹی میٹ کے منہ سے سونے پر عفت کے دل کو
 کچھ ہوا تو نہ نہ سکی۔
 ”عفت! میں اس بار مثل کو چھوڑ کر نہیں جاتا چاہتا۔ کھلی بار بھی۔“ وہ بولتے ہوئے ہونٹ بھیج کر رہ گیا۔
 ”چار پانچ سال ہو گئے اس کھلی بار کو بھی جسے آپ بھلائے نہیں بھول رہے۔ جب ہمارے اچانک پنڈی
 جانے کی وجہ سے اسے اپنی ماں کے گھر جا کر چند دن رہنا پڑ گیا تھا۔ کئی مانی تھیں اس کی۔ کوئی غیر نہیں تھیں۔
 اگر مثل چلی بھی گئی تھی اور اب تو۔“ عفت سخت کوفت بھرے لہجے میں بولتی گئی۔
 ”اور اب تو اس کی مانی بھی زندہ نہیں۔ یوں بھی مجھے ایک بھتیگی چھٹی نہیں مل سکتی آفس۔ میں کہے
 لے کر جا سکتا ہوں تم لوگوں کو غار درن مارا۔“ پتا نہیں کچھ دلوں سے جی عجب تھا تھا کا سارے لگا تھا۔ عدیل کو
 کچھ بھی سمجھا نہیں لگا رہا تھا۔ دل چاہا تو ساتھ۔
 نسیم بیگم کا وہ سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے عدیل کچھ ایسے ہی اکھڑا کھڑا رہنے لگا تھا۔
 عفت کو کچھ اور کم ہی ملتی تھی۔

”پہلی بیوی کے ساتھ تو میں نے سنا ہے تب کو تین چھٹیاں بھی ملتی تھیں تو تب انہیں سیر کے لیے لے جاتے
 تھے۔ پری نے تو پہلی بار ضد کی ہے۔ میری صاحبزادی نے چھٹیاں پیشہ گھر میں گزاریں۔ کبھی ضد نہیں کی۔ اس بار
 پری اور بچے دو کوئی ضرورت نہیں پایا کی نہیں کرنے کی۔ ایک ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں ہیں تمہاری۔ کوئی شاد
 گورس کر لو۔ گزر جائیں گی مصروفیت میں۔“ عفت کو سخت برا لگا تھا عدیل کا یوں پری کو چھٹیوں میں گھمانے کے
 لیے لے جانے سے منع کرنا۔
 عدیل بیوی کو کچھ کر رہ گیا۔

وہ تو گئے دنوں کی بھولی سری بات تھی جب عدیل اور بشری کی چھٹیاں اکثر سیر پالے میں گزرتی تھیں۔ نسیم
 اور فوزیہ کی سخت مخالفت کے باوجود۔

اور آج اتنے سارے سالوں بعد جو ان ہوتی پٹی کے سامنے عفت نے یہ کیا طعنہ مارا تھا۔

طعنہ نا قابل برداشت تھا یا اس یاد کی چوٹ۔ عدیل نے تڑپ کر غصت کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔
پریشنے نے پراسانہ بنا کر باپ کو جاسے نہ دیکھا۔
”کیا ضرورت تھی آپ کو یہ سب کہنے کی پاپا کا موڈ آگے ہو گیا حالانکہ وہ جان جاتے ہیں وہ ایک بار پھر کہتی تو۔“
وہ آگے بڑھ کر اس کے ساتھ بولی۔
”تو جاؤ جا کر پاپا کو پکڑ لو اپنے باپ کے آگے لے کر جاتا ہے تو۔“ غصت غصے میں کہہ کر اٹھ کر چلی گئی۔



مثال دیوار کی طرف کروٹ لیے دیوار کو ایک ٹکڑی دیکھتے ہوئے بے آواز آنسوؤں کے ساتھ روئے جا رہی تھی۔
رات کا کمرہ مظہر آباد اس کے دل کو سمائے جا رہا تھا۔
سیفی کسی عفریت کی طرح جس طرح اندھیرے میں اس پر چھینٹا تھا وہ شاید جا رہی ہو جاتی۔ اگر وہ پوری قوت لگا کر اس کی مزاحمت کر دیتے ہوئے زور سے چیخیں نہیں تو؟
لیکن جو کچھ احسن کمال نے کہا۔ وہ سیفی کی حرکت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔
اپنے کے جانے کے بعد وہ بشری کے سینے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور بہت دیر تک روتے رہتا چاہتی تھی مگر اسے لگا۔ بشری پھر کی بنے بنے جیسے سردیوں میں ڈھل گئی ہے اس کا جسم سرد ہو گیا تھا۔
اس نے ذرا بھی مثال کو اپنی ساتھ نہیں لگایا تھا نہ اس کا سر تھکا تھا نہ اسے کوئی نسی ہوئی تھی نہ کوئی دلاسا۔ نہ کوئی پیار بھری ہمدردی کا کوئی بول۔
وہ کچھ بھی تو نہیں بولی تھی۔ بالکل خاموش ساکت اور بے حس تھی۔ جس طرح وہ احسن کے سامنے بولی تھی۔ وہ ساری ہمدردی کہیں سو گئی تھی۔ مثال بہت دیر تک ٹھیکوں سے روئی رہی پھر بشری کی خاموشی پر وہ خود ہی کچھ دیر میں خاموش ہو گئی۔
اس نے آہستگی سے خود کو بشری سے الگ کیا۔ بشری بالکل بے ہوشیاں سی کم صم بیٹھی تھی۔ کمرے میں تبصرہ چپ تھی۔ مثال کی سسکیں بھی خاموش ہو چکی تھیں۔
صرف سہرا کی رات کے آخری پہر کی لمبی چپ میں تک تک کر کے گزرتی گھڑی کی سوئیں کی چاپ تھی۔
بے آواز قدموں کے ساتھ دھیرے دھیرے گزر رہی تھی جیسے بہت کچھ اپنے ساتھ بنا کر لے جا رہا تھا۔
سوئے بشری کی بے چارگی، بے بسی اور زلت کے اسباب! اسباب وہی تھے صرف زلت دینے والا شخص بدل تھا۔

عدیل کی جگہ احسن کمال!
ورنہ اب بھی اس کی حیثیت اتنے سوالوں کی گھڑستی کے بعد وہی تھی۔ صرف تین بولوں سے اس کے وجود کی عمارت گھڑی تھی۔ تین بولوں کا جھنکار اور اس کا وجود ہڑو ہڑو اتنا بے نی بندہ ہوں پر گر جاتا۔
”لہذا میں نے سیفی کو کال نہیں کی تھی۔ آپ چاہیں تو میرا نمونہ چیک کر لیں۔ میں تو گھڑی تیرہ سو رہی تھی اور میں تو کمر لاک کر کے سوئی ہوں۔ کمر لاک تھا۔“
مجھے نہیں معلوم اس نے لاک کسے کھولا اور اندھیرے میں ماما۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔ اور میں سیفی کو کیوں بلاؤں گی ماما۔ آپ جانتی ہیں نا ایسا نہیں ہے۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔“
مثال کو ماس کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ رک رک کر صفائی پیش کرنے والے

اندر اڑیں بول۔ بشریٰ نے اس سارے کے دوران پہلی بار سست کھیلی نظروں سے اسے دیکھا۔
 ”تم یہ ساری بیکو اس شخص کے سامنے نہیں کر سکتی تھیں جو بیٹے کی پار سائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا
 رہا تھا۔ اس وقت کو کوئی دینی بیٹھی تھیں۔ منہ میں کھٹکھٹیاں ڈالنے بالکل خاموش تھیں۔ صرف مجھے نچاؤ کھانا
 تھا۔ مجھے جھوٹا بڑا ہانا تھا۔ تمہاری جیب۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے وہ دلوں میں ہوئے۔ اس وقت تو تم بول کر
 جھکائے بیٹھی تھیں جیسے واقعی تم نے اس طبیعت کو اپنے کمرے میں بلایا ہو۔“ وہ جیسے ڈپٹ کر بول۔
 ”نما!“ مثل کے سر پر جیسے کوئی بھاری پتھر آکر گر رہا ہو۔ وہ تکلیف سے ہلکا اٹھی تھی۔
 احسن کمال کے لفظوں کے تازیانے نرم پڑنے لگے تھے بشریٰ کے طعنے کے آگے۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے ماں
 کو دیکھتی رہ گئی۔

”ایک بار پھر۔ ایک بار پھر جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ چاہیں۔ میں نے کسی کا کیا باگاڑا ہے کہ
 ہزار کوششوں اور اتنی قربانیوں کے بعد بھی ہر بار ذلت کے اس گڑھے میں گھسے ہی کہیں ہو چکا جاتا ہے۔“
 بشریٰ خود اذیتی سے منہ میں پروں داتے ہوئے بول رہی تھی۔ مثل ٹانگیں سال کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔
 ”اب میرے ساتھ کون ہے۔ نہ کوئی گھر نہ کوئی آسرا۔ اگر یہ احسن کمال۔ جانتی ہوں میں اس کو کتنا ہے
 وید لورے لحاظ شخص ہے۔ ابھی تین بول کے لور مجھے اپنے گھر سے چٹا کر دے تو میں کہیں جاؤں گی۔ تمہیں
 ساتھ لے کر۔ کون پناہ دے گا مجھے۔ اور یہ منہ میں دن بھی مجھے تمہارے باپ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے جس
 نے تمہیں اور مجھے اس حال تک پہنچایا۔ اللہ کرے ساری زندگی وہ خوشیوں کا منہ دیکھنے کو ترستے جس کی وجہ سے
 میں نے ہمیشہ دکھ جھیلے۔“

ہست برائے زخموں پر۔ جما کر ہڈ کسی نے زور سے گھرا تھا۔ بشریٰ کے منہ سے تکلیف کے ساتھ گونے اور
 بدعائیں نکل رہی تھیں۔
 مثل پٹی پٹی آنکھوں سے صرف حال کو دیکھنے جا رہی تھی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بشریٰ اس کے ساتھ ہونے والے سلسلے پر رنجیدہ ہے یا احسن کمال کی بدھکی
 نے اسے سخت خوف زدہ کر دیا ہے کہ اسے اپنا اور مثل کا بند و بست کیس اور کرنا پڑے گا۔
 ”چاہیں کیا ہو گا۔ بالکل بالٹی کھوپڑی کا تو ہی ہے یہ۔ اور تمہیں چاہیے تھا۔ کمرے کا ایک لگائے کے علاوہ
 یہ چینی بھی تو ہے اس دروازے کی۔ اسے بند کر کے نہیں سو سکتی تھیں۔ جو ان ہو سمجھ رہا ہو۔ ان معاملات
 کی نزاکت کو سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں اپنی حفاظت لب خود کرنی ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے۔ لیکن نہیں! سارے
 عذاب ساری مصیبتیں تو خدا نے میری قسمت میں لکھ رکھی ہیں۔“ وہ سخت پریشان تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا
 تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی ہے۔

”اٹھو اور چنچ کر۔ اپنا چلیہ ٹھیک کرو اور کمرے کا دروازہ اور کٹھی دونوں ابھی طس ملاک کرو۔ میں آتی ہوں
 کچھ دیر میں۔“ وہ پریشان سی کہہ کر ہر نکل گئی۔ مثل ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔



سب کچھ اتنی جلدی جلدی لور اچانک ہو رہا تھا کہ عاصمہ اور دائق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیسے ہو
 گا۔
 اگرچہ ہاشم اور اس کی بیوی نے سختی سے منع کیا تھا کہ انہیں چیز کے نام پر کچھ بھی نہیں چاہیے۔
 یوں بھی دس بارہ دن کے اندر چیز کے نام پر کوئی تیاری تو ہو بھی نہیں سکتی تھی لیکن عاصمہ کو لگ رہا تھا۔

ٹیپوں کے لیے ماؤں ٹھکرایا ہوا اجیز تھوڑا ہوا یا زیادہ قیمت قیمتی اور انمول ہوتا ہے۔
ہاسم کے علاوہ اسیبہ اور اریشہ بھی ماں کو منع کر رہی تھیں مگر پھر بھی۔ دن میں کم از کم بازار کے دو چکر تو
ضروری لگائی تھیں۔

دونوں بیویوں کے لیے بہت نایاب اور قیمتی مگر استعمال ہونے والی چیزیں بہت مل سے خریدی تھیں۔
تھوڑے سے کپڑے، تھوڑی سی جیولری، تھوڑے سے مگر بہت خوب کھانا برتن، بجوئے لیور، کچھ دھرا ضرورت
کام سامان اس نے تھوڑا تھوڑا کر کے ان دس یا بیس روپوں میں اکٹھا کر ہی لیا تھا۔
والہن ماں کے خیال سے واقف بھی تھا اور شوق بھی!

وہ بھی تنگی چاہتا تھا اس کی دونوں بہنیں بہت بھر کرنے سی مگر حسبِ وقت اپنے حصے کا کچھ نہ کچھ سامان لے کر
جائیں۔

”مما! بس کر دیں نا آپ، تنگ جائیں گی جو کام ہائی بن گئے ہیں میں اور اریشہ کو دیں گے۔ تب ہم پر بھی دھوسا
کریں ہم بھی یہ سب کچھ کر سکتے ہیں۔“

عاصمہ دونوں کے کپڑے پیک کر رہی تھی جب اسیبہ نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام کر انہیں چومتے ہوئے
کہا۔

”میری بہن! بھروسہ مجھے تم دونوں پہ خود سے زیادہ ہے کہ تم دونوں کبھی بھی زندگی کے کسی موڑ پر میری تربیت پہ
حرف نہیں تھنوں گی۔ زندگی کے کھنکھن مراحل اللہ نہ کرے تمہاری زندگی میں کبھی بھی آئیں لیکن تم ان سے مجھ
سے زیادہ بہتر طریقے سے نہر آنا ہو سکتی ہو، لیکن ابھی یہ کام میرا ہے اسے شصتی کرنے۔“
وہ بیٹی کو ساتھ لگا کر بیٹھے کچے میں بولی۔

”تم دونوں کے چھوٹے چھوٹے کام جس طرح آج تک مجھے اپنے ہاتھ سے کرنے پہ جو خوشی ملتی تھی یہ سکون
میرے ساتھ آخری سانسوں تک رہے گا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کے سارے کام خود کیے ہیں۔ تم اس بات کو
نہیں سمجھو گی جب تک خود میں نہیں ہو گی۔“ وہ اس کی ٹانگ کھینچ کر اسے پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔

”مما! کیا ہے بس کریں نا۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چھوڑیں یہ سب فور میرے ساتھ باتیں
کریں۔“ وہ لڑاؤ سے ساری چیزیں ایک طرف ہٹا کر ان کو ساتھ لپٹاتے ہوئے بولی۔

عاصمہ کچھ سخت بولتے ہوئے رک گئی۔
اس نے ہاتھ سے سب پرے ہٹا دیا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اسیبہ کا سراپا کی گود میں رکھ کر سکون بھرے
انداز میں بیٹھ گئی۔

”ہاں اب بولو۔ کیا باتیں کرنی ہیں تم نے مجھ سے؟“ وہ اس کے ہاتھ سلاتے ہوئے پیار سے بولی۔

”مما! اگر پایا ہوتے تو کیا وہ بھی اسی طرح ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ ملے کر دیتے۔“ وہ آہستہ سے بولی۔
”اریشہ! تم خوش نہیں ہو جیٹا؟“ وہ چونک کر بولی۔

”آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی بس۔“ وہ اس کی گود میں منہ چھپا کر سسکی عاصمہ افسردگی سے بیٹی کو دیکھ کر رہ
گئی۔

اس درد کو تو وہ خود اپنے خونوں سے دل میں چھپائے پھر رہی تھی کہ خوشی کے ان لمحوں میں یہ سسکی لہروں تک آکر
خدا انوارت کوئی بد شگونی نہ ہو جائے۔

وہ اسیبہ کو بولے ہوئے چمکتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

"یہ کیا کہہ رہے ہو احسن تم؟" بشری احسن کی بات پر دم بخود سی رہ گئی۔ احسن کے چہرے پہ وہی اجنبیت اور بیگانگی تھی جو گزری رات کے آخری پسریں بشری نے اس کے چہرے پر دیکھ کر بہت دور تک بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

"اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا سخت ہرٹ ہوا ہے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی اس گھنیا حرکت سے۔ وہ وہاں کے لیے گھر آیا تھا اور لب و لہجہ کل واپس جا رہا ہے صرف تمہاروں میں بشری کی وجہ سے" وہ سخت طعن بیاڑ عورت کی طرح حقارت سے بول رہا تھا۔

اور بشری سے تو کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔
"نکلن کھول کر سن لو بشری! یہ گھر میرا بعد میں پہلے سب کچھ سیٹلی کا ہے۔ میرا ایک بیٹا ہے اور مجھے اپنی ہر چیز سے پیارا ہے۔ میرے بعد میری ہر چیز کا وارث ہے وہ اس کو ناراض کرنے کا مطلب تم سمجھ سکتی ہو۔" وہ متبتابہ سینہ ڈالے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"اور یہاں سے ناراض ہو کر جا رہا ہے اور وہ اتنی بری طرح سے ڈسٹرب ہے کہ اس نے مجھے صاف لفٹوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ اب شاید ہی کبھی واپس آئے گا۔ مت پوچھو اس وقت سے میرے دل کا کیا حال ہے۔ میرا سیٹلی اتنے مینوں بعد گھر آیا اور لب و لہجہ ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ اس بات سے میں سخت پریشان ہوں۔" وہ بے کل سے لہجے میں ادھر ادھر مہکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم اور تمہاری بیٹی اس سے معذرت کرو۔ اسے روکنے کی کوشش کرو اور جب تک سیٹلی یہاں ہے اور جب بھی وہ یہاں آیا کرے گا۔ تمہاری بیٹی یہاں نہیں رہے گی۔ وہ اپنے آپ کے گھر جا کر رہا کرے گی۔ میں اسے یہاں سے نکال نہیں رہا مگر وہ تب ہی اس گھر میں رہ سکتی ہے جبکہ سیٹلی سے لڑکھکھوڑ کرے گی اور اس کی موجودگی میں یہاں نہیں رہے گی۔" وہ بے چنگ لہجے میں کہتا ہوا ایک غیر اجنبی مرد لگ رہا تھا جسے بشری آج سے پہلے بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔

"احسن! یہ ایک بالکل ناقص بات ہے۔ مشکل کا اس میں بالکل تصور نہیں ہے اور۔" بشری نے تھوک جھل کر کہنا شروع کیا۔

"تم ابھی بھی اپنی بیٹی کی فحش زندگی جھکنا میرا بیٹا۔ میرا اکلوتا بیٹا ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میرے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور تم ابھی بھی اس پر اسے آدمی کی بیٹی کی طور میں مری جا رہی ہو۔ اتنی محبت تھی اس سے اس کی لہجہ سے تو کہیں چھوڑ آئیں اس کے بچوں پکڑ لینے تھے اس کی زندگی میں وہ بارہ شامل ہونے کے لیے حائل کر رہا تھا۔ جو تم سے بہن پر مار کر لیتیں اگر اتنی الفت تھی تمہیں اس کے خون سے۔" وہ جالوں کی طرح حلق کے غل پیچا تھا۔

بشری اشتہار سی رہ گئی۔

"بس۔ تمہیں صاف لفٹوں میں پتہ چکا ہوں۔ مگر تم نے اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں سیٹلی سے معافی مانگنا ہو گی۔ اسے جانے سے روکنا ہو گا ورنہ اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا ورنہ تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہو گی بشری! یکم اداوی ہو تم اور تمہاری بیٹی گھر بدلنے کی۔" وہ چلا ہوا کہہ رہا تھا۔ بشری کے لیے ایک ایک کر کے وہ سارے راستے بند کرنا چلا جا رہا تھا۔

"اگر وہ سیٹلی سے معافی بھی مانگ لیتی ہے اسے یہاں سے جانے سے روک بھی لیتی ہے۔ مشکل کو عدلی کے گھر بھی چھوڑ دیتی ہے تو کیا وہ اس احسن کمال جیسے خود غرض اے جس شخص کے ساتھ باقی کی زندگی پہلے کی طرح گزار سکے گی؟ جس کی نظروں میں اس کی وقعت و کوڑی کی بھی نہیں۔" بشری نے کھڑے کھڑے حساب کتاب

کیا تو مجھے اسے خود ہی سے کھن آئے گی۔
 وہ اگر اس کے بعد یہاں رہی بھی تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہے گی۔
 اسے خوب بے تحاشا ترس آئے گا۔

لور سیفی کے اتنے دن یہاں رہنے تک وہ مثل کو کہاں چھوڑ کر آئے اور اتنے نفسانگ طریقے سے کہ سیفی
 کے آنے پر اسے یہاں سے جانا پڑے۔

اور یہی کچھ باہر کھڑی مثل بھی سوچ رہی تھی۔
 اس نے جو کچھ دن پہلے بشری اور احسن کمال کے گھر پر نہ ہوئے پر جاب کرنے کا سوچا تھا اسے اپنا فیصلہ بالکل
 درست لگ رہا تھا مگر ابھی اسے بشری کے فیصلے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ آہستگی سے واپس مڑ گئی۔
 بشری تو وہیں بے حاصل سی صوفے پر بیٹھ گئی۔ احسن کمال اسے حکم سنا کر جا چکا تھا۔
 اور وہ بہت کچھ سوچتے ہوئے بھی کچھ سوچ نہیں رہی تھی۔



وہ دنوں وہ نہیں بنی کسی لور وہیں کی شہزادیاں لگ رہی تھیں۔
 عاصمہ تو انہیں نظر نہ کر رہی تھی۔
 دیکھتی بھی کیسے ایک عمر کا خواب تھا۔ لگتا تھا اسے تعبیر بننے میں اس کی ایک لور عمر کام آجائے گی مگر اللہ یوں
 بھی معجزے دکھاتا ہے۔ وہ بار بار خود کو ہلور کر رہی تھی۔
 اسی لور ارشد کی شادی یوں اتنی جلدی اتنی آسانی سے اور اتنی اچھی جگہ ہو جانا اس کے نزدیک اس صدی
 کے بہت بڑے معجزے سے کم نہیں تھا۔
 گزری رات میں وہ دنوں کو مندی ملانے کے بعد جب ایک خوشگوار رات جگمگے کے بعد گھر بھر کے مہمان اور
 اس کے بچے چلوں پہ انکی نیند کے جھولنے میں ذرا کی ذرا ہنسلے لینے لگے تو عاصمہ کی آنکھ ہل بھر کو بھی نہیں کھلی
 تھی۔

وہ تو بس گزرے ساویں کی سیار اتوں اللہ تباریکہ دنوں کو شمار کرتی رہی اور روتی رہی۔ شیطان صفت ذہن جس
 نے اس کا لور اس کے جیم بچوں کا سرمایہ حیات ہی نہیں چھینا تھا اس کے عزت کی ہلور بھی تار تار کی تھی۔ اس
 کی زندگی کا وہ سرمایہ جس سے وہ خود بھی عمر بھر آنکھ چرا لی تھی۔
 اور اکثر وہ اسیہ کے اچانک کچھ پوچھنے پر ڈر سی جاتی تھیں اسیہ کو وہ اندھیری رات یاد تو نہیں آتی۔ کہیں وہ
 اس کے بارے میں تو سوال پوچھنے نہیں جا رہی۔
 اسیہ کی سووی گواہ اس کا دل ہل بھر کو قلم کر رہا تھا ہر صد شکر کہ اس کا وہ بچپن کی اس تاریک شام کو
 بھلا چکا تھا۔

اور پھر اس کے بعد ایک کے بعد ایک تکلیف دینے والا مرحلہ۔ جب وہ بچوں کی گزراؤات کے لیے کسے
 لوہی کی خاطر روٹے کھاتی پھرتی تھی۔ یوں حالات کے ہاتھوں روندھی ہوئی ٹھوکریں کھا رہی تھی کہ کوئی بھی زندگی
 سے رستہ ملنے کی نشاندہی کرتا تو اس کے پیچھے چل پڑتی۔

رب نے وہ سارے سیاہ دن اور کللی راٹیں کسے کٹھنیں کہ پتا بھی نہیں چلتا۔ اس کا وعدہ یقیناً سچا ہے کہ
 میں تمہارے سچ کے دنوں کو یوں مٹا دوں گا جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے۔
 وہ آنکھوں میں لہرتے آنسوؤں کو پوچھ رہی تھی جب واثق آہستگی سے اس کے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

”کیا یہ بہتر نہیں تھا ہی! کہ آپ مجھے دنوں کو یاد کر کے یوں مروے کہ بجائے ایسے خوش بخت لہجوں کا شکر ادا کرتے کہ اللہ نے کس طرح میں ملے گئے ہماری جھولی میں اتنی ساری خوشیاں بھری ہیں؟“ وہ انگلیوں کی نرم پوروں سے ہلکی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔

”بے شک اس نے مجھے ہمیں ہماری بساط ہماری اوقات سے بہت زیادہ دیا ہے کہ شکرانے کے لیے میں پورا وجود بھی آنسوؤں میں بہاؤں تو کم ہے۔ واقعی۔۔۔ آپ شکر کے آنسو ہیں جو میری آنکھوں سے روکنے کے باوجود رک نہیں رہے تو سوچا اس کیلئے کہ میں چننے کر اس کو یاد بھی کر لوں اور اس کا شکر بھی ادا کر لوں۔“ وہ بیٹے کو ساتھ لگا کر آنکھیں صاف کرتی کبھی ہنسی کبھی روٹی والی بات کو بہت معصوم کسی بچی کی طرح سنا اور بے رہا لگیں۔ صاف کے ہاتھ چوم کر انہیں آنکھوں پر رکھ کر یونہی پرسکون ہو کر لیٹ گیا۔



سینٹی نے اس کے ہاتھ ایک بار نہیں کٹی بار بھٹک کر عقارت سے برے کیے۔ وہ بار بار اس کے سوٹ کیس سے کپڑے نکال کر اسے جانے سے منع کرتے ہوئے کچھ محبت بھری دھمکیں دیتا رہتا تھا۔ کچھ محبت جتاتے ہوئے روکتی اور وہ بہت طنز پر عقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر پھر سے سوٹ کیس بھرنے لگتا۔

بشری نے اپنی عمر کے کسی حصے میں خود کو اتنا ہکا بکا کرتا اور ذلیل محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس لمحے محسوس کر رہی تھی کہ اس شخص نے جس نے اس کی کم سن بچی کی زندگی برباد کرنے کی کوشش کی تھی اسے اس کی فٹیں اور خوشامدیں کر کے روکنا پڑا تھا۔

وہ سن رہی تھی مگر اندر سے رو رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کالج کی کہانیاں تھیں۔ ”میری جان! کیا اپنی ماما سے خفا ہو کر جاؤ گے تو جاؤ پھر ماما کو چین کیسے ملے گا“ جانتے تو ہو تمہاری ماما کو کتنے مہینوں سے تمہارا انتظار تھا۔ اب ہوں چلے جاؤ گے تو میرا دل کتنا برا ہو گا۔ اب بس کرواؤ ناراضی۔“ وہ تھک کر نڈھال سی ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

”آپ نے تو ایک بار بھی اپنی لالائی کو اس حرکت پر نہیں جھٹلایا جو اس نے میرے ساتھ کی۔ آپ۔“ وہ کدورت بھرے لہجے میں بولا۔

”سینٹی اس بات کو۔۔۔ اب غم کرو۔۔۔ میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری سانسیں گھٹ رہی ہیں۔ میں۔۔۔ میں نے یہ سب کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔“

اس کا بھرا ہوا دل بہت زیادہ ہمت برداشت کے باوجود بھی آنکھوں سے جیسے جھٹک رہا۔ ”تو آپ کو اس بات پر یقین نہیں کہ آپ کی بیٹی نے کچھ غلط کیا ہے؟“ وہ خدی باب کا خدی بیٹا اسی کینٹکی اور ہنسنے والی سے اپنی ضد پر جھاکھڑا تھا۔

بشری کو تھکے مل کر اویکھنے کے شوق میں بس نشتر کو ہاتھ میں لیے بار بار اس کے زخموں کو اویڑے جا رہا تھا۔ بشری کی آنکھوں میں مزہیں سی لگ رہی تھیں۔

اس نے اپنے خن سوجھاؤں میں سینٹی کا ہاتھ ڈرا سالیانہ اور حلق میں پھنسنے کو پرے دھکیلا۔

”وہ یہاں نہیں رہے گی۔ چلی جائے گی۔ اب اس کو بھول جاؤ تم۔“

وہ کہہ کر جیسے ضبط کھو کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ سینٹی کے ہونٹوں پر فائنا سکراہٹ تھی۔



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

عدیل ہاشما کر نے کے بعد یو پی ڈاؤنٹنگ ٹیمیل پر بیٹھا تھا۔ ایک طرف اخبار بھی دکانی تفصیل سے۔ پڑھ چکا تھا۔ دوبارہ گرم چائے منگو کر لیا چکا تھا۔ عفت اس کے یوں بیٹھے رہنے پر کچھ حیران تھی۔

مگر اس سے غفلت کی وجہ سے کچھ پوچھ نہیں رہی تھی۔ پریشے بھی عدیل سے تھا مگر اس نے جھپٹیں ہر کہیں بھی لے جانے کی اس کی ضد پوری نہیں کی تھی۔

”ہاں نہیں آج مثال کو دہریہ کیوں ہو گئی اور نہ اس وقت تک تو وہ آچاپا کرتی تھی اور آج جانے کیوں بدل عجیب سا ہو رہا ہے کہ ایک بار ایک نظرا سے دیکھ کر آکس جاؤں۔“ وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔

آج سولہ تاریخ تھی اور مثال کو اوجھڑا تھا۔ تین چار دن سے عدیل کا دھیان مثال کی طرف لگا تھا۔ اس نے ایک بار غمزہ بھی ملایا پھر رک گیا۔ کہیں مثال اس کے یوں فون کرنے پر فوراً ”آئے گا نہ کہہ دے اور گھر میں عفت بنانے بہانے سے دس باتیں بنائے۔

”چار دن بعد اس نے آج جانا ہے۔ وہ یہی سوچ کر رک گیا تھا۔ اور اب جانے کیوں بے چینی ہی ہو رہی تھی۔“ آج آکس جانے کا پروگرام نہیں؟“ عفت دناہ سکی تو اس نے گزرتے ہوئے سرسری مگر طویل لمبے میں کہہ کر۔

”ہول۔ کسی نے کہا تھا ملے کے لیے اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔ پری ہاشمی نہیں ابھی سو کر۔“ نہیں۔ یوں بھی اس نے دن بھر کرنا کیا ہوتا ہے۔ اٹھ بھی جائے تو لی وی دیکھتی ہے یا نیٹ پر بیٹھی رہتی ہے۔“ وہ جلتے پھٹے لمبے میں بولی۔

”میں نے پچھنی کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ اس سے کوئی پاری کرے اگلے ہفتے ہم جائیں گے۔“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

”تو واقعی جائیں گے۔ کاغذ لے کر چائیں گے۔ تاہم ری کو بہت شوق ہو رہا ہے۔ اس کی ساری فریڈ ڈو ملک سے باہر جاتی ہیں چھپیاں گزارنے۔ کوئی ملائیٹا کوئی ٹکاک کوئی سنگاپور۔ ریشاٹو لندن گئی ہے اپنے ماموں کے پاس یہاں ہماری بیٹی نے صرف اپنے ملک میں ہی گھومنے کی تو فرمائش کی ہے۔ چلیں اچھا ہے خوش ہو جائے گی پری اور دلی کو بہت خوشی ہوگی۔“

عدیل اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ عفت نے مڑ کر خالی کمرے کو دیکھا اور کوفت سے پردہ ہٹاتے ہوئے باہر نکل گئی۔



مثال سیل فون ہاتھ میں لے کر کسی گہری سوچ میں غم بیٹھی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

”میں پیپا کو کل کر کے کہتی ہوں وہ مجھے آکر لے جائیں۔ یوں بھی آج سولہ تاریخ تو ہے۔“ مجھے انکار تو نہیں کریں گے۔ ہاں نہیں اما کیا سوچ رہی ہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آئیں۔ تین دن سے میں کمرے میں بند ہوں۔ میں تین راتوں سے سوئی نہیں اور ملا صرف میرا کھانا کمرے میں بھیج کر ہر فرض سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ انہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا کہ وہ مجھ سے پوچھیں آکر کہ میں کس حال میں ہوں۔ میں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”یہ میری دعا ہیں جو پیپا کے گھر میں صرف میری خاطر دلو سے پھپھو سے لڑ پڑتی تھیں اور آج۔ اس سینی نے۔“ ماما نے اسے کچھ بھی نہیں کہا ہو گا۔ ماما کو یہ لوگ مجھ سے زیادہ پیارے ہیں۔ کوئی بھی تو تین دنوں میں میرے پاس نہیں آیا۔ میں کہیں جاؤں۔ اگر خوراپا کے پاس چلی جاؤں۔ انہوں نے وجہ پوچھی اور میں نے بتا

ہوا۔ نہیں نہیں پھر عفت ملنا کہیں گی میں خراب ہوں۔ میں نے اس بڑے کو ایسا کرنے کے لیے کہا ہو گا۔
وہ تو پہلے ہی مجھے ہر وقت سب کے سامنے برا کہتی ہیں۔ کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھتا۔ کسی کو بھی مجھ سے پیار
نہیں۔ کسی کو میری ضرورت نہیں۔ وہ دانا نہیں چاہتی تھی۔ نذر سے آنکھیں رگڑ کر اس نے دوسری طرف دیکھنا
شروع کر دیا۔

”تم یہاں کیوں بیٹھی ہو میں نے تمہیں کہا تھا تاکہ اب جتنے دن اوھر ہو تم نے کمرے سے باہر نہیں نکلتا۔“
بشری اعلیت بھرے انداز میں تکی بھی اسے کمرے کے باہر نہیں پھینک دیتے تھے۔
”تجربہ جلدی سے۔ تم نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ اس طرح سب کچھ پڑا ہے جائے تو لٹھنڈی بھی ہو گئی۔ یہاں
تک کر رہی ہو تم مجھے مثل لاتا۔“ وہ عجیب جھنجھڑتے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ میں نے فکرمش نہ پریشان
صرف کوفت ہزاری اور جھلاہٹ۔ مثال دوا دے کے فریم میں جڑی پاں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ
گئی۔

”لوہر مصیبتیں کم ہیں میری زندگی میں کہ تم بھی مجھے پریشان رکھنے کی ٹھان لو۔ کم سے کم ناشتا کرو لو ناں یا یہ
ڈرائیو منگوس خدا جانے کہاں مر گیا ہے۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ تو مجھے کھانے کے اندر آجائے پھر اسے مثل
کو چھوڑنے جاتا ہے۔ کو اب ناشتا بعد میں کر لینا پہلے میرے ساتھ اپنا سامان پیگ کراؤ۔“
وہ خود ہی بولتی چیز سے اس کی الماری کے اوپر خالوں سے بے سوچی کمپوں کے پھیلے اور شاپرڈ بھی کھینچ کر نیچے
آتارنے لگی۔ مثال پریشان سی ماں کو دیکھتی رہی۔



”شکر ہے خدا کا ماما! وہ تک چڑھی مثل آپنی ہمارے ساتھ نہیں جا رہی۔ عجب گو تمہارے جیسا مزاج ہے ان کا۔
نہ کچھ منہ سے بولتی ہیں نہ کسی بات میں حصہ لیتی ہیں۔ وہ ساتھ ہوں تو عجیب الجھن ہونے لگتی ہے مجھے۔“
پری تو ان کی زبانی باپ کی رضامندی جان کر ہی اچھل پڑی تھی۔

”پاں تو وہ کوئی ہماری پھیلی کا حصہ ہے جو ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کی ماں سے بنا۔ وہ رکھے اسے اپنے پاس
۔ اتنی بدلتا تا چہ چاہے تو بیٹی کو وہی لندن امریکہ کہیں بھی سیر پانے کے لیے بھیجا سکتی ہے۔ اس کے لیے
یہ نارہن امیرا کیا چیز ہیں۔ مثال گھنی اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ساتھ سیر پانے کرتی رہتی ہے۔ ایک تمہارا
باپ ہے سارے زمانے کا بچوس پیسے کو دانتوں سے کھینچ کر خرچ کرنے والا۔ یہ تو میری امت ہے جو اس کی اتنی کم
تقوٰاد میں اس خوش اسطولی سے کھرچلا رہی ہوں۔ لوگ دن بدن ترقی کرتے ہیں۔ لیکن کی آمدنی بڑھتی ہے۔
تمہارے باپ کا الٹا حال ہے ہر مہینے میں گھنا کر ہی مجھ سے کہتا ہے۔ پوچھ لو تو لڑائی۔“

عفت بن اسباب بولے جا رہی تھی۔ کئی مہینوں سے عدیل اسے پہلے کی نسبت کم پیسے دینے لگا تھا۔ ست بار وہ
لڑائی بھی کر چکی تھی مگر وہ جواب میں خاموش ہی رہتا۔

”افو ماما! اس نے یہ تو پوچھنا تھا جانا کب سے۔ کھا ہر پیکنگ میں بھی تو ٹائم لگے گا۔“

پری خود کو مختلف ذالیوں سے تکیے میں دیکھتے ہوئے ماں کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ اسے آج کل یوں
بھی ہمدقت خود کو دیکھتے اور دیکھتے رہنے کی عادت ہو چکی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا اس کی ماں ان غضب کی تھی
اس کا جائزہ ملتا چوہاں کی صراحی دار گردن پر سجا عجیب شان سے دو سوں کو اپنی طرف متوجہ کرنا تھا۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہی اسے اپنی اس بے تحاشا خوب صورتی کا بہت شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔
مثال کمزور صحت اور غلام سی رنگت۔ جیسے نقوش اور مارل قد کے ساتھ اس کے سامنے کچھ وہب سی جاتی۔

اکثر تو اسے مثل سے بڑی من سمجھتے تھے۔ اس کا تہ اور جسم دونوں ہی بہت لمبیاں ہونے والے تھے۔
 "میں سوچ رہی ہوں ماما! میں اپنا ہنوا سٹائل پہنچ کر والوں پر کم کروالوں۔" وہ آگے پیچھے سے خود کو دیکھتی اپنے
 والوں پر تنقیدی نظروں سے گزرتے ہوئے بولی۔

باہر گاڑی کا مخصوص بارن بننے اور گاڑی کے دروازے کھلنے بند ہونے کی تواز نے ایک لخت دونوں کو لہٹھکا
 دیا۔

عفت کچھ بولتے بولتے رک سی گئی۔

پری نے پریشان نظروں سے اس کی طرف دیکھا جو خود بھی ہراساں تھی۔

"یہ چیل کہاں سے آگئی ماما۔ کیا پاپا نے اسے قتل سے منع نہیں کیا تھا۔ کیا یہ اب ہمارے ساتھ جائے گی۔
 نیو۔" پری کا غصہ تیزی سے ابلا تھا۔

"آج سولہ تاریخ ہے نا!" عفت کچھ بے بسی سے کھوئے کھوئے لہجے میں بولتی مڑی اور سامنے کھڑی مثل کو
 دیکھ کر کچھ بول ہی نہ سکی۔



"چائیس کیا! بھجن ہے۔ کیا پریشانی ہے، کہیں بھی جی نہیں لگ رہا۔" عدیل نے کوفت سے سٹائل ایک طرف
 ہٹا دی۔

اس کے آفس کے حالات بھی آج کل اچھے نہیں چل رہے تھے اگرچہ اس کمپنی کا پرانا ملازم تھا مگر کمپنی دن
 بدن خسارے میں جا رہی تھی۔ کمپنی کے مالکان سنجیدگی سے ڈاکٹر سائزنگ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ عدیل
 کی جانب کو خطرہ تو بظاہر کوئی نہیں تھا لیکن اس کی پھٹی جس مسلسل اسے الارم کر رہی تھی کہ خدا نخواستہ ایسا کچھ
 ہو بھی سکتا ہے۔ وہ احتیاط لازم کے طو پر ابھی اسے کچھ میچوں کی سکری تو دے سے زیادہ بچا رہا تھا جس کی وجہ سے
 اسے ہر مہینہ عفت کی بک بک سننا پڑ رہی تھی۔

اس نے بچت سے ایک پلاٹ لے رکھا تھا۔ بینک میں بھی قیوں بچوں کے ہمارے کچھ نہ کچھ جمع کر رکھا تھا مگر
 ایک ریٹیکل شخص تھا۔ جانتا تھا مگر گلی کا عفریت اس کی ان تمام احتیاطی تدابیر کو با آسانی نکل سکتا ہے۔
 وہ آج کل سنجیدگی سے کسی با بھی جگہ اپنا کچھ پیرا الوسٹ کرنے کے لیے سوچ رہا تھا مگر ابھی تک اسے خاطر
 خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے اب مثل کی شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ بڑی ہو گئی ہے رشتہ دھوٹے میں بھی کچھ وقت
 گئے گا پھر پری تو ابھی سے اتنی بڑی لگنے لگی ہے۔" دانیال کو پڑھنے کے لیے باہر بھیجوں گا اور۔" اس کی سوچ کی
 ایک نقطہ مرکوز نہیں ہو پا رہی تھی۔

وہ ایسی عجیب باتیں سوچے جا رہا تھا جن کو وہ سوچا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جیسے ابھی وہ دانیال کی پرسوں کی کو سوچتے
 ہوئے کچھ اور سوچتے لگا۔

"مجھے ایسا کہیں لگتا ہے کہ مثل کے ساتھ میں نے اور شرنی نے بہت زیادتی کی ہے۔ اسے وہ سب کچھ نہیں ملا
 جس کی وہ حق دار تھی۔"

وہ پیشانی مسٹے لگا دوسرے لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور عدیل آئے والے کو دیکھ کر ششدر رہا۔

(بانی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ)

سیکسی زندگی اور صبر

دروازہ پینے کی آواز پر وہ گھبرا کر اٹھا اور کھاسا سنے والی برابری میں رہنے والا دوست کھڑا ہے۔
 ”اب کیا ہوا؟“ اس نے غصے سے کہا۔
 ”دوسرے بھتیجے کھڑے دوست نے رینگھی ہوئی آواز میں کہا۔

”خدا کے لیے اب یہ سراجو بنا بیٹنگ بھی وہ میں ساری رات اس کے انتظار میں کات چکا سرور سے پھنسا جا رہا ہے۔

قوی بی بی پاکستان ریلوے کی چاہ میں ہم آزمائے ہوؤں کو آزمائے چلے اب پہلا جو نا بیٹ کی صورت میں پھینکا چکا نور دو سرے کا انتظار ہے کہ رمضان بھنگا چلا آ رہا ہے۔“

”ارے اماں! آپ تو اینکوڑ تبورو نگاروں اور کالم نگاروں کو ملت دے رہی ہیں کیا زبردست تجزیہ اور تبورو ہے۔“ ہر دو ٹیکم کو مزے آرہے تھے۔
 ”تو آپ ہمارے لکھن کی سیاسی بصیرت کو کیا سمجھتی ہیں۔“ جو اس نے جس کر مسرت سے کہا۔

”اے بیٹو تم لوگ مزے لے رہے ہو لیکن غریبوں کا سوچو کہ جو رمضان میں کسی طرح کے اہتمام کا کیا سوچیں گے سحر اور افطار کا مسئلہ ہی حل نہیں ہو پاتا ظاہر ہے بچے بڑے سب روز گزار ہوں تو کچھ نہ کچھ تو کرتا ہی ہو گا۔“

”دادو! رمضان میں شیطان تو قید کر لیا جاتا ہے؟“
 ملکہ نے محسوسیت سے پوچھا۔

”ہاں بیٹی! وہ مردود و قید ہو جاتا ہے لیکن اپنے چیلوں کو اچھی طرح سمجھا بھجا جاتا ہے کہ میرے کام کو نور آگے بڑھو“ بھی تو منافع خوروں، ذخیرہ اندوزوں اور

”بی بی تم نے وہ کہانی تو سنی ہی ہو گی جس میں دو دوست ایسے کمرہوں میں رہتے تھے کہ جن کی دیوار ملی ہوئی تھی پور ایک کمرے کی آواز دوسرے کمرے میں صاف جاتی تھی ایک دوست کو علوت بھی رات گئے آتا اور اپنا در تا ایک ایک کر کے زور سے دیکھتا تھا جو مشترکہ دیوار پر اس زور لگتا کہ ”دوسرے کمرے والا“ دست بند سے ہڑبکا کر اٹھ بیٹھتا روز بھی بھگتا ہوتا پھر اس بات پر دونوں اپنے اپنے کمرے میں جاتے کہ اب اعتقاد ہو گی پور تو نا آرام سے انداز کر رکھا جائے گا کمرہ جو آ لیا تھا کہ پہلا دوست بے تحشہ کر آتا جس خاونا“ جو نا زور سے اتار کر کھینچ لیتا تھا۔ یوں ”بھو“ بارگاہ ہم لوگوں کی طرح کے ملامتیں ایک حکومت مضمونی دوسری آئی مگر عدت و عید کے پلہ جو رہا جو نا برسانے کا مکمل ویسے ہی جاری و ساری ہے۔“

”دادو! پہلے کہانی سنائیں ”آپ فوراً“ ہی ملکی سیاست پر تبورو شروع کر دیتی ہیں۔“ شہر نہ لھنکی وہ بڑی ٹھنکی اور لب نوس جمہوریت کی طالبہ تھی۔

”ارے وہی تو کمرہ ہی ہوں چپل پہ کر سہو۔“ ہاں تو میں کیا بتا رہی تھی کہ اس کی علوت بھی ایک ایک کر کے جو نا مشترکہ دیوار پر اچھال رہا تھا وہ زور دار آواز سے جا کر قہقہے تھے اور غریب سوتا ہوا دوست بھگتا کر نے دروازے پر آ جاتا تھا پھر ایک دن کیا ہوا؟“

”کیا ہوا دادو!“ ملکہ کی بھی پوری توجہ تھی کہانی پر۔

”ایک دن جب اس نے اپنا جوتا اتار کر پھینکا تو یکایک اسے خیال آ گیا اور اس نے بڑی احتیاط سے وہ سراجو بنا اتار اور رکھ کر سو گیا۔ سوتے میں کسی کے

ملاوٹ کرنے والوں کی عید سے پہلے رمضان کا چاند دیکھ کر ہی عید ہو جاتی ہے اور لوگ اَلَا مَنَ الا مَنَ پکارتے لگتے ہیں مَن سے کون پوچھے کہ رمضان کا مہینہ عید اتوں کا۔ ریاضتوں کا خود کو غلامتوں سے پاک و صاف کرنے کا ایک اور موقع دینے آ رہا ہے مگر رخصتوں کے نزول کے اس مہینے کو کھانے پینے اور کھانے پینے کے بارے میں سوچتے رہنے کا مہینہ بنادیا گیا ہے۔ یہ مہینہ اخبار و کھوپڑیوں کا مہینہ ہے لہذا غلامی کی ڈیل تو وہ سحر کی ڈیل یعنی کچھ وقت کے لیے زور اٹھانے پینے پر پابندی لگا کر بلی وقت کچھ شہ کچھ منہ میں جاتا رہے پورا بجے سے پہلے کی ڈیل اور پھر بارہ بجے کے بعد کی ڈیل سامنے کی چیزوں سے نظریں نہیں تو پھر اس ڈیل پر نظر جائے جو پروردگار عالم نے اس مہینے کے لیے سب کے لیے یکساں کھولی ہوئی ہے پورا بجے کے بعد کی ڈیل جنت کے دروازے کھلنے کی ڈیل صبح سحر کی ڈیل اور پھر افطار کی ڈیل جس میں مشکل ہے کہ رحمتِ عالم کی اسوہ حسنیٰ پر عمل ہو تو ان کے غلاموں ہی کے بارے کچھ سنا جائے کچھ پڑھا جائے کہ کیا وہ بھی دروازے رکھتے تھے تو اپنے قلب و جگر کو ایمان کی حرارت سے گرمائش پہنچاتے تھے کہ ہمیں مَن کی سوچ عبادتوں کے گرد گھومتی تھی وہ روزوں کی روح کو سمجھتے تھے۔

”تج تو امان پڑے جہل میں ہیں۔“ جو ادب



آہستہ سے سرست سے پوچھا۔ ”کیا کوئی خاص بات ہے؟“

”نہیں خاص بات کیا ہوئی ہے، مشاء اللہ لی دبی کے تمام ناک شوز دیکھتی ہیں، اخبار کا باریک بینی سے مطالعہ کرتی ہیں پھر آپ جانتے ہیں سیاسیات پر دعائیہ تبصیریں کانٹے میں تو ان کی گفتگو میں زمانے کو دیکھتے ہوئے تلخ رنگ ڈھچکلیں گے۔“

”آج کل اسکولوں کی چھٹیاں چھٹیوں پر چلیاں دواد کے ساتھ ساتھ رہتی تھیں اور وہ ان کو کبھی کہانی کے لیے میں کبھی روایات و حکایات کے انداز میں کچھ نہ کچھ نکھاتی ہی رہتی تھیں۔ اگر کبھی خاندان کا تذکرہ چھڑ جاتا تو رشتے داریاں سمجھنا شروع کر دیتیں ساتھ ہی سلائی کڑھائی کا بھی سلسلہ جاری رہتا۔ پوتیوں کو ہنرمند دیکھنا چاہتی ہیں۔ کبھی کبھی مچن میں ہی دلدی اور پوتیاں لگ کر کوئی ڈش تیار کر لیتیں، کبھی داوی دیکھتیں کہ سرست نے بہت سے کام پھیلانے ہیں تو فوراً پوتیوں کو ڈانٹتیں جاؤ ماں کا ہاتھ بٹاؤ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ ماں ایسی لگی رہے۔“

سرست کو اپنی سانس بھی سانس نہیں لگیں حلاکت مزاج کی تیز تھیں مگر سو گز بات بے بات پھیلانے لپٹا یا ہر بات پر تنقید کرتا اور صرف اپنی منوانے کی دھولیں ڈھونڈتی کرتا یہ سب ان کا شیوہ نہیں تھا کچھ غلط لگا تو کہا بھی مگر سو کو بچی سمجھا اور کیونکہ وہ ہی دلدی تھیں مگر میں تو اسی کو تھیلی اور دوست بھی جانتا۔ سو کے سیکے والے جب آئے بہت احترام بہت محبت سے پیش آئیں، سرست کو ان سے کوئی شکایت نہیں تھی وہ بھی ان سے کیونکہ خوف کا رشتہ تھا نہیں دور میان میں تو ہر بات پوچھتی تھی۔



”اماں رمضان بس شروع ہی ہوئے نوالے ہیں میرا اراہ تھا کہ دینے والے کے سارے کپڑے وغیرہ خریدوں اور ان کا رمضان سکون سے گزرے مگر توبہ گری گئی

بڑی رہی ہے بہت ہی نہیں ہو رہی کہ بازار کا پنکر لگاؤں۔“

”نہیں! یہ کیا بات ہوئی اسے گری کے سینے میں گری تو پڑے کی ہمیشہ پڑتی ہے اور ہمیشہ پڑے کی۔ ہاں یہ بات ہے کہ جوں جوں سولیات میں اضافہ ہو رہا ہے ہائے ہوئی بہت بڑھ گئی ہے۔“

”اماں اب پہلے سے زیادہ گری ہوئی ہے اور پھر اس لوز شیڈنگ نے تو بس عذاب ہی بنا دی ہے زندگی لگے کھٹے چلی جاتی ہے بجلی اور اماں لاہور میں تو سنہزہ (اس کی چھوٹی بہن) بنا رہی تھی ہر گھنٹے بعد گھنٹے کے لیے جاتی ہے چاہے دن ہو چاہے رات۔ اب دیکھئے پو لی لیس لکھو یا تو ہے مگر کام ہی نہیں کیا رہا ہے اور ہنرمند لول تو چلائے کون گور ہو چل جائے تو اس کی آواز مسلسل سرور رہے لگا ہے۔“

”لی لی یہ ساری دیکھیں ہماری اپنی پھیلائی ہوئی ہیں کیسے کیسے انسان اپنی جان بدلتا جا رہا ہے پھر رونا بائے وائے بھی جاری ہے ہمیں تو کیا خبر مگر ہم سے پوچھو ہم نے دیکھی تھیں وہ ہماری وہ سارے زمانے سیدھے سادھے بیٹوٹ سے پاک لوگ، ذرا سی بات پر خوش اور کسی کے بھی دکھ پر افسردہ ہو جاتے والے لوگ ہائے جب ان ہند بند گھروں کا انہیں بدلج تھا جس میں نہ روشن آئے نہ ہوا کا گزر ہو کھلے کھلے محسن ہوتے تھے بھی شاید کھلے کھلے دل دہلے بھی ہوتے تھے۔“

”گور کیا ہوتا تھا دلور؟“ ملہکا کہانی کی شوقین فوراً ”وہاں آئی۔“

”اٹے شام ہوئی اور لالٹھنوں کی چھتیاں صاف دونا شروع ہو جاتیں۔ ہر گھر میں کچھ جگہ ضرور پھول پھلاوری کے لیے موزود۔۔۔ ہوئی پھر آنگن میں چارپائیاں۔ کسی کسائی چارپائیاں جن پر ہمیشہ صاف سفید چلوڑیں پڑی ہوتیں۔۔۔ گریوں کا بھی مزہ تھا کہ صراحیوں اور صاف ستھرے گھڑوں کے گلے شہم میں مونہے کے بارہا سے بٹے ہوتے اور جو آنگن کچا دونا تو پھر کاؤ کے بعد مٹی کی سوندھی

جاتا تھا مگر اب جو وقت ہے وقت کچھ نا کچھ آتا رہتا ہے
 تو سمجھو بس سب کاموں سے مجھے۔
 "دلو! آپ بھی تو دیکھتی ہیں لڑکی۔" ملک نے
 کہا مگر چہل آنگھوں ہی آنگھوں میں منع کرتی رہی۔
 "اے تو میں کون سی الگ ہوں سب سے جس چٹا
 فرق اتنا سا ہے کہ اچھالی کو اچھالی اور برائی کو برائی کہتی
 ہی نہیں سمجھتی بھی ہوں۔"



"دوسرے دن جوار نے کہا "چلیں لالہ آج عید کی
 شاپنگ کر آئیں۔"
 "میں چلوں؟" نہ حیرت سے پوچھیں۔
 "ہاں تو کیا حرج ہے تھوڑی دیر باہر کی ہر ابھی تو گئے
 کی ہر وقت گھر میں بند رہتی ہیں آپ۔"
 "اے مجھے یہ بات بالکل پسند نہیں مجھ میں دم
 ہے تم لوگ جاؤ۔"
 "چلیں لالہ بچوں کی بھی خواہش ہے۔" مسرت
 نے بھی اصرار کر لیا۔
 "نہیں تم لوگ جاؤ۔"
 "اچھا یہ تو بتائیں آپ کے لیے کیسے کپڑے لاؤں؟"

"اگر میری ماں تو یہی میرے لیے کچھ نہ لاؤ۔ کہنے ہی
 کپڑے تو ابھی چھوٹے بغیر پڑے ہیں نہ لیں آئندہ جانا
 تو میری مٹی میرے لیے کچھ نہ لانا۔ اپنے لاؤ بچوں کے
 لاؤ جوار کے لیے خرید لری کرو عید انعام ہے اس
 کو دل سے منانا اچھا ہے اچھا لگتا ہے۔"
 "مگر لالہ۔"

"اچھا سنو اگر بہت ضروری ہے میرے لیے کچھ لینا
 تو یوں کرو کچھ سستے لان کے سوٹ لے آؤ۔"
 "سستے سوٹ۔" مسرت حیران تھی۔
 "ہاں میرے لیے کوئی براہڈ منٹا سوٹ لینے کے
 بجائے کچھ سستے سوٹ لے آؤ رمضان میں کتنی ہی
 عورتیں ہمارے دروازے پر آتی ہیں پرانے کپڑے ہی

سوٹ میں خوشبو مونتیں کی بھینکی بھینکی اور اس پر
 ہونے پر سالے کا کام کر لی جو رات کی برائی کہیں
 کیلہری میں گئی ہوئی۔ قدرت کی چلائی ہوئی ٹھنڈی
 ہوا خوشبوؤں میں بسا ہوا آگن اور اب۔" وہ سانس
 لینے لگی تھی۔

"اب تم سب ہر وقت اسے ہی کی ٹھنڈی زور لٹاؤ
 رہنا چاہتی ہو اور جو دن چلے تو تڑپتی ہو کہ وہ کہ میں
 لب ہم نے خود اپنے ہاتھ پاؤں کٹوا کر حکومت کے
 آگے ڈال دیے ہیں اور برابر بھیک کی طرح اپنے حق
 کے لیے گڑگڑا رہے ہیں مگر کسی پہلی حکومت نے
 شنوائی کی تھی جو لب کو اس سے گالچ تو یہ ہے جو خود
 مشکل لیے کھڑے ہوں کسی کو کیا دیں گے۔"
 "لالہ مگر اب تو بجلی کے بغیر گزار بہت مشکل ہے
 چلے اسے ہی کی بات چھوڑئے مگر فریج "کل ہی دیکھتے
 اس آتی جاتی بجلی کی وجہ سے سائن کیا خراب ہوا۔
 لالہ جب بجلی نہیں تھی تو کھالے پھل اور گوشت
 وغیرہ کو کیسے رکھتے تھے؟" مسرت نے پوچھا۔
 "ہاں ہاں۔ ٹھنڈی پانی کیسے پیتے تھے؟"

"چپ رہو ابھی بتایا تو تھا لالہ نے صراحتی طور
 کھڑے۔" مسرت نے غلی کو بہت سے سمجھایا۔
 "اے اتنی اوس نہیں مگر ضرورت کے مطابق
 چپس خریدنے کا رواج تھا لائے اور استعمال کر لیا۔ یہ
 نہیں کہ اس کے بل سانس کا پتا نہیں اور سالان سو برس
 کا۔ جمع کیے جاؤ پخت پخت کر رکھو سب مجھے مل
 جائے اور ابھی مل جائے جیسی سوچ نہیں تھی نا۔"
 "اور داد جب لائٹ نہیں آتی تھی تو کپڑے کیسے
 چلتا تھا کیالی وی بھی نہیں ہو تھا۔"

"نی وی کہاں تھا چٹا اور یہ کپڑے تو آیا ہی ابھی
 کچھ سال پہلے ہی ہے جو جی کپڑوں تو نی وی کے آنے
 سے وقت بھاگ گیا ہے ہمارا وقت اب ہمارا کہاں رہا
 ہے نی وی کا ہو کر رہ گیا ہے۔ پہلے وقت تھا تو ایک
 دوسرے کے دکھ مکھ میں شریک کے لیے بھی آیا جلیا

دے دیں کی درخواست لے کر تھی چاہتا ہے انہیں
نئے کپڑے بھی دیے جائیں تو وہ کتنی خوش ہوں گی۔"
"اے! ہم کچھ جوڑے تو ضرور دیتے ہیں رہنمائی
میں جو ہم سے ممکن ہوتا ہے۔"
"چلو کچھ اور سہی بس مجھے خوش کرنا ہے تو یہی کرنا
ہو گا۔"

سرت نے جو لو کی طرف دیکھا۔ "چلو جولاں کی
مرضی۔"

سرت بازار سے آئیں تو حسب عادت سب
چیزیں ساس کے سامنے طیر کر گزریں۔
"لکھن! آپ کا سوٹ ہے وہ کبھی کتنا اچھا لائٹ سا
کمر ہے اور کپڑا دیکھیں کیسا ملائم سا اور لکھن! اسے جو اد
لے اپنی پسند سے لیا ہے۔ آپ کو اچھا نہیں لگا؟"
"ہاں اچھا ہے مگر تمہیں میں نے منع کیا تھا اور
کچھ اور کہا تھا۔"

"ای جی وہ کچھ اور بھی ساتھ ہی ہے ابھی دکھاتی
ہوں میں بھولی تھوڑی تھی۔"
"مگر جی میں تم لوگوں پر کوئی بار نہیں ڈالنا چاہتی
تھی یہ تمہارے اچھا نہیں کیا۔"

"اے نہیں ہار کی کیا بات ہے آپ جانتی ہیں
دینے والے سے میں بھی خوش محسوس کرتی ہوں اور
آپ کا نہ لیتے تو میں گھر بھر کی خریداری نہ کرتی۔"
"ہاں مجھے معلوم ہے میری جی ایسی ہی ہے مشکور
رہتی ہوں میں ہر وقت اپنے مالک کی جس نے اتنے
اچھے بچوں سے مجھے نوازا ہے۔"

"اصل میں میں چاہتی تھی کہ تم مجھ بوڑھی پر جو
کہ کہیں آئے نہ جائے یوں ہزاروں خرچ کر دیتی ہو
اس میں اگر ہزار روپیہ اوسط کے بھی جوڑوں تو چار
سو تو کم از کم تھیلے یوں جیب پر بھی کوئی بار نہ ہوتا
ٹھیک تھا تاخیر تمہاری مرضی خوش رہو سنا سن رہو
اپنے بچوں کی خوشیاں دے کھو۔" وہ دعائیں دیتے لگیں۔
"سنا ہے ای جی یہ عورتیں کپڑے بیچ بھی دیتی ہیں۔
پرانے کپڑے بھی جو ابھی حالت میں ہوں یہ بیچ کر پھر

سے وہی پرانے پہن لیتی ہیں۔"
"اتنے بڑے سب طرح کے لوگ ہر جگہ ہوتے
ہیں بعض وہ جو بھولی کمائیاں بنا کر بے وقوف بنا کر
قلمتے بنتے ہیں اور بعض وہ جو اپنی سفید پوشی اور عزت
آہود کی خاطر کسی سے کچھ نہیں کہتے اپنا بھرم رکھتے
ہیں۔ بس جی ہمیں مستحق لوگوں کی پہچان ہونی چاہیے
انہیں دھونڈنا چاہیے تاکہ حق با حق اور رسید کیا جا
سکے۔ لب یہ جو خواتین برسرِ سڑک سے اپنے گھر آتی ہیں تو
میری نظریں دھوکہ نہیں کھا سکتیں مجھے معلوم ہے
کون سچا ہے کون جھوٹ۔"

یہ بات تو سرت اچھی طرح جانتی تھی مگر اس کی
ساس ایک جہاد یہ اور کچھ دائرِ خالقوں ہیں اور لوگوں کی
پرکھت امت اچھی طرح کرتی ہیں۔

وہ سرت کے دل کی جگہ ہی جگہ سجدہ خالہ آگئیں۔
سجدہ خالہ لانا کے ساتھ ہی کلچ میں پر دعائیں
لب یہ بھی رہنا پڑا ہو گئی تھیں۔ وہ اپنے بڑے بیٹے اور
بھو کے ساتھ رہتی تھیں ان کا چھوٹا بیٹا کینیڈا چلا گیا
تھا۔ وہ — چاہتا تھا کہ ملے کو بھی بلا لے مگر سجدہ
خالہ یہاں سے جلتا نہیں چاہتی تھیں اگرچہ ان کی بھو کا
روپہ ان کے ساتھ زیادہ اچھا نہیں تھا اور وہ اپنے بچوں
کے لیے ایک ملازمہ پر انحصار کے رہتی تھیں ان کا بڑا
بیٹا بشیر ایک ہائی اسکول میں ان کی پوسٹ پر تھا مگر
نہیں کیا بات تھی کہ اس کی بڑی علیحدہ سب بھی ملتی
اپنی مالی مشکلات کا ذکر ہی کرتی رہتی لہذا ہر ایسی کوئی
بات اس کے رہنے سنے پسنے لوزھنے میں نظر نہیں
آتی مگر اپنی کتنی ہی ایسی خواہشوں کا ذکر کرتی رہتی جو
حسرت میں بدل چکی تھیں۔

سرت کو سجدہ خالہ بہت اچھی لگتی تھیں نرم نرم
لہجے میں پر مٹھ جاتیں کر کے والی سرت ان کا حرام
ہی نہیں کرتی تھی ان کی خاطر بھی بہت جی جان سے
کرتی تھی۔ بھدا اصرار انہیں کھلنے چائے پر روکتی

تھی وہ بھی ساس کی بڑی تعریفیں کرتی تھیں۔
آج بھی سرت نے چائے اور کچھ لوازمات ترائی

عین یار میں ہیں ان کے جینے کا سارا ہے وہ کیسے اسے سچ
سکتی ہیں۔
"علیشبہ نے سعدیہ خالہ سے الٹ کر بکٹ کہا ہے۔"

"نہیں! بس گھر کی فضا خراب کر رہی ہے یہاں پر
چینتی ہے۔۔۔ بچوں پر غصہ کرتی ہے۔ سعدیہ سے تو بات
چیت کی زندگی کر رہی ہے۔ دور ہی تھی بچاری۔"
مسرت کو حیرت تھی کیسے کیسے لوگ ہیں دنیا میں یہ
تو بڑی سی ساس کو پریشان کرنے والی بات ہوئی۔ دیور
پر دیکھیں میں سہل ہے وہ اپنی کا کوئی ارادہ نہیں تو بس
وہی تو ہے گھر میں ساس ایک کمر تک محدود ہیں اپنے
سب کام محدود کر رکھے ہیں۔ وہ تو اس سے
علیحدہ دلوں کی بلور ہیں۔



رہنما سے کچھ روز پہلے خوزیری کی ایک حیران
ملک میں روٹ گئی۔ لہذا ان کو سب ایک باہر پھر خون میں
تملا دیا گیا۔ ساتھ ہی خیرہ بختون خلو میں بھی الفوج
پاکستان کو نشانہ بنایا گیا جو اس کی بیوی اور اس کی ملاں
سب انسانیت پر ایمان رکھنے والے لوگ تھے اور اتنے
لوگوں کی شہادت ان کے اعصاب کو بھی ایک مرتبہ بھر
بھجھوڑ گئی۔ اب ان لوگوں میں سے انہیں جنہیں
(Pera Sensitive) پر اسٹینڈیو کہا جاتا ہے وہ
تو ہمیشہ سے بہت کمزور دل تھے۔ جب چھوٹی تھیں اور
کبھی کسی لڑکی جگہ یا درخت سے کوئی چیز کا پیچ کر جاتا
تو وہ کھانا نہیں کھا پاتیں تھیں بچی کے چھوٹے بچوں کو چکار
چکار کر روک دیتا تھا۔

"یہ میری بہن انسانیت سوز مظالم گھرا جانے کی
سازشیں کرنے والوں کی کہیں کوئی پکڑ ہے؟ آخر کوئی
انہیں سزا کیوں نہیں دے پاتا؟" وہ چلا چلا کر رونے
لگیں۔

"اب آپ بیوی بالکل نہیں دیکھیں گی۔" جو لو
ہن کا بڑھا ہوا ہانڈ بڑھو کیہ کر پریشان ہو گیا۔

میں سہائے لور وہاں لے کر آگئی جہاں سعدیہ خالہ
خلافت معمول بہت دلی دلی آواز میں اب اس سے کچھ کہ
رہی تھیں۔ مسرت کو بہت رنجیدہ سی لگیں۔
"کیا بات ہے خالہ! طبیعت تو ٹھیک ہے نا آپ کی؟"

"ہاں بیٹی! زندہ ہیں۔" انہوں نے ایک سرو آواز بھری۔

ان کے جانے کے بعد جب ملاں کافی دور تک یونی
چپ چاپ بیٹھی رہیں تو مسرت کو تشویش ہوئی۔
"کیا بات ہے خیریت تو تھی سعدیہ خالہ آج کچھ
انصرہ سی لگ رہی تھیں۔"

"ہاں پریشان تھی بچاری! دراصل اس عمر میں مولود
کے منہ سے نکلے ہوئے کوئی کڑی بات بھی کوئی کی طرح
زخمی کر دیتی ہے اندر باہر سارا الو لو ہو جاتا ہے۔"

"کیا ہوا؟" مسرت کا استقبال پر بھاگتا ہوا بھلا ایسی
باہمی کہیں کرتی تھیں۔

"عجیب سی بات ہے سعدیہ! اس شخص دراصل
اس کی بہو ہے نا علیشبدہ کہہ رہی ہے کہ اس کا حصہ
الگ کر دیا جائے۔"
"حصہ؟ کس چیز کا حصہ؟" مسرت کی سمجھ میں کچھ
نہیں آیا۔

"ہاں بڑی لمبی چوڑی جائیداد ہے نا سعدیہ کی
ارے غریب نے پالی پالی جوڑ جاز کر ایک یہ چھوٹا سا
مکان بنایا ہے اب سو رانی چاہتی ہیں کہ اس کے
قدموں سے زمین اور سر سے آسمان چھین لیں۔ یہی
ہیں بڑی بل بل جائے بیٹھی ہیں بھم ترس رہے ہیں۔"
"نہیں! ان کے میاں تو ٹھیک ٹھاک کھاتے ہیں۔"

"ہاں بیٹی! اگر چاہو تو خیال تو رکھنا ہر ایک کو پڑتا ہے
اب بھند ہیں یا تو مکان چھین یا اپنا انڈیا انیس دے دیں
نا کہ وہ بھی نا بھی طرح وہ سیکس۔"

"بائے بچاری! سعدیہ خالہ گھر لے دیں گی تو پھر رہیں
گی کہیں۔"

"صرف رہنے کی بات نہیں ہے بیٹا! وہ گھر ان کی
موت سے بیٹا ہوا جہاں ان کے شوہر کی بچوں کی کتنی

"بیٹا آنکھ بند کر لینے سے یا کو ترکی طرح اپنی گردن
دبا کر بیٹھ جانے سے منظر بدل تو نہیں سکتا۔"

"ہم کیا کر سکتے ہیں اہل حق۔"

"کر تو سکتے ہیں مگر کر نہیں رہے۔"

"اہل تب سمجھ رہی ہیں کہ اس میں عام آدمی کا
بھی کوئی کردار ہے یا وہ کوئی کردار ادا کر سکتا ہے۔" جو لو
کو حیرت تھی۔

"نہیں میں یہ نہیں سمجھ رہی کہ عام آدمی کا اس
میں کردار ہے مگر میں یہ ضرور سمجھ رہی ہوں کہ یہ خود
کش حملے اور ان کے پیچھے مقاصد یہ تصور کوئی ایک عدل
میں اچانک سے نہیں ظہور پذیر ہو رہا ہے اس میں کئی
پوشیدہ اور کئی سامنے کے ہاتھ ہیں۔ رہا عام آدمی تو وہ
اہل رہا ہے اور اپنے اندر سمٹ رہا ہے پر سکون زندگی کا
حفاظت ہے بھوک اور خوف کے عذاب نے اس کو ہلا
کر رکھ دیا ہے یقین جانو بہت زیادہ پرستش ہے کہ
ایسے لوگوں کی جن کے اعصاب شکستہ ہیں جو ماضی
امراض کی دہلیز پار کر چکے ہیں جو خود کو تیلک محسوس
نہیں کر رہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب
کیوں جب تک۔"

منفعت ایک ہے اس قوم کی نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی اللہ بھی قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
قرآن بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پہنچنے کی یہی باتیں ہیں۔
"لہذا عام انسان ہزار ہیں اس نفرت کے قلیل
ہے۔" جو اگلے کلمہ۔

"یوں کہو کثیر کو قلیل نے بر غمال بنا رکھا ہے مگر
اس کا سبب وہ نہیں جو علامہ اقبال فرما گئے ہیں میں نو
حیران ہوں بڑا آدمی بول ہی بڑا نہیں کہلاتا ان کی سوچ
دیکھ کر ایسا نہیں معلوم ہوتا جیسے کہ آج کی بات کر
رہے ہوں۔"

نہیں ہے تارک آئین رسول عطاء
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار

کس کی آنکھوں میں سلیا ہے شعار اغیار
ہو گئی کس کی نگاہ طرز سلف سے ہزار
قلب میں سوز نہیں صبح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام فتح کا نہیں پاس نہیں
"اس کا حل نہیں آئے کا تو اسی بکرا ہوا ہے۔"
"تو تب کا کیا خیال ہے کیا کرنا چاہیے۔" مسرت
نے پوچھا۔

"سب سے پہلے تو علامہ سے سب اپنا اپنا رخ موڑ
لیں اور علامہ حقیقی سے درخواست کریں کہ وہ برنٹ
میڈیا نیٹ یورپی وی سب سے ہر وقت ہر لمحہ لوگوں کو
صحیح اور حق کی تعلیم، حقیقی اور سچے دین کے بارے میں
واسطی طور پر بار بار بتائیں کہ ایک انسان کا نفس پوری
انسانیت کا گھر ہے۔ گھر کو تو خیر کس بھی ملک سے ہو
بھائی بھائی ہے کسی کافر کو بھی بے سبب بے وجہ مارنا
عذاب کی بدولت نہ چاہیے۔ اس کے علاوہ پوری قوم ہاتھ
میں ہاتھ ڈال کر کھڑی ہو جائے پھر پورا احتجاج کرے۔"

"اہل احتجاج کا مسرت جیتی۔"

"کارتیاں جلاتا پتھراؤ کرنا اور تو اور فائرنگ کرنا یہ ہے
طریقہ احتجاج کا اس میں تو خسار ہی خسار ہے۔"
"نہیں میری جان، ایک اور طریقہ ہے احتجاج کا
اخبارات اٹھا کر دیکھو بھلا ساہم تھا اس شخص کا جو
استنبول میں تعلیم اسکو لٹر میں اس وقت آکر خاموش
کھڑا ہو گیا جب مجمع بے قابو ہو چکا تھا اور تشدد پر تلنا
تھا تب اس ایک شخص نے اپنی خاموشی سے جیسے سب
کی توجہ کے بعد دیکھ کر اپنی طرف کھینچ لی۔"

خاموشی کی زبان بیٹا بڑی پڑا آٹھ بولی بہانہ رچہ
میں لوگ نوٹس لے پاتے ہیں یہی طریقہ ہے احتجاج کا
یہ لحاظ ہے بدولت یہ لحاظ مسکد عقائد جو انسانیت پر
یقین رکھتے ہوں وہ ہاتھ میں ہاتھ بٹا کر قاتل تسخیر و تخریر
بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ خاموش اور ساکت کیونکہ یہ
ظلم تھا ہر وہ رہا ہے عذاب کو گواہی دے رہا ہے اور جو
عذاب آجاتا ہے تو پھر کوئی بھی نہیں بچتا ظلم کرنے
والے ان کا ساتھ دینے والے ظلم پر خاموش رہنے
والے سب ہی۔

مہشوی ساس بہت علیل ہیں وہ انہیں چھوڑ کر نہیں
اٹھ سکتی گھر سے لور لیدہ کا ماشاء اللہ یہ آخری صیغہ
چل رہا ہے آج کل میں اسپتال جاسے والی ہے ایسے
میں کس سے کون نہیں علشہ تو وہ ان باتوں کو کہاں
اہمیت دیتی ہیں۔

”کوئی بات نہیں خالہ میں لادیتی ہوں۔“
”جتنی رہو بیٹی! میرا گھناہی جو لب دے چکا ہے وہ
قدم نہیں چل پاتی۔“

انہوں نے اس کے ہاتھ میں پیسے دیے ”بس اسی
میں سوچ کچھ کر لانا۔“

”بھائیو! مسجد یہ کیا کیا سگھڑا ہے۔“ لہاں نے کہا۔
”ہاں دیکھو یہ تو بھٹائی بھول گئی۔“ پھر وہ تحصیل
جائے لگیں۔ مسجد خالہ دھائیں دیتی چلی گئیں لہاں
کے جانے کے بعد مسرت نے ساس سے کہا۔

”نہیں نے اچھا کیا؟“
”ہاں اچھا کیا مگر تم تو اتنی مصروف ہو پھر رمضان اور
اس کی سوا کری۔“

”اماں! آپ یہی تو سمجھاتی رہتی ہیں کہ ہے زندگی کا
مقصد اور وہیں کے کام آئے۔“

”خوش رہو تمہاری یہی باتیں تو سب کو خوش کرتی
ہیں۔“

وہ سلمان لے آئی تو مسجد یہ خالہ کو فون کیا لہاں کی
پڑھو مدنی روئی سی کو اڑنے لے بھی لہاں کر دیا۔
”اس کے دن وہ آئیں تو سلمان دیکھ کر خوش
ہو گئیں۔“

”تم اتنی غمزہ سی کیوں ہو مسجد یہ! تمہاری ہر پیگم تم
سے شاپک کے لیے رقم لے کر بھی خوش نہیں
ہو گئیں۔“

”نہیں بگھ بولیں کہ اچھا آپ نے تو مجھے بالکل
حبیبہ (کام کرنے والی لڑکی) بنا دیا اسے بھی تو آپ نے

جوڑے کے لیے پیسے دیے ہیں۔“

”کیسی پاگل عورت ہے۔“ مسرت کے منہ سے
بے اختیار نکلا۔

”سب تمہاری طرح تھوڑی ہیں۔ خوش قسمت

میری جان
آج بھی ہو جو ایراہیم کا ایلیا پیدا
اٹ کر سکتی ہے انداز گلستان پیدا

دو نہ یوں ایک دوسرے کے خون کو مباح قرار دینے
والے یوں نگڑیوں میں خود کو تقسیم در تقسیم کر لیتے
والوں کا انجام بھی ہو گا کہ وہ ترلوالہ بن جائیں گے اختیار
کے لیے جو پہلے ہی ہندوئی ہندو اپنی جڑیں مضبوط کیے
اور ہمدردانت تیز کیے بیٹھے ہیں۔“

مسرت سوچنے لگی واقعی اماں ٹھیک تو کہہ رہی ہیں
شجیرہ کو ششیں گھل رہی ہیں۔

وہ چار دن بعد مسجد یہ خالہ پھر آگئیں رمضان شروع
ہو چکے تھے مسرت نے لہاں سے کہہ کر بعد اصرار
انہیں انتظار پر روک لیا۔

وہ بتانے لگیں کہ آج اپنے فتنہ میں سے کچھ رقم
نکلوا کر لائی ہوں تاکہ اپنی بہو کو دے سکوں شاید عید
کے خرچوں سے پریشان ہے اس لیے زیادہ غصہ دکھا
رہی ہے۔ سب کچھ اسی کا تو ہے بعد میں لے لے پا
ئیں پھلے دے دوں۔

”اچھا کیا گھر کی خوشیاں زیادہ اہم ہیں رشتے پیسوں
سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔“ لہاں کی بات مسرت کو
اچھی لگی۔

انتظار کے بعد جب وہ جانے لگیں تو مسرت سے
بولیں۔ ”بیٹی میں تم سے ایک ریکونسلٹ کرنا چاہتی
ہوں مگر تم نہیں پائی خود میں کیسے کہوں۔“

”ارے خالہ ایسی کیا بات ہے آپ حکم کریں میں
بھی تو تب کی بیٹی ہوں۔“

”ہو لیں نہیں تم تو بہت پیاری بیٹی ہو۔“ وہ ہلکے
سے مسکرائیں۔

مسرت سوچنے لگی مسجد یہ خالہ کتنے عرصے بعد وہیں
مسکرائی ہیں حالانکہ پہلے تو۔

”ورد اصل میں چاہتی ہوں اپنی دونوں بیٹیوں کو بھی
عیدی والے میکے سے کچھ بھی آنا بیٹیوں کے لیے لہاں
سلمان لور خوشی کا باعث ہوتا ہے مگر اتفاق سے میری
دونوں بچیاں اس سلسلے میں میری مدد نہیں کر سکتیں۔“

ابھی انتظار کر کے قانس بھولی تھیں کہ سعدیہ خالہ کا فون آگیا۔ مسرت نے سانس کو نون تھمایا۔
سعدیہ نے اپنی دولت سے کہا "میں آج بہت خوش ہوں۔"

"خیریت کہا ہوا۔" امی کی آواز خوشی سے لہریز تھی مسرت پاس آکر کھڑی ہو گئی۔
"آج میں نے اپنے بیٹے کے ایک جملے سے خود میں ایک اسٹریٹھ (Strength) محسوس کی۔ میری تو عید آج ہی ہو گئی۔"

"اچھا کیا سنل۔"

"علیحدہ میرے بیٹے سے کچھ کہہ رہی تھی میں مگر چہ قریب تھی مگر میں نہیں پالی تکرار زور سے بولا۔
"مسئلہ کیا ہے تمہارا کہیں ہر وقت میرے دل کو میری ہل کی طرف سے بدگمان کرنا چاہتی ہو میں کبھی کچھ کتابوں تمہارے ہاں باپ کو صاف صاف من لو عزت دو اور عزت دو۔"

وہ غصے میں باہر نکل گیا اور میں سوچنے لگی ہا نہیں آج کیا ہو گا نکل ہو اگیا تو ایک لمحے کو رہیں۔
"کیا ہوا بتاؤ بھئی؟" امی اب پریشان ہو گئی تھیں۔
"کچھ بھی نہیں شہم کی انتظار سے پہلے سو بیگم آئیں اور بولیں اسی آج انتظار اور ذرا اگلے ساتھ کچھ حیدہ سے کچھ منو ایسے۔"

"اب میں ابھی وہاں انتظار کر کے آئی ہوں کیا بتاؤں بہت دن بعد اپنے بیٹے اس کے بچوں اور بھوکے ساتھ کھانا کھانے کا مزایا اور تھا۔"

مسرت نور امی دونوں سانس بھونے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور مسکراتے نکلیں۔

تب ہی باہر شور مچ گیا عید کا چاند ہو گیا۔

سانس بیگم نے بڑھ کر ہو کو گلے لگایا اور ہمدونوں چاند دیکھ کر دعائیں ملنے ملنے میں نکل آئیں۔
اپنے ملک و قوم کی بہتری اور ملک کے سکون کے لیے اپنے گھر میں خوشیوں بھرتوں اور سامانوں کی رعاب کے لیے۔

ہیں تمہاری سانس۔"

"نہیں خالہ میں خوش قسمت ہوں بچوں جیسی سانس ملیں یقین کریں زندگی گزارنے کے سارے دن چلن ان ہی سے تو سیکھے ہیں۔"

"کیسا اچھا گھر لگتا ہے تمہارا محبت بھرا چمکتا مہکتا میرا قول یہیں لگتا ہے اور وہ ڈھونڈ کر آتی ہوں۔"

سعدیہ خالہ جب جملے نکلیں تو امی نے ایک خوب صورت سا شہر ان کے ہاتھ میں تھمایا۔ "سعدیہ یہ مسرت تمہارے لیے لگی ہے۔"

"ایں میرے لیے اب مجھ پوڑھی کی کیا عید اور عید کا جوڑا۔"

"اسی کیا بات ہے پروردگار نے زندگی ہمیں نعمت دے رکھی ہے اور بھئی خود کو بوجھامت کہہ ورنہ مجھے بھی خود کو بوجھامت بھتا ہو گئے۔"

مسرت نے دیکھا یہ وہ سوٹ تھا جو وہ اپنی سانس کے لیے لائی تھی۔

سعدیہ خالہ نے اسے گلے لگالیا "مسرت تم نے تو جی مد کروائی۔ بہت شکر یہ تمہاری محبت کا۔"

"یہ مد سے زیادہ ہے۔" انہوں نے امی کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا مد سے زیادہ ہے۔" امی نے غلطی سے دیکھی۔

"مسرت کو معلوم ہے سعدیہ امی باپ کے احباب کو بھی عزت و شان سے محبت کرنا یہ بھی ایک مذہبی فریضہ ہے سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔"

انہوں نے جیسے ہو کو بھی جواب سمجھا دیا۔

وہ پہلی گئیں تو مسرت نے سانس سے کہا۔ "امی آپ بھی یاد میں تو ہیں۔"

"کوئی بات نہیں میری جان اچھے کسی کو خوش دیکھنا تھا۔ سعدیہ کو اب کوئی تحفہ نہیں دیتا۔ کوئی بھی نہیں

تمہیں کیا اس کے چہرے پر کسی چمک سی آگئی تھی اور مجھے جی خوشی مل گئی۔"

دوسرے دن چاند رات تھی وہ سانس ہو صبح سے مصروف تھیں۔

اسیہ مذاقی

نایاب ہیکل

سے بھی ڈر لگتا ہے۔ چھوٹا سیہ ڈرنا اور جاؤ جا کر چائے پالو۔

اماں معاف کر لے والی نہ تھیں۔ عظمیٰ میں انکار کی جڑ نہ تھی۔ ہائے سن تو ویسی کھلوت پوری ہو گئی کہ آندھی آئے یا طوفان۔ چائے بنے گی چار بجے۔ اماں کو چائے کا انتظار پسند تھا۔ وقت کی بہت پابند تھیں۔ عظمیٰ اٹھ گئی۔ کوئی چار نہ تھا۔ بارش کا نور بھی نہٹ گیا تھا۔ شاید کہیں بجلی گرانا ہی اس طوفان کا سبب بنا ہائے جو بیمارے راستے میں تھے نہ جانے کس طرح اپنے گھر پہنچے ہوں گے۔ اس کا انحصار کمزور دل بے چین ہو گیا۔ اسد بھائی بھی نہیں آئے۔ چلو وہ تو صوبہ ہی جاتے ہیں۔ انہیں تو چائے کی زیادہ ہی طلب ہوئی ہے۔ خیر آجائیں خیر سے تو۔ فائنٹ بناؤں گی۔ دو ٹک چائے سے لباب بھرے۔ تمکین بسکٹ

بڑے زور کی بادش تھی۔ شام کا وقت تھا۔ لیکن کافی کھانے ہر سمت اندھیرا پھیلا ہوا تھا اور آبشار کی مانند برستی بارش۔ پھر وہ پابل کھرائے مگر جے "ٹکے" دھماکا ہوا نہ جانے کس بد نصیب پر بجلی گری ہو۔ چھین چھل سسکیں۔ عظمیٰ کی جوتھکے میں سرگھسائے چوہ پھپھائے۔ منہ اونڈھائے چھین بار رہی تھی۔ لاقوں میں انگلیاں ڈالے اماں نے عظمیٰ کو زائد

"کیوں بد شکل کر رہی ہے لڑکی! استغفار پڑھ تو بہ کر اللہ محفوظ رکھے نہ جانے یہ بجلی کہاں گری ہے۔ اچھا اب انہو عظمیٰ چائے بنا کر لاؤ۔ الٹی خیر کیا خوشی ک دھماکا تھا۔ دو ٹکے کھڑے ہو گئے میرے۔ تو بہ تو بہ۔"

"اماں لی! طوفان آ رہا ہے۔ ڈر لگتا ہے مجھے بجلی سے اٹھ کیا ہلتی ہے؟"

"ہاں نور جب گھر کی بجلی چلی جائے تو اندھیرے

مکمل ناول





جانب لور گھر میں میرے لیے نوکر کا خطاب بائے ہائے
میں کہاں چلا جائیں۔" ہائے ایک گھونٹ میں غم کی۔
اماں بھی جپے گئیں۔

"یہ ہائے وائے چھوٹا اور شادی کی تیاری کر۔ کہ
دیوانہ میں لے۔"

"شادی۔ عظمیٰ کی؟ کوئی رشتہ ہے کیا؟ میں بھی
تلاش کر رہا تھا۔ چلو اچھا ہے خود ہی آگیا۔"

"عظمیٰ کی لکرمات کرو۔ میں تمہاری شادی کی بات
کر رہی ہوں۔"

"میری، جیسی کہ میری شادی۔" ہا ہا اچھا لطیفہ
عظمیٰ ایک چال چائے اور۔"

"عظمیٰ خورا" جا کر چائے لے آئی۔ کچے کچنی کی
بردا کیے اخیر۔ آخر اندر اس قدر اہم اور سستی خیر
نہ آکرات ہو رہے تھے۔ ان کے آکرات میں عظمیٰ کا دخل
نہ تھا۔ گمراہم تھا سنا۔

"بس کہہ دیا ہے میں نے تیار ہو جاؤ لور تم خود کسی
لطیفے سے کم ہو کیا؟ نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ سو اب اس اگر
جواب لوں گی اور یہ جوئے۔ کچھ بھر کر اندر لے آئے۔
اسد تک سدھو گئے۔ لوگوں کے سامنے میری ٹانگ
کنواؤ گئے۔ غضب خدا کا اتنے بڑے بڑے جوتے
سڑک کی ساری کچھ بھر کر میرے چمکتے فرش پر اندر
دی۔ کیا بدل مارچ کرتے دھن سے گزر کر آئے ہو۔
اف خدا سمجھے۔"

"اماں خدا سب سمجھتا لور دیکھتا بھی ہے۔ آپ
جائیں نماز کی تیاری کریں۔ جس میں آپ کو کھنڈ لگ
جانا ہے۔ اس بھی عظمیٰ پاپا اگلے کی کیا خبر ہے۔ آج
کون سی بد مزہ دیش نئے نام سے ہمارے سامنے پیش کی
ہائے گی۔ لذت کا سدھو دین کی خاطر۔" وہ عظمیٰ سے
تلاش ہوا۔

"عظمیٰ کھلکھلا کر ہنسی۔" آج کی دیش کا نام ہے
آلو گوشت۔ لو کی کار ایسے اور شام کے کباب۔"

"سبحان اللہ۔ اماں بلی اوندہ بلو۔ ان کے گناہن رسا کی
تعریف نہ کرنا لیا تو ہو کی۔ اشاء اللہ آلو گوشت لو کی کا

ٹرے میں رکھ کر کمرے میں لے آئی۔

"اوری شکر بانی پکا بھی تھا کہ کچے پانی میں ہتی مھول
کر لے تکی۔ اتنی جلدی تو پانی گرم بھی نہیں ہوا ہو
گ۔" اماں لی کبھی کبھی اسے یوں مخاطب کرتیں جیسے وہ
اٹاڑی ہو۔ کتر ہو پھو ہڑ ہو۔

"لکں! یہاں لکڑی یا کوئلے یا مٹی کے قیل کا چولہا

نہیں ہے۔ ہمیں ہے اللہ کے فضل سے مٹ بھر میں
پانی پک جاتا ہے۔" وہ بھلا چپ رہنے والی کب تھی۔
ایک سی اتھار اس کے پاس تھا۔ لہاں۔

"بھر بھی اچھا پانی کر دیکھتی ہوں۔ اگر پانی کچا ہو تو
عظمیٰ بندی۔ آج تیری خیر نہیں۔"

"عظمیٰ کو پسند اسانگا۔ کھانسی کر یوں۔" اماں بلی کیا سڑا
دیں گی۔ قیل کر دیں گی؟"

"تو یہ ہے لڑکی کی زبان کے آگے خدق ہے۔
بے کچے فتنوں بولتی ہے۔ دیکھ فون کر۔ یہ اسد کہاں
رہ گیا۔"

"عظمیٰ فون کرنے لگی۔ شکر ہے چائے پر تھوونہ
ہول اسد دست کے پاس رک گیا تھا۔ وہاں سے چل
براق تھا۔ چند منٹ بعد پہنچ گیا۔ عظمیٰ اس کی چائے لینے
چلی گئی۔

"اسد! میں تمہاری بے ترتیب زمینگی سے مت
تک ہوں۔ آئے کا وقت منہ جانے کا۔ جب تک تم آ
نہیں جاتے۔ میرا طی پکڑو حکم کرتا رہتا ہے۔ آج کا
طوفان اور تمہارا انتظار۔ پنا وقت کی قدر کرنا سیکھو
آخر اتنی دیر تک کیا کرتے ہو پاہر۔ گھر کا راستہ کھو جاتا
ہے یا تم۔"

"ایک سو ایک سوال کر دیے۔ کس کس کا جواب
دلا۔ اچھا چائے۔" عظمیٰ چائے لے آئی۔ اماں بلی
لے پھر سوالات شروع کر دیے۔

"اللہ رکھے اب تم نوکری والے ہو گئے ہو۔ اب تو
منجید ہو جاؤ۔"

"نوکری؟" وہ چلا اٹھا۔ "اماں آپ نے مجھے نوکری
دیا ہائے یہ قدر ہے میری" اتنی اسنے درجے کی میری

رائت اور شایعہ کے کہاب۔ وہ بھی ہماری عظمتی کے ہاتھ کے بنے ہوئے؟ کیا قدر مشترک ہے ایمان سے طبیعت صاف ہو گئی۔

اسد نے صوفے سے ٹیک لگا لیا۔ سبوس صورت۔
 ”اسی لیے ماں کو آپ کی شادی کا نور و ثیاب خزاں سوچہ کیا۔ آئے والی کھانا تو مزید اور بنائے گی۔ کچھ سیکھ کر ہی آئے گی۔“

”گور اگر وہ بھی تمہاری شاگرد ہوئی۔ تو۔۔۔ چلو خیر میں کھانا جیسا ہوں۔ کھاؤں گا۔“

اماں بھی نماز پڑھ کر آئیں۔ تو دونوں بہن بھائی کوئی وی میں کچھ کر رہا ہونے لگیں۔

”تم لوگ کبھی اللہ کا نام بھی لے لیا کرو۔ یہ شیطانی چرخہ تو جب چاہوں۔ ٹپن ویلا حاضر خدمت۔ عظمتی انصو جا کر نماز پڑھو۔ اس کے بعد کھانا لاؤ ورنہ تمہارا یہ توانہ گرد بھائی چلا جائے گا اپنے دوستوں کی خدمت کرنے۔ کببختی مارے۔ سب کے سب انہی کے قتل ہیں۔“

”ہائے“ آہ الف السوس۔ اماں بی رحم۔ کببختی نہیں جا رہا میں تسلی کر لیں۔ آپ کی خدمت میں ہی حاضر ہوں گا۔ دوستوں کو نہ کوئیں۔ بنے چارے محصوم۔ ان کا کوئی تصور نہیں۔ میں ہی بد بخت گھر سے بھاگتا ہوں اچھا۔ آپ آئیں۔ باتیں کرتے ہیں مزے مزے کی۔ عظمتی جاؤ۔ اچھے بچوں کی طرح نماز پڑھو۔ پھر کھانا لاؤ۔ میں سب کھاؤں گا۔ شایعہ کا اچار۔ شایعہ کے کوفتے۔ شایعہ کے کہاب۔ شایعہ کی کھاب جاسن۔ شایعہ کا من سلیا اور شایعہ کا عقین۔ جاسیری پیاری بہن۔ شایعہ۔“

وہ بول رہا تھا اور عظمتی ہنسی سے بے تاب تھی۔ اماں بی شہوتی پر شہوت کی انگلی رکھے اولیٰ اولیٰ کر رہی تھیں۔ ہر بار شایعہ کی گھر پر۔
 ”اولیٰ اولیٰ کا کیا مطلب ہے اماں بی۔ یہی سب تو کھلاتی ہیں آپ بہانے بہانے۔ شایعہ کی ضرورت۔ سبزی کی افادت سوتا من کے نام۔“

”بیٹا! ہر روز تو کوئی حواچہ کا کھا نہیں سکتا۔ نہ

برائیاں ہی دم ہو سکتی ہیں۔ پھر کیا کھائے نہ۔“

”اماں! اسی لیے میں دوستوں کی آفر نہیں ٹھکرا تا کہ کببختی نہیں چکن مل ہی جاتا ہے۔“

”توبہ کرو۔ توبہ۔ شکر کر کے جو ملے کھا لیں چاہیے۔

اللہ ناراض ہوتا ہے کہ میں توبہ نہ کروں۔ رہا ہوں۔ بندہ منہ بنا رہا ہے کہ یہ کھانا ہے۔ وہ نہیں کھاتا۔“

”میں منہ نہیں بنا رہا۔ کہہ رہا ہوں۔ سب کچھ کھاؤں گا۔ لوکی کا رائتہ۔ لوکی کی بھجیا۔ لوکی کے

یکوڑے۔ مگر۔ کبھی کبھی مختلف ڈالنے کو بھی دل چاہتا ہے۔ منہ کا مزید لسنے کے لیے۔“

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناولز

300/-	ساری بھول ہماری تھی	راحت نہیں
300/-	اوپر پروا جن	راحت نہیں
350/-	ایک میں اور ایک تم	عزیزہ ریاض
350/-	یہ آدمی	نہیم عمر قریشی
300/-	دیکھ زور محبت	صائمہ اکرم چوہدری
350/-	کسی رات کی سٹش میں	میریزہ خورشید علی
300/-	اسٹی کا آہنگ	فرہ نگاری
300/-	دل مہم کا دیا	سائرہ رضا
300/-	سا اچے یاد چلا	نصیرہ سعید
500/-	ستارہ شام	آمنہ ریاض
300/-	سجف	نور الدین
750/-	دست کوڑہ گر	نوزہ یاسمین
300/-	محبت من عمر	میراجید

چند ریوڑاک منگوانے کے لئے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
 37، املا ہاؤس، کراچی

اس کے جانے کے بعد عظمیٰ کی شامت آئی۔
انہوں نے خوب اسے ڈانٹا پھٹکارا کہ اس کی فضول
احقانہ حرکت کی وجہ سے کن کا بچہ بھوکا پیاسا بھر رہا
ہے۔ آنس کی محنت الگ۔

"لو جی۔ بھائی اور بھوکے اچھٹے تفس میں لور کھانا
ہو ٹھک زندہ بار۔ ان کے تو مزے ہو گئے۔ جو چاہتے
تھے۔ میں بے چاری ہو گیا ہوں کے ساتھ پسند والا کیرا
ہوں۔ کل سی بھوکی پٹھنی ہوں۔"

انہوں نے تو قریب سے ٹکال کر گرم کر کے کچھ نہ
کچھ کھانا کھا کر عظمیٰ پر ضد سوار تھی۔ نہ نکالیا۔ نہ
کھایا۔ یہ انگ بات کہ وہ اسے بسکٹ کے اور ٹکڑوں کے
پکٹ چھپا کر اپنے کمرے میں لے گئی۔ ان ہی سے
گزارا ہو رہا تھا بے چاری کا۔ اماں بی کو اس پر ترس آ
گیا۔ ہائے بے چاری بچی دن بھر محنت کرتی ہے اور
خیرے باز بھائی کو کچھ پسند نہیں آتا۔ گھر میں کوئی نوکر
انک نہیں کہہ دے۔



بھائی نے تیسری بار ٹوپہ کو بکارا۔ وہ اس سے مس نہ
ہوئی تو تک دے مارا پھر بھی کچھ سنو لگی نہیں ہوئی تو
ہاتھ برسھا کر ہتھوڑا۔

"بچی اٹھ جا۔ مجھ بوڑھی پر ترس کھالے۔ میری
پڈیوں میں دم نہیں رہا کہ خود کچھ ناشتہ بناؤں۔ کب
سے جگا رہی ہوں۔ لونج گئے۔ پانچ بجے سے ناشتہ کا
انتظار کر کر کے آنتیں بھی سوکھ گئی ہیں۔"

ٹوپہ نے انگریزی کے لیے ہاتھ اونچے کیے۔ پھر نیچے
کر لیے۔ بھائی کے فرمودات (جو ان بچیوں کو انگریزی
نہیں لگتی تھے)۔ شرم و حیا کے خلاف ہے (نیشیل
آنکھوں سے ٹال گور کھا۔

"کب بوڑھی ہو گئیں آپ؟ رات تک تو بھلی
چچی۔ اسی کئی چاق چوند سا تھی یا نہیں۔"
"مذائق نہ کر۔ اٹھ جا میری چاندلی۔ کب سے جگا
رہی ہوں۔ پہلے فجر کے لیے جگایا۔ کہیں اٹھیں۔ صبح

"اسی لیے شادی کا کہہ دی ہوں۔ زندگی کا مزا
پہلے لے گا۔ گھر کا رنگ اور منہ کا مزا بھی۔ تم کچھ کہو تو
نہیں دے ہو توں پر انگلی رکھ لی۔ لہجہ گونگا بن گیا
تھا۔ اماں بی نے مسکراہٹ چھپانے کے لیے گردن
موڑا اور صبح کھانے لگیں۔

عظمیٰ جانے لگی یا ہر۔ اماں بی نے اشارے سے
پوچھا کہ مر؟

"اوکی کا حلوہ بنانے۔" وہ کھکھلائی۔ فی دی کی
تو ازبست ہلکی تھی۔ مگر تصویروں میں چمک زیادہ تھی۔
اماں بی کو وہ رنگ برنگی چمک بھی گوارہ نہ تھی۔ لہذا
لہجہ بند۔

دونوں اس دن کو نگاہیں کر گزار دیے۔ اشاروں کی
زبان میں عظمیٰ سے ہی باتیں کرتا رہتا۔ وہ کچھ سمجھتا نظر
نہیں آتا۔

آخر تیسرے دن زبان کھولی۔ "اسے کسی کو ٹکٹ
سینٹر میں داخل کریں تاکہ کچھ۔ کھانا کھانا آجائے۔
ورنہ نکل کر سسرل جا کر آپ کو ہی بدنام کرے گی کہ
ماں نے کچھ سکھایا نہیں۔ کم از کم نوڈلز ہی ابا لٹا سیکھ
لے۔"

"بھائی۔ نوڈل ابا لٹو مشکل نہیں۔ مجھے آتا ہے۔"
وہ احتجاجاً بھائی۔ "نوڈل ابا لٹتی ہوں میں۔"
"ہاں۔ مگر کھانا بھول جاتی ہو۔ کچا میوہ۔ میرے
معدے کو تباہ کر سکتا ہے۔ اللہ میرا پیٹ۔"

"اماں بی ہمیں ہمیں اب آپ فوراً بھائی کی شادی
کریں۔ میرا بھائی ذرا تو اچھا ہے کچھ پسند نہیں آتا۔"
"میں تو تمہاری ہمدردی میں کہہ رہا ہوں۔ کل
جب سسرل جاؤ گی۔ طبعی ہمیں سننے پڑیں گے۔"

عظمیٰ دیر پختی باہر نکل گئی۔ احتجاجاً اس نے ہاتھ
بٹایا۔ نہ کھانا۔ اسے آنس سے آکر کمرے میں گھس
گیا۔ رات کو بن ٹھن کر باہر نکلا اور دوست کے گھر
مغفل موسیقی میں شریک ہوئے تاکہ کر چلا گیا۔

"میں وہیں سے آس چلا جاؤں گا۔ پھر رات میں
کھانا کھا کر آؤں گا۔" جاتے جاتے اس نے کہا۔

”ثانی۔ دعا بھی تو دیں کہ نصیب اچھا ہو۔ سسرال
قدروں میں ہو۔“

”ثانی۔ دعا بھی تو دیں کہ نصیب اچھا ہو۔ سسرال
قدروں میں ہو۔“

سارے جہان میں لود اور پھرا کر لی تھی۔ ایک دن خبر لائی۔ پھل تلی میں جو خلیا صاحب ہیں۔ وہ اپنا پرانا سامان فروخت کر رہے ہیں۔ اور ان بھی جو تھکی قیمت پر مل رہا ہے۔ مگر اتنے پیسے بھی نہیں۔

"نالی۔ ماموں لوگ آپ کو اتنے کم پیسے کیوں دیتے ہیں۔ خود تو عیش کر رہے ہیں۔ آپ نے بھی اپنی پر لاٹھوں لٹا دیے اور ہاں ان سے کہیے لو اس آئی ہے۔ اس کا خرچہ بھی نہیں۔"

نالی ہنس دیں۔ کچ تو ہے۔ تین بیٹوں پر لاٹھوں کر دوں نہیں۔ سب کچھ لٹا دیا۔ جسکو چاہی ساری طاقت خرچ کر دی۔ جب کسی کاٹل ہو گئے۔ شلوایاں کر کے ایک کینڈا ایک سحوی عرب چلا گیا۔

تیسرے نے شادی نہیں کی۔ مگر کبھی امریکا، کبھی انگلینڈ، کبھی جاپان اور اب تو پاکستان میں ہی تھا۔ مگر گھر کا راستہ بھول چکا تھا۔ سب سے پہلی اولاد کی یادداشت اتنی کمزور کیوں ہوئی ہے۔ ماں باپ یاد رہتے ہیں نہ گھر نہ گھر کا مکان۔ جو ماں باپ ان کے لیے مہیا کرتے ہیں۔ اور نالی کا تو یہ حال تھا کہ اک دل کے گلے ہزار ہوئے۔ کوئی رہنمائی گرا کوئی دہائی گرا۔ سب کہتے ہیں کہ یہ بھی تعلیمت جانو کہ ماں کے لیے اپنی کھالی سے رقم تو بھیج رہے ہیں اور نہ دور بیٹھی تھماں کس کے سامنے اتھ پھیلائی۔

چھوٹا بیٹا اکثر فون کرتا۔ نالی تو فون پر بات کرتے ہوئے روٹی راتیں۔ ٹوبہ ان کے درد کی ترجمانی اپنے بے وحش انداز میں کرتی۔ اس نے علی ماموں سے اپنے لیے خرچ بڑھنے کے دکھڑے رو کر رقم پر حوالے کا قاضی کیا۔

ماموں نے فوراً اس کے لیے منی آرڈر بھیجا۔ مزدور کے سر پر اور ان کو کہہ کر لے آئی۔ اسی مزدور سے اور دن فٹ کروا لیا۔ بلکہ اسی سے کچن خوب رگڑا کر دھو لیا۔ سلیب بھی چھکوا لیا۔ اور مزدوری میں پرانا چولہا اس کے حوالے کر دیا۔

نالی حق دیتی اس کی کارروائی دیکھتی رہیں۔ جو چاہتی کر لیتی۔ پھر اتنی کہ رات میں کسی چیز کی ضرورت

ماں نے ٹوبہ کو سنبھالا اپنی تمام علاقہ بھی اس کے ہاتھ دین میں ایڈیل دیں۔ جس طرح اپنی منہوں سے لڑتی۔ انہیں دھتکار لی۔ ٹوبہ کھیل کھیل میں خوب لٹل کرتی ماں اس پر بے حال ہو جاتی۔ وہ تو مردوں سے بھی نہان چلائی۔ بلکہ ہاتھ پائی کو بھی برائے سمجھتی۔ ایک بار تو اس نے اپنے منہوں کو انڈامار کر ڈھکی بھی کر دیا۔ کہا کہ یہ بد نظرا ہے۔ عورتوں پر اور بے ڈامتا ہے۔ اور اس کا گھر میں داخلہ بند۔

ٹوبہ نے بھی نہ کھلا۔ بھی سیکھا۔ ٹوبہ کے چھوٹے بھائی بہن بھی ماں سے تربیت لے رہے تھے پھر اس کے اپنے ٹوبہ کو اس کی نالی کے پاس تربیت کے لیے بھیج دیا۔ کہا تو یہ کہ آپ کی خدمت کرے گی۔ مگر وہ اس سے ڈر گئے تھے۔ نالی نے دیکھا۔

بڑھکل مور، تمیز نہ تھنہ۔ بے مہابا کھاتی۔ ہر وقت کچھ نہ کچھ کھاتی۔ بات یوں کرتی جیسے لٹھ مار رہی ہو۔ خوب صحت مند کوری چٹی موٹی تھوری۔ ہر آئے گئے کو اپنی ہنر آنکھوں سے گھورا کرتی۔

تین سال میں نالی نے ڈانٹ ڈپٹ کر بیاہت سے ماہریت کر سمجھا بچھا کر کچھ نہ کچھ انسان بنانے کی کوشش کی۔ قرآن شریف پڑھایا۔ نماز سکھائی۔ پکانے کا اسے خود بھی شوق تھا (کھانے کا بھی) ماں سے نہیں سیکھا تھا۔ پہلے پہلے نالی کے مزدوروں میں لڑکوں سے دوستی کی۔ کرکٹ، کھلی ڈھنگ، کھلی گلی کوچ کو برا نہ سمجھتی۔ پھر لڑکوں سے بھی رولڈ سم بدھی۔

لب تو بہت انسانیت کے جہان میں تھی۔ نالی چاہتی تھیں کسی طرح انسان بن جائے اور انسان لا بہن کی تھی۔

لی دی کے کوکھ شو سے مختلف ملکوں کے کھانے بھی سکھ لیے تھے اور جب نالی نے کہا۔

"کچھ پکنا آئی گیا ہے۔ تو بھی پکنا کر کھانا کھیں۔"

"کچھ اور ان میں پکنا ہے۔ وہ ہمارے ہاں نہیں ہے اور ان کو روڑا یا کر دیا گی۔"

"لو میرے پاس اتنے پیسے بچتے ہی کب ہیں۔ کیشی ڈال لوں گی۔ اگلے سال اور ان آجائے گا۔"

ہوئی۔ ایک ڈنڈا لے کر گلی کے ٹکڑے سے سودا لے آئی
ٹائی کے قطع کرنے پر ڈنڈا زور سے زمین پر مار لی۔

"کوئی بیڑھی آنکھ سے دیکھے تو آنکھیں نکال دوں
گی۔ کمر پر ڈنڈا رسید کروں گی تو لمبا ہو جائے گا۔"

راستہ چلتے ہوئے ڈنڈے کو لہرائی چلتی تھی۔ رست
میں اچانک آنکھ کر بیٹھ کر سے کس کر ڈنڈا پکڑ کر باہر
جلے لپٹی۔ ٹائی پر چھپس "کھال چلی۔"

"ٹائی! صحن میں کوئی چور ہے۔ خبر لیتی ہوں جا کر۔"

ٹائی غصا ہوئی۔
"کوئی چور نہیں ہے۔ کھانا موٹا بلا ہے۔ دیوار سے
کوہ تا ہے۔ روز آتا ہے کھانے کی تلاش میں۔" لیکن
اسے کسی چور کو ڈنڈا مار کر فرش چٹانے کا بہت شوق
تھا۔



کھڑکی کے شیشوں سے سوچ کی کرنوں نے اندر
جھانکا۔ روشنی تیز روشنی۔ کمرہ یک دم جگمگا گیا۔ اسد
نے مڑ کر کھڑکی کی جانب دیکھا۔ سوچ نورانی توانائی کے
ساتھ تابندگی پھیلا رہا تھا۔ کمرہ پڑھ کر اچھڑائی لیتا تھا۔
چھپنی کاٹون۔ کئی دن سے گھر میں خاما سکون تھا۔ عظمیٰ
کے ساتھ لڑائی ہوئی نہ اماں بلی سے بحث۔

چھپنی کے دن ناشتہ خوب کھڑا ہوتا تھا۔ یہ المیہ کی
مہیلا تھی۔ تیار ہو کر کھانے کے کمرے میں آیا۔

حسب توقع زبردست قسم کا ناشتہ میز پر رکھا تھا۔
عظمیٰ ابھی کچن میں تھی۔ لال خراں خراں ناشتے
کے لیے آ رہی تھیں۔ اسد نے سلام کیا اور اپنی کرسی
پر ات گیا۔ سرخاسخ پتیر آلیٹ۔ شکے ہوئے ٹوس اور
زندہ پلو پر اٹھا۔ خوب صورت سی لی کوڑی کے اندر چھپنی
کی چڑے والی میں خوشبو دار گرم چائے۔ کچن سے
خوشبو میں آ رہی تھیں۔ ابھی وہ زندہ پلو پر اٹھے آلیٹ
سے لطف اندوز ہو رہا تھا کہ عظمیٰ مین کا حلوہ لے کر آ
گئی۔

"آہ۔ آج یہ عظیم الشان دعوتی ناشتہ۔ کس سلسلے
کی کڑی ہے۔ یہ ممکن ہوا حلوہ۔ زندہ پلو پر اٹھا۔"

"پیٹ بھر لیا جائے تو چاری کھول جائے گی۔ عظمیٰ
پر اسرار لہجہ اختیار کر چکی تھی۔

اسد نے مزے سے ناشتہ کیا۔ کئی طنز کے بعد بہت
لطف آیا۔ پھر کرسی پر پڑے تو لمبے سے ہاتھ صاف
کیے۔ منہ دگرالوہ مڑ کر لال بی کی جانب رخ کیا۔ "جی
تو پھر لال بی چاری کھول جائے۔" اسد آواز خزانہ لور
شاہانہ تھے۔ گویا کہ رہا ہو۔ کمر فریادی۔ ہم ہمہ تن
گوش ہیں۔

لال بی نے اس سے بھی زیادہ شہانہ انداز اختیار
کیا۔ آخر میں تھیں۔ وہ دن کی چھپنی لے لو۔ کل ہمیں
شاہ تیار جانا ہے۔ تم اور میں۔"

"شہ آباد؟ کیوں؟ وہاں کون ہے؟" کتے کتے یار
آیا۔ خالص۔

"میں کون؟ بھول گئے؟ ہاں! رشتے دار کب یاد
رہتے ہیں۔ چھپس۔ ابھی تمہارے کسی دوست کے مٹا
وٹو کا کام لیا ہوتا۔ فوراً چپ کر کھڑے ہو جاتے۔ ان
کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے کہ جی حاضر
ساجیس۔ خیر میں کیا سے لٹے جا رہی ہوں۔ ثوبہ کو بھی
دیکھ لوں گی۔" چھپنی اشارہ۔

"کیا اٹھو یہ آؤ؟ مہیلا بھلسو۔ اماں بی اس میں
دیکھتے والی کیا بات ہے۔ ہر طرف سے نظر آتی ہے۔
بلکہ نظر آتی ہی رہتی ہے۔ لاکھ آنکھیں چرلو۔ پھر بھی"

"جب۔۔۔ تم نے جب دیکھا تھا وہ بچہ تھی۔ تھو
چوہ سہلی تھی۔"

"اماں بی۔ تھو چوہ سال کا پسلوان بچہ بھی پسلوان
ہوتا ہے۔ باپ بھٹا۔"

"ارے۔۔۔ تو ماں کے مرنے کے بعد بے چاری کو
کوئی دیکھنے والا نہ تھا تو شہ بے حسارتی ہوئی تھی۔ اب
تو تین سال سے تپا کے پاس ہے۔ سب کچھ سکھایا
ہے اسے انہوں نے۔ بس یہی دیکھنا ہے۔ سلیقہ۔ طور
طریقہ، مزاج۔" لال بی پہلی بھوار ہی تھیں۔

"ہاں اماں بی۔ ابھی کے قیامت لے کر بچن آئیں۔"
عظمیٰ نے پٹائی کی گر کھولی۔

"کوئی ماسی یہاں نہیں ہے۔ اگلا در کھٹکھٹاؤ۔" اندر سے کھٹکھٹنی سی آواز آئی۔

"اندر بیگم صاحب سے کہو" مسلمان آئے ہیں۔" "بڑے آئے کہیں کے مسلمان۔" دیکھیں جی ہمارے ہاں لاہور سے مسلمان آنے والے ہیں رشتہ دار۔ اس لیے ہم کسی سے نہیں ملیں گے آپ۔۔۔ کل آجائے۔ ہم رشتہ داروں کا انتظار کر رہے ہیں۔" "ہم بھی رشتہ دار ہیں لاہور سے آئے ہیں۔"

کھٹک سے دروازہ کھلا۔ لور لے یہ کیا جیسے روشنی کا ذخائر ابل بر اہو۔ چمکتا چمکتا چو۔۔۔ بھروسے والوں کے ہلے میں روشنی چراغ آنکھیں سبز و گنبد لٹی آنکھوں کی جگہ گالی ہو۔

"کیا بد تمیزی ہے۔ کل آجائیں لے کر۔ سچ ہمیں بہت کام ہے۔"

"ارے واہ۔ کہا ہے تاکہ کل آجائے۔ کون ہو کہیں سے آئے ہو۔ شناخت بھی ہے کوئی۔ ہم قریح کسی ایرے غیرے متوجہ سے نہیں مل سکتے۔"

"ہم بھی لاہور سے آئے ہیں۔ رشتہ دار۔"

"ہیں؟ جھوٹے کہاں ہیں چھوٹی ٹلی۔ انڈا دیکھ رہے ہو۔ سر پھاڑوں کی ہاندر نہیں آئے دہلی کی۔"

انہی بی بی بھی پہلی میٹر می پر تھیں۔ دلچسپ اور کاسارا لے کر لوہر آ رہی تھیں۔ اس نے کھجور کے جیسے گردن باہر نکال۔ پھر جھٹک لگا کر نیچے کوئی۔ انہی بی بی کا ہاتھ پکڑ کر اندر اوپر لائے گئی۔ اوپر آکر غصے سے اسد کو کھورا۔

انہی بی بی دعاؤں کی تفصیل بیان کر رہی تھیں۔ آخر اندر آئے کاٹن ملا۔ حسب توقع خالہ لال اور انہی بی بی آنسوؤں کے جاوے کے ساتھ گلے مل رہی تھیں۔ سلام دعا پیا۔ وہ تینوں کمرے میں بیٹھ گئے۔ چند منٹ بعد وہ چھلواہ صفت لڑکی بڑے میں چائے لے آئی۔ کیک فروٹ چائے۔ دی بھٹے۔ ونو۔ وہ تو بچوں کی طرح لپٹ رہا۔ بھوک کا بہانہ بھی تھا۔ چائے کے بعد "تم آرام کر لو" کا اشارہ پاتے ہی وہ لوہان پر ہی

"کیا؟ اسد کرسی سے اچھلا۔" یہ طور طریقہ مزاح بات ملے گیا منصوبہ بندی ہے کس لیے؟" "تمہارے لیے۔" انہی بی بی نے چٹاری کھولی۔

"لالہ بی۔" وہ دروازہ بھرنے اندر میں مخاطب ہوا۔ (فریادی) وہ بے ڈھنگی زبان اور از جنگل لڑکی۔ برے نصیب چھوٹے۔ کیا میں اتنا گیا گزرا ہوں؟" کراہنے لگا۔

"افسوس۔ بالکل نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ تمہیں مصیبت میں ڈالوں دیکھ کر پرکھ کر فیصلہ کروں گی۔"

"وہ تم رستم میرے آقا۔ وہ پھوٹ۔ بد اخلاق۔ کھلاؤ پیر۔ بکر بکر مولیٰ کا جرجہائے جاتی تھی۔ کس کو پسند آ سکتی ہے۔ آنکھیں دیکھیں ہیں۔ اف میرے اللہ۔" طوطے کی آنکھ جیسی۔ درنگ بد لٹی ہوئی۔

"چپ رہو اور چلنے کی تیاری کرو۔" فریادی کی ایک نہ سنی تھی۔

"عظمیٰ کو بھی لے چلیں۔" تبعداری بدوجہ مجبوری۔ شاید عظمیٰ کو وہ شاہکار پسند نہ آئے۔

"کوئی ضرورت نہیں قافلہ لے کر جانے کی۔" حکم حاکم مرگ مناجات چھٹی ضائع ہو گئی۔ چلتے بھٹتے رجا تھاں بھر۔

"اسے بھی بھابھی پسند کرنے کا حق ہے۔" (شاید کہ اسے پسند نہ آئے پھر۔)

انہی۔ موٹی بدنیت۔ نیچے پاؤں محمد راجد مرے او حرد زئی پھرتی۔ جیسے جہاں میں وہ ہے گئے ہوں۔ کون پسند کر سکتا ہے؟ انہی بی بی کا قربان۔ وہ تاجدار۔ اگلے دن ہی شہر آباد کے اس بڑے گیت کے سامنے کھڑا تیل بھاریا تھا۔ انہی بی بی کیسی سے اتر کر ڈرائیور سے بیٹھ رہی تھیں کہ ٹیکسی کو طیارہ بنا کر لایا تھا۔ اندر گھنٹی کے ساتھ بد تمیزی آواز (حسب توقع)

"کون ہے۔ بے قرار مدح بے صبر سا۔ نام بتاؤ۔"

اس نے تیل پر انگلی جمادی لوہر چلایا۔

"دروازہ کھولو ماسی بد تمیز۔" دانت پیسے تھے۔

لیٹ گیا وہ کئی اور کس پھرتی سے اس نے چائے کے برتن سمیٹے اور یہ جان جا۔ پھر آئی پھر گئی۔ طوفان میل اوھر سے اوھر چمکتی چمکتی نہ جانے کیا کام کر رہی تھی۔ یقیناً بیروں میں بھی فٹ تھے۔

"خالہ اماں! کیا آپ کے گھر میں رشتے داروں کے علاوہ لوگوں کا داخلہ بند ہے۔"

"نہیں تو۔۔۔ میرے تو سب پرہیزی میرا خیل کرتے ہیں۔ اتنا جانالگا رہتا ہے سب کا۔ ورنہ میں یہاں آئی کیسے رہتی۔"

"لیکن آپ کی ماسی نے تو ودانہ کھولنے سے انکار کر دیا تھا ماسک ہمیں امیرے غیرے ننھو خیلوں سے آج نہیں ملنا۔ رشتہ دار آئے والے ہیں۔"

"ارے بس۔ اس کے دل غم میں غور ہے۔ میں جو بات کہہ دوں ایک بار وہ اس کے لیے پھر کی ٹیکر ہوئی ہے۔" خالہ ہنس کر کہنے لگیں۔ "میں نے ہی کہا تھا کہ آج کسی کے لیے ودانہ نہ کھولنا۔ اصل میں بچوں وائیاں آجاتی ہیں۔ گھر میں شور مچا رہا ہے جو جاتا ہے میں نے سوچا۔ غصہ آنے والی ہے۔ دوسروں سے بچنے کا یہی طریقہ ہے۔" خالہ بتا رہی تھیں۔ اماں بی بھی سن رہی تھیں۔ (ماسی پر غور نہیں کیا)

"تو میں کیا بچنے والی لکھا ہوں؟" وہ براہمان گیا۔ "ارے اب کیا بتاؤں۔ جو صاف میں مانا جائے وہی کرتی ہے۔ اب تو بہت سنبھل گئی ہے۔ پہلے والی نہیں رہی۔ ارے اس کے باپ نے تو ایک لکڑی کا کندا میرے حوالے کیا تھا۔ اسے میں نے پھیل چھال کر کٹ پیٹ کر سمجھ لیا تھا کہ چار بندوں کے بیچ میں بیٹھتے تو بند ہی گئے۔ بند نہ نہیں۔"

اسے ہنسی آئی۔ پھر وہ نواں۔ نہیں نہ جانے کن کن رشتے داروں کا ذکر کرنے لگیں۔ وہ کچھ دیر بعد اٹھ کر باہر نکلا۔ مگن میں تو سیلاب آیا ہوا تھا۔ گھر سے دھپہ پاندھ پانچے چھانچے۔ پانی کی سیڑی پانی کی دھار اور پانچ میں جھاڑو لیے۔ سیلاب کو اوھر سے اوھر کر رہی تھی۔ ساتھ ہی گنگنا دی تھی۔ ہنگامہ مچا رہی تھی۔ دھوپ دھوپ کے ہمیں ملکوں ملکوں۔

ملنے کے نہیں تیار ہیں ہم۔
علبدہ پروین نہ ہو تو۔ گلابی جیوں پر پانی پڑتا۔ اور اس پاس ٹپکتے پھرتے۔

ملنے کے نہیں تیار ہیں ہم۔۔۔ اسد نے انکار کر اپنی آمد کا اعلان کیا۔ وہ جو کل۔ پانچ پچھنک جلدی سے دھپہ کھول کر وجود کو ڈھلتا پانچ۔ پانچے پچھنکے۔

"میں ذرا باہر جانا چاہتا تھا۔ یہ فرش میرے حوتوں سے پھر نہ اہو جائے گا۔ اس لیے۔"

اسے جواب میں کہنا چاہیے تھا۔ "آپ چلے جائیں میں فرش دھو دیتی ہوں۔ صاف ہو جائے گا۔" مرنشہ۔

اس نے کہا۔ "چھین نہیں ہے تب کو۔ ذرا اندر کر چلے جاتے۔ آئے کھا یا پیا اور سیرکی سو گئی۔ ورنہ۔" اسے غصہ آگیا۔ "چھین نہیں بھی نہیں ہے۔ فرش صاف ستھرا تھا۔ کیا ضرورت مگن پانی ضائع کرنے کی۔"

وہ جواباً۔ "تم لائی۔" اچھا جی گھر میرا ہے کہ آپ کا۔ بدوزد حوتی ہوں اس لیے صاف رہتا ہے۔
"میں سوچ رہا تھا۔ تم سے پانی مانگ کر پانی نکل۔ تھوڑا۔ یا خود تلاش کروں۔"

"ذرا صبر کریں۔ کچل چلی گئی ہے۔ پانی ٹھنڈا نہیں ہے۔" کھاسا جواب شاید ایسا ہی ہو ماہو۔
"تم ہر طرف نہیں جھانکیں۔"

"جھانکی ہوں۔ اہم ضرورت۔ یعنی آٹھے ورتوں کے لیے بچا کر رکھتی ہوں۔" عجیب منطق تھی۔
"آٹھے ورتوں سے کیا مراد ہے؟"

"مسوری۔ وہ اصل میں کسی خاص مسکن کے لیے جو اچانک آجائے اور شربت پلانا پڑے تو۔"

"عجیب ہو۔ میں خود ہی تلاش کرتا ہوں۔" اس نے تھوڑے دیر بعد۔ "مگن میں پانی۔ ملے گا؟"

"صبر کریں۔ ملا دیتی ہوں۔ مگن میں مردوں کا داخلہ بند ہے۔ گڑ بڑ کر دیتے ہیں۔"

"یہاں کون موبے جو مگن گڑ بڑ کرتا ہے۔"

جواب دے رہی ہے۔ ایک لڑکے کی تصویر تھی۔ اچھا خالدان تھا۔ عمر ذرا زیادہ تھی۔ دیکھ کر بول۔ مرنہ متھا جن بہانوں تھا۔ بل میں بے چارے کو جن بہانوں ایک ولہ ایک خاتون آئیں جیسے کو بھی ساتھ لے آئیں۔ ان سے پوچھنے لگی۔ آپ کے گھر میں کتنے کمرے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ "تین کمرے ہیں۔ ایک میں بڑا بیٹا ہو۔ ایک میں ہم میاں بیوی۔ بیسرا اس پھولے بیٹے کا ہے۔" تو کہنے لگی۔ پھر بل کہاں رہیں گی۔ انہوں نے کہا کون؟ بولی یہ نالی کیا میں؟ نہیں انکی چھوڑ دوں۔ جہاں میں جاؤں گی وہیں یہ بھی رہیں گی۔ تو بولا۔ وہ تو اٹھ۔ یہ جاؤ جلد ان کے جلنے کے بعد میں نے لکڑی سے اس کی ٹھکانا کی۔ بھلا تھا۔ میں اس کے ساتھ کیوں رہوں گی۔ بھی کہتی ہے اس لڑکے کی ٹانگیں چھٹی۔ دھڑ بڑا ہے۔ اس کی اماں بھی پامور مری جھکی ہیں۔ کسی کو سانس کسی کو تنگ کر۔ کر دیتی ہے۔ جتاؤ کہاں سے لانا اس کی پسند کا رشتہ۔ سب سے بڑی شرط تو یہ ہے کہ۔۔۔ سانس مندا اٹھے مزاج کی ہوں۔ جس کو خوش خلق۔ یہ ہستی رہے۔ اوسنو ذرا۔

خالہ اماں کے چہرے پر مایوسی تھی۔ اماں بی بی نے میں منہ دے کر نہیں رہی تھیں۔
"تپا اس سے پوچھتی ہی کیوں ہو۔ جو مناسب لگے رشتہ کرلو۔" آخر اسی روک کر مشورہ دیا۔
"یہ دھمکی بھی دے چکی ہوں۔ کہتی ہے۔ پھر میں اپا کے گھر بھاگ جاؤں گی۔ ذرا رہتی ہوں کہ کہیں چلی نہ جائے۔ اب اس کی عادت ہو گئی ہے۔ سسرال جا کر جو گل کھائے گی۔ وہ الگ ڈالتے ہیں۔"
اسد کو نیند آ گئی۔ ہاتھ میں دیکھی جونہ تھی۔ احقانہ حرکتیں۔ فضول باتیں۔ لڑکی بلکہ کب تک سنتا (اوس نام) نہ جانے کتنی دیر سوتا۔
اماں بی بی نے جگایا۔ رات ہو گئی تھی۔
"کھانا کھاؤ۔ پھر ساتھ والے کمرے میں جا کر سو جانا۔" کھانا میسر تھا۔ یہ تو عظمیٰ نہ ہوا کہ کیا کیا تھا۔ مگر جو کچھ تھا۔ لذیذ شوق سے کھایا اور پھر نیند کے لیے

"اماں۔۔۔ اسرا میں آتے ہیں تو۔۔۔ کبھی چائے بنا رہے ہیں تو کبھی کچھ کچھ۔ سب کچھ گڑبڑ کر دیتے ہیں۔ اس لیے۔۔۔ میں نے داخلہ بند کیا ہوا ہے۔"
اندر جا کر پانی لے تھی۔ اسد پانی کی کر گھر سے باہر آ گیا۔ شاہ آباد چھوٹا سا قصبہ تھا۔ صاف ستھری سڑکیں اور پودوں کے درختوں کی قطاریں۔ شام ہو گئی تھی۔ ہوا ٹھنڈی تھی۔ خوشگوار موسم تھا۔ چہل قدمی میں لطف آ رہا تھا۔ چند اور لوگ بھی جو رنگ کے لیے لگے ہوئے تھے۔ ایک اسنوور بھی تھے قریب میں۔

اسنوور سے غلطی کے لیے پھولی پھولی چیزیں خریدیں اور واپسی کے لیے مڑ گیا۔ ڈوبتے سونچ کی سرخی آسمان سے زمین تک برس رہی تھی۔ فضا میں پھولوں کی مسک سی تھی اور سرخی نے ہر چیز کو رنگین بنا دیا تھا۔ آسمان پر انار کا بادلوں کے کلوے تیرتے پھر رہے تھے۔ بھی گلابی ہو گئے۔ طبیعت میں چہ نپل سی پیدا ہو گئی۔ غلطی بھی آ جاتی۔ خوش ہوتی۔

گھر گیا۔ گیٹ بند تھا۔ بجالی۔ اندر سے آواز آئی "کون ہے؟"

"مہمان۔" اس نے جواب دیا اور مسکرایا۔
"مہمان تو اگلے کمرے پہلے سے آئے ہوئے ہیں۔ اپنا نام پتہ۔"

"اٹو۔ کیا ہر بار شاختی پریڈ کروانی پڑے گی۔ میں ہوں اسد۔" دروازہ کھٹ سے کھلا۔

"شاخیت تو ضروری ہے۔ سب کو بتا ہے یہاں کوئی مو نہیں ہے۔ کوئی بھی چور مہمان کے روپ میں آ سکتا ہے۔"

اسد منہ بنا اندر آیا۔ دکان میں جا کھسی۔ اماں بی بی نہیں رہی تھیں۔ اسد نے دیواروں پر لپٹتے ہوئے کہا۔

"اماں بی بی! لکھا ہے خالہ اماں نے لطیفہ سنایا ہے۔"
خالہ بھی نہیں پڑیں۔ "سنوور اپنے بیٹے کی باتیں۔ لطیفہ سننے کی عمر ہے میری۔"

اماں بی بی نے پریشانی سے کہا۔ "چھا پھر اور بھی تو رشتہ آیا ہو گا۔ اتنی خوب صورت ہے۔"
"تو ہیں۔ اس کو کب پسند آتے ہیں۔ صاف

صحن میں آیا۔

سوچ رہا تھا اماں بی کو تو یہ پسند نہیں آتی۔ تب ہی مشورہ دے رہی تھیں کہ اس سے پوچھ لے بغیر رشتہ کر دو۔ اسد کو بھی اس لڑکی میں حماقت کے چراغیں زیادہ نظر آئے۔ پسندیدہ تو کچھ نہ تھا۔ آخر وہ ہر رشتہ دیکھ کر کہیں کر رہی ہے۔ شاید اسے کوئی اور پسند ہو۔ خالہ! اہل ہماری سمجھ نہ پائی ہوں۔ لیکن میں کھنڈ پڑیں کر اس نے جھانکا۔ وہ برتن دھو رہی تھی۔

"سنو! اسے لڑکی کیا نام۔"

"توبہ یہ ہے میرا نام۔ ہاں اب کو کیا بات ہے۔ سامنے والے کمرے میں سو جانا۔ اپنی بھر کر بنگر رکھ دیا ہے۔ چائے چاہیے کیا؟"

"نہیں بھئی۔ میں رات کو چائے نہیں پیتا۔ فینڈ بھاگ جاتی ہے۔"

"اسی لیے میں تو جیتی ہوں۔ فینڈ بھاگنے کے لیے" (عجیب سا گل لڑکی ہے)

"کیوں رات میں تمہیں کشیدہ کاری کرنی ہوتی ہے یا پوئینورسٹی کا کوئی اسائنمنٹ بنانا ہوتا ہے۔ فینڈ کیوں بھاگتی ہو؟"

"چوروں کو بھاگنے کے لیے چاہتی ہوں اگر کوئی چور آجائے۔ حوا تو کوئی ہے نہیں۔"

"تم سب چوروں کے لیے کیوں چاہتی ہو۔"

"اس کا سر بھاڑوں گی اور کیا کروں گی۔ دیکھنا ہے ڈنڈا۔ کیلیں فگوال ہیں اس پر۔" سناٹے ڈنڈا اڑا لیا ہوا تھا۔ مسلک ہتھیار۔

چائے پینا لگی تھی۔ اب کپ میں چھلن کر چینی مگھول رہی تھی۔

اسد کمرے میں آیا۔ اماں بی اور خالہ اماں کی باتیں فتم ہی نہیں ہو رہی تھیں۔ رات بھر سلسلہ چلے گا۔ کہیں اماں بی مارے ہر دہی کے رشتہ دے نہ دیں۔ کہا تو تھا کہ اپنڈ آجی تو اسد سے پوچھ کہ رات بھر کی۔ رات بھر خواب میں چور آتے رہے۔ جن کے وہ خود ایک کیلوں جڑے ڈنڈے سے سر بھاڑا تھا۔ صبح آتے کھلی تو تھیں آگنی داد بھئی۔ کس قدر مضحکہ خیز

ذرا ب تھا۔

طبع سہانی تھی۔ عجب انداز حیرا۔ لکھی سی روشنی سہانا موسم نماز پڑھ کر صحن میں آیا۔ فتمہ افرش فتمہی ہوا۔ دو ڈنڈہ کھیل کر وہ اندر آیا۔ اسے سویرے وہ کچن میں جا کھسی۔ وہ بھی فتمہ کے مارے پہنچ گیا "سنو! کیا تم یہاں پہرہ دیتی رہیں۔ گیت پر۔"

"نہیں تو۔ میں تو کچن کی سائڈ میں کچی سے ٹھنڈا اور پوینے تو ڈکرائی ہوں۔ ہری مرچ بھی۔" وہ آٹلی سے نماز اور پوینے سب پر دیکھ رہی تھی۔

"سنو! اسے تم شادی کیوں نہیں کرتیں؟ میرا مطلب ہے۔ خالہ! اماں بہت فکر مند ہیں۔"

"میں نہیں فکر کرنے کی طاقت ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" جواب لیا۔

"تم کسی سے اگر۔۔۔ مطلب کسی کو پسند کرتی ہو۔"

توتھ۔ خالہ کی فتمہ توتھ۔ "میں کسی فتمہ نہیں ہو تھیں میری شادی کی فکر۔ افسر۔ وہاں کی شادی کی فکر۔ شاید یہ بھی جائیں تو وہ سری فتمہیں پالیں گی۔ بہت محبت ہے فتمہیں فتمہیں سے۔" ڈنڈے نکالے۔

"تم۔۔۔ تم کسی سے محبت کرتی ہو؟"

"ہاں۔" "کئی ہیں گی۔" "کب سے محبت۔ نئی سے اور چھوٹے بھائی توتھ سے۔ اور۔"

"نہیں یہ والی بہت نہیں۔ یعنی کسی لڑکی سے۔ یا لڑکا تمہیں چاہتا ہو تو۔"

"آئے تو ڈنڈا سامنے۔ دکھا کر تھوڑا سچلنا گی۔"

لڑکا ہنسا۔ تھوڑے تھوڑے۔ "کسی کی مجال ہے۔ میری طرف۔ آئے۔ سب دہانتے ہیں مجھے۔ اور میرے ڈنڈے کو۔"

"تھک۔۔۔ میں تو تمہیں دیکھ رہا ہوں۔" ہکا کپا۔

"آپ تو۔۔۔ نہیں ہیں۔ اپنے ہیں۔" منہ نیڑھا کر کے فتمہ لگی۔ اب اندر سے پھینٹ رہی تھی۔

وہ ہاؤس جو اراہاں کے پاس آیا۔ وہ اوگ صبح کی چائے پی چکی تھیں۔ خالہ اب بھی وہیں رکھے تھے۔ "فتمہ! آج فتمہیں۔ کل آفس بھی جانا ہے۔"

ہیں۔ جو تمہیں سزا آئے۔ گلہ میں غلطی آجاتی تو تمہیں
تنبیہ مل جاتی۔ وہی کاروبار یہاں لانا اور پوسٹ کی پستی۔
سلاوا اچھا؟

”نہا ابھی تو ناشتہ ہی کیا ہے۔ مجھے تو نہیں لگتا کہ
جلدی بختم ہو گا۔ ہم کھانے سے پہلے ہی نکل جاتے تو
اچھا تھا۔ بچی کو کھانے کا ترہونہ کرنا پڑتا۔“ اماں بی بی کو
اس چٹلا سے کے ہمدردی ہو رہی تھی۔

اسد کو خطرہ ہوا۔ کوئی بات تو اماں بی بی نے۔ خالہ
سے۔ افواہ تو یہ اپنی حرکتوں کی وجہ سے ذرا بھی پسند
نہ تھی۔ کوئی پوچھ لیتا۔ کوئی حرکتیں۔ تو تھانہ پاتا۔
ہو بی ذرا متعلق ہو۔ قینوار با اخلاق بود کماؤ کم پر اسرار
آنکھوں والی نہ ہو۔ سبز پٹلی ہوئی گھورتی آنکھیں۔ وہ
خالہ اماں سے ان کے بیٹوں کے متعلق پوچھنے لگا۔ خالہ
اماں بہت شوق سے اپنے پردہ کی بیٹوں کے بارے میں
بتاتی رہیں۔ پونے پونے بی بی تصویریں دکھائیں۔ افسر
نے ابھی شادی نہیں کی تھی۔ مگر خالہ اماں کی خواہش
تھی کہ ٹوپی کے سرال جاتے سے پہلے افسر کی دلہن
بھی آجائے۔ مگر۔ ماسوں بھانجی دلوں کے مانع
عرش معلیٰ پر خستہ وقت پر لگا کر اڑ گیا۔

کھانا اکیلے اب وہ ہر سہ تھا یا مختلف چیزوں کو ملخوب
جو بھی تھا۔ بے حد لذیذ۔ اس کے ساتھ رائیہ۔ چٹکی
کھیرے نمائش کی سلاوا بہت لطف آیا۔ اماں بی بی کا تو بس نہ
تھا کہ ٹوپی کی تعریف کے ساتھ اس کی انگلیاں بھی
چبائیں۔ آخر پر اس سے ہزار کاٹوٹ نکال کر اس کو دیا۔
انعام۔ وہ بہت شرمیلی۔ گلابی رنگ کمراسخ ہو گیا۔ سبز
آنکھیں بھوری ہو گئیں۔ اماں بی بی سے پٹ تھی۔
انہوں نے پیار کیا دعا میں دیں۔ خوش نصیبی کی دعا
کی۔ سرائی کر بولی۔

”چھوٹی بلی۔ دو دھویں نماؤ پوتوں پھلو وال دعا بھی تو
دیں۔ مجھے اچھی لگتی ہے۔“
اماں بی بی کی ہنسی پھوٹ گئی۔

خالہ اماں نے لکڑی کمر پر رسید کی۔ ”بے شرم۔
احمق۔“ بس میں انہیں الگ الگ سیٹ ملی۔ وہ پوچھ
نہ سکا۔ مگر خطروں کی کھٹ سنائی دے رہی تھی۔ گھرا

”اے لو۔ ابھی سے۔“ خالہ اماں پان ہتا رہی
تھیں۔ ”ابھی تو ہماری باتیں ختم نہیں ہوئیں۔“
”نہا ابھی کو چھوڑ کر تکی ہوں۔ میں پھر آجائوں گی۔
لب تو راستہ دیکھ لیا ہے۔“ اماں بی بی بن کا ہاتھ پکڑ کر
لجابت سے بولیں۔

خالہ اماں تہدیدہ ہو گئیں۔ ”ہاں بوا سب کے مسئلے
مسائل ہیں۔ اکیلی رہتی ہوں۔ کوئی اپنا آجائے تو دل
خوش ہو جاتا ہے۔ کس سے مل کی بات کروں۔ اللہ ہی
سنتا ہے۔“

”نہا ابھی کہ۔ افسر سے کو بیٹیں جوارہ کروالے یا
تم ان کے پاس چلی جاؤ۔ جوان بچی کا ساتھ ہے۔ اے
تساری تھالی کا بھی خیال نہیں کیسی لڑلا ہے کج کل
کی۔“

اماں بی بی اپنے نام کی ایک تھیں۔ انہوں نے
خالہ سے کمر لے کر افسر کو فون کیا۔ خوب شرمندہ کیا۔
ماں کی تھالی۔ پوچھا اولاد کے فرائض۔ دونوں بہنوں
نے بات کی۔ وہ نہ جانے کیا کہہ رہا ہو گا۔ پھر فون بند کر
کے اس کا تذکرہ ہوتا رہا۔ جتنی دیر بات ہوئی۔ ٹوپی کمر
پر ہاتھ رکھے سنتی کی طرح تعینات رہی۔ پھر خالہ
اماں نے ڈانٹا۔ ناشتہ یاد دلایا۔ تو وہاں سے نکلے۔

”کتنی منع کرتی ہوں۔ بھول کی باتیں نہ سنا کرے۔
مگر محل سے ذرا سا اثر ہو۔ اب کریدے گی۔ ماسوں
نے کیا کہا۔ کب آئیں گے۔ میرے لیے کیا لائیں
گے۔“

ناشتہ آگیا۔ موقعی رہی۔ آلیٹ اور دو روہ جی کی
چائے۔ آلیٹ بہت لذیذ تھا۔ اماں بی بی کو بہت مڑا آیا۔
ٹوپی کی تعریف کی وہ شروانے لگی (ایکٹنگ)
”یہ لوگ آج جا رہے ہیں۔ کھانے کا بندہ بہت کر
لے یا بھوکے جائیں گے۔“

”بلی۔ کسی کو بھوکا جانے دیا ہے کبھی۔ پکارتی ہوئی
کشمیری ہر سہ۔ چھوٹی بلی۔ لب آپ کب آئیں گی۔
بہت سارے دن کے لیے آئیں۔ پھر تو مڑا بھی آئے۔
ابھی آئیں۔ ابھی چل دیں۔“

”ہوش میں۔ لڑکی اچھوٹی بلی تساری سبلی نہیں

کر بھی بات نہیں۔ کچھ نہیں کہیں۔

عظمیٰ کو فون کر دیا۔ وہ آگئی۔ اس نے بھی خاموشی اختیار کر لی۔ اگر۔۔۔ ایسا ہوا۔ وہ احتجاج کرے گا۔ رات بڑی۔ صبح ناشتہ کر کے آفس چلا گیا۔ شام کو آیا تو گھر میں لب لب طرح کا شور مچا رہا تھا۔ لڑکیاں۔ رجبہ پر مٹی لڑکیاں ڈھونڈ گائے۔ بے سری آوازیں۔ اے اللہ۔ شور تھا کہ بیچتا جا رہا تھا۔ اس نے جھلا کر اماں بی سے پوچھا۔

"کیا ہو رہا ہے؟"

وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھیں۔ ہنسی سے بے تاب۔ پھر منہ پر ہاتھ رکھ کر فون رکھ دیا۔ "روشن نگاہی لڑکیوں نے۔" محبت بھرے لہجے میں پولیس۔

"ارے کسی سے کو چائے تو بنا لے۔ تو ب۔۔۔ عظمیٰ کو ہوش آیا نہیں۔ نھو۔۔۔ میں خود جاتی ہوں۔" کہتے ہوئے باہر نکل گئیں۔ وہ بھٹکا کر اپنے کمرے میں بند ہو گیا۔ رات بھر ڈھونڈ ڈھونڈ مچتی رہی۔ لڑکیاں بے سری آوازوں سے لڑکتی رہیں۔ وہ تکیہ منہ لگا کر روک کر لیٹ گیا۔ نیند آگئی۔ جانے کون ملوث تھا۔ عظمیٰ نے آکر دیکھا۔

"بھائی! نھو! کھانا کھا لو۔ بھلا یہ کوئی وقت بھی ہے سوئے گا۔"

"اور نہ ہو۔ ہم غیر جمع کر کے حلق چاڑھ رہی تھیں۔" تھا کوئی وقت یا سوچ۔ "کھڑا ہو گیا۔" تھا۔ آپ کی شادی کا موقع۔ "وہ دم سے بستر پر گر۔

"کیا مذاق ہے۔ کیسا موقع۔"

"ہاں تو اور کیا۔ ہسپاگل تو نہیں کہ۔۔۔ یونہی حلق چاڑھیں گے۔"

"سیدھی طرح چھو۔ کس کی شادی۔ کیسی شادی۔ کس سے شادی؟"

عظمیٰ سوچنے لگی۔ (لو اکاری) "کسی کا تو چاہی نہیں

جب ہوگی تب بتا چلے گا کس کی شادی کا جواب ہے۔ آپ کی کس سے؟ اماں بی سے پوچھیں۔" آنکھیں کھار دی تھیں۔ چال کو۔

چیل چروں میں اڑس کر باہر بھاگا۔ "اماں بی! اماں۔ یہ عظمیٰ کیا کہہ رہی ہے؟"

اماں بی بھول پن سے پولیس۔ "اوئی! مجھے کیا خبر۔ تم کو خبر ہوگی۔" مگر دن موڑ کر نہ جانے کیا دیکھنے لگیں۔

"کھانا کھانا کہاں ہے؟ بھوک سے مر رہا ہوں میں۔" وہ چٹکاڑا اور کرسی کو ٹھوکر مارتی۔ جب کچھ بتا نہ

چاہیں۔ یونہی گردن موڑ کر بند جاتی تھیں۔ "تو بے بھائی۔ کھانے کے لیے ہی دنگا تھا۔ چیخنے کی کیا ضرورت ہے۔"

"تالی کیوں نہیں۔ کھانے کو جمع کر کے۔ اور دم چھایا۔"

"بتاؤ تو ہے اماں بی نے کہا 'دفعہ لکھو۔ میں نے لکھا۔' تو اب کچھ بتانے کے موا میں نہ تھا۔ خوش غیبتو غضب میں کچھ زیادہ کھایا۔ پھر بھنایا۔"

"انھیں کتنا مزہ کھانا پانی ہو رہا۔"

"بد مزہ تھا۔ تو میں دیکھ کھا گئے۔" وہ حیران ہوئی۔

"ہر کچے پر امید کے ساتھ کہ شاید اب کچھ مزا آئے۔"

"کھانا مزے کے لیے نہیں۔ ضرورت کے لیے کھاتے ہیں بھائی۔ انسان کو غذا کی ضرورت ہوتی ہے۔"

انھوں نے عظمیٰ کس قدر بولتی ہے۔ اور وہ ٹوپی کتنے مزے کا کھانا پانی تھی۔ عظمیٰ کو چاہیے۔ وہ ٹوپی سے ہیکہ لے کر گئے۔

"میں نے آکا کو۔ تمہارا رشتہ والا تھا وہیہ کے لیے انہوں نے اقرار کر لیا ہے۔"

اماں بی نے اس قدر محبت سے کہا کہ وہ جب کاہل ہو گیا۔ خواہ غائب ٹوپی۔ وہ نیم پانگل راتوں کو چاگ کر سو جانے والی بیویا بوجھ کیدار۔ کیا جوڑ ہے بھلا۔

عظمیٰ

"اماں۔ لوگ تو سنا ہے کہ۔۔۔ اس نے بھی اماں

"ٹوٹ گیا ونڈل۔ اندر کی مشینری کا ہے کوئی ہوگی؟
 لالہ بی باقاعدہ تحقیق کر رہی تھیں۔
 "لے آئیں گاٹی۔" وہ بھنا کر چلین اٹھا کر کمرے
 میں جانے لگا۔

"ہاں۔ ٹی ملازمہ آجائے گی۔ ٹی استری آجائے گی
 نچاچہ لٹائے گا اور خاص خاص دھن آجائے گی۔
 گھر گھر اپنا ہی رہے گا۔ وہ تو یہاں رہنا پسند نہیں کریں
 گی۔ خاص لڑکی کو خاص گھر چاہیے۔"
 وہ چمیل قادی کے لیے باہر نکل گیا۔ زبان کھالیا تھا۔
 تن لہن کرتا قدم کھٹکھا۔



میں بغیر تائید کے آفس چلا گیا۔ اماں بی لے صور
 پھونکا۔ "عید کے چاند شادی ملے کر دی ہے۔" دھم
 دھم قدموں کی توالی پر تک اماں بی کے کالوں میں
 گونجتی رہی۔ اسے غصہ بہت آتا تھا۔ بے بسی
 کے عالم میں بچپن میں تو جب بس نہ چلے۔ رو لے لگتا
 تھا۔ مگر اب اسے غصہ آنے لگا تھا۔ پہلے اہل سمجھایا
 کرتی تھیں۔

"بیٹا! جو چیز ہمارے لیے اچھی نہیں۔ وہ اللہ خود
 نہیں دیتا۔ اللہ تو اچھی سے اچھی چیز دیتا ہے۔
 ہمیں اس چیز کا انتظار کرنا چاہیے۔ اچھے سے اچھے کی
 امید رکھنا چاہیے۔ اس انتظار کو صبر کہتے ہیں۔ صبر
 کرنے والے کو اللہ سب کچھ دیتا ہے۔"

بچپن میں وہ ان کی بات مان لیتا تھا۔ اب اسے
 منوانے کے لیے دلیلیں دیتا پڑتی تھیں۔ مگر وہ طبعاً
 نہیں بردار تھا۔ اسے اچھی طرح علم تھا کہ اس کی ماں
 سب سے بڑھ کر اس کی خیر خواہ ہیں۔ دنیا میں ان سے
 زیادہ محبت کرنے والا کوئی نہیں۔ عقلی کو فکر ہو گئی۔
 اماں بی! بھالی بہت فیسے میں ہیں 'آپ نے ان سے
 پوچھنے بغیر رشتہ کر دیا۔ ہا نہیں بے چاری بھابی کا کیا
 شکر کریں گے۔"

"کچھ نہیں ہو گا یہ لستہ دیکھ لو۔ رمضان کے لیے
 لود کیا جا رہی ہے۔ جو کی۔ مٹی ہو۔ سو دھن۔"

اس کے انداز میں شہرے ہوئے لہجے میں کہنا۔
 "لڑکیوں کی تلاش میں جو تیاں گھسارتے ہیں۔
 تب مطلب کی ہوتی ہے۔ آپ نے ایک گھر جا کر
 رشتہ دے دیا۔ مجھے تو کوئی خاص نہیں لگی اور کوئی
 دیکھیں۔" (آخر کار وہی ہول۔ جس کا اندیشہ تھا)
 اماں بی مگر نکلا سے دیکھ رہی تھیں۔ ٹھوڑی پر
 انگلی رکھ کر گویا ہوئیں۔ یہ خاص سے کیا مراد ہے؟
 جیسے ہم ہیں۔ عام۔ دیکھی ای میری پسند ہے۔ خاص
 لڑکی ایڈوانس ہوگی۔ اعلیٰ تعلیم یافتہ بھی ہوگی۔ نعرے
 والی ہوگی۔ خود کو برتر 'خاص' ہمیں عام سمجھے گی۔ عقلی
 کے جانے کے بعد گھر کو سنبھالنے کے لیے۔ عقلی
 جیسی ہی لڑکی ہونی چاہیے۔ "اماں کی منطق نرالی
 تھی۔"

"عقلی کہاں جا رہی ہے؟ مکمل ہے اسے کسی نے
 بتایا تک نہیں۔"

"وہ سسرال جائے گی۔ اس کی شادی کے بعد گھر
 کون سنبھالے گا۔ خاص لڑکی تو ہرگز نہیں کر سکے
 گی۔"

"تو ہمیں ملازمہ مل جائے گی۔" وہ اپنی بیٹا استری
 کر رہا تھا۔ لورڈز سے۔

"میں کیا ملازمہ ہوں بھئی۔" عقلی کہن سے
 احتجاجاً چلائی۔ "کہ میری جگہ وہ سبھی ملازمہ آجائے
 گی۔"

"اوہو! میں تو۔۔ اس موجودہ کا بڑا بڑا لڑکی سے
 بچنے کے لیے کہہ رہا ہوں۔" کبھی لٹا جوش آیا کہ
 استری دشمن ہو جا کر۔

"شہناش۔ توڑی دی استری۔ کوئی کام تم سے ہوتا
 نہیں۔ توڑی میری استری۔" معاف نہ کر رہی تھیں۔
 "تو میں کوئی ورنزی 'دھمبی' ہوں۔ عقلی سے گرجتی۔"

"اب مجھے درجن 'دھمبی' بنا دیا۔ بھائی میں تو روز
 کرتی ہوں تب کے کپڑوں پر استری۔"

"وہ خاص لڑکی تو ہرگز کسی کام کو لڑی نہیں لگائے
 گی۔" عقلی مقابلہ کر لے دو بد کھڑی ہو گئی۔

کی۔ "عظمیٰ چٹکیاں بجانے لگی۔" ہائے کتنا مرغا آئے گا جب وہ میری بھابھی کے روپ میں میرے سامنے ہوں گی۔"

"میرا نہ سوچنا۔" بھنا گیا "مجھے ایک بات بھی پسند نہیں۔ مگر اماں لی کو پسند ہے۔ تو بس پسند ہے۔ وہ دیر کی میری قبولی۔ بسنے خاندان کے لیے۔" اماں بی کی غیر موجودگی میں کل گرول رہا تھا سختی سے۔

"بھائی! عظمیٰ متظر ہو کر اسد کو دیکھنے لگی۔

"لوگ تو بس ایک چیز ہی مانگتے ہیں۔ خوب صورتی حسن و جمال آپ کو بے ماتھے بنا ترود سب کچھ مل رہا ہے۔ پھر بھی ناک خجھار رہے ہیں۔ اماں کو بتادیں کون سی لڑکی آپ نے پسند کی ہوگی ہے۔ انکس کی یا کاغذ کی۔"

"پاگل تو نہیں ہو گئیں۔ میں کیا لڑکیاں ماننا پھرتا ہوں۔"

"تو پھر۔۔۔ ملن ہیں کہ بزرگوں کے تجربے غلط نہیں ہوتے۔ اماں لی کے سارے فیصلے ہمارے حق میں بہتر ہی ہوتے ہیں۔ اماں بی آپ کے لیے غلط کیوں کریں گی۔

بیشہ انہوں نے آپ کو ترجیح دی۔"

اسد مسکرایا۔ سوچا۔ اماں بی غلط نہیں کر سکتیں۔ وہ لڑکی تو سب کچھ کر سکتی ہے۔ غلط سلسلہ اسنا سیدھا۔ ہمارے خاندان کے لوگ۔۔۔ اس کی حرکتوں کا مستحکم اڑاؤں گے۔ جملہ چیٹو کہیں گے۔ طرح طرح کے نام رکھیں گے۔ اماں لی تو جواب نہیں دیں گی۔ ان لوگوں کے اعتراضات کا سامنا مجھے کرنا پڑے گا۔ میں کیا کہوں گا۔ یہی کہ ہاں اس کی باوث پٹانگ حرکتیں۔ فضول استحقاقہ باتیں مجھے پسند آئیں۔ ڈنڈا اٹھا کر کھلی میں لٹکارتے ہوئے جانا۔ بے دھڑک دکان سے سودا خرید کر لانا۔ کوئی چھیننے کی کوشش کرے تو اس پر ڈنڈے کا وار کر کے سر بھاڑوں۔ ہاں جی بھی بہادری مجھے متاثر کر گئی۔ اور میں اس پر عاشق ہو گیا۔ سو جان سے۔ کہنا تو پڑے گا۔ اماں بی کب چاہیں گی کہ میں ذرا ساکتہ اعتراض اٹھاؤں۔

لوروہ تکی جان۔ جن کو ہر بات اماں بی کی غلط نکتی ہے۔ ان کے ہر قدم پر اعتراض نکلتے چینی اور ان کو جو

عظمیٰ ان کی بنائی لسٹ دیکھنے لگی۔ "بھجوریں۔۔۔ کم ہیں چاٹ مسلا میں خود بچوں کی گھر میں۔ میں بڑھاویں۔ تیل اچھا ہاں ماشن کی رال پر صاف ہیں۔ چنے سفید اور کالے۔ مال چٹا۔ اہلی بھی کم ہے۔ ڈھیر ساری چٹنی بنا کر رکھ لوں گی اور یہ کیا لکھا ہے۔ جا نقل جو تری ان کا کیا ہو گا۔ اتنا مزہ گا ہے۔ کیا کریں گی ان کا۔"

"تو رے پلاؤ کے لیے۔"

"کیا؟ تو رے پلاؤ۔ اماں! افطاری کے ساتھ کھانا نہیں بناؤں گی۔ سارے محلے میں آپ افطاری بھیجتی ہیں۔ اس کے بعد پھر کھانا۔ جی نہیں میں اتنی فالٹو نہیں ہوں۔ جس دن کھانا بنانا ہو گا۔ افطاری کی پھنسی۔ آنے دیں اپنی ہو کو سہائے گی آپ کے شوق کا سلمان۔ چنی یہ لسٹ دیکھ کر اتوں کی کھنڈنی لے کر پڑ جائے گی۔"

"وہ سب کچھ بغیر کئے بنائے گی۔ بہت کاد گزار ہے اس کے ہاتھ میں اتنا مرغا ہے کہ جی چاہتا ہے۔ لٹکیاں چلتی۔" اماں پر شوق انداز میں بولیں۔

"لٹکیاں کس کی۔ اس کی یا انکی۔" بھٹکی آئی۔

اس دن اس نے بہت دل لگا کر چکن پلاؤ بنایا۔ اسید بھری لٹکیوں سے بھائی کو دیکھا۔ وہ کھا رہا تھا۔ شرمندہ سوچا ہوا تھا۔ ناگواری۔

"بھائی کیا بات ہے۔ پانچ پسند نہیں آیا ہے کچھ کہ نہیں رہے۔ اچھا لگا کہ نہیں؟" وہ تعریف سننے کے لیے بے تاب تھی۔ مگر اوپر ایک خاموشی۔

"ہاں بھئی۔ اب تو بھنا بھی کے ہاتھ کے کھانے کھا کر تعریف کریں گے۔ سنا ہے ان کے ہاتھ میں اتنا مرغا ہے انگلیاں چائے کو دل چاہتا ہے۔"

"یہ تم کو ہر وقت کھانے کی تعریف میں کیا ملتا ہے۔ کھانا تو لیتا ہوں جو بھی ہو جیسا ہو۔" پڑ گیا تھا۔

"اس لیے کہ۔۔۔ سنا ہے بھابھی بہت مزیدار کھانا بناتی ہیں۔"

"وہ۔۔۔ اور بھی بہت کچھ بناتی ہیں۔ مثلاً" بے وقوف احق ڈنڈے سے سر بھاڑنا۔ زبان چلانا۔"

"تو آپ نے مان لیا۔ کہ تو یہ ہی میری بھابھی نہیں

اس دن اسد نے آفس سے آکر دیکھا۔ عظمیٰ کے ہاتھ میں کانڈلور ہیں۔ لالہ بی کچھ بولتی تھیں وہ لکھتی جا رہی تھی۔ شاید رمضان سے متعلق چیزیں۔ کندھے سے بیگ اتار کر وہاں کی نماز کی جو کی پڑھے گیا تھکن اتارنے کی کوشش۔

"ہاں لکھو افروز اور اس کی بیٹی۔ یہ ہوئے وہ لوگ۔" صاحبہ اس کا شوہر یہ ہوئے وہ لوگ اور تمہارے بچا کے جتنے لوگ ہیں۔ اچھا لکھ لے۔"

"یہ کس سلسلے میں نام لکھے جا رہے ہیں۔" وہ چونکا ہوا۔

"بھائی مہمانوں کی لسٹ ہے۔ اندازہ کرنا ہے کتنے لوگ ہوں گے دوسرے میں اور لالہ بی؟"

"اچھا! عظمیٰ! تم چائے بنا لاؤ۔ پھر جب یاد آئے تو لکھو آؤں گی۔" لالہ بی صریحاً سہل رہی تھیں۔

"بھائی! انہی سے تیاری کرنی ہے۔ عین وقت پر رشتہ داروں کو بلانا میں تو براہ راست ہوتے ہیں۔"

"کون سے رشتہ دار۔ کیسا بلانا۔" وہ بیٹھ گیا۔

"ارے عظمیٰ چپ کر۔ جا کر چائے بناؤ۔ تب تک میں عصر بڑھ لوں۔"

وہ چکی کی طرف آئیں اسد کو اشارے سے اٹھنے کا کہل۔ عظمیٰ جا چکی تھی۔ وہاں کے بیڈ پر لیٹ گیا۔ نماز سے فارغ ہو میں تو سچ سبھل لی۔ وہ دل میں اٹھتے سوالات کے بلکوں سے نہرو آتا تھا۔ عظمیٰ چائے لے آئی۔

"چلو بھی لوگو۔ آج اس کترین ٹاپیر کے ہاتھ کا بنا ہوا ایک کما کے بنا میرے۔ کیسا بنا ہے۔"

اسد نے کہل۔ "اتنا سخی کیک۔"

"ابھی تجویزی پوزیشن میں ہے۔ سوچا بھائی کے آنے سے پہلے سیکھ لوں۔ آخر مقابلہ کرنا ہے۔ کیسا ہے؟"

"ہیک کم بسکٹ ڈیا۔ ٹوان دن بٹھا ہے۔"

چائے پیتے ہوئے اس نے سرگوشی میں کہا۔

"یہ لسٹ کس مسئلے کی کڑی ہے؟"

"آپ جناب کے دوسرے کی۔" عظمیٰ مطمئن تھی۔

اپنی ایکو کمنٹ لڑکیوں پر غور ہے۔ ہر آئے مجھے کے سامنے بیٹیوں کی شہانہ عیالات کی تعریفیں کرتے نہیں تھکتے۔ خوبیوں سے لبریز ان کی پیشیاں۔ فیشن جن کا اور دھنا بچھونا ہے۔ وہ عقلی جائزہ لیں گی تو میں کہیں کھڑا ہوں گا؟ نظریوں نظریوں سے بوجھیں گی۔ اور سے یہ ہی رہ گئی تھی جاہل کم عقل۔ اپنی توقعات بھی کوئی۔ اماں بی تو صفائیاں دیتی رہیں گی۔ تم۔ وہ کس کس کو بتائے گا۔ بے ماں کی ہے۔ ماں کی گود نصیب ہوئی نہ تربیت باپ نے وہ سری شادی کر کے اسے تنہا کر دیا۔

پھر بھئی بچہ کوئی تھا نہیں۔ کنبے میں رہنے کا سلیقہ نہیں آیا۔ خود رو ہوئے کی طرح بڑھتی گئی۔ مائی کے پاس بھی بڑے ہوئے پر تکی۔ یہ سب کہانی وہ اماں بی کی ذہنی سنا رہتا تھا۔ مگر یہ کہانی سنانے کے قابل نہ تھی۔ اور وہ پھوپھی بی مریں۔ عظمیٰ کانڈاق اڑاتی تھی۔ وہ تو کسی کو بھی کچھ بھی کہہ دیتی۔ کسی کی بول نہ تھی اسے منع کرے۔ اب وہ جنگلی لڑکی کو تو پھر خوب ہی سنائے گی۔

لالہ بی کو یقین تھا۔ وہ اسے بہت سکالیں گی اپنے مطالب اور جسے اسد جنگلی پرین کرتا ہے۔ وہ اس کی سادگی اور سچائی ہے۔ اس نے دنیا دیکھی ہی نہیں۔ بے حد معصوم اور مصفا ذہن ہے۔

"اس کی معصومیت اور سادگی دیکھو۔" لالہ بی عظمیٰ کو خالہ اماں کے فون سننے کے بعد بتا رہی تھیں۔

"جب میں وہاں سے گئی۔ تو آپاٹ پوچھنے لگی۔ تمہونی مائی اگر چلی گئیں۔ رشتہ نہیں ہوتا۔ آپاٹ اسے بتایا نہ تھا۔ افسر سے لور اس کے باپ سے مشورہ کر کے جواب دینے کا کہا تھا مجھ سے۔ تو آپاٹ ہوئی کہ اگر وہ تمہیں پسند کرتیں۔ تو رشتہ آیتیں۔ تو بولی۔ مجھے تو وہ بہت پسند آتی ہیں۔ بسبب بھی ناچن ہو تو دینا خود بخود اچھا لگتا ہے۔ مائی! آپ نے بھی نہیں چلایا کہ میں ایسا کیا کروں جو وہ مجھے پسند کر لیں۔ یہ تو اس کے دل کی سچائی ہے۔ آپاٹ نے بعد میں بتایا ہو گا۔"



عظمیٰ کو افسوس تھا۔ وہ بھی چلی جاتی۔ مگر خیر

”مخواہ گئے، کیا چیکس دے لو؟“ قرض کیا۔“

”اس لیے کہ۔۔۔ میں اور اللہ بی کراچی جا رہے ہیں ماسوں کے گھر۔۔۔ جہاز کے ٹکٹ کے لیے رقم نہیں ہے۔ وہاں پہنچ کر پھر۔۔۔ بھولوں گی آپ کی رقم۔“

”کراچی۔ خیریت۔ کیا ہوا ہے وہاں اور کیا وہاں نوٹ تقسیم ہو رہے ہیں کہ بھولوں گی۔“

”اگر آپ نہیں دے سکتے تو اللہ بی رحمن اللہ سے لے لیں گی۔ انہوں نے کہا کہ غیر کا احسان لینا زیاں اچھا ہوتا ہے۔“

”اللہ بی نے یہ کہا اللہ بی یہ کریں گی۔ تم بھی کچھ بولو مسئلہ حل کرو۔ میں پٹلے ہی اٹھا ہوا ہوں۔ تم پریشان کرنے آگئیں۔ کیوں جانا ہے۔ کتنے دن کے لیے جانا ہے۔“

”عظمیٰ منہ پھلائے بیٹھی تھی۔“

”میں کیا بولیں اللہ بی لے کہ ان کا خیال ہے کہ آپ اللہ بی اور میرے وجود سے جگ آگئے ہیں۔“

”ہیں لیے ماسوں جان کے پاس چلے جانا چاہیے۔ آپ کو ہم دونوں کا وجود کھٹکنے لگا ہے۔ اس لیے آپ کی وجہ سے جانا چاہتی ہیں۔“

”وہ ہڑکا کر کھڑا ہو گیا۔ میری وجہ سے مجھے کیا وجود کھٹکنے لگا۔ کیا؟ یعنی کہ کیا معنی۔“

”اللہ بی بہت شرمندہ ہیں۔ آپ سے بھی کہ۔۔۔“

”آپ کی مرضی کے بغیر رشتہ دے دیا۔ اپنی بہن سے بھی کہ۔۔۔ آپ ان کو کیسے انکار کریں۔ اللہ بی نے کہا ہمارے جانے کے بعد خالہ اماں کا فون آئے۔ تو آپ ہی خود ان سے انکار کرویں۔“

”ناگہ۔۔۔ اللہ بی شرمندگی سے بچ جائیں۔ ہم نے چیکنگ کر لی ہے۔ بس اب ٹکٹوں کے لیے۔“

”ولو۔ مجھے اکیلا چھوڑ کر میں نے کب کچھ کہا۔ کبھی کہا؟“ خواہ مجھے گناہ گار۔“

”پیسے دیں گے تبھی تو ہم جائیں گے۔“ انہ کٹتی مصوہ بن رہی ہے۔ جھلا گیا۔

اسد نے بیگ اٹھا لیا اور کمرے کے باہر۔

”اہرستان کہا۔“ ولیمہ تو شادی کے بعد ہوتا ہے۔

”ابھی تو دو لہرا رضی اللہ عنہما حاضر ہوا۔ بھئی ہوا۔“

”عظمیٰ۔ اسد کو بتا دو۔“ دو لہرا کو رضی کرنا ہماری ذمہ داری ہے اور ولیمہ بھی حاضر ہے۔“

”اللہ بی اسد سے ہزار ہاں ہوئیں تو عظمیٰ کو ذریعہ بنائی نہیں گفتگو کا۔“

”عظمیٰ۔ دو لہرا کو رضی کر لو اور ولیمہ کی لسٹ میں میرا نام بھی لکھ دی لو۔ بطور مہمان شریک ہو جاؤں گا۔“

”اگر موبوڈ ہوا تو۔ ورنہ پھر۔۔۔ معذرت۔ عید کے بعد مجھے ماٹیا جانا ہے۔ تقریباً دو ہفتے کے لیے۔“

”بھائی ابھی کچھ عرصہ ملے ماٹیا کئے تھے۔ اپنے لیے ولیمہ وہیں تو پسند نہیں کرنا کئی چینی پیلی رحمت دینی چھوٹے قد کی؟“

”ہاں کرل۔“ کہہ کر اپنے کمرے میں گھر گیا۔

”اللہ بی عظمیٰ پر ناہم اخیر ہونے لگیں۔“

”بھری بات ہے عظمیٰ۔ کسی کی شکل صورت پر اعتراض کرنا تو یہ ہے۔ اللہ نے سب کو بنایا ہے۔ ہر ملک کے مطابق رنگ روپ دیا ہے۔“

”اے! میں نے غصے میں کہا تھا۔ بھائی سیدھا جواب کیوں نہیں دیتے۔ تو میری توجہ۔“

”نہیے میں بھی خالق خدا پر نام رکھنا منع ہے۔ بلا تشبیہ میں بھی کوئی ملک حسن ہوگی ان کے معیار کے مطابق“

”ہمارے بھائی گودا رنگ معیار حسن بنا لیا ہے۔“

”انگریزوں کو سالوا اور رنگ پسند ہے۔ خود کو سالوا کرنے کے لیے ساحل سمندر پر رعبوب میں جھٹھے رہتے ہیں۔“

”اماں بی کی معلومات وسیع تھیں۔ لیکن وہ اگلے دو دن انتظار بھی رہیں۔ اسد کے رویے نے انہیں خاصا پریشان کر دیا تھا۔ رات کو باہر سے آنا۔ بغیر کھانا لائے کمرے میں گھر جانا۔ صبح ناشتہ خاموشی سے کر کے آگس چلا جاتا۔“

”وہ دن ہی طرح گزر گئے۔ عظمیٰ شام کو اسد کے کمرے میں تکی۔“

”بھائی میں منہ نہیں ہزار روپے دے دیں۔ اماں بی نے کہا ہے قرض ہے۔ لوٹا دیں گی۔“

اس کام راہ جو اس بوسے کی سچائی کا گواہ بن کر دھک اٹھا۔

"کم از کم پانچ لاکھ روپے میں شادی ہوگی۔ غلامی کی شادی کے لیے میں نے کچھ رقم جمع کر لی تھی۔ مگر تمہاری شادی کے لیے۔۔۔ تمہیں اپنا بوجھ خود اٹھانا ہو گا۔ دو گے؟"

"دسے ہوں گا۔ اگر آپ کہیں گی۔ تو جان بھی حاضر ہے۔"

"مجھے تمہاری سنا متی چاہیے اور یاد رکھو۔ فرہاں ہمدار اولاد پر اللہ اپنی برکتیں نازل کرتا ہے۔ ماں کی اطاعت کے جیسے میں تمہیں بہت بڑا انعام بھی دے سکتا ہے اور ہو سکتا ہے وہ انعام ثواب کی شکل میں ہی مل رہا ہو۔" اماں بی خوش تھیں۔ مطمئن اور پرسکون۔



غلامی کو تو حیرت تھی۔ اس نے کبھی بھی لہجے کے حکم سے انحراف نہ کیا تھا۔ پھر اب اس معاملے میں اماں کی خواہش پر اختلاف کیوں کیا۔ خاندان میں اسد کی فرماں برداری ضرب انٹل بن گئی تھی۔ پھر وہ شادی کے معاملے میں کیوں متفق نہ ہوا۔ اماں بی بغیر کسی وجہ کے اپنی رائے ٹھوس نہیں چاہتی تھیں۔ وہ ضدی تو بالکل نہ تھیں۔

پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ اسد نے ان کی رائے سے اختلاف کیا اور یہ بھی پہلی بار وہ کھا کہ اماں بی اسد کے احتجاج کی پروا نہ کرتے ہوئے خود بھی باحتجاج "کراچی کا سفر اختیار کرنے پر مجبور ہو گئیں۔ اپنے بچوں کے خوشی کا تمہیں بہت خیال رہتا تھا۔ بہت وقفہ تو وہ بچوں کی دلا علی میں ان کی خوشی کا سامان پیدا کرتی تھیں۔ انہیں باپ سے محرومی کا احساس نہیں ہونے دیتی تھیں۔ ہمیشہ ان دونوں کی خواہش پوری کرنے کی کوشش کرتی تھیں۔ اسد نے حسب معمول حسب توقع ان کی خواہش کے سامنے سر جھکا دیا اور اماں بی لب کھڑوں کی تیاری میں ہلکا سا طرح مشغول ہو گئیں۔ اسد کے لہجے کی تین بریلیاں تھیں۔ لہجہ بھی اسد پر

"میں نے پانچ چھ سالن ہٹا کر فریئر میں رکھ دیے ہیں۔ دس بار دہن تو آپ کے گزری جا میں گے۔ اس کے بعد۔۔۔ چپ ہو گئی۔ پراسرار انداز تھا۔

"اس کے بعد کیا۔۔۔؟"

"اس کے بعد۔۔۔ آپ صبر کیجیے۔۔۔ ہینڈویشیا ملا کشیا۔ ویسٹ انڈیز کہیں سے بھی شادی کر کے آئیں۔ جہاں کا حسن آپ کو پسند آئے۔ آپ کو یہاں کی خیمیں لڑکی تو پسند ہے نہیں۔"

وہ اٹھ کر جانے لگی۔ اس سے پہلے اسد اسے دھکا دیا ہوا ہاتھ نکلا۔ اماں بی کمرے میں للہاری سے کچھ نکال رہی تھیں۔ وہ سوٹ کیس تیار رکھے تھے۔ اس نے وہیں ان کو روک دیا۔ وہ چیخیں۔

"تھوڑا۔ ارے چھوڑ میں گر جاؤں گی۔" اسد نے اسی طرح پکڑے پکڑے انہیں پلنگ پر لٹا بٹھایا۔ ان سے لپٹ گیا۔

"مجھے چھوڑ کر جا رہی ہیں؟ بہت برا ہوں میں نا فرہان اولاد۔ چھوڑ کر جانے کے بجائے۔۔۔ مجھے سزا دیتیں تو زیادہ اچھا تھا۔ میں اکیلا رہ سکتا ہوں بھلا؟ آپ کے بغیر۔ بس لب آپ جس کنویں میں مجھے پھینکیں گی۔ میں کوہ جاؤں گا۔ سچ اماں بی۔"

اماں بی کے ہاتھوں میں کرم جوشی تھی۔ ان کی آغوش میں ماسٹا کاٹھا تھیں ہارنا سمندر تھا۔ سکون۔ طہارت اور تحفظ۔ ان کی انگلیاں اس کے ہاتھوں کو سنوارنے لگیں۔ نرم نرم انگلیوں کے پور پور میں زندگی بھر تک رہی تھی۔ خون کی بددلی تیز ہو گئی۔

"میں آپ کو خفا کرنے کا تصور بھی نہیں کر سکتا اماں۔ ایسا آپ نے سوچا بھی کیوں؟" بھرائی ہوئی آواز میں اسد نے کہا تھا۔

"اور میں کبھی بھی تمہاری بھلائی کے سوا کچھ اور سوچ بھی کیسے کرتی ہوں۔" اس نے سر اٹھا کر ماں کا چہرہ دیکھا۔ غلطی چہرے پر معصوم تبسم۔ آنکھوں میں محبت کی چمک۔ کسی ناز سے سہار کی طرح سر اٹھائے۔ بیٹے کی فرماں برداری پر یقین کی مرلگاتے وہ اس کے ہاتھ پر جھک گئیں۔ پر شفیق کرم بوسہ اور

کر آئے۔ رات کے کھانے سے پہلے والہیں چلا جائے۔ اسی لیے وقت بے وقت آنے والے مہمانوں کا تو وہ سامنا بھی نہیں کرتی تھی۔

تیسری اور چوتھی نغمہ غنیمت کی حوالی تھی۔ رات بھر ٹی وی پر فلمیں دیکھنے والی۔ دن سو کر گزارتی۔ اگر کسی مجبور کی وجہ سے اسے جاگنا ہی پڑ جاتا تو جھٹپٹا لیتا رہتی۔ کسی نے بتایا۔

”اسد کو اس کے تایا بہت پسند کرتے ہیں۔ چھوٹی بیٹی کے لیے رشتہ چاہتے ہیں۔“ اماں لی تھبرا نہیں۔ اسی لیے اسد کی شادی کی انہیں فکر ہو گئی۔ یہ انہیں یقین تھا کہ اسد کی قابلیت نیک ہی اور شرافت کے باعث وہ جس لڑکی کا نام لیں گی۔ انکار نہیں ہو گا۔ اگر کوئی لڑکی اسد کے جوڑی۔ اس کے مزاج اور طبیعت کے مطابق ہوتی۔ وہ رشتہ کرنے میں دیر نہ کرتی۔

تھن جانتی تھیں۔ اسد جس عداوت کا ہے۔ اسے برداشت کرنا کم از کم تایا کی بیٹیوں یا بھینوں کی بیٹی کے بس کا نہیں۔ ان لڑکیوں کی تربیت میں کوئی خالی نہ تھی۔ لیکن نئے دور کے قصصوں سے ہم آہنگ ہونے کے لیے انہیں خاصی مہارت تھی۔ وہ گھر میں رہنا پسند نہیں کرتی تھیں۔ شہر کے تمام ہونٹوں کے نام۔ مار کھٹوں کی فہرست۔ کس اسٹور پر کیا چیز مل سکتی ہے۔ کس ہوٹل کی کوئی ڈش لا جواب ہے۔ انہیں فیشن کے ہر ٹیکینین سے سیکھنے کے لیے کیا کچھ درکار ہے۔

یہ سب ان کی عداوت میں رنج بس گیا تھا اور یہ لڑکیاں اکثر عظمیٰ کی لائیں کا مذاق اڑایا کرتی تھیں۔ نت پڑھتے اور گھر کے کام کے سوا دنیا میں کیا ہو رہا ہے۔ دنیا کس چیز و قیادی سے بدل رہی ہے۔ کسی معاملے سے آگاہی نہ تھی۔ عظمیٰ بھی ان لوگوں کی باتوں سے گھبراتی تھی۔ بس کسی خاص موقع پر ہی ان کے گھر جاتی تھی۔ اسی لیے اماں لی نے جب کہا۔

”چلو۔ آج تمہارے تایا اور بھو بھی کے گھر بھی جا کر انہیں بتا آؤ۔ اسد کی شادی گا۔“

وہ پریشان ہو گئی۔ ”میرا جانا ضروری ہے کیا؟“ وہ

مہمان تھے۔ لیکن نہ تو اسد نے ہی کسی کو پسند کرنے کا انظہار کیا تھا۔ نہ وہ اماں لی کو اپنے گھر کے لیے مناسب لگیں۔ پچھو کی بیٹی مہرین بے حد حسین بھی تھی۔ مشہور بھی۔ اسے اپنے باپ کی بھلی پوزیشن پر ہی غور نہ تھا۔ اپنے حسن اور تعلیم پر بھی غور نہ تھا۔ مگر وہ اسد کو پسند کرتی تھی۔ اس کی ایک وجہ اس کے والد کا اس کے ساتھ الفت تھا۔ جو کہتے تھے لڑکا بہت ذہین اور تھن ہے۔ بہت ترقی کرے گا۔ اسد کی پرکشش جانب اور شاندار مستقبل کو دیکھتے ہوئے مائی جو پہلے بھی گمراہی نہ تھیں۔ اب اس پر بہت مہین ہو گئیں۔ ماں کے اکسائے پر بیٹیاں بھی اس سے بے تکلف ہونے کی کوشش کر لے لگیں۔

اسد عظمیٰ کے بچپن میں تو کوئی رشتے دار انہیں گھاس نہ ڈالے۔ اس کے باپ کا وفات پا جانا۔ گھر کے حالات کا ایک تخت پلٹا کھانا۔ اماں لی نے اپنے سلیقے مہر اور ہمت سے بچوں کو سمیٹا۔ نہ صرف بچے بلکہ ان کی ساس بھی انہی کے ساتھ تھیں۔ ان کی خدمت دیکھ بھل۔ ان کے غم کا دوا۔ سب اماں لی نے دل و جان سے ساتھ دیا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مسرال کی پسندیدہ بہو بن گئیں۔ ان کی جھٹپٹ کو ان کی ہر دل عزیزی پسند نہ تھی۔ مگر جو تک خود ہیٹ مسرال والوں سے لا محنت رہیں۔ تو انہیں کوئی پسند نہ کرتا تھا۔ یوں بھی ان کے بچوں میں کافی لگڑ تھی۔ تو نوجوان نسل بھی ان سے دور بھی البتہ اسد کے خاندان میں کافی دوست بن گئے۔

تایا کی بڑی بیٹی منہ کے لیے مشہور تھا کہ وہ بچپن سے الگ تھی۔ بچپن جانا پڑ جائے تو ات کھاسی پچھو کیسے آنے لگتی تھیں۔ تین بھائیوں کے بعد بہن تھی۔ بہت لاڈلی بھائیوں نے بھی پھیلی کا پھللا بنا کر رکھا ہوا تھا۔

دوسری سلمہ مہمانوں سے گھبراتی تھی۔ اول تو کسی کو آنے کی ضرورت نہیں۔ اگر کوئی آتا ہے تو یا تو صبح کے وقت ناشتہ کر کے آئے۔ مل ملا کر دوپہر سے پہلے چلا جائے۔ یا دوپہر کو تو ہر گز نہیں البتہ شام کی چائے پی

جانتی تھی۔ کون ہے کیا ہے کیسی ہے۔ کے جواب اسے
 ہی دینا ہوں گے اور پھر مشکلہ لانے کا سلسلہ اسے
 ہواشت کرنا ہے۔ مگر ماں بی اسے لے کر ہی گئیں۔
 تیار بہت خوش ہوئے۔ اسے بیمار کیا۔ اندر کمرے میں
 تالی نے بھی بہت تباہ کام لیا چوکیدار حنت کو تو اذہ سے
 کر کو لڈو رکھ لانے کا کہا۔ الما بی نے کہا۔
 ”بھابھی۔ میرا تو دند ہے۔“

”دندانہ یا کلف۔“

”ارے نہیں۔ کلف کیسا۔ میں تو ہمیشہ سے
 شعبان کے روزے رکھتی ہوں۔ اللہ بخشے ہماری ساس
 بھی پابند تھیں۔ مجھے بھی ان کے ساتھ ہی عادت ہو گئی۔“

”ہاں۔ تم تو مستقل ان کے ساتھ ہی رہیں۔ میں تو
 شادی کے چھ ماہ بعد ہی جو الگ ہوئی تو آخر تک الگ ہی
 رہی۔ کچھ سہارے جیسے کے تھوڑے۔“

الما بی خوب جانتی تھیں۔ ساس بیماری کی خواہش
 تھی کہ بڑی ہو کچھ عرصہ تو ان کے ساتھ رہے۔ مگر وہ
 کبھی بچے کے ہموں ہونے کبھی کسی سچے کی بیماری۔
 طرح طرح کے بھانے کر کے رسیاں بڑائی تھیں۔ غیظ
 بغیر عید پر ہی لاٹن کے لیے آتی تھیں۔ پھر میکے کی راہ
 لیتیں۔ الما نے ساس کو بچوں کے لیے تڑپے دیکھا
 تھا۔ بڑے بیٹے کی اولاد سے انھیں پیار بھی بہت تھا۔
 مگر وہ کم کم ہی آتے۔ اسی لیے الما بی نے ساس کا
 دامن تھامے رکھا۔ وہ اپنے بچوں کو ان سے الگ
 کرنے کی بہت نہیں کر سکتی تھیں۔ حالانکہ ان کے
 میاں بھی تھوڑوں کے سلسلے میں دوسرے شہری رہتے
 تھے۔

مگر الما بی نے ساس کا ٹھٹھا پکڑ لیا۔ کبھی کبھار میاں
 کے تھنوں پر بطور تفریح ان کے پاس جاتیں۔ تو
 ساس ہیرا ہونیں۔ مگر ماں جان کو بیٹے کی خانہ بدوشی
 پسند نہ تھی۔ کبھی اس شہر کبھی اس شہر۔ اٹھو چو لہا یہ
 کوئی زندگی ہے۔ اپنا شہر اپنا ٹھکانہ۔ اپنی زندگی میں ہی
 سکھ ہے مگر بے چارے فہم میاں بھی کیا کرتے۔
 روز روز چھٹی لے کر آ نہیں سکتے تھے۔

اس لیے گھر میں ماں جان کی بیماری ہو یا بچوں کے
 مسائل یا خاندان میں خوشی تھی۔ ہر مرحلے سے ان کی
 پیچہ پیچہ لیتیں۔ ان کی صلاحیت سے وہ واقف بھی
 تھے معترف بھی۔ وہ خود بھی ماں جان کو تنہا چھوڑنا پسند
 نہیں کرتے تھے۔ لیکن خدا کی مرضی۔ عین جوانی میں
 جوان بیوی اور چھوٹے دو بچوں کو دنیا کے رحم و کرم پر
 چھوڑ کر ملک عدم سدھارے۔ ہارٹ اٹیک نے اٹھا
 سانس لینے نہ دیا۔

بڑھتی ماں کے آنسو پکوں میں جم کر رہ گئے۔ لیکن
 وہ بہت حوصلہ مند خاتون تھیں۔ انہوں نے بیٹے کے
 بعد سولہ پڑتے پوتی کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔
 پہلے سو ساس کی دیکھ بھال کرتی تھیں۔ بیٹے کی
 جوانمردی کے بعد انہوں نے سولہ پکوں کو تحفظ میں
 لے لیا۔ اپنے مکان ہو کے نام کر دیا۔ وہ جب تک زندہ
 رہیں۔ سہرنی رہیں۔ سو کے لیے ساس کا وجود ایک
 محافظ کی طرح تھا۔ زندگی پشیم سے گزارا نہ ہوا تو ساس
 نے اجازت دے دی کہ وہ کسی اسکول میں لو کری کر
 لیں۔ اسکول سے بھی اتنا نہ تھا کہ بچوں کی خواہشات یا
 ضروریات پوری ہوں۔ تو لو کری چھوڑ کر گھر کا ایک
 حصہ کرائے پر دے دیا۔

بچوں نے وہ کھا تھا ان کی ماں نے بہت سخت زندگی
 گزارا ہے۔ ساس کی خدمت اطاعت۔ بچوں کی
 دیکھ بھال۔ گھر کو سنوارنا۔ رشتے داروں سے تعلقات
 بھانا۔ بچوں نے اپنی ماں کو ولایت کی خدمت کرتے ان
 کے ہر اشارے پر عمل کرتے دیکھا تھا۔ جواں کو کرنا
 دیکھتے۔ وہی خود بھی کرتے۔ راوی کے لڈو لے اور
 پیارے۔

راوی کے بعد ماں کی فرماں برداری اور خدمت اسی
 طرح لازمی تھی۔ کچھ لوگ اس کی تعجبداری کا مذاق
 بھی اڑاتے تھے۔ عظمیٰ ماں کے ساتھ تیار کے ہاں پہنچی
 ۔ وہ کافی عرصے بعد آئی تھی۔ الما بی نے حنا کو اسکا
 شادی کا بھایا۔ انہوں نے میاں کو پکارا۔

”سنئے ہیں آپ۔ زندگی بیوی اسد کی شادی کی خبر
 لگتی ہیں۔“

میں بھی سارے کام خود کرتی ہوں، پورے گھر کو
بٹالے سوارے میں اپنے ہاتھ سے کام کرتے ہیں، کوئی
دلت محسوس نہیں کی۔ انہی ہی بھائی کی ہمارے گھر کو
ضرورت تھی۔ شکر ہے کہ مل بھی گئی۔
تینوں بہنیں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائیں۔
"ہاں اچھا۔ اسد لے کیسے پسند کر لیا۔ اس کی
پوزیشن کے لیے تو۔۔۔ کچھ لورہی خیال تھا ہم لوگوں کا
۔۔۔ کہ۔۔۔"

"بھائی جانتے ہیں۔ گھر کو امن و سکون کی بارگاہی
پسند کیا ہے۔"
"اچھا گھبراہٹ ہو رہی تھی، لاتی ہے۔ ہمارے گھر میں
تو پھر تین تین بد اقبات آئیں گی۔ چلو سہ یہ منقولہ لکھ
لو۔ آئندہ کام آئے گا۔" حنت کو ذرا ہلکا ہوا تھا۔
"تو پھر۔۔۔ ہم لوگ امن کی آغوش میں لائیں
گے۔" سہ مستحکم ڈارائی تھی۔ عظمیٰ وہاں سے اٹھ
کر آئی۔ سہ سے کہا۔ "چلیے اہل بی۔ پھو کے گھر
بھی جانا ہے، پھر بھائی کے آلے کا وقت ہو جائے گا۔"
اہل بی گھڑی ہو گئیں۔ سب کو بارات لورہ ولسے
کی دعوت دینی ہوئی، ہا ہرا آئیں۔



پھو لے انہیں اپنے شاندار وسیع ڈرائنگ روم
میں بٹھایا۔ مہربان بھی آگئی۔ ملازمہ ڈگلاس جس کے
لے آئی۔ جو عظمیٰ لورہ مہربان لے اٹھا ہے۔
"بھابھی نے بھی اہل جان کی روایت قائم رکھنے
میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔" پھو مہربان کو تلبے لگیں۔
"اہل! شعبان کے مہینے کے روزے کبھی نہیں
چھوڑتی تھیں۔ بھابھی ان کا ساتھ دیتی تھیں۔ سہ ان
دلوں وہاں ہوئی تو ہمیشہ ناراض ہوتی کہ آپ دلوں مجھے
گنہگار کر رہی ہیں۔ بھابھی مجھے بسلا دیتی تھیں یہ کہہ
کر کہ وہ بھی پہلے شعبان کے روزوں کی پابند نہ تھیں۔
اہل جان کا ساتھ دینے کے لیے رکھتی تھیں۔ تو اب
کا تو اب۔ بھابھی اہل جان کے رنگ میں رنگی ہوئی
تھیں۔"

"آپ فوراً لورہ آگئے۔ ہائیں مگر کہاں؟"
انہیں چٹایا گیا۔ مزید ناراض ہوئے۔ "ہائیں مگر
خاندان میں ٹھیک کی کیا کی گئی، جو کہ میرا
مطلب ہے۔ یہاں تو خودی۔ ارے بھی تکم میری
چھڑی کہاں رکھ دی آپ نے۔"
"نایا جان! یہ لوگ بھی غیر نہیں ہیں۔" عظمیٰ نے
ان کی غلط فہمی دور کرنا چاہی، "ہمارے تخیلی رشتے دار
ہیں۔ بہت قریبی۔"

"ہاں بھئی۔۔۔ قریبی تو ہوں گے تخیلی جو
ہوئے۔" نالی کو تو یہ خبر بھسم نہیں ہو رہی تھی۔
حنت کو لڈاؤ تک لائی گئی۔ وہ عظمیٰ کو اپنے کمرے
میں لے گئی۔ سہ کو بھی یہ (اندوہناک) خبر سنائی۔ اس
بے چاری کو تو سکتہ ہو گیا۔ سہنگ پہلے غم لے
سوتے کے بعد ان خبر سن کر پھل کر پڑھ گئی۔
"اسد لے۔۔۔ ہاں کر دی۔" سہ کا سکتہ ٹوٹا۔ "یہاں
بہت خوب صورت ہے؟ کیا اعلیٰ تعلیم یافتہ۔"
"ہاں بھئی۔ اسد کے ساتھ عام معمولی لڑکی کم
پڑھی لکھی تو بچے کی نہیں۔ یقیناً لندن سے پڑھ کر
آئی ہوگی۔"

"نہیں خیر۔ ایسا تو نہیں۔ بس ٹھیک ہے۔ میری
جیسی ہی ہے۔ مطلب جیسی ہمارے گھر کے لیے ہوتی
چاہیے۔"

عظمیٰ نے تو غلط فہمی رفع کرنے کے لیے کہہ دیا۔ وہ
حسب عادت مذاق اڑانے لگیں۔ "اچھا گھر ہے۔ یعنی
گھر کی بھی ضروریات ہوتی ہیں۔" حنت نے ہنس کر
کہا۔

"تو تمہارے گھر کی کیا ضروریات ہیں؟" مندی
مندی آنکھوں میں خیر کا شعلہ لاتی تھی۔
"میری جیسی۔ یعنی گھر سنبھالنے والی۔ کھانا پکانا۔
کپڑے خودی لگتی ہیں لورہ۔" عظمیٰ گھبرا گئی۔
"اچھا اچھا۔ اسد کو ہار جن در زن و حورین چاہیے
لڑکی چاہیے تھی۔" حنت نے بہنوں کو بتایا۔ عظمیٰ کا
چہرہ سرخ ہو گیا۔

"اگر آپ مجھے یہ لقب دینا چاہتی ہیں۔ تو ٹھیک ہے

لو کر نہ رہا۔ اب بھی ہم بغیر کسی نوکر کے تڑپا کر رہے ہیں۔ اللہ نے اس قاتل میرے بیٹے کو کھڑا ہے کہ وہ کوئی ملازم بھی رکھ سکتا ہے۔ لیکن بی بالکل تو کچھ عرصہ۔۔۔ امکان نہیں ہے۔ عقلی کے جانے کے بعد ہو کو گھر سنبھالنا پڑے گا اور میرے گھر کے ماحول کے مطابق تو نئی نئی کو بھی مشکل ہوگی۔ اس لیے میں نے خود ایسی لڑکی منتخب کی جو میرے گھر میں آسانی سے جگہ بٹلے۔ بے مل کی پگ۔ اس کی تربی ہوئی ہے۔ میں اسے استادوں کی۔ اسد محبت اور عظمیٰ رازدار دست اور وہ اسی طرح گھر کو چلائے گی جیسے آپا کے گھر میں سب کچھ کرتی ہے۔ اسے یہاں اوجھیت نہیں ہوگی۔ شاہین برابری کی بنیاد پر شادی کرنی چاہیے۔ میں اپنی حیثیت سے بڑھ کر۔ کوئی کام نہیں کرنی بہت سوچ سمجھ کر اس لڑکی کا انتخاب کیا ہے میں نے۔ دعا کرو۔۔۔ میری توقعات پر پوری پڑے۔

میرن گم مغم پیشی تھی۔ بہت سے ہوئی۔ "موالیٰ! لڑکیاں۔۔۔ خود کو بدل بھی سکتی ہیں۔ اسی سانچے میں خود کو ڈھال لیتی ہیں۔ جو شوہر پور سسرال والے اس کے لیے تیار رکھتے ہیں۔"

"ہاں جیٹل۔ غریب تو جبر ہوا۔ جبر بھی ظلم کا دسرا چو ہے۔ ہمیں کوئی حق نہیں کہ کسی پر جبر کریں۔ ہم اپنی جیسی آگے معیار کے مطابق کیوں نہ لے آئیں۔ بے جوڑ رشتے کا مہاب نہیں ہوتے۔"

"بھابھی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ رشتے برابری کا جواز دیکھ کر کرنا چاہیے۔ خاندان میں اگر ہو تو نفرت اور تفرقہ پیدا ہونے کا خدشہ رہتا ہے۔ بھابھی آپ کا فیصلہ درست ہے۔"

"شاہین! کچھ تو یہ ہے کہ میں پور میرے بچے۔ تم لوگوں کے رتبے کی برابری نہیں کر سکتے۔ یہ سہا سے میں کی سختی آرہی ہوں۔" وہ آبدیدہ ہو گئیں۔ پیچھو بھی رنجیدہ ہو گئیں۔



گھر آکر ملنے لگی کچھ شکر تھیں۔ اسد آیا تو عقلی نے

"یعنی تمہارا خیال ہے کہ بھابھی اہل جان کی بچی تھیں۔ پیچھو جان کے تشکو میں داخل ہوا۔"

سب ہنسنے لگے۔ پیچھو میاں پر ناراض ہوئیں۔

تو ہے۔ آپ بھی بیٹھ مجھے ہی برا بھلا دیتے ہیں۔ پیچھو نے اپنی بھابھی کو گلے لگا لیا۔ میں بھلا اتنی پیاری بھابھی کے بارے میں ایسا سوچ بھی سکتی ہوں اسد کی شادی کی بات سن کر وہ لوگ کچھ حیران ہو گئے۔

پچھو نے اعتراض کیا۔ "سب کچھ ملے کرنے کے بعد ہمارا خیال کیا۔ اب بھی نہ بتائیں۔ صبرانوں کی طرح ہم بھی شریک ہو جاتے۔"

پچھو نے سوالات کر کے بات ٹٹلی۔ "کیوں ہے اس کی بیٹی بے سو غیر؟" سب کچھ سن کر میاں سے پوچھیں۔ "یہاں بھی بھابھی نے اہل جان کی وصیت کا خیال رکھا۔ اہل جان کہتی تھیں نفیسہ تم اپنے بچوں کی شاہیاں اپنے خاندان میں کرنا۔ اپنی جیسی ہولناک۔"

"شاہین! تمہیں یاد ہے؟" اہل بی نے حیرت سے پوچھا۔

"بھولنے والی بات نہیں ہے۔ میری اہل جان سے بحث بھی ہوئی۔ مگر انہوں نے کہا۔ یہ میری وصیت سمجھو۔ اللہ سے دعا ہے کہ یہ لڑکی سب کے لیے خوشیوں کا پیغام لائے۔ اللہ اسد کو بھی بہت خوشیوں دے اور زندگی میں کامیابیاں عطا کرے۔ آمین۔"

پیچھو آبدیدہ ہو گئیں۔

"خاندان میں تو۔۔۔ اور بھی کئی لڑکیاں ہیں۔ پیچھو نے کھٹار کر کہا۔ انہیں یہ بات مضم نہیں ہو رہی تھی۔

"جی بھائی۔ بہت لڑکیاں ہیں۔ سب بہت اچھی ہیں۔ اپنی ہیں لیکن شاہین تم کو گولہ ہو۔ میرے گھر کے حالات انکلاس میری کوشش اور جدوجہد۔ میں نے ان یتیم بچوں کی تعلیم تربیت اور پرورش میں جس طرح جان لڑائی۔ اہل جان کی شفقت اور سرپرستی کی وجہ سے آج ہم یہاں تک پہنچے ہیں۔ لیکن۔۔۔ تم جانتی ہو۔ فدا کے اقل کے بعد سے ہمارے ہاں کوئی

”درنگن بخور چمن اور دھوپ کے بہت فائدے ہیں۔ اپنی سہولت بھی اور کسی کا حسان بھی نہیں۔“
”ہمارے ہاں لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ اگر اتنی اظہاری بنانے کو کہا جائے تو تو کڑی چھوڑ کر بھاگ جائے۔“
”بازار میں اظہاری کی سب چیزیں مل جاتی ہیں۔
خواتین اور ان کی ضائع کرنے کا کام؟“ نغمہ نے کہا
”دیکھو سناڑو جاتی ہے اور مرضی کی چیزیں بلا شک و شبہ۔“

”بلا شک شبہ کیا مطلب؟“
”بھئی دو کانوں پر ملنے والی چیزوں کا اعتبار نہیں ہوتا۔ ملاوٹ کے علاوہ۔ کیرے گھوڑے بھی شامل ہوتے ہیں۔ مری بلیرن کے ہتھکڑی ہوتے ہیں۔ بقول مشتاق احمد یوسفی گرم پانی کے حوض میں بے چاروں کو غسل دیتے ہیں کہ سوپ ہالیا جاتا ہے۔ لاپرواہی اور سستی یعنی وقت کی کمی اور بے گاہک ہر وہ

مست ہوں تو کون سفاکی کی طلب ہے۔“
”اور یہ مشتاق احمد یوسفی کون ہیں۔ یقیناً تمہارے بھائی کا مہل۔“ نغمہ کا ذہن رسا۔
”ہم کون سا بازاروں دکانوں سے چتر لیتے ہیں۔ بڑے بڑے ہوئے موجود ہیں۔“
”عظمیٰ چپ ہو گئی۔ کہ نہ سکی۔ مشتاق یوسفی نے بڑے ہونٹوں کے وائز ہی کھولے ہیں اور مثل مشہور ہے۔ اونچی دکان۔ پچیکا پکوان۔ مگر بحث کے چکر میں کام سے ہوتا تھا۔ تیزی سے سمو سے کے لیے بیٹیاں تیار رہی تھیں۔“

”تم تو بہت کار گزار ہو۔ چچی بہت تعریف کرتی ہوں گی تمہاری۔“ حسنہ قائل ہو گئی تھی۔
”تعریف؟ کوہ نو۔ کبھی آپ نے ان کے منہ سے میری تعریف سنی؟ ہاں نکلتے چینی اور اعتراض وافر۔ بھائی سب سے بڑے ناقد ہیں۔ اماں بی سے اکثر فریادیں ہوتی ہیں کہ عظمیٰ کو کچھ سکھادیں۔ ورنہ سسرال سے ملنے سننے پر میں کہہ کہ میں نے کچھ سکھا کر نہیں بھیجا۔“

”لوگوں کا ہنسی سے برا حال ہو گیا۔ اب بے چاری

پوری رپورٹ دی۔ وہ خاموش ہو گیا۔ اسے علم تھا۔ قائدین والے اس رشتے کو ہرگز پسند نہیں کریں گے۔ سب اس سے امید لگائے بیٹھے تھے اور وہ۔ اماں بی کی خوشی کے لیے اس کی توقعات پر پورا اترنے کے لیے دھندل میں اترنے سے ہچکچانے کے بجائے۔ بخوشی تیار تھا اور کوئی راستہ بھی تو نہ تھا۔ نہ ہی کوئی شرک شریک حیات کے طور پر پسند آئی۔ تو پھر۔ ماں کی خواہش ہی کیوں نہ پوری کر دی جائے۔ جس کی زندگی پوری عمر بچوں کے لیے ایثار کرتے قربانیاں دیتے گزری تھی۔ وہ عظیم ماں جس نے اپنی تمام خواہشات بچوں اور ان کی دلوی کی خدمت اور دلجوئی کی خاطر پس پشت ڈال دیں اور بھی شکوہ نہ کیا۔ ساری مائیں عظیم ہوتی ہیں۔ لیکن شاید ہر ماں نفیسہ بیگم جیسی بے نفس۔ صابر، محنتی اور اللہ کی شکر گزار نہیں ہوتی۔

دشمنان شریف شروع ہو گیا۔ عظمیٰ کی مصروفیت اماں بی کی عیادت۔ ساتھ ہی شادی کی تیاری بڑھتی گئی۔ حسنہ سسرال آجائیں۔ عظمیٰ کو کپڑوں میں اجھا دیا۔ دو بڑے پرستارے لگاتے۔ تھکے تھکے کے گلے پر رنگ برنگ کے ٹک لگاتے۔ کڑھائی کرتے دیکھ کر پریشان ہو جاتیں۔

شام سے پہلے اظہاری کے لیے کچن میں جاتھیں۔ روزے سے ہوتی اور نکلے بھر میں اظہاری پہنچنے کے لیے ڈھیر لگاتی رہتی۔ اماں بی سب کے حصے لگائیں اور اسد سب کے گھروں میں پہنچانے۔ ان کی منتقل قبول کرنے سے قاصر تھی۔ یہ تو بالکل عجیب اور نیا ماحول تھا اس کے باوجود گھر میں کوئی بد عظمیٰ نہ تھی۔ تو کرایا ملازمہ نہ تھی۔

عظمیٰ اماں بی کی مدد کے ساتھ سب کچھ کر لیتی۔ اس نے کباب اور ماش کے پلوے بھی فریز کے تھے۔ جب ختم ہونے لگتے۔ مزید بنا کر رکھ لیتی۔ ان کی حیرانی پر عظمیٰ نے کہا۔

مافی سمجھے گا ہر کام میں ایکسپٹ۔
 "اور ہو بھی چھوٹے گھر کی ملازمتی ہیں۔ بے چاری
 بے مل کی۔ چلو جیسی رہیں۔ اس سے آگے سوچ
 نہیں سکتیں۔"

"ہاں تو جیسی سو آئے گی۔ حیدر آبادی والے ملے گا۔"
 وہ دل کے پھسولے پھوڑ رہی تھیں۔ اسد کی اتنی
 معمولی حیثیت کی لڑکی سے شادی انہیں بھگ نہیں ہو
 رہی تھی۔ آخر اسد نے دیکھا کیا۔ چاقا کی ہاں قدر تک
 سک سے درست فیشن ایبل حسین و جمیل لڑکیوں
 پھوپھی کی حسین اور دولت مند بیٹی۔ چیزیں کو بھی کار
 نوکر۔ کو بھی فریشت۔ اپنی حیثیت پوزیشن تو دیکھ کر
 شریک حیات منتخب کرتے ہیں۔ یہ کیا؟ بے مل کی
 لڑکی۔

گھر میں بھی مل باب کے سامنے یہی گفتگو ہوتی
 رہی۔ والدین کو بھی یہ رشتہ پسند نہیں آیا تھا۔ دل میں
 ان کے بھی شکوک تھا۔ لیکن کبھی ان بچوں کے سر پر ہاتھ
 رکھنا نہ تھا۔ کبھی انہیں اپنی شفقت پوری کا احساس دلا
 کر گفتگو کا ایک لفظ بھی نہ بولا۔ اہل جان سے بھی
 شکایت تھی۔ انہوں نے اپنا حق استعمال کرتے ہوئے
 اپنا مکان ہس کے نام کر دیا۔ بیٹے بیٹی کی حق تلفی۔ لاکھ
 چاہتے یہ رہائش دل سے نکلتی نہ تھی۔ پھر بھلا کس حق
 کے تحت بیٹے کو والدین نے کی خواہش کرتے۔

اب کچھ عرصے سے اسد سے دوپٹے ہو گئی تھی۔
 بغیر کسی کی مدد کے اس نے اپنا مستقبل روشن کر لیا
 تھا۔ معزز لوگوں میں سر اٹھا کر بیٹھنے کے لائق ہو گیا تھا۔
 اب تو سب کی آنکھوں کا تکرار ہو گیا تھا۔

لاکیوں کی باتیں سن کر مل کی والدہ کے ذہن میں
 گزرے دلوں کے خاص خاص واقعات گردش کرنے
 لگے۔ اپنی کوتاہیوں یاد آئیں۔ لکھنؤ کے صبر و تحمل۔
 ضبط برداشت۔ بچوں کی پرورش۔ ساس کی خدمت
 عکسداشت۔ کبھی کسی سے مدد نہ لی۔ تنہا مادری سے
 ہر مشکل کا مقابلہ کیا۔

وہ بہت غور کرتی رہیں۔ اپنے نقصان کا اندازہ بھی
 ہوا۔ اتنا خوب صورت وجہہ قابل لائق لڑکا اپنا خون

کے ساتھ اس قدر زیادتی پھر اس ساری محنت کا فائدہ
 کیا۔ واپسی میں نقد سر پکڑ کر آئے گی۔ "ہائے۔"
 میں تو عقلی کو لہو مر سے لہو چلتے پھرتے دیکھ کر چکرا
 گئی۔ جی چاہتا تھا۔ اسے پکڑ کر لٹا دوں کہ بہن اب تم
 سو جاؤ۔ پتا نہیں بے چاری کو آرام ملتا بھی ہے کہ
 نہیں۔"

"تم نے اس کا لٹکرو دیکھا ہے؟ کتنی اسہلٹ ہے۔
 اس کے چہرے پر کتنی تازگی ہے۔ اور تم سو سو کر اپنا
 گوشت پڑھا رہی ہو۔ دس سل ہڈی لگتی ہو اس
 سے۔ تھوڑے دن میں گوشت کا پھاڑ بن جاؤ گی۔"
 حسد کو ہمیشہ نقد کے دن بھر سوتے رہنے پر اعتراض
 ہوتا تھا۔

"نور سو کر اٹھتے ہی کھانا پینا کبھی ہسکتا۔ کبھی چیس
 ٹک شیک کوک لایا۔"

"اچے باپ کا دیا کھاتی ہوں۔ تمہیں کیا پریشانی
 ہے۔ تم بھی ہو ٹوں کی سیر کرتی ہو۔ میں نے کبھی کچھ
 کہا۔"

"ہم اکیلے تو نہیں جاتے تم بھی ساتھ ہوتی ہو۔
 وہاں بھی سب سے زیادہ تم ہی کھاتی ہو۔" سلمہ سے
 بحث جاری تھی۔

حسد نے دونوں کو چپ کر لیا۔ "دوسروں سے
 مقابلہ کرنے کا فائدہ نہیں ہر ایک اپنے طور زندگی
 گزارتا ہے۔ چچی کے حالات ہمیشہ سے۔ خراب
 رہے۔ اب اسد کچھ گھر کے لیے کرے تو ٹھیک ہے۔
 لیکن شادی ایسی جگہ ہو رہی ہے جہاں سے کچھ ملنے کی
 توقع نہیں خیر چچی جس طرز زندگی کی عادی ہیں۔ اس
 میں وہ بدل کی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے ہمیں تردد
 کرنے کی ضرورت نہیں۔ مگر وہ سمجھتی ہیں کہ عقلی کو
 ہر کام سکھا کر اس کے لیے کوئی اہل درجے کا رشتہ بھی
 ڈھونڈ لیں گی۔ اس میں مجھے شک ہے۔"

"چچی بھادی گھر کے اندر رہنے والی۔ انہیں علم
 نہیں آج کل لوگ لڑکیوں کو نہیں۔ ان کے باپ بھائی
 کی حیثیت دیکھ کر رشتہ کرتے ہیں۔ کوئی خوش حال
 تعلیم یافتہ لڑکا ان کے گھر کیا کرنے آئے گا۔ عقلی کو

میں داخل ہو گیا تھا۔ دونوں داربر کتیں سمیٹ رہے تھے۔ جن کے نصیب میں رحمتوں کا حصول نہ تھا۔ وہ بھی انظار کی بدحواسیوں سے بھرپور انصاف کر رہے تھے۔ اماں بی کو اپنی بہو کے عید کے جوڑے کی فکر تھی۔ ہارے فن کی مرضی اور پسند کا جوڑا تیار ہو گیا۔ تو انہوں نے شاہ آباد کے لیے قصد کیا۔ جھٹلی اور سند کو بلایا۔ دلوں آئیں اور لالہ بی عظمیٰ اور فن دونوں کے ساتھ عازم شاہ آباد روانہ۔

پچھونے تو اپنی گاڑی کی پیش کش کی۔ مگر گاڑی تو اسد کو بھی مل گئی تھی۔ مسئلہ ڈرائیور کا تھا۔ پچھا اپنی گاڑی خود ڈرائیور کرتے تھے۔ یا لن کا بیٹا۔ مگر اماں بی کسی مزد کو لے جانے کے حق میں نہ تھیں۔ راستہ وکچسپ تھا۔ اماں بی اور مائی ایک ساتھ۔ عظمیٰ اور پچھو ایک ساتھ جٹھی تھیں۔ بس کے سفر سے نا آشنا پچھو کو گھڑی سے جھانکنے اور باہر کے نظاروں سے دلچسپی ہو رہی تھی۔ سڑک کے کنارے گئے درختوں کے پتے ہوا کی تیزی سے جھوم رہے تھے۔ تھیاں بجا رہے تھے۔ پچھو بہت جذباتی ہو رہی تھیں۔ وہ باہر بار عظمیٰ کی توجہ سڑک کی طرف مبذول کرتیں۔

"دیکھو دیکھو! فن درختوں کی کوپلیں کس قدر سرخ زور عنائی ہیں اور کوئی فاسک!"

عظمیٰ سوچتی۔ پچھونے اپنی کوٹھی کے ملان پر بھی توجہ نہیں دی کیا وہیں بھی کوپلیں ایسی ہی ہوتی ہوں گی۔ ہمار وہیں بھی آلی ہوگی۔ لیکن یہ انسانی فطرت ہے۔ اپنے اختیار میں جو ہے اس کی طرف نظر ڈالنے کی فرصت نہیں ہوتی۔ کبھی عظمیٰ کا ہاتھ ہلا کر گھڑی کے باہر متوجہ کر نہیں۔

"ارے ارے وہ کھوڑا یہ موٹر سائیکل والا۔ چار پہیوں ایک بیوی کے ساتھ کس مزے سے جا رہا ہے۔ مزے کا سین ہے نا۔"

ہا کیا کہتی۔ ہمارے شہر میں آئے دن ایسے مناظر ملا کرتے ہیں۔ پچھو کو یہ سین بیا کیوں لگ رہا ہے۔ جب یہ کہیں جاتی ہیں۔ کیا باہر نہیں دیکھیں۔ مگر اس وقت اپنے مسائل میں گھری ہوئی ہیں۔ مہرین کے

لیے شاہنگ اعظمی کے لیبر سے یا مہرین کے لیبر سے جھگڑنے کی سوچ یا پھر پچھو ملان سے بحث جو گاڑی ڈرائیور کرتے ہیں۔ باہر جھانکنے کی فرصت نہ ملتی ہوگی یا سڑک پر موٹر سائیکل والے پیدل چلنے والے کیڑے مکوڑے ہی لگتے ہوں گے۔ کون غور کرتا ہے۔

"شلو گپا آگیا۔" بس رک گئی۔ اماں بی چونکا اور پر جوش نظر آئیں۔ بڑی ٹیکسی میں چار ماں بیٹھ کر شہل مقصود پر چڑھیں۔ عظمیٰ بے مائی سے اتر کر گیٹ پر پہنچ گئی۔ عظمیٰ کے ہن پر ہاتھ رکھ کر مٹا بھول گئی۔ پھر اندر سے کسی بھائی تو آواز آنے پر انگلی پٹائی۔ تو غور کیا اندر تو خاصی گرما گری تھی۔

"ارے ارے ابھی کون ہے۔ بے قرار ہستی۔ مہرین نہ ہو تو بھلا عقل سے کام لیتا ہے۔ گناہ ہے۔ کھولتی ہوں بابا۔ مگر ہو کون جیوتو۔"

"ہم۔ لاہور سے آئے ہیں۔"

"لاہور سے آئے والے کیا ہوا کے گھوڑے پر سوار ہو کر آتے ہیں۔ دیکھو جی ہم نے تو رومہ چولے پر چڑھایا ہوا ہے۔ چکن بھونٹا والا ہے۔ جل جلا گیا۔ تمہارا کیا بگلے لگ۔ روزے میں مائی میری شامت ہلائیں گی۔ نام ہتالا۔ ورنہ آگے جاؤ۔"

"تورم۔" ارے نکمی تم افطاری نہیں بنا تھیں کیا۔ خالی تورمے پر مٹی کو زخاں ہو۔" عظمیٰ کہہ نہ سکی۔

"نہو۔ بڑی لچر ہو تم۔ کھولتی ہوں۔" اندر سے ایک نور للکارنی آواز بھی آ رہی تھی۔ "ارے یہ دروازے پر کس سے باتیں ملانے لگی۔ اس لڑکی سے تو۔ ارے میری ناک نہ کٹاؤ۔"

گٹ کھلا۔ ایک چاند طلوع ہوا۔ سورج کی روشنی بالکی پر گئی۔ پچھو بچہ مار کر باہر کود کر گئی "پھولی ٹائی۔" اماں بی سے لپٹ گئی۔

اماں بی نے سرزنش کے طور پر جھکے سے کہا۔ "یہ محاشن تو ہٹاؤ۔" ایک کپڑا نیچے پچھو کے قدموں میں مگرا۔ عظمیٰ نے بحث پٹ اٹھا لیا۔ سب اندر جا رہے تھے عظمیٰ سوٹ کیس اٹھائے پیچھے پیچھے۔

اندرو ایک اور دلچسپ غلطی۔ چار خواتین ایک دوسرے سے لپٹی بیٹھ رہی تھیں کہ رو رہی تھیں۔ اس دوران ٹوبہ، غطفانی کا ہاتھ پکڑ کر کمرے میں لے آئی۔ وہ چاروں بھی اندر آ گئیں۔ ٹوبہ کا تعارف کرایا کیا۔

"سرا حاکم کر سلام کرو ٹوبہ۔ سسرال والے ہیں" وہ فوراً "سرور دے سدا ل کران کے آگے جھک گئی۔" غلبہ بغیر اطلاع اسے آ گئیں۔ بتا دیتیں تو میں کچھ تیاری تو کرتی۔" خالہ لہاں ناراض ہوئیں۔ "بس تبا ٹوبہ کا عید کا جوڑا لانا تھا اس لیے جلدی میں یا نہیں رہا۔"

اس عرصے میں ٹوبہ پھلادے کی طرح باہر نکل گئی۔ منٹوں میں دو گلاسوں میں جوس لے گئی۔ پھپھو اور تالی کے سامنے رکھ دیے۔ خالہ لہاں "ہائیں ہائیں۔ روزے کا تو۔" کتنی رو گئیں انہوں نے گلاس ہونٹوں سے نکالے۔

"تبا! ہمارا روزہ نہیں ہے۔ سسر کرنا تھا۔ سو چالند نے اجازت بھی دی ہے تو۔" فائدہ اٹھالیں۔ شاہین تو شوگر کی وجہ سے۔ "تلی معذرت کر رہی تھیں ساتھ ہی ٹوبہ کی تعریف بھی کہ اس نے پہچان لیا۔ وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔ غطفانی کے کان کے قریب ہو کر۔

"روزہ دار تو شکل سے پہچان لیا جاتا ہے۔ جیسے تم اور پھول تلی۔"

تالی نے ٹوبہ کی طرف رخ کر کے کہا۔ "اور ہاں بھی۔ وہ تمہارا چکن توڑ نہ اگر تیار ہے تو دو نام کھا کر ہی جائیں گے۔" ٹوبہ دانت چرکاتے لگی۔

خالہ انہوں نے ٹوبہ سے کہا۔ "جو حلیہ درست کر کے لو۔ یہ تمہارا عید کا جوڑا لائے ہیں۔"

"عید کا جوڑا؟ تلی کہاں ہے دکھائیں" میں بھی تو دیکھوں "ٹوبہ بے قرار ہو گئی۔ آگے بڑھی۔

خالہ لہاں نے گھورا تو چلی گئی۔ غطفانی سوچ رہی تھی۔ بغیر اطلاع ہم جا رہے ہیں۔ نہ جانے گھر کس حال میں ہو گا اور ٹوبہ کس حلیے میں ملے گی۔ تالی اور

پھپھو کو کیسی نگے گی؟ لیکن آکر اطمینان ہوا۔ گھر صاف ستھرا گو کہ برائے زمانے کا تھا۔ ٹوبہ تو کسی حلیے میں ہوئی۔ اچھی ہی نکلتی روشن آئیں۔ چٹانا چھو جسے چاندی چکن ہوئی ہو۔ مسکرائی تو جیسے گھر میں بگھر گئیں۔

ظہر کی نماز بڑھ کر ان لوگوں کی واپسی ہوئی۔ واپسی کے سفر میں بس کی کھڑکی سے بھاٹنے کی کسی کو خدمت نہ ملی۔ نہ باہر کے غلطوں سے دلچسپی ہوئی۔ پھپھو اور تالی مسلسل ٹوبہ کی تیاریوں سے اس کے پکائے کھانے کی تعریف میں ہی مصروف تھیں۔

"تورم کس قدر خوشبودار اور لذیذ تھا۔ رائیہ کتنا نفیس تھا۔ مزا آگیا اور جب میں نے کہا۔ کوئی سبزی بنا لیتیں تو اچھا تھا۔ پھپھو بھی کھلا لیتے۔" تالی نے کہا۔ "تو فوراً" ایک ڈش اور لے گئی۔ میں تو ڈر گئی کہ پتا نہیں کیسے گولے ہیں۔" پھپھو کہہ رہی تھیں۔ "اس نے پھر تبا۔ بالک کے کونے ہیں۔ تالی کو بالک کی سبزی اچھی نہیں لگتی۔ تو میں بالک پیر کے کونے بناتی ہوں۔"

"اور بھی ڈالنے وار بھی تھے۔ مزا آگیا۔ ترکیب بھی بتا دی۔ اب میں اپنے خاندان سے پکاؤں گی۔" تالی کو تو بہت مزا آ رہا تھا۔ پھپھو بھی ہاں میں ہاں ملا رہی تھیں۔

"لڑکی میں مہوڑ بھی ہیں۔ فوراً" ہی جوس لے آئی۔ سمجھ گئی کہ ہم بے روزہ دار ہیں۔"

دونوں مسلسل تعریفیں کر رہی تھیں۔ غطفانی حیران تھی۔ کیا یہ بھلائی باتیں منوئی لگاوت ہے۔ خصوصاً تالی نے تو ہمیشہ لہاں کی کوتاہی کی انکسرت دیکھا۔ اپنی برتری کا مظاہرہ کیا۔ اسد اور غطفانی کو تو کبھی کسی قابل سمجھائی نہیں۔

وہ فکر مند ہو گئی۔ اب شادی کے دوران تالی کی جانب سے کوئی خیا شوشانہ ہو جا جائے کہ ان لوگوں کی خوشیاں۔ عم و گھر اور انوس کی غمزد ہو جائیں لیکن غطفانی نہیں جانتی تھی۔ انسان کی زندگی میں کوئی خوش نصیب لمحہ ایسا بھی آتا ہے جب تاریکی میں سورج کی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شعاع بن کر وجود کو روشن کرتا ہے۔ ماضی کی غلط فہمیوں اور خود ساختہ منطقی خیال آرائیوں پر حاوی ہو کر حرفِ غلط کی طرح مٹا رہتا ہے۔ شاید تلی کو بھی اس شعاع نے روشنی پہنچادی تھی۔ وہ خود بخود انصاف پسند ہو گئی تھیں۔

تلی اور پچھو دونوں کا اصرار تھا کہ ہمارے ساتھ چلو۔ روزہ ہمارے پاس کھول لیٹ کر اماں بی کو اسد کے روزے کی بھی فکر تھی۔ پچھو اور تلیا کے گھر کوئی روزہ دار نہ تھا۔ اور کسی ایک کے گھر جانے کی صورت میں دوسرے کو شکایت کا موقع دیتا بھی مناسب نہ تھا۔

اس لیے وہ اپنے گھر ہی آ گئیں۔ آتے ہی عظمیٰ نے انطاری کی تیاری شروع کر دی۔ اسد کے آنے تک سب تیار تھا۔ اس لیے عظمیٰ اسد کو اپنے شاد آباد کے درے کی بابت بتانے لگی۔ اسے تو ثوبہ بے حد پسند آئی تھی۔ اس کی دلیری فہم و فراست بے تکلفی سے بے ریا بے اوٹ ثابت کر رہے تھے۔

”ہمارے۔۔۔ روزانہ کھولنے آئی۔ تب بھی ڈنڈا اس کے ہاتھ میں تھا۔ دوسرے ہاتھ میں جھاڑن تھا۔ ڈنڈا رکھن کے روزانے سے لگا رہتا ہے کب موقع ملے اور وہ کسی کے سر پر رسید کرے۔ خالہ اماں کہہ رہی تھیں۔ پر سوں لادھ والے کا ہاتھ ثوبہ کے ہاتھ سے ڈر اسامیں ہو گیا۔ بس جناب مروا تلی کا جو ہر دیکھانے کا موقع مل گیا۔ صفحہ کا برتن گر۔ لادھ گرا۔ ڈنڈا اٹھا کر ہاتھ پکڑ کر اپنے نکا۔ توبہ تھا کر نے بھائی جانے لگا۔“

”خوش ہو رہی ہو؟ خیر عذاب اپنے بھائی کی۔ پتا نہیں کس بات پر مجھ غریب پر مروا تلی کے جو ہر دکھانے کا موقع مل جائے۔“

اسد نے کرا سے اس دلیری کا تاریک پہلو دکھا دیا تھا۔ عظمیٰ ڈر گئی۔ اوہرا دھر جو بھی لکڑی۔ یا اس سے ملتی جلتی کوئی چیز نظر آئی اٹھا کر تلی میں پھینک آئی۔ پس بھی دقت کا کیا بھروسہ اور اگر خاندان والوں میں ان کے اس جوہر کی شہرت ہو گئی تو لوگ کیا کہیں گے؟ ہمارا مذاق اڑایا جائے گا۔ ان کہیں وہ ڈنڈا چیز میں نہ لے آئے؟ ہمارے گھر۔



انگلادین بہت سی چیز ان کن تھا۔ صبح عظمیٰ گھر کی صفائی سے فارغ ہوئی تھی۔ نماز کر پڑھے بدلے۔ اور لہاں بی کے پاس بیٹھ گئی۔ پچھو کا دن تھا۔ اسد سو رہا تھا۔ دروازے پر ٹپل ہوئی۔ عظمیٰ نے دروازہ کھولا۔ حیرانی سامنے خالہ اماں اور ثوبہ گھڑی تھیں۔ اور ان کے پیچھے خالہ اماں کے بیٹے افسر علی کھڑے تھے۔ پیچھے سیاہ بڑی سی گاڑی تھی۔ ڈنڈا پور پیچھے کھڑا تھا۔

اند رلیاں جی کی خوشی دیدلی تھی۔ ثوبہ برآمدے میں ہی بیٹھ کر اوہرا دھر نظر میں کھانے لگی۔ پھر رکھن کی سیر کو چلی گئی۔ عظمیٰ نے اسد کو جگایا۔ ”بھائی! انھیں خالہ اماں آئی ہیں۔ افسر بھائی بھی ساتھ آئے ہیں۔ آپ بھی آجائیں۔“

”ہیں۔ کل تو تم لوگ گئی تھیں۔“

”ہاں۔ اسی کا بدلہ لیا ہے انہوں نے۔ بغیر اطلاع صبح صبح آ گئیں۔“

اسد نے اٹھ کر بال برابر کئے۔ گھڑی پہنی۔ ”اچھا۔۔۔ خالہ اماں باپنی اٹھ مار فواسی کو بھی لے آئیں۔“

”وہ بھی آئی ہیں۔“ عظمیٰ نے ہم پھوڑا۔ اسد ٹھٹک کر اسد دیکھنے لگا۔

”وہ برآمدے میں مل گئی۔ شربا کر سلام کیا۔“ تم اپنا ڈنڈا انھیں لائیں؟“ اسد نے طعنا لگایا۔

”ضرورت نہیں تھی۔ افسر اماں ساتھ آئے ہیں۔“

اند رلیاں کسی الجھن میں تھیں۔ مگر خوشی من کے چہرے سے ظاہر تھی۔ اسد افسر بھائی سے ملا۔

”اسد بیٹا! تم ایسا کرو۔ فون کر کے اپنے لیا جان کو بلالو۔“ کلاں بی سنجیدہ تھیں۔

”آپ آج خاص بات کرنے آئی ہیں۔“ اماں بی نے پراسرار انداز میں بتایا۔

”کھو میں خود بتائی ہوں۔“ خالہ اماں نے انھیں روک دیا۔ ”میں آج اپنے بیٹے افسر کے لیے عظمیٰ کا رشتہ ملنے آئی ہوں۔ تم بڑے بھائی ہو عظمیٰ کے۔

تمہیں اختیار ہے۔“

اسد نے تیار کو فون کر دیا۔ پچھو کو بھی بلا لیا۔ تیار اپنے بیٹے کے ساتھ فوراً آ گئے۔ اسرے سے چند سوالات کیے۔ خوب صورت وجہ دے دیا۔ ترقی کرنے کرتے تھے۔ ایک میں اپنے عہدے پر تھے۔

”میں نے تو کل ہی عظمیٰ کو دیکھ کر قیصلہ کر لیا تھا۔ مگر افسر رات کو آیا۔ تو میں نے اس کی مرضی معلوم کی۔ اس نے تو عظمیٰ کو دیر سہل سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر میرے کہنے کی وجہ سے یہ فوراً راضی ہو گیا۔ میری خوشی اسی میں تھی۔ اور اسر میری خاطر رضامند ہو گیا۔ اب آپ لوگوں کا جو فیصلہ ہو۔“

انکار کی گنجائش نہ تھی۔ تیار ان کے بیٹے اور پچھو کو بھی اسر پر تیار پچھو کے بیٹے انظر ساتھ آئے تھے۔ عظمیٰ ٹوبہ کے ساتھ اپنے کمرے میں باتوں میں تھی۔ جب اسے بلایا گیا تو وہ ایسی خوشی دہاں چلی گئی۔ اور پھر حیرانی کا رنگ۔ حیا کے رنگ کے ساتھ چہرے کو گلہنا بنا رہا تھا۔ خالہ امل نے اسے کھنکھاتا ہوا اور عید کا جوا بھی دیا۔ خالہ امل نے کہا۔

”بھئی رمضان شریف کا مہینہ ہے۔ کسی کام نہ بھی بیٹھا نہیں کر سکتی۔ مٹھائی شام کو کھا لیتا۔“

تیار نے عظمیٰ کو گلے لگا کر کہا۔ ”میرا منہ بیٹھا کر دیں۔ میرا روزہ نہیں ہے۔ اللہ معاف کرے۔“

پچھو کو شوگر تھی۔ مگر انظر بھائی جو تصویریں بنا رہے تھے۔ مٹھائی سے پرہیز کیوں کرتے۔ ٹوبہ نے چپکے سے کہا۔

”میں نے نالی کو یہ تجربہ دی تھی۔ کو کیسی رہی۔“

پچھو سب سے گلے لگے۔ انہیں رخصت کرنے سب دروازے تک آئے۔ جہاں ڈرائیور گاڑی کے دروازے کھولے کھڑا تھا۔ اندر آکر سب نے از سر نو اماں لی اور اسد کو مبارکباد دی۔ شادی اس کے دل سے دانے روز طے ہوئی تھی۔ لی اماں بہت متاثر تھیں۔

”مجھے تو خیال تک نہ تھا کہ اس طرح آنا۔“ تیار نے بیٹھے عظمیٰ کی گھر سے آزاد ہو جانے کی گنتہ کا پڑا احسان ہے۔ شاہین! تم نے دیکھا تھا کہ کس طرح قیصلوں کے سر

پر ہاتھ رکھتا ہے۔“

”ہاں بھائی! پورے ماں بھی اماں جان کی وصیت پوری ہوئی نظر آ رہی ہے۔“

پھر تیار اور پچھو مٹھائی لے کر چلے گئے۔ اسد بہت خوش تھا۔ اسر سے مل کر باتیں کر کے بہت اطمینان ہوا تھا۔ اس نے بھی شکرانے کے لٹل پڑھے۔ عظمیٰ حنہ کا فون سن کر حواس پاختہ آئی۔

”بھائی! ارشد بھائی جب سے یہاں سے گئے ہیں۔ تالی سے لڑ رہے ہیں۔ کہہ رہے ہیں۔ اسد کی بیوی اتنی حسین ہے اور آپ نے میرے لیے وہ عظمیٰ چھوٹی آنکھوں والی پسند کی ہے۔ انہیں بہت خاصہ آیا ہے اور انہوں نے مطلب حنہ لے لیا کہ عظمیٰ یہ تو وہ

مٹھ ہے۔ خالہ امل کے گھر میں دلوں کا رشتہ۔“

وہ اٹھ بیٹھا تھا۔ ”حنہ نے کہا بھائی کہہ رہے ہیں عظمیٰ تب کو نظر نہیں آئی۔ کیا خوال ہے اس میں آپ نے دیکھا اس کا رشتہ کتنے اعلیٰ اسر کے ساتھ ہو رہا ہے۔ آپ ان لوگوں کو کتنی سمجھتی رہیں۔“

انظر میں تو حنہ خود بھی اسر کی وجاہت اس کی شہادت پر حباب۔ مرسلہ گاڑی کا سن کر حنہ میں جلا ہو گئی تھی۔ حنہ کے لاکھ تھاپے رشتہ۔ نہ کہ اس ماسی عظمیٰ کے۔ اسد کو اچانک خیال آیا۔ وہ ہڑبھا گیا۔

”لہذا لی! اماں لی ہاں یہ تو وہ مٹھ ہے۔ مجھے یہ وہ مٹھ بالکل منظور نہیں۔ تب میری عظمیٰ تو ڈیریں بالکل توڑ دیں۔“

”اب یہ کھان سا سودا سا کیا اہل میں۔ عظمیٰ تو میں نے کی ہی تھیں۔ کیا تو ٹھنڈا؟“ اماں لی انہوں بن گئیں۔

”اب یہ بھی کوئی بات ہے۔ عظمیٰ۔ میری مہمانی ماس میں جانا جائے گی۔ ٹوبہ کے رشتے تھے۔ اسی رشتے سے میں عظمیٰ کا والد۔ انہوں میں میرا رشتہ ختم کر دیں۔ تو گندہ انا اڑا میں گے۔“

”کوئی کسی کا لہذا حق نہیں اڑاتا۔ خالہ امل میں کوئی ماس ختم کے رشتے ہو چکے ہیں۔ میرا اہلی بہن کے ساتھ ایک بچا معاہدہ ہوا ہے۔ میں سے رشتہ توڑ سکتے ہو۔ تو

سوقی میرا کل

● ہر مہینہ میں سات گنا ہنگامہ



قیمت = 100 روپے

سوشلسٹی ڈیموکریسی ۱۹۷۲ء کی رٹرننگ کارکب ہے۔ اس کا سب سے بڑا کام
 کے اسرائیل ہے۔ مگر اس میں ایک ایسا ہیڈ لائن ہے جو کہ اسرائیل کے
 ایک اور سے شریعت و حزب نہیں، اگر ایسی ہی رٹرننگ کارکب ہے، ایک
 کی رٹرننگ کارکب ۱۹۷۲ء ہے، یہ ہے، اور اس کے شریعت و حزب کی رٹرننگ
 کہ اسرائیل کے رٹرننگ کارکب ۱۹۷۲ء ہے، اور اس کے شریعت و حزب کی رٹرننگ
 حزب ہے، اسرائیل۔

2 یوں کے لئے 250' -----

4-3507-..... 22/10/20

توضیح: اس میں ایک فرمانہ جیگہ پر جو مثال ہے۔

عن آثارهم في أبي هلال بن عبد

۵۳۔ اور گزشتہ بحث کے تحت غور و فکر سے جملہ ارباب کا یہ

دعائی خدیوہ نے والی محضرات سے اپنی بہتر اقدار کی جگہوں

طریقہ حاصل کریں

جیلانکس، 53۔ اور اگرچہ اراکیت، یکینہ طور پر اسے ہمارے دوا کر لیا

کتبہ و عمران لاٹجسٹ، 37- اردو بازار، گرائیو۔

فون نمبر: 32735021

انسانی کی ہلک سیانگ کام آگنی ساسد جھلا گیا۔ مگر
کیا پوتا عظمیٰ فکر مند تھی۔ بھائی کی بھڑائی سالدہ مگر
بے فکری ظاہر کر رہی تھیں۔ "کالج کے دو بولوں میں
بڑی خلقت ہوئی ہے۔ انسان کے سارے فنی جذبات
پسا ہو جاتے ہیں۔ اللہ رسول کی گواہی میں بندھن
پاندہ جاتا ہے۔ انسان کی کیا حیثیت کہ اس کی گواہی کو
رد کرے اور اسد جیسا شریف۔" نخرے کر رہا ہے۔
کر رہا ہے۔"

"البتہ جو شایاں ناکام ہوتی ہیں اور طلاق ہوئی ہے۔ جواب نہیں ہوتے۔"

”ہوتے ہیں۔ جواب تو دینا ہو گا۔ اللہ انصاف کرنے والا ہے۔ بعض اوقات۔ بعض مخصوص حالات میں طلاق کی اجازت بھی ہے۔ لیکن اسے مکروہ فعل کہا گیا ہے۔ پابندی و انسان کا رب سے جو تعلق ہے اسے رب ہی بھتر جانتا ہے ہم تو اس کے احکام کی پابندی ہی کرنا چاہتے ہیں۔“

”تو پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ناپسندیدگی کے باوجود ایک دوسرے کے ساتھ زندگی گزار دو۔ طلاق نہ ہو۔ لای عمر۔ آپ بھائی کی مرضی تو معطوم کر لیں۔ وہ خوش نظر نہیں آتے۔ شادی کے بعد بھی خوش نہ رہے۔“

"مرضی تو میں نے تم سے بھی نہیں پوچھی۔" کہاں
 بی کے پاس جو لب منہ خود تھا۔ "میں یہ جانتی ہوں۔" کہاں
 باپ کی نطاعت گزار اولاد کو اس کا جرم ملتا ہے۔ کہاں
 مردار اولاد کبھی خسرے میں نہیں رہتی۔"

انہوں نے یقین کو جھٹلانے کا حوصلہ اس میں نہ تھا۔ ان کا ہر عمل۔ ہر قدم لولہ کی بہتری کے لیے ہوتا تھا۔ انہوں نے بچوں کی پرورش اور تربیت میں بہت محنت کی تھی۔ ہوش مندی اور جرأت سے ہر مشکل کا مقابلہ کیا تھا۔ ان کی عقل و خرد۔ مہم شناسی کا توازن بھی قابلِ تحسین تھا۔ وہ ان کی قیادتوں کا گواہ تھا۔ اسی لیے ان کے اشارے کو حکم سمجھ کر تعمیل بھی کرتا تھا۔

دوسری دنیا کی مخلوق لگ رہی تھی۔ دیکھنے والے
اعرف کے بغیر نہ رہے۔ اہل بل بیٹے سو پر آتیں پڑھ
پڑھ کر پھوٹتی رہیں۔

ایک لمحے کو تو اسد بھی لڑکھڑا کر
رخصتی دیر رات میں آئی۔ عظمیٰ نے سینہوں کی
مدد سے اسد کا جھلے عروسی بہت فضاست اور سادگی سے
سجایا تھا۔

اسد کی سنجیدگی نے اسباہاں بی کو فکر مند کر دیا۔ وہ
ایسا تو نہ تھا۔ خوش ہوتا تو خوب ہنستا۔ دوسروں کو ہنساتا
آج اس خوشی کے دن اور اس کے چہرے پر ہنس کی
جگہ لکیر بھی نہیں۔ کیا واقعی وہ اس شادی سے خوش
نہیں؟ غور سے پسند نہیں۔ ممکنہ کیوں کھرتے ہی
دو لہجہ دلس کے ساتھ بہن بھائیوں رشتے داروں نے
تصویریں بنوائیں۔ سب خوش تھے۔ وہ بھی جیسے
زبردستی کی مسکراہٹ سے سب کی تسلی کر رہا تھا۔ چچا
کے بیٹے بیٹیاں پیش پیش تھے آخر سب مسلمان
رخصت ہوئے دلس کو پہلے ہی کمرے میں پہنچا دیا گیا
تھا۔

دو لہجہ آخری مسلمان کو رخصت کر کے کمرے میں
بٹھے اندر کا سینہ آگ بگولہ کرنے کے لیے کلن تھا۔
دلس بیگم لباس تبدیل کر کے سو چکی تھیں۔ کن کا
عروسی لباس کرتی ہے۔ یہ کیا رکھا تھا۔ زیورات ڈبے میں
بند۔ واہ، بھی سلیقہ۔ تن کن کرتے تھے روم میں تھے۔
لباس تبدیل کیا کمرے میں آکر بے وردی سے پہنچوڑ
کر دیا گیا۔

”کیا ہوا کنن آئی۔ کیا ہے؟“ کچی غیند سے ہڑباز کر
اٹھی شعلہ جوالہ۔ کچی غیند کے باعث سبز آنکھوں میں
گلابیوں کھلی ہوئی تھیں۔ چہرے پر تمازت۔ میکاپ
سے عاری چہرہ گلابی ہونٹوں کے درمیان سفید موتی
دھک رہے تھے۔ تنہا کی ایسی کہ۔۔۔ جیسے زمین آسمان
نور میں نہا گئے۔ زمین و مہاکن منور۔ دو لہجہ نے بھی ایسا
نظارہ کہاں دیکھا تھا۔ پھولوں سے بھرا کمرہ گھوم گیا۔ وہ
چکر اٹھے۔ یہ بری۔ کیا یہ میری ہے۔ ملکیت کا قصور
ہی بڑا خواب ناگ تھا۔ مفہور ہو گئے۔

غید اس بار کچھ زیادہ ہی طعراق کے ساتھ آئی تھی
عظمیٰ کو اندازہ ہو گیا تھا۔ اس نے شیر خرما۔ دوسری بڑے
فروٹ چٹاٹ اور کھوپڑی کی چٹاٹ زیادہ بنائی۔ چٹاٹ
سالہ وہ لہجہ میں ہی جٹا کر رکھتی تھی۔

بہت مسلمان تھے۔ اسد کی شادی کا سن کر مبارکباد
اور کچھ جیتو کے شوق میں۔ عظمیٰ کی سہیلیوں نے اس
کی شادی کا سن کر خوب ہانکا کیا۔

چند دن بعد دونوں بھائی بہن کی مایوں کی رسم بھی کی
لیکن اسد کسی طرح سامنے نہ آیا۔ نہ جانے کہاں
غائب ہوا۔ رشتے دار آئے۔ عظمیٰ کی رسم آواکی۔ کہاں
کر سہ ہارے۔ لڑکیاں وہ کٹیں گلے بھانسنے کے
لیے۔

اہل بانی نے کچی بار اسد سے کہا کہ وہ اپنے دوستوں کو
بارات پور دلہے کی دعوت دے دے۔ مگر اسد نے
عظمیٰ کو بتایا کہ اگر میرے کسی دوست نے ثوبہ صلاہ
کو کچھ کہہ دیا۔ تو ان کاؤنڈ اور میرے دوست کی کھریا
سر۔ نہیں بھی میں یہ رسک نہیں لے سکتا۔ اب صبح
وجد تو یہ معلوم کیا گئی۔ بھی دلس ہانڈا جینز میں تولا لے
سے رہی۔ اس کے ہاتھ میں توپس ہو گیا۔

لیکن بارات کی روانگی کے وقت اسد کی حیرت پیدل
تھی۔ اس کے تمام دوست بعد شوق موجود تھے۔ اہل
بی کے انتظام معمولی نہ تھے۔ فہرہ مرحوم کے بیٹے کی
شادی میں سب رشتے داروں نے شرکت کی۔ بارات
شلو تہز تہی۔ تو وہاں بے حد تپاک سے استقبال ہوا۔
شلو بی بی کو بہت خوب صورتی سے سجایا گیا تھا۔ افسر
نے اپنی پوزیشن کے مطابق بہت اعلیٰ انتظام کیا تھا۔ ہر
سمت پھولوں کی لڑیاں۔ مددنی کی چٹاچوند۔

لڑکی والوں کی طرف سے اعلیٰ طبقے کی لہجہوں کی
شرکت۔ افسر کے تمام احباب۔ کشنر ڈیٹی کشنر۔
بٹکوں کے اعلیٰ عہدے دار سب لہجہ کے ساتھ
موجود تھے۔ ثوبہ کے والد نے بھی اپنا فرض بخوبی ادا کیا
تھا۔ بہت اچھا جینز دیا۔ دلس اور ولہا کو کتر کھینے والوں
کو علم ہو گیا کہ کوئی کم حیثیت ہوتا ہے نہ کتر۔ خود کو
پر تر کھینے والوں کی عقل کا فتور ہوتا ہے۔ دلس تو کسی

”اے گھر میں تو رات بھر جا کر لی تھیں۔ یہاں آئے ہی سو گئیں۔“ شکوہ کرنا حق تھا۔

”یہاں چلے کب ملی۔“ ترخت جواب ملا۔
کیوں جگا دیا۔ غیر آری تھی۔ ”گوھر بھی ناز بھرا شکوہ تھا۔“

”میں بہت مند دکھائی لایا تھا۔ سوچا دگا کر دے ہی دلا۔ سو مند بچ لالہ ملی سے شکایت کر دی۔“

”مند دکھائی؟ ہن؟ ارے اچھا۔ دکھاؤ ذرا۔“ عشق کا عالم یہی تھا۔ آنکھوں میں ستارے دوک رہے تھے چہرے پر جگمگاہٹ سی۔ مسکراہٹ تھی کہ لالاں۔
”یہ دیکھو کیا ہوتا ہے۔ تیز سے بات کرو۔“

شوہر اندر عجب خود بخود ظاہری ہو گیا۔

”جی حضور۔ دکھائیے حضور۔ اب صبح ہے؟“ بے تکلفی۔

”ہاں لوہو نکھو۔“ اسد ایک دو فٹ کا موٹی ستارے تک لگا رہیں ڈنڈا دونوں ہاتھوں میں یوں لیے کھڑا تھا جیسے کسی بہادر کو شمشیر حیدر پیش کی جاتی ہے۔

”اے جیسے۔ آپ کی خدمت میں۔ ایک حسین شخص۔“
ادھر مسکراہٹ یک لخت قبضے میں تبدیل ہو گئی۔

اب وہ نفس رہی تھی۔ مند ہا کر۔ پیٹہ جا کر۔ اس کی سے لوٹ بوٹ۔ اس کی ہنسی بے ریا۔ مصفاہنسی سے کمرہ جھنجھنا گیا۔ اس نے لیک کر ڈنڈا اسد کے ماتھے سے اچک لیا۔ کندھے پر رکھ کر اشاراں لے لیا۔

”اب ٹھیک ہے؟ ہائے کتنا پیارا ہے۔“ انگلیوں سے چپکار رہی تھی۔ ”ڈنڈے کو اسد اسے مہوت ہو کر دیکھ رہا تھا۔ پاکیزہ لوا۔ معصوم نظم۔ کبھی کبھے کو ایسا ہو شرا حسن ہو کیا تھا۔ سادگی اور پر کاری۔“

”نکھو۔ میں تصویر لے لوں۔“ میز سے کیمرہ اٹھا لیا۔

”نئے نئے پور بناتی تھی۔ اسد کی رکی ہوئی ہنسی پھلتی چلی تھی۔ کئی دنوں کا مصنوعی خول اتر گیا۔ اب دونوں کی ہنسی ایک دوسرے میں مدغم ہو کر کمرے کی حدود سے باہر کھن میں پکڑنے لگی۔

پریشان منظر ملا۔ نماز کے بعد وظیفہ پڑھ رہی

تھی۔ جو اسد کے دل میں اس ہنسی کے لیے ٹیک جذبہ بیدار ہو جائے۔ اسے کوئی بھی لڑا بھا جائے۔ زندگی میں خوشیوں کا راج ہو جائے۔ کمرے سے اہل ہنسی کی ملی جلی جھنکار۔ ساعت میں شہنائی بن کر دعا کی مقبولیت کا شرور سننے لگی۔ انہوں نے آسمان کی جانب نظر ڈالی غیلے آسمان پر ستارے چمک رہے تھے۔ ستارے بھی انہیں مبارکباد دے رہے تھے۔

انہوں نے شکرانے کی نقل کی نیت کر لی۔ اس دن کا برسوں سے انتظار تھا۔ کس سہولت سے وہ دونوں کے فرائض سے سبکدوش ہوئی تھیں۔ ساری محرومیوں کا ازالہ ہو گیا تھا۔ وہ سرخ رو ہو گئی تھیں۔ بہت دیکھ اٹھا۔ مہر جبر ہمت۔ نوگوں کی زبان کی ہمدی۔ کوار جیسی چھلکی زخم کریدتی نظموں کی قنارت برداشت کی۔ پامووی سے مصائب کا مقابلہ کیا تب جا کر۔ سر اٹھانے کے قابل ہوئیں۔

سایں کا تعاون حمایت اور محبت نے امت پر حاکمی اور دیکھتے دیکھتے۔ دیکھ کی گھٹائیں مٹ گئیں۔ مطلع صاف ہو گیا۔ پھر۔ وہی زخم کریدتی نظموں کے زائسے بدل گئے۔ اور دن میں مہربانی اور خوشامد نظر آنے لگی۔ اب وقت بدل گیا تھا۔

ہمت ”موصلا“ خاموشی نقل اور برداشت ایسے بے ضرر ہتھیاروں سے مقابلہ کیا تھا۔ جن کا توڑ نہ تھا۔ کسی کو جواب دینا نہ شکایت کی اور منزل مراد حاصل کر لی۔ لب و لہجہ اللہ کے آگے جھکی ہوئی شکر لوار کر دی تھیں۔ ان کی خاموش فریاد اور بے آواز آنسو اللہ کی بارگاہ میں قبول ہوئے۔ ہمیشہ اللہ سے ہی مدد مانگی تھی اور اس نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔ مانگنے والے کو وہ نامید نہیں کرتا۔ اسی یقین اور امید نے انہیں فتح سے ہمکنار کر دیا تھا۔

نہج کی لڑان ہو رہی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ستارے چمک رہے تھے خوشی کے آنسو ستارے بن کر جھللا رہے تھے اور بارگاہ رب العزت میں شکرانے کے موتیوں کا بیڑہ بچھا رہے تھے۔

❦

شہزادہ بخاری



ثریا پچھو کو بتایا تو پرانے اسٹور میں بند کمرلوں کی۔ ہر وہاں جو بھڑو بڈو جتا ہے وہ کھا جائے گا تمہیں۔ شیطان کے یہ پرکالے اگر کسی سے ڈرتے تھے تو وہ خوش نصیب بھلاؤ بھلائی تھا۔ ورنہ بڑے سے بڑا ان کے سامنے اپنی بھرنا دکھائی دیتا تھا اور اب داوی ان ہی دینا لوں کے ہاں جانے کا رد کر رہا تھا۔ ٹیٹھی نہیں۔ بچہ اور گندو اچھل اچھل کر "جائیں گے" بھیجی جائیں گے ہم سب جائیں گے۔ "گارتھ تھے" راوی پورا اور گندو کی آٹھ اور دس سالہ زنگی میں پہلی بار ان کا گانا بن کر مسکرا رہی تھیں۔

مہرہ! تم جاننے کی تیاری کرو۔

"اماں! آپ شاید بھول رہی ہیں۔ اس گھر کے سربراہ آپ کے فرزند میرے مجازی خدا ہیں۔ کہیں آنے جانے کے لیے ان کی اجازت لے لی جائے تو وہ اپنی پرکھی قبائلوں سے بچا جاسکتا ہے۔"

"مہرے اس کی فکر کیوں کرتی ہو؟ خود اس سے تو میں آپ بات کر لوں گی" تمہیں جانے کی تیاری رداور رعنا کو ذرا اڑھنگ کے پٹے سلوا دو۔ ثریا کی سسرال بہت بڑی ہے۔ اس کے ہاں ہر وقت تاتا جانا لگا رہتا ہے۔"

اور یہ پہلی بات تھی جو رعنا کو پسند آئی۔ موڈ کچھ خوش گوار ہو گیا۔ شام کو لپا آئے انہیں ہو کر ام سے اگلا کیا گیا۔ من کر حیران بھی ہوئے اور پریشان بھی۔ "رمضان کا مہینہ ہے" مجھے روزے کون رکھوائے گا۔

جون کا اخیر۔ پنجاب کی دھماکا خیز گرمی اور اس پر مستزاد دلدلی کا مہلنگ احاطہ۔

"اس مرتبہ عید ثریا کے ہاں کی جائے گی۔"

گندو اور بچوں نے سنتے ہی خوشی میں دھل ڈالی "امی حیران پریشان نہیں ماس کے دماغ کو گرمی تو نہیں لگ گئی۔ مچھلے کے گھر گھر کے پکر لگانے سے باز بھی تو نہیں آئیں۔ اب تو محلے کے بد تمیز بونڈوں نے ان کا نام بھی پھر کی داوی رکھ چھوڑا ہے۔ لیکن داوی کو پروا ہی کہاں ہے نکستی ہیں یہ تو قلی کے کتے ہیں۔ آپ سی بھونک بھونک کے خاموش ہو جائیں گے۔"

"ماں! ثریا کے ہاں جانے کا آخر کیا مقصد ہے۔"

امی نے ماس کی ہانپی حالت بھانپنے کے لیے پوچھا تھا۔ جواب میں بچے کا کارا پران عین پر آیا ہو لیں۔

"بیٹی کے ہاں جانے کے لیے بھی بھلا کسی مطلب یا مقصد کی ضرورت ہوتی ہے۔ بس یہ تو آری ہے اس کی۔ اس نکوہ پڑا پڑا ہوا دارہ کان زمین میں گئے اُٹھ اور جاسن کے درخت اب تو پھل اپنے جون پر ہو گا ہم جائیں گے اور سب جائیں گے۔"

"دلدلی سفر مجھے راس نہیں آتا۔" رعنا نے بودا سا اعتراض کیا۔ وہ سفر سے بہت گھبراتی تھی فوراً یہ تو ایک نہ لا پورے سات گھنٹے کا سفر تھا اور پھر مشیل کیا تھی۔

ثریا پچھو کا گھر جن کے پانچ بد تمیز بچوں سے وہ ہمیشہ خار کھاتی تھی۔ چٹھیوں میں جب بھی پچھو ان کے ہاں آئی تھیں۔ یہ بچے بلا مبالغہ رعنا سے دینا میں تین سے چار بار بڑے تھے۔ وہ مسکی یہ دی جاتی تھی اگر تمہنے



”آم پک رہے ہیں! چاہن آپ لوگوں کے آنے تک بالکل تیار ہو جائیں گے۔ بچے ان لوگوں کی آمد کا من کر رہے ہیں۔ خوش ہیں! عید۔“

ٹرین کا سفر تھا۔ امی آج کل کے حالات اور خاص کر ٹرینوں کے چلن سے کچھ پریشان تھیں۔ آئے روز

نیو دی پر خبریں چلتی تھیں۔ فلاں ٹرین کا انجن فلاں اسٹیشن پر ٹکرا ہوا گیا۔ مسافروں نے رات ریلوے کو کہتے ہوئے کل۔ کبھی کبھی تو ٹرین سیاری سیاری رات کسی جنگل ویرانے میں کھڑی رہتی تھی۔ امی کے خیالات سے تو پتہ لگدو لو رہا کبھی رونا کا سہارا لے کر ہیڈ سے اترنے والی دلوئی نے سید بھونک کر فرمایا۔

”فکر کیوں کر لی ہو فخریہ! آخر میں تمہارے ساتھ ہوں۔“

”بھئی ہم کون سا ابھی کے ابھی جا رہے ہیں۔ عید سے چار روز پہلے جائیں گے۔ فخریہ تمہارے لیے کھری اور انٹاری رہا کر فریزنگ سے کی اور ہیں۔ سنو چاند رات کو تم بھی ملتان آ جاؤ۔ مل کر عید کریں گے۔ ٹریا کئی سالوں سے اصرار کر رہی ہے۔ ٹوٹن ہو جائے گی۔“

کچھ بحث کے بعد آخری ایسے بھی اقرار میں گردن ہانا دی ٹریا پھپھو کو فون پر اطلاع دے دی گئی اور اس کے بعد شاپنگ کا آغاز ہوا۔ دلوئی نے عمرہ لان کے جوڑے کچھ چکن کے کرتے سلوائے۔ رشتائے جدید شام کے کپڑے اور امی نے بھی کچھ کڑھائی والے پڑے سلوا ڈالے۔ رمضان کے مہینے میں مکی موضوع رہا۔ ٹریا پھپھو کے فون بھی آتے رہے۔

ہوئے ہیں تو دیکھنا ہمیں خلیا ہاتھ دیکھ کر ہر بندہ رونہ کھلوانے کو روڑا لگائے گا۔" شبلی مسکرایا تھا۔
 "پاکستانی عظیم اور عجیب و غریب قوم ہے۔" جوادی جذباتی ہوا تھا۔

"باباجی زندہ بدو۔" میلے کچلے واڑھی والے پلاجاتی کے آس پاس کھڑے لوگوں نے گھونکا۔

"ارے یہ تو کوئی خاص بندہ ہے۔ لگتا ہے مشن بھی خاص ہی ہے۔ یقیناً معیاریاں انٹھنی کرنے نکلا ہے۔" جوادی نے یقین سے کہا تھا۔

"عمرو کھو جس عمر میں نوک صرف عیدیاں پانٹتے ہیں یہ وصول کر رہا ہے۔ یاد میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں بھی بڑا ہو کر ایسا ہی زندگی گزاروں گا۔" جوادی کے ارلوے مضبوط تھے۔ ابھی بائیں ہوری تھیں۔ ایک فیملی تلی اور ان کے برابر سیٹ پر بیٹھ گئی۔ ایک عمر رسیدہ مگر عقاب کی آنکھوں والی خاتون ایک ان کی سعادت مندی ہو ایک تک چمچی پوتی لہ شراہی کم عمر پوتے اور دھیروں کھلا۔

"خدا یا! ہمیں ایک ہی کپار ٹمنٹ عطا فرما۔" دونوں نے دعا لگی۔

"واڈی پانی دیں' پاس لگی ہے۔" کور کو دونوں ہاتھوں میں دوپے واڈی پتا نہیں خیالوں ہی خیالوں میں کس واڈی کی سیر کو لگ اڈی تھیں۔ بچے نے تین بار منٹ کی۔ چوتھی بار واڈی بھرنی۔

"خبردار! خبردار اس کو لڑکی طرف دیکھنا بھی نہیں سفر بڑا لمبا ہے اور میں ہوں شوکر اور ملڈ پر شرکی مرینڈ۔" پانی ختم ہو گیا تو میرا کیا ہے گا۔

"کیا یہ پھیلی ہیں؟" شبلی نے پلکیں جھپک جھپک کر

انہیں دیکھا اور جوادی سے سوال کیا۔

"پتا نہیں سانپ کے بارے میں تو سنا ہے سو سال کا ہو کے قوی کا روپ دھار لیتا ہے۔ پھیلی کے بارے میں نہیں پتا۔ تیارہ سو سال کی ہونے پر واڈی کا ہر بھر جیتی ہے یا واڈی اگر سو سال کی عمر کو پلکیں تو وہ چمچی ہونے کے مزے لوٹ سکتی ہیں۔"

"واڈی ساڈی شیرا سب پانی پیر پھیرا۔"
 گندہ اور پو تب تک لٹک لٹک کر گاتے رہے۔
 جب تک کہ انی نے طرائفوں سے ان کی خاطر نہیں کردی۔

"اسٹیشن پر انتظار۔" اف! لگتا ہے سارا شہر عید منانے دوسرے شہروں کو جا رہا ہے۔" جوادی اور شبلی بڑی بے فکری سے کندھے پر ایک ایک سگریٹ لٹکائے جھومتے گاتے اسٹیشن پر آئے تھے۔ لیکن صورت حال خاصی عجیب تھی۔

"یار لگتا ہے اتنا لمبا سفر اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر کرنا پڑے گا۔" جوادی افسردہ تھا۔

"نچلے۔" اسی زمانے ہم اپنے پیروں پر کھڑے تو ہوں گے۔ واڈی سنیں گی تو کتنی خوش ہوں گی۔"

"اگر ہم نے سفر اپنے ہی پیروں پر کرنا ہے تو پھر اتنا کر ایہ بھر لے لکھنا۔"

"سوال غور طلب ہے۔" شبلی نے سر ہلایا۔

"یاس۔ یاس۔ ذرا لوھر دیکھنا۔" جوادی نے توجہ بائیں جانب مبذول کروائی۔

"کیا ہے سوائے چند مکار عیار چوہوں کے اور اس خراشت پائے کے۔"

"لوھر دائیں طرف۔" کھو بہار ہی بہار ہے خاص کر وہ گلابی سوڈائی بار کاشا ہکا ہے۔"

"لوئے میں ہی خراشت پائی تو دکھا رہا ہوں۔" اس کی واڑھی مجھے اصلی نہیں لگ رہی۔" جوادی کی پوڈی توجہ پلاجاتی کی جانب تھی۔

"تیری انٹرنل ریسرچ میں لڑکیوں کا وہ ٹولا پتا نہیں کہ ہر نکل کیا ہے۔"

"چھوڑ لڑکیوں کو۔ یہ بتا راستہ میں نظاری کے لیے کچھ دکھاتا ہے۔"

"کیا ضرورت ہے فوٹو بوجھ اٹھانے کی یہ دیکھ جتنے بھی لوگ ہیں نظاری کے لیے ڈھیروں سامان اٹھائے

مجھے واپس گھر بھجوا کے دم لیں گی۔"
 "تسلی رکھو صحبت میں گدھے ہوئے مردانوں وہ
 تمہیں نہیں دیکھ پائیں گی۔" جوادی نے تسلی دی۔
 "کیسے بیس دیکھ پائیں گی ان کی عینک سو فیصد
 ٹھیک رزلٹ دے رہی ہے۔"
 "مگر ہانس نہ رہے تو ہانسی کیسے بچے گی۔" لڑکا
 ذہین تھا۔ جوادی کی بات پر چونکا۔

"یعنی عینک تو زدی جائے گی۔"
 "اول ہوں اتنی بھی خراب کاری اچھی نہیں۔
 عینک صرف ان کی خوب صورت آنکھوں سے وقتی
 طور پر جدا کی جائے گی۔"
 "مجھے منظور ہے۔" ہانس چلایا۔ شبلی جوادی نے
 راوی کی طرف دیکھا۔ وہ اس وقت لمبوں پر تھبے کا مڑا
 لے رہی تھیں۔ سمندر کی موجیں اس وقت شاید
 بہت ہی موج میں تھیں۔ جوادی شبلی بظاہر کہیں اور
 دیکھتے راوی کے قریب سے گزرتے ہوئے شبلی ان
 سے ٹکرایا۔ عینک گری۔ جوادی نے پھرتی سے اپنی
 جیب میں رکولی۔

"وے کون ہے وہ۔" راوی غرائیں استخ میں
 ٹرین کے پلیٹ فارم پر آنے کا اعلان ہوا۔ ہر طرف
 بھگدڑ مچ گئی۔
 "ہائے وہ مجھے تو بڑا وحند لٹ وحند لڑکھائی دے
 رہا ہے۔"

"ہمارے برابر کی سیٹ پر ہالوں سعید نے تو بیٹھنا
 نہیں ہے راوی، وحند لڑکھائی تو اس میں پریشانی کی
 کیا بات ہے۔" پوئے انہیں سمجھایا تھا پھر جلدی
 سے سامان اٹھالے لگا تھا۔ شبلی نے اشارہ کیا۔ ہانس نے
 بڑھ کے راوی کا ہاتھ تھام لیا۔

"وے کون ہے تو کاخرو تو نہیں ہے۔" شبلی اور
 جوادی نے ایک نظر اس کوں کھلا۔ بڑھکل ہنسی ہوئی۔
 "یہ ایک ٹیکسٹ لو جو ان سے راوی جو اکثر بوڑھی
 عورتوں کو سڑک پار کرواتا ہے۔" گندو نے انہیں بتایا۔
 اب وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے مطمئن تھیں۔

"شکر کر ہماری راوی اس وقت یہاں نہیں ملتا
 میں بیٹھی ہیں اور نہ وہ مارنگا تیں کہ ہم یہاں بن چل کی
 پچھلی کی طرح ٹرپ رہے ہوتے۔"
 "انس بھائی۔" پوئے حیرت سے پکڑا۔ شبلی
 جوادی نے اس کے اشارے کے تعاقب میں دیکھا۔
 ایک مشعل صورت نوجوان کھڑا مسکرا رہا تھا۔ جبکہ
 رعنا کے چہرے پر حیرت تھی۔

"کیا انس بھائی ہمارے۔" رعنا نے بڑھ کر بھائی
 کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کے سوال کا گٹھا گھونٹ دیا اور
 ٹھہرا کر راوی کی طرف دیکھا، لیکن صد شکر وہ پانی کے
 کولر پر سرور کے خیالوں ہی خیالوں میں ہا کس ہے ہر
 پچی ہوئی تھیں۔ یہ شبلی کا خیال تھا۔
 "چپ چپ۔" رعنا نے بھئی کی گدی پر ہاتھ
 جمایا۔

"کیا یہ انس بھائی نہیں ہیں؟" دوسرے ہراور کی
 رگ معلومات بھڑکی۔

دونوں نے انس کی طرف دیکھا۔ اسے خواہوا
 مسکراتا کر یہ بھی مسکراتے گئے۔ مصافحہ کیا گیا۔ ایک
 دوسرے کے مل جانے پر خوشی کا اظہار ہوا اور پانچ
 منٹ کے بعد وہ جدید جدید معلومات حاصل کرنے میں
 کامیاب ہو چکے تھے۔ موصوف کا خروہ بیگم کے دور کے
 بھانجے لیکن دل سے قریب تھے اور رعنا کے دل سے
 تو بہت ہی قریب تھے۔ لیکن راوی نے عہد کیا ہوا تھا کہ
 وہ اپنی زندگی میں یہ شادی نہیں ہونے دیں گی۔ انس
 نے بڑے دکھ سے بتایا تھا اور ان کی خوشی کا کوئی اندازہ
 بھی نہیں ہے۔ جس شوگر اور بلڈ پریشر کا اعلان وہ ہر
 وقت کرتی رہتی ہیں وہ صرف زبانی گھائی دعوے ہیں
 وہ شوگر اور بلڈ پریشر کی کیا مجال ہے جو ان کے پاس
 اگر آپ اپنی شامت کو تو از دے۔

"میں نے جیسے ہی سنا یہ ممکن جا رہے ہیں دل کے
 تھنوں مجبور ہو کے میں بھی چلا آتا ہوں۔ ابھی تک تو
 ہر کی نظر مجھ پر نہیں پڑی لیکن اگر انہوں نے مجھے
 پایا تو اپنا ممکن جانے کا ارادہ تبدیل کر دیں گی با

نہیں آتی الٹ لٹا کر شہسوار کاشن ٹرین کی ہمت نہ ہوتی انہم کو جسے اندر چلے جاتے۔ "شہسوار کے لیے میں حسرت تھی۔"

"کبھی تو میں نے نیچے اترنا ہے، تہہ دھکے دے دے کر پھر اوپر چڑھ دیتے ہو۔" ایک نیم نیم خیمہ خاتون چلا رہی تھی۔ گردہاں سن کون ہاتھ لپے میں آفرین ہے ہنس پر جس نے کتنے ہمارے کتنی ملاحت سے وادی کو ٹرین میں سوار کرا دیا تھا۔ جیسے جیسے باقی سب بھی سوار ہونے میں کامیاب ہو گئے۔ میلے کیلے حلیے والے پیر بابا بھی سیٹ گھیرے آنکھیں پیم واکیے متاثر کن پوز بنائے اپنی طرف سے لٹھ والے بنے بیٹھے تھے۔ اس نے لوگوں کو ان کے برابر میں بٹھادیا۔

"بیٹا کیا میرے برابر میں میٹھنا بندھا ہے۔" وادی نے نند کی سانس لی اور قریب قریب انداز لگایا۔ ابھی قبل جوادی میں میں بھی نہ کرنے پائے تھے کہ گڈ اور پورے ہنس شروع کر دیا۔ قافروں نے وادی کا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا اور اپنے برابر بٹھالیا۔

"بے بدلتو امیری بیٹک پلیٹ فارم پر نہ گئی ہے۔" "پلیٹ فارم پر لٹا کر شہسوار ہے کہ اچھے اچھے نہیں مل رہے تو ذرا سی بیٹک کیا چیز ہے۔"

"انکھوں سے وہ ٹیک مل لو جوان۔" وادی کو فوجیوں کی یاد ستا۔ ہاتھ ٹنگن کو آری کیا لو جوان صاحب قریب ہی بیٹھے قافروں سے باتیں کر رہے تھے اور دیکھ رہا تھا کہ وہ کسے حاضر ہو گئے۔ شہسوار جوادی پیر صاحب کی طرف متوجہ ہوئے تھے۔ کاجیلا انکھ لٹک کر ان کی تعریف میں زمین آسمان کے قلابے مل رہا تھا۔ "میرے پیر صاحب سبکی علم کے توڑ کھا ہر ہیں۔ ان کے نعروں گھنٹوں کے نیچے سب سے روشن کر دیتے ہیں۔"

"میں میں بھی تعویذ لکھتی۔" رعنا بھلی کہہ اسے بھی ہنس کھانے کی شدید کردہ تھی۔

"میرے پیر صاحب سر تپا کر امت ہیں۔" "میں سمجھا امت ہیں۔" جوادی ہر دیا۔

"بے ادب امت کروڑ کے جل کر خاک ہو جاؤ گے۔"

"اسے غصہ نہ دلاؤ غصہ آگیا اتنی بے ادب کرے گا کہ پیر صاحب غصے کی آگ میں جل کر فنا ہو جائیں گے۔" شہسوار نے وار لیا۔

"گستاخ بچے گا نہیں۔" پیر نے پیش گوئی کر دی۔ مسافروں کے چہرے خوف سے پیلے پڑ گئے۔ پکڑنے ترحم سے جوادی کو روکھا ہائے گھبراہٹ سا چمکا چہرہ ہے۔

"پیر صاحب کبھی تمہاری لیا کریں اگر پانی سے ڈر لگتا ہے تو ذرا پانی لیں غی کروالیں۔" جوادی کے مشورے جاری تھے۔

"ارے احمق۔" خاصوش۔ پیر صاحب جلال میں ہیں۔"

"مخلصانی سافیس بنایا ہوا ہے۔ جلال سے زیادہ پرانی خاصوش ظہروں کے گھسیڑ میں لگ رہے ہیں۔" اب کے شہسوار نے تبصرہ فرمایا تھا۔

پیر صاحب کا بس نہیں چل رہا تھا۔ دونوں کو چلتی ٹرین سے نیچے دھکا دے دیں۔ لچاٹ کسی مسافر کا بچہ رو لے لگا۔

"بچہ کیوں روتا ہے لال دین؟" پیر صاحب نے ہند آنکھوں کے ساتھ لوہرا وھرا دیکھا اور فرمایا۔ لال دین نے بچے کی ماں کو اشارہ کیا۔ بچے کو لے کر پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئی۔ بچے نے جو ایسا خوف ناک چہرہ دیکھا مارے دہشت کے دھنسا ہوا گیا اور پورا ڈبا پیر صاحب کی اس کراہت پر جھوم گیا۔ لوگ ایک دوسرے کو دھکے دیتے جگہ بناتے پیر صاحب تک اتنا چارہ ہے تھک لال دین نے فرمایا۔

"میں بھی نہیں دس منٹ بعد سب لوگ قطار میں اور پھر آئیں۔ اس وقت شاہ جنات کی اپنی بیوی سے لڑائی ہو گئی ہے۔ بیوی مدد نہ کر سکے چلی گئی ہے۔ شاہ

جنت مشورہ لینے آئے ہوئے ہیں۔ دس منٹ تک جائیں گے پھر اب لوگوں کی باری آئے گی۔"

کی جیب میں نذرانے و لالہ ہاتھ ڈالتے ضرور تھے۔ لیکن صرف ہاتھ بعد میں یہی ہاتھ اپنی جیب میں الٹ کر نذرانہ اپنی پاکت میں محفوظ کر لیتے تھے۔

"وادی اماں مجھے بھی نذرانہ دیتا ہے، دعا کرائی ہے۔" رشنا بھی جاری تھی۔

وادی نے اس کا ہاتھ تختی سے دھو کر رکھا تھا۔ رشنا نہیں، "لوہر جن آئے ہوئے ہیں۔ کبخت کوئی عقل کا اندھا جن قبرے پہ عاشق ہو گیا تو پاؤں سے پکڑ کر ٹھیکتا ہوا لے جائے گا۔ میں جاتی ہوں نذرانہ دے کر آتی ہوں اور دعا کرائی ہوں تیرا رشتہ شریا کے دیور سے پکا ہو جائے۔"

"وہ پاندر کا بچہ، میں تو جرگز بس سے شادی نہیں کروں گی۔" رشنا چلائی اور کئی ایک لٹیس دیکھ دیکھ کے بیوی بچے والے نصیحت فاسخ کرتے نوجوان قسمت آنکلی کو لپکے۔

"ہمارے ہمارے میں کیا خیال ہے اماں جی۔" ایک دپے پہلے بیوی بچے پوچھا۔

"تیرے ہمارے میں وہ خیالت ہیں، اگر اظہار کریں، چلتی گاڑی سے چھلانگ لگا دے گا۔ دفع ہوا پٹی جگہ پہ جا کے بیٹھ۔" نوجوان بھی آج کے دور کا بدتمیز بدمذہب بدمذہب تھا۔ یہ صورت حال دیکھ کر وادی نے چیر ہار کے کان میں کچھ کہہ کر پھر اعلان کیا۔ "اس مرد بدتمیز کو چیر ہار قریب آنے کا حکم دیتے ہیں۔"

نوجوان ابھی آئے یا نہ آئے کا فیصلہ ہی کر رہا تھا کہ چیر ہار کے تانہ باز نے مزید اسے اٹھا کر پیر صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ وادی نے پھر کان میں کچھ پھونکا۔ ان الفاظ میں ایسا اثر تھا پیر صاحب نے تو دیکھا نہ تو "پیر سے دیو میں بسا کھسہ آمار اور نوجوان کے سر پر تاج توڑ کئی وار کر ڈالے۔" ابھی ابھی شہ جنت بنا کر گئے ہیں اس کہنے کے دل میں کھڑ تھا۔ یہ پیر صاحب کے قتل کا فیصلہ کر چکا تھا۔ "یہ سننا تھا کہ عقیدت مندوں کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔" وہ نوجوان کی بیویوں کا سرمہ بنا کر خون بہا لی آنکھوں میں

متاثرین مزید متاثر ہو گئے۔ یہاں تک کہ کو لہر پر سر رکھ کر گھسنے والی وادی بھی ہوشیار ہو کر بیٹھ گئیں۔ رشنا کو ڈانٹ کر کہا کہ چہرہ چھپا لو ویرانہ ہو شاہ جنت کا دل تم پہ اتھائے اور ہمیں پیسے بٹھائے نیا سیلا پڑ جائے اور ساتھ جو سیلا (الس) بیٹھا تھا۔ اس نے زور و شور سے ان کے اس بلورہ نایاب خیال کی تائید کر دی۔

ابھی دس منٹ مکمل ہونے میں پورے پونے تین منٹ ہلے تھے۔ لالہ دین کے بیٹ میں وہ مرزا دانیال وسیع لگا جسے گرامر مین میں لیٹ کر اس نے اسیشن پر آنے سے پہلے ہڑپ کیا تھا۔ لوگوں کو پرے ہٹانا، جگہ بنانا بڑی مشکل سے ہاتھ روم تک جانے میں کامیاب ہوا۔ قسمت کا ستارہ عروج پر تھا۔ ہاتھ روم خالی تھا اور نگلے میں پانی بھی آ رہا تھا۔

لوہر لالہ دین نے ہاتھ روم کا دروازہ کھٹاک سے بند کیا۔ لوہر چھپاگ سے جولوئی کر رہتی ہا بے کے برابر پہنچا ہے۔

"جب تک لالہ دین تشریف نہیں لاتے میں ہی ہا جی کلوسٹ راس لالہ دین کا قائم مقام ہوں۔"

"تم کون۔" ہا بے کو انجانے خدا شوں نے ستایا۔

"آپ کا عقیدت مند کب کا پکا پکا مرید لاؤ، بھی لاؤ جلدی جلدی نذرانے پیش کرو۔" نذرانوں کی بات سننے ہی پر ہا نے آنکھیں بند کر لیں اور پتا نہیں کیا پڑھنے لگے۔ دھیان جیب کی طرف تھا۔ جس میں وادی ہار ہار ہاتھ ڈال رہا تھا۔ یقیناً "نذرانے پر نذرانے چلے آ رہے تھے۔"

لب ٹرین کا منظر کچھ یوں تھا۔ لالہ دین صاحب ہاتھ روم کے اس دروازے کو کھولنے کی کوشش میں بے حل اور بے تحہ جس کا چنل باہر سے ٹھیلے کس کے پکڑ لیا تھا۔ لب و روانہ کھلے تو کیسے لالہ دین لاکھ محنت مند و توانا سہی، مگر ٹھیل کی منہ نذر جو ٹھیل کے سامنے یہ طاقت پانی بھرتی نظر آئی تھی۔ سواتی شدید کوشش بھی بے سود تھی۔ لوہر وادی صاحب چیر ہار

اگانا چاہے تھے۔ لیکن تب تک نوجوان جوتوں کی بدولت سے بے ہوش ہو چکا تھا ان جوتوں میں جنت کی بو رہتی ہے۔ شبلی نے اعلان کیا تھا اور پھر صاحب سوچ رہے تھے اتنا سود مند تو کبھی لال دین بھی ثابت نہیں ہوا تھا۔

ٹرین منزل کی جانب گامزن تھی۔ اب شام رات میں بدلنے کو تھی۔ اکثر مسافر لو تھکے گئے تھے۔ جب اچانک ہی ٹرین کا یہ بادبنت ڈبہ ایک طویل فسوالی چیخ سے گونج اٹھا۔ واش روم میں بند لال دین جو کب کا خیز کی آغوش میں جا چکا تھا۔ وادی کے پیروں کے قریب اپنا بستر بچھا کر سونے والی پٹھان جس کے دو گول مثل چارے بچے پر پٹا کی طرف اشارے کر کر کے نجانے اپنی زبان میں کیا کہتے اور قہقہے اگاتے تھے۔ لب مال کی آغوش میں دبک کر سو چکے تھے۔ مگر یہ چیخ "اف گاؤں کے پیروں پھاڑتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔ وادی جو اس رقم کا حساب کرنے میں مصروف تھا جو آج پھر سادب کی جیب کے بجائے اس کی جیب میں چل آئی تھی چونک کر سیدھا ہوا تھا۔

"لگتا ہے شلو جنت آگئے ہیں۔" وادی کا کہنا تھا۔

تھمڑے پر کچیا پٹ طاری ہو گئی۔
"کوئی شلو جنت نہیں آئے ہی نہیں نے ماری تھی" کبھو میرا بھرا ہوا گولر خالی ہو گیا ہے۔ مجھے بتاؤ یہ پالی کس مرزا جو کے سنے پیا ہے۔" وادی دہلی دے رہی تھیں۔

"گولر تو تب کے بازو کے نیچے تھا۔ ایسے میں کون اپنی چلن کا دشمن ایسا جملت کر سکتا ہے۔" شبلی نے جائزہ لینے کے بعد انہیں یاد دلایا تھا۔ جبکہ وہ دیکھ چکا تھا گولر کی ٹونٹی تھوڑی کھلی رہ گئی تھی۔ تمام راستے قطرہ قطرہ پال ٹپک کر پٹھانی کے تکیے کو بھگوتا رہا تھا۔ تکیے پر چونکہ بچوں کے سر تھے اس لیے پٹھانی اس سے باز آتے تھے۔ اس کے چند گھنٹے میں آسمان کو ہاتھ نہیں کیس خون دیر لڑائی دیکھنی تھی۔ پٹھانی کی صحت اور وادی کی

زبان اللہ اللہ۔

"وے میوں نہیں ہا" میوں اپنا پانی چاہئے۔" وادی کا جلال اور ضد و گول عروج پر تھے۔

"خواتین حضرات ایک سیات کفر ہو چکی ہے۔ شاہ جنت واقعی ڈبے میں گھس آیا ہے۔ دیکھیے پٹھانی کا بھرا گولر جس میں وادی کی جان بھی گھسے ہوئے ہے۔ اگائے بیٹھی تھیں۔ اب بالکل خالی ہے۔ مجھے لگتا ہے ڈبے میں موجود سب سے بگڑا کار بندے کی شامت شلو جنت کے ساتھ آئے ہی ہوں ہے۔" وادی اوپنی آواز میں اعلان کر رہا تھا اور بار بار پیر پٹا کی طرف یوں دیکھ رہا تھا جیسے پچھتی تھامی تو پچھتی لگے ہی لگے۔ مگر رہا ہو۔ پیر پٹا کا دل جیزی سے دھک دھک کر رہا تھا۔ ہاں بھی اب تک جنوں کے نام وہ کئی نالہ کاریاں منسوب کر چکے تھے کسی کے گھر آگ لگی ہے۔ پیر پٹا نے اعلان کیا یہ انسانوں کی نہیں جنت کی کارروائی ہے۔ کسی کے ہاں ہو میں نہیں نہیں جنت کا تصور کسی کا سر پٹا ڈوب گیا جنوں کی شرارت اور واقع شاہ جنت آگیا ہے میں تو تری جان سے مارا جاؤں گا۔ ٹرین آہستہ ہو رہی تھی کوئی اسٹیشن قریب تھا پیر پٹا نے آؤ دیکھا نہ تاؤ بھٹ بدبودار کھسکا ہوا لور وور دازے کی جانب لپک۔ جیسے ہی ٹرین رکی دھم دھم سے میں پیر محترم یوں غائب ہوئے ہیں جیسے گدھے کے سر سے سینک۔

"یہ شاہ جنت کو میں بڑھی ہی مذاق کرنے کو ملی تھی۔ سارا پٹا لی گئے ہیں میرا۔" وادی کو یہ شرارت پسند نہیں آئی تھی۔

"شکر کریں پالی اکیا پیا ہے، خون نہیں لی گئے آپ کا۔" شبلی نے آہستہ سے کہا تھا اور وہ بڑی زور سے اچھلی تھیں۔

"میرا خون اکر کیوں۔ میں نے کیا ان کی سچ (بھیں) کھول لی ہے۔"

وادی دیر تک اوپنی آواز میں آہیں بھر بھر کے اپنے گولر کو دیکھتی رہیں۔

"اب کے اسٹیشن آئے گا تو میں بھر کے لاؤں

بدمعز لیڈی دانی مرضہ ہے۔ ایسے ہی ہواؤں
سے لڑتی رہتی ہے۔

”دانی مرضہ یعنی پاگل۔“ پشمالی گھبرائی۔
”نہیں۔ ایسے پاگل یا گل بہار عورت۔“

”دوئی خدایا کہیں یہ بیماری میرے بچوں کو بھی نہ
لگ جائے۔“ پشمالی بستر سمیٹ کر بچوں کو پکڑ کر سال
سے دروازہ سرے کو لے میں جا بیٹھی۔

”قاخرہ ذرا پتا تو کریہ دیر نیک شریف لڑکا ہے کون
آج کل ایسے ہمدرد بچے بھلا کہاں ملتے ہیں۔“ قاخرہ
نے کچھ دیر کسبہ اکرامت کے بعد اعلان کیا۔

”ہاں جی یہ تو میرا دور پرے کا رشتہ دار نکل آیا
ہے۔ بے چارے کی ماں بے نہ دادی کتا ہے تیرے
میں نے آپ کو ماں اور بہن نورانی صورت والی بزرگ کو
اپنی نالی اور دادی دونوں مان لیا ہے۔“

خواتین ڈائجسٹ

نمبر 750 - ستمبر 2014ء

دستِ کدوگر

نویسہ یاسمین



قیمت - 750/- روپے

نکاح نامہ

کتابستان اسلام آباد: 37 - 100/1 اسلام آباد - فون: 35071127

گا۔ ”انس نے تسلوے کر مزید نمبر دیا ہے۔“

”پوری زمین میں ایک ہی نیک منڈا ہے باقی
سارے مذلیل جیسی ہیں۔“ یہ رائے دادی کی تھی جس
سے عشا کو پورا اتفاق تھا۔

زمین کی رفتار اچانک کم ہونا شروع ہو گئی ہے اور پھر
مزید ہوتی چلی گئی ہے۔ ایک قنیف سا جھٹکا لگا اور زمین
ویرانے میں دگ گئی۔

”کیا ہوا ہے؟“ سب نے ایک دوسرے سے
پوچھنا۔

”شاید شاہ جنات کی کارروائی ہے۔“ کسی نے کانپتی
تواڑ میں گہک ماحول پر ایک دم سے خوف چھا گیا اتنے
میں زمین کے عملے نے اعلان کیا۔
”ہن لیل ہو گیا ہے۔“

”وے ہر غرق ہو خیر! انجن لیل ہو گیا ہے“ اوپر
کوئی جگہ ہے لیل ہونے کی ڈور لاندی ویرانہ ہے جہاں کو
آگے مسافروں کی حفاظت تیار ہو کرے گا۔ ”دادی کی
جھاٹ بڑھتی جارہی تھی۔“

”ہو رہا ہے پھو کے گھر عید منانے“ رعنا
جل کے بولی تھی۔

چپ کر جا“ ایسے دے میرے منہ نہ لگیں جھٹ
مار کے وانت باہر نکال دلا گیا۔

”کیوں بولوں؟“ اچھے بھٹے گھر بیٹھے تھے پتا نہیں یہ

فضول خیال کیوں کیا آپ کے ذہن میں۔ ”ذرا سی
جگہ پر بیٹھے بیٹھے رہتا ہر طرح تھک چکی تھی۔ دادی
کا جلال لیل کا شکر ہوا اور انہوں نے ہاتھ سمجھ دیا۔

پر کاش نہ گھماتیں۔ بغیر نیک کے بے چاری محصوم
دادی رعنا اور پشمالی میں تمیز نہیں کر سکیں۔ دادی
کا ہاتھ خند میں اوٹھتی پستو میں زمین والوں کو گلابیاں
دیتی پشمالی کے چہرے پر ہڑا۔ پھر اس کے بعد چہ اعلیٰ
میں روشنی رہتی ہو انس درمیان میں نہ آجائے۔

دادی پر آنے والا ہر وار اس موم میدان نے اپنے
چوڑے سینے پر تھپا اور دادی کو ان مناظر کی کشمکش رعنا
نے ایک کی چہرہ لگا کے سٹائی۔ بڑی مشکل سے جو دادی
نے پشمالی کو یہ کہہ کر نیک کے بیٹھے پر مجبور کیا کہ یہ

"بسبب یہ ٹریا کو نہیں بچتے تو اسے سوٹا دے گلہ اس میں سے ایک انگوٹھی تب اٹھا لیا۔" شبلی نے تسکین کیا۔

"میں نے بچتے تو اسے۔" واوی کی آنکھیں پوری کھلی گئیں۔

جواوی نے اس کو انگوٹھی پہنائی، جواب میں اس نے گلے میں پڑی چین جس پر آئی لو پو نکلتا تھا۔ رعنا کے گلے میں ڈال دی۔ تمام ڈبہ مبارک باد کے شور سے گونج اٹھا۔ واوی کو اچانک خیال آیا۔

"نی فاخرہ تو کیوں بھول گئی ہے۔" تیرا ایک مجازی خدا بھی ہوتا ہے اور ایسے موقع پر اس کی رائے بہت ضروری ہے۔"

"اس کی رائے فاخرہ آگئی تو اسے لے چکی ہیں۔" جواوی نے سلی کرائی۔

ریلوے سٹیشن میں نے انہیں ٹھیک ہونے کی خوش خبری سنائی۔ اب کہ ٹرین میں رنگ ہی کچھ اور تھا۔ مسافروں میں من چلے شادی، باد کے گیت گارے تھے، کچھ ناچ رہے تھے۔ جواوی، شبلی، دونوں کاموں میں پیش پیش تھے۔ بھارت بھارت کی بولیاں بولنے والے۔ نسل نسل کے لوگ اس وقت سب ایک تھے۔ رعنا اور اس کی خوشی جیسے من سب کی خوشی تھی۔ پھلانی کے بچے پشیمیت گارے تھے۔ گندو پنپ اور وہیں راگ

الاپ رہے تھے۔ کچھ نوگ، پچھلے کچھ سرائیکی میں نغمہ سرائے تھے۔ ٹرینوں میں ایک ہی تھے۔ محبت کے دفا کے امیدوں کے رنگ لیے۔ وہ سب ایک ہی بات کہہ رہے تھے۔ ایک سے جذبات کا اظہار کر رہے تھے۔ عید سے پہلے عید ہوئی تھی۔



"صدقے باؤں۔" واوی جذبات کی رو میں بہہ گئیں۔

"جواب بھی بہت اچھی ہے۔" واوی نے ہنس کے کان میں ایک اور خوشی بتائی۔

"گو میں نے بچے کی کتابیں تمہاری کھانی ہیں۔" "آپ نے نہیں کھائی، نہ کھاؤں۔ آپ کی یہ چوری چوری تو کھا سکتی تھ۔" شبلی نے رگڑ گئی۔

"کھائیں یہ تو ٹریا کے دیو۔" "ٹریا کا دیو ایک لڑکی کے پیچھے ٹریا کا سارا زیور لے کر گھر سے فرار ہو گیا ہے۔"

شبلی کو کیا پتا کون ٹریا کون دیو رہیں زمین میں کھجلی ہوئی تو بول دیا۔

"بائے میری بچی، میری ٹریا، سارا زیور لے گیا اور منحوس ٹکٹ چنا۔" واوی کو تو غش پڑنے والا تھا۔ تب واوی نے کلاں میں درس کھولے۔

"یہ تو جوان کھتا ہے، میری لہلہ اور واوی بہت سا زیور تھوڑا کر مری ہیں، اگر میرا رشتہ اس باغزت، مہرزا خاندان میں ہو جاتا ہے تو میں سارا زیور ٹریا کو، پیسے کے لیے تیار ہوں۔" اس نے گھر آکر نفی میں سر ہلاتا چلا۔ لیکن شبلی نے پیچھے سے اس کے بال پکڑ کر یہ کوشش

نا کام بنادی۔

"فاخرہ میری تو کمبخت ہے، کبھی دھماکتی ہے۔" "تو بھی طرح طرح کے جیالو کا لٹاوی میں لینے کے قابل تو ہے۔"

"بل جی، جی، سو فیصد قابلیت رکھتا ہے۔ میرا خیال ہے ٹیک کام میں وہ نہیں کرنی چاہیے۔" یہ کہتے ہوئے فاخرہ نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا۔

جواوی نے بڑھ کر واوی کی موٹی موٹی انگلیوں میں سے سب سے موٹی انگلی سے ایک سونے کی انگوٹھی اتاری اور اس کو پہنائی۔

"اے میری انگوٹھی۔" واوی کو یہ بات پسند نہیں آئی۔

سفیہ عمیر

راز نگہ

راج سوہرے کی بھڑی دھوپ دیکھ کر اس کی تمام
عسستی چشم زدن میں لا رہی ہوئی۔ وہ آواز کر ایک
جمہور کے سے باہر نکلتے گئی۔ سب کچھ بہت پر سکون
تھا۔

"سیلو" ماہم نے آواز دھکی جو کلرا کر گونجنے لگی۔
وہ اپنی نئی گواہی من کر رہی تھی۔ اسے یوں لگا جیسے
پہاڑوں نے ہم نہیں ہو کر اس کی پکار کا جواب دیا ہو۔
"سیلو" اس نے پہاڑوں کو دوبارہ آزمایا اور ایک بار
پھر صاف دیکھنے اس کی تائید کی۔ اسی لمحے پانچ سالہ ماہم
نے پہاڑوں سے روکتی کرلی۔

خاموشی بہت عجیب شے ہے۔ جب اندھیرے
جنگلوں میں کوئی ہے تو دل دہلا دیتی ہے۔ جب سبزے
سے لدے پہاڑوں پر رقص کرتی ہے تو لطیف موسیقی
ہیں جاتی ہے۔ مطلب خاموشی جس روپ میں بھی ہو
"اپنا ایک منفرد آواز رکھتی ہے جس سے یہ شہر دنیا تمام
عمر تاوانف رہتی ہے۔

اس روز زندگی میں پہلی بار ماہم نے خاموشی کی آواز
سنی تھی۔ اس آواز کا اپنا ایک سہ جود تھا جو اس قدر واضح
تھی کہ ماہم کی بیداری کا سبب بنی۔ آنکھیں ملتی رہ
رہی تھیں۔ شہنم میں دھن توڑیں رنگ پہاڑوں

مکمل تافل





دروازے کے باہر تویریں تنی پڑھ کر ہی غائب ہو جاتا
کیوں کہ اس پر چلی حریف میں لکھا تھا۔ "ہورا نگ
اسکول فار گرلز مرزا"

کمرے میں داخل ہو کر اس نے گردن اٹھا کر کمرے
کا جائزہ لیا۔ ہلکے سبز رنگ کی دیواریں۔ بڑی بڑی
دھبے والی کھڑکیاں کمرے کو روشن کر رہی تھیں۔
ساتھ ہی دیواریں ایک لمبی چوڑی پینٹنگ موجود تھی۔
تصویر کے عین نیچے آئینہ لگا تھا جس میں کوئلے کی
جگہ گیس کا ہیٹر نصب کر رکھا تھا۔ اسکول نے کھیل
مبامثل اور تعلیمی مفید فن میں جو اصلاحات حاصل کیے
تھے وہ ایک شرافت میں چمک رہے تھے۔ کمرے کے
بچ میں لکڑی کی میز پر پھولوں کے گلدان کے پاس ایک
اور تنی موجود تھی۔

"سنٹر گریس۔ پرنسپل۔"
"فائل اتم جاؤ۔" سنٹر گریس نے انگریزی لہجے
والا اردو میں کہا۔

"ماہم! آپ میرے پاس آکر بیٹھو۔" وہ نہایت
ہمدرد اور محبت کرنے والی ہستی تھیں۔
"آپ کو معلوم ہے کہ اس اسکول کی سب سے
کم عمر اسٹوڈنٹ ہو۔" وہ جواب کی منتظر تھیں انہماہم
کے لیے سوال نہیں معلومات تھی۔

"ریسے تو اسکول میں ۸۸ درجہ نہیں دیا جاتا، مگر
میں چاہتی ۸۸ آپ ان گریڈ کی چھٹیوں میں خوب
پڑھائی کریں تاکہ آپ اپنے سے بڑی لڑکیوں کے
ساتھ قدم ملا کر چل سکیں۔ میں نے آپ کے لیے ٹائم
نیمل ترتیب دیا ہے تاکہ آپ کئی نئی چیزیں سیکھ سکیں
اور آپ کا وقت بھی اچھا گزرے۔" سنٹر گریس کے
ہونٹوں پر خاموشی میں بھی ایک مسکراہٹ قائم رہتی
تھی۔

ماہم نے بہت معصومیت سے فن کی تمام باتیں
سنیں اور آہستگی سے استفسار کیا۔
"باقی لڑکیاں کب آئیں گی؟"
سنٹر گریس کی مسکراہٹ دھیمی پڑ گئی سانسوں نے

"ماہم! منہ ہاتھ دھو کر کچن میں آجاؤ۔" پشت پر
ایک پختہ زمانہ توناؤ نے اس کو مخاطب کیا۔

ماہم فرماں برداری سے واپس اپنے کمرے کی طرف
مڑ گئی۔ پکرا چھوٹی رات ہی اس کو مانتا تھا۔ اس سے
سکے وہ اپنے اوپر م میں رہتی تھی جہاں اس جیسی کئی
خفگی یہاں تھیں۔ کمرہ سب اپنا سامان پاندھ کر اپنے
گھر والوں کو جانچکی تھیں۔ اس لیے ماہم کو بھی اپنا کمرہ
بدلتا ہوا۔ نہایت سادہ سا کمرہ تھا جس پر ماہم کی شوخی
کا ابھی اثر نہیں ہوا تھا۔

ماہم پھر تنی سے کہاں تبدیل کر کے کچن کی طرف
لگی۔ تباہی نے اس کو دیکھا تو فریال چمن جو لمبے پر رکھا
لوہ انداز تلنے لگیں۔ یہ بھی اس کے لیے نیا تجربہ تھا۔
اس سے پہلے ہاشم لڑائی میں لگتا تھا اور اس کے ہاتھ
کرکھانے کا کوئی تصور نہیں تھا۔

کمری پر ہاتھ کر رہی تھیں کھانا بنانے لگی۔ اس نے میز
سے پیٹ اٹھا لی تو چمکتی ہوئی سطح پر اسے اپنا عکس نظر
آ گیا۔ اس نے اسی چمک میں دیکھتے ہوئے اپنے ہال
درست کیے۔ اپنی بائیں آنکھ کے اوپر چوٹ کے نشان
کو دیکھا۔ بائیں آنکھ کے اوپر چوٹ والی جگہ معمولی سی
کمری تھی اور ہال جلد سے لپیٹا۔ رنگ میں فرق
ہونے کے باعث یوں نظر آتی تھی جیسے تین چہلو والا
کوئی پھول ہو۔

تباہی نے پیٹ بندھی کر کے اس پر گرا کر مایہ
رکھ دیا اور فاصلے پر کھڑے ہو کر اس کے فاصلے ہونے کا
انتظار کرنے لگیں۔ اس سے قبل ماہم اور اس جیسی
باقی لڑکیوں کے معمولات کھنٹی کے تابع تھے۔ آج پہلی
بار مذاات ماہم کے تابع ہوئے تھے۔ جس نے اسے
اس احساس میں مبتلا کر دیا کہ وہ ایک شہزادی ہے جو
اس پر شکوہ تلنے میں پس رہی ہے۔

مشتے کے بعد شہزادی صاحبہ کی شہلی سواری ملک
عالیہ کے دربار کی طرف رواں ہوئی۔ دروازے کے
پاس پہنچ کر تباہی نے ماہم کا فراک ہاتھ سے سنوارا۔ اگر
وہ باقاعدہ پڑھنا جانتی تو اس کا شہزادی کی کہانی کا تصور

”وہ بہت جلد واپس آجائیں گی۔“ مسٹر گرہس نے
 روٹا ہوا مسکراتے ہوئے جواب دیا۔ وہ انہیں دیکھتی
 رہی۔

ابتداء میں باہم سسز کریں گے جسے ایک ذرا داری
 تھی جس کو خوش اسلوبی سے انجام دینا چاہتی تھیں
 پھر باہم وہ بھی بن گئی جو ویران درو پوار کو اپنی بیٹی اور
 آستی سے جان داری بنا رہی تھی۔ جو دن کے آغاز پر وہ ذکر
 پنا اجازت ان کے کمرے میں ٹھکن آتی اور گھوم کر اپنا
 فراک دکھاتی اور دن کے اختتام پر وہم کام لے آتی اور
 ہر صبح پر شلاش بنو رہی۔ سسز کریں ہمیشہ سے نرم
 دل تھیں۔ دیگر طالبات ایک روایتی فاصلے سے ان
 سے کام کرتی تھیں مگر باہم نے فاصلے سمیٹ دیے
 تھے اور سسز کریں نے ایسا ہونے دیا تھا۔

یورڈنگ کے ماحول میں عجب سا سکوت ہمہ وقت
طاری رہتا تھا۔ اسی سکوت سے اس کا نیا تعلق پروان
چڑھنے لگا۔ فلیٹ سے اسلام آباد کا تمام شہر نظر آتا
تھا۔ یورڈنگ کی کوچنی نیچی زمین پر ایک بڑا ہموار
سینٹ کا فرش بچھا تھا۔ اس کے ایک طرف سرخ
تر جمی چھتوں والی عمارت تھی اور دوسری طرف گھرنی
میں جاتے ہوئے پہاڑ تھے۔ اس کو سب فلیٹ کہتے

تجھے رات کی تاریکی میں جب دارالعلوم کی جلیں
جلتیں تو لڑکیاں کچھ نہ کچھ نقشہ بنا کر شہر کی حد تک
لیٹیں۔ جب موسم بالکل صاف ہوتا تو قیصل مسجد
اُھوٹنے میں کامیاب بھی ہو جاتی تھیں۔

گروہم کر رہی پر سنسن کر لیں۔ بیٹھی تھیں۔ قریب ہی زمین پر باہم گھٹنوں کے مل بیٹھی کاغذ پر عمارت کا منظر اتر رہی تھی۔ وہ چھوٹی سی عمر میں وہ کام کر رہی تھی جو کئی ماہر افراد نے بہت سارے بارے کے بعد انجام دیا تھا۔ اس کی ٹانگیں صلیب پر واضح تھیں۔

گر لیں گورو کھائی۔
"یہ دیکھیں۔" آپس نے تصویر محل کر کے سسٹر

”بیوقوفی قفل“ انہوں نے حسبِ عادت مسکراتے ہوئے کہا۔

"شیریں کہتی ہے کہ اس کا گھر اس جگہ پر ہے۔"
 باہم نے سسڑ گریں کی نظموں کا تعاقب کر کے ولوی
 میں اُشان کیا۔ اس کے ہاتھوں پر جگہ جگہ واٹر ٹرنگا ہوا
 تھا۔ چھینوں میں یہ اس کا معمل بن گیا تھا۔ سسڑ

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف
سے بہنوں کے لیے خواہشوریت مائل



五

قیمت: 400 روپے

10

مکتبہ عمران ڈائجسٹ

32735021

14-00000-37

پیشہ شعلہ اگست 2014 115

پچھلی میٹ پر ماہم ہند کھڑی ہے چہرہ ٹکائے باہر دیکھ رہی تھی۔ ہر پانچ منٹ بعد منظر بدل رہا تھا۔ چکرانی لڑائی سڑک صرف دیکھنے میں ہی پرکشش تھی۔ ورنہ وہ سر چکراتا کہ معدے سے خوراک باہر آئے لگتی۔ ماہم نے پرس میں ضرورت کا سامان رکھا تھا۔ پانی کی بوتلی، سیب اور کچھ جیسے جو ہر چھ ماہ بعد اس کو ملتے تھے۔ شہر شروع ہوا تو ماہم نے کھڑکی سے فطری مٹی اور وند اسکرین سے دیکھنے لگی۔

ایاز نے ایک پوش خانے کی ملاکٹ میں پہنچ کر دین روک دی۔ ماہم نے گاڑی سے اتر کر نظر اٹھا کر پانڈس اور پیچی کی برکاتوں کی قطار کو دیکھا۔

حکفہ ایک کھن کی طرف چل دی۔ ماہم چند لمحوں کے لیے اندر اسیلے میں موجود پتلوں کے انداز میں ہاتھ اٹھائے سالت گھڑی اور گئی۔ یہ اس کے بے ضرر تھیلے تھے جو اس نے جھانکی میں سیکھے تھے۔ حکفہ نے چٹا کر پکارا تو ماہم ورنی دروازہ و تھیل کر اندر کی طرف دوڑی۔

"اس بچی کے ناپ کے کپڑے چاہئیں۔" حکفہ نے سیڑ گرل کو بتایا۔

سیڑ گرل نے جھک کر ماہم کا کھل بچھٹایا اور ہاتھ پکڑ کر دیک کے قریب لے گئی اور ایک منٹ بعد ایک فراک اٹھل کر دکھائے لگی۔

ماہم فراک لے کر اسٹور میں جاتی۔ پس کرچیک کرتی پھر وڑتے ہوئے واپس آجاتی۔ تمام شاپنگ اس نے اسی طرح اپناتے کودتے کرلی۔ حکفہ ہر دکان پر رسید سنہیل گئی جو اس کو جمع کرواتی تھی۔ تین گھنٹے بعد ماہم کی لاسٹ سے تمام چیزیں کٹ چکی تھیں۔

"شاہ زیب اور مکمل رخ کے لیے بھی ہاتھ سے لیں۔ پھر واپس چلتے ہیں۔" حکفہ نے اپنے بچوں کے ہاتھ لیے۔

"وہ تو روز بھر جاتے ہیں۔ وہ سب خود لاسکتے ہیں۔" ماہم نے کہا۔ مری کے زیادہ تر بچے اسکول کی چھٹیوں میں نورس اسپتال پر جا کر مختلف نوعیت کی چھوٹی موٹی کامیوں کرتے تھے۔ شاہ زیب بھی پہلے بنائے والا

بول۔ "میرا گھر ہی ہے۔" انہوں نے آہستگی سے ماہم کا گلہ چھوا۔

"میرا بھی یہی گھر ہے تو کیا آپ کا بھی کوئی رشتہ دار نہیں؟"

سسز گرل نے اپنے بائیں ہاتھ کی چو تھی انگلی میں پسنی سنہری انگوٹھی کو کھمایا۔ یہ انگوٹھی ان کو دنیا ترک کرنے کے لیے سنائی گئی تھی۔ یہ کہہ کر کہ اب ان کا واحد رشتہ یسوع مسیح سے ہے۔ وہاں زیادہ تر نرس آئرلینڈ یا انڈیا سے آئی تھیں۔ دو سال بعد وہ اپنے ملک کا چکر لگاتی تھیں۔ مگر ورنی نے ان رشتوں سے تعلق بہت کمزور کر دیا تھا۔ ماہم نے سسز گرل کو سوچ میں گم رکھا تو کبھی وہ رنجیدہ ہیں۔ اس نے اپنے بچوں پر کھڑے ہو کر ان کو گلے لگایا۔

"میں آپ کے ساتھ ہوں۔ ہم ایک دوسرے کی فیمل ہیں۔" سسز گرل نے تمام تعلقات اپنی مرضی سے قطع کر کے آگئی تھیں اور اب ماہم ان کے گرد و نیلوی رشتوں کا بیل بن رہی تھی۔

"ماہم! آپ اس شہر کو قریب سے دیکھنا چاہو گی؟" انہوں نے آہستگی سے ماہم کو الگ کیا۔

"ابن جائز؟" ماہم نے آہستہ سے پچھا! کر تصدیق کی۔

"اسکول کھلنے سے پہلے سنے کپڑے چھوٹے وغیرہ لے کر۔ حکفہ اور ایاز آپ کو لے جائیں گے۔"

"ٹھیک ہے۔" ماہم خوشی سے اچھلنے لگی۔

"چلو ہاتھ منہ دھو اور سوچ کے بعد فہرست پڑھنا۔" سسز گرل کرسی سے اٹھ کر اندر کی طرف چل دیں۔

نئی دین چڑھائی اترتے ہوئے چھکولے کھا رہی تھی۔ یہ گاڑی بورڈنگ کی ملکیت تھی اور ایاز اس کا انیشل ڈرائیور اور حکفہ کا خاوند تھا۔ ایاز کھلتا رہا تھا ساتھ حکفہ بیٹھی پیسے گن رہی تھی جو ماہم کے کپڑوں کے لیے ملے تھے۔

اپنی بیٹی تھا اور اکثر کسی سیاح کی تصویر اتار کر اور ہاتھ بھی کھینچتا۔

"گولی دو سراجیہ لائے تو اس کی خوشی اور ہوتی ہے۔" غنفہ نے اسے محبت کا احساس ہوتا ہے۔ "شگفتہ نے ہاتھ کو سمجھایا۔ ہاتھ نے اچھے بچوں کی طرح سر ہلاتا۔

اب وہ جس بازار میں گئے وہاں رش زیادہ تھا۔ دکانوں کے دروازے تو شیشے کے ہی تھے مگر زیادہ تر کھلے ہوئے تھے۔ جن پر کپڑوں، جوتوں کی نمائش ہو رہی تھی۔ اسے سی نہیں تھے۔ اکثر دکانوں میں کھڑکھڑاتے عجیبے چل رہے تھے۔ سبز گرل نہیں تھی۔ بس ایک یا دو توئی چیزیں نکال نکال کر دکھاتے اور وہی رقم وصول کرتے۔ اس رش سے دور فاصلے پر ایک دکان تھی جہاں صرف دکان دار موجود تھا۔ اس دکان میں سکونا اور تھیلی بالکل سبز گرل کی شخصیت جیسی تھی۔

شگفتہ کسی کپڑے کی کوٹائی پر بحث کر رہی تھی کہ معیار کے مطابق قیمت بھی بلکی کر۔ ہاتھ خاموشی سے اس دکان میں چلی گئی۔ وہ کاسینکس شاپ تھی جس میں رنگین اور خوشبو دار بوتلیں بھی ہوتی تھیں۔

"مجھے اپنی سبز گرل کے لیے تحفہ چاہیے۔" ہاتھ نے دونوں ہانڈو کھٹکھٹ کر رکھ کر کاندار سے کہا۔ دکان دار اپنا کام چھوڑ کر اس کے قریب آگیا اور باری باری کئی چیزوں کے نام لیے جو ہاتھ کو پسند نہیں آئے۔ وہ بچی سے کھیل کی غرض سے ٹیل پالش لگا کر ٹیسٹ کرنا مارا۔ جب اس کی دس انگلیوں پر دس رنگوں کی ٹیل پالش لگ گئی تو اس نے ہنس کر ایک امپورٹڈ نیل پالش پسند کی۔

دکاندار نے قیمت بتائی تو ہاتھ نے برس کھول کر نوٹ کھٹکھٹ کر رکھ دیے۔ برس سے اگلے نیلے نوٹ اس کے مزاج سے میل کھاتا ہے۔ تب اس لیے دکاندار نے ایمانہ لاری سے گنتی کر کے پتہ پر قہوا پس کروی۔ "ہاتھ تم لوہر ہو" میں تو ڈونگنی تھی۔ "شگفتہ باپتی ہوئی آئی اور ہانڈو کھینچ کر ہاتھ کو باہر لے گئی۔

اصل میں ہاتھ بھی سوچ کی روشنی میں ہی تھی۔ ہاتھ سبز گرل کے کمرے کی طرف بھاگی۔ ہاتھ چاہے جتنی جلدی بھی اٹھتی۔ سبز گرل کے پہلے سے اپنے کپڑوں میں مصروف ہو گئی۔

ہاتھ نے انہیں دیکھتے ہی تیزی سے سڑکا دل دھڑکا پھر غنفہ بڑھا کر بولی۔

"اچھا ہے نا؟" "بہت اچھا ہے۔" سبز گرل نے بغیر ہنسنے کے بڑے باتھ پیپر ل۔

"اس کو بائین پر لگاتے ہیں۔" ہاتھ نے اپنی رنگین انگلیاں دکھائیں۔

"ٹیل پالش سنگھار کا حصہ ہے جو میں دنیا کے ساتھ ترک کر چکی ہوں۔" ہاتھ کا چہرہ مرجھا گیا۔

"آپ میرے لیے تحفہ لائیں میرے لیے کافی ہے۔ میرا سب سے بڑا تحفہ تو آپ ہو جو میرے ساتھ رہتی ہو۔"



ماحول میں جیسے سحر کا سحر تھا جو توئی کو پر سکون کر دیا تھا۔ اکثر رات دیر تک جاگنے کی عادت کے باوجود صبح جلد اٹھنے کا عادی تھا۔

جرمنی میں جب وہ تنہا ہر قسم کے سہرے اور بدھن سے آزاد تھا تب بھی وہ صبح کی جانگ ضرور کرتا تھا اور اب پاکستان آکر بھی اس نے یہ عادت قائم رکھی ہوئی تھی۔ اب تک وہ اپنے گھر کے قریبی پارک میں جایا کرتا تھا مگر آج اس نے شہر کے بڑے پارک کا رخ کیا تھا جس کی بڑی شہرت ہی جلد بیدار ہونے والوں کی اور رش تھی۔ واک مین کلن سے لگا کر وہ اور گرو سے بے خبر ہو کر جانگ کرنے لگا۔ کلن ویر بعد جب وہ سینے سے شرابور ہو گیا تو سانس بحال کرنے کی غرض سے ایک بیچ پر بیٹھ گیا۔ کانوں سے واک مین نکلا تو کچھ دیر تیز میوزک کے اثر سے کان سانس سانس کرتے رہے۔ سانس بحال ہوئی تو بائیں آواز جو اس نے سنی وہ کمرے کے مخصوص کلک اور فیش کی تھی۔ اس نے



لوگوں کی تصویر اتارنا آپ کی عادت ہے؟" توئی نے لہجے میں شرارت بھی تھی اور طنز بھی۔
 "یہ کیرا مہات کام کی چیز ہے۔ انسان کو روکا دیتا ہے جو وہ خلی آگے سے نہیں دیکھ پاتا۔ توئی کی جلد کی تنوں کے اندر تک کی حقیقت کھل کر واضح ہو جاتی ہے۔" لڑکی اب کمرے کا فریم آری کی کلائی پر تھام رہی تھی۔

"اس کمرے سے یہ پتا چل جاتا ہے کہ صبح سویرے اٹھ کر تروتازہ ہل سنا کر آئے تو والا امیر لڑکا! امپورٹڈ جاکر زاور مشٹریک سوٹ پہن کر اگر جائنگ کر کے نکلا ہو تو یقیناً سماجی زندگی کے اس مرحلے سے گزر رہا ہے۔ مجب اپنی شخصیت کے اظہار کے لیے اپنی ذات سے زیادہ لباس پر بھروسہ کیا جاتا ہے۔" لڑکی نے آری کی منگنی گھڑی کی تصویر لے کر طنز اور شرارت سے کہا۔

"آری نے سر سے پاؤں تک لڑکی کے بے ڈھنگے حلیے کی طرف دیکھا۔
 "کمرے کی آگے نے جو دیکھا اس کے سمجھنے میں رکھنے والے کی عقل کا بہت عمل دخل ہوتا ہے۔ یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ اس لڑکے کی شخصیت وہی اتنی نیچور کہ اپنا لباس اور منور سے ہال اس کی روئین وہ منسوخی تیار ہی نہیں۔" آری نے فوراً جواب دیا۔

"ایسے لوگوں سے میں مل چکی ہوں۔" اس کا چند منٹ میں بے لطف ہونا غافلہ تو فتح آری کو بڑا نہیں لگا تھا۔

"طیہ و تہ لڑ لگتا نہیں شاید بہت دور کی واقعیت ہے۔" حلیے پر پڑت کرنے کی باری اب آری کی تھی۔

"میں بہت عقل مند ہوں۔ میرے لیے ایک ملاقات ہی شخصیت کو پڑھنے کے لیے کافی ہوتی ہے۔ جیسے میں نے کمرے کی آگے سے آج یہ دیکھا کہ موصوف میں امیر ہونے کے باوجود دانش مندی کی کچھ کمی ہے۔"

چونکہ کروہ کھا تو قریب ہی ایک لڑکی اپنے کمرے سے پھیلاؤں کی تصویریں لے رہی تھی۔ تھارو گرو سے اظہار ہو کر کبھی وہ گھنٹوں پر بیٹھتی تو کبھی بالکل نشن کے قریب آجالی اور اپنے پسندیدہ زلوٹ سے تصویر اتارتی۔ توئی کو اس کے حلیے پر حیرت ہوئی۔ اس کا جدید سٹائل کے کسی ایسے گھرانے سے ہونے کا پتا دیتا تھا مگر اس کا طبع اس کے بالکل برعکس تھا۔ لہذا وہ ابھی نوکرا بھی تھی۔ اس کے اچھے ہال جیسے زیروستی ہیرینڈ میں جھڑے ہوئے تھے۔ سلوٹ زور ڈھیلا کرتا اور پاجاما۔ "یقیناً" شب خوابی کا لباس تھا۔ جس پر پھلکی رنگت کا اوپن اور ڈھاوا تھا جو باقی لباس سے بالکل میل نہیں کھا رہا تھا۔ البتہ جوتے اس نے اپنی ضرورت کے عین مطابق پہنے تھے۔ مضبوط اور مکمل بند۔ گویا پیر پھٹے سے نکلے صرف کمرے اور ہوا تو اس پر توجہ دی گئی تھی۔

توئی نے نظریں اٹھا کر اپنے باؤں میں ہاتھ پھیرا تو بچے نم ہو چکے تھے۔ گلک اور فیش کی تو اڑ رہا ایک بار پھر چوتھا۔ اب کافی نزدیک سے تھی۔ اس نے دیکھا تو لڑکی اب کھلی نزدیک سے گھنٹوں کے بل بیٹھ گئی۔ اس کی تصویر لے رہی تھی۔ وہ اس مزاج کا نہیں تھا کہ اس کی اس حرکت پر شہرہ آفاقا نظر ایک پر سکون دانی لے کر ارباب کو نے پر اس کو غصہ ضرور آیا تھا۔ اس لڑکی نے بغیر وقت ضائع کیے ایک اور تصویر لی۔ آری نے چہرہ پر لے کے لیے منہ کھولا ہی تھا کہ لڑکی نے اپنے چہرے کے سامنے سے کمرہ اٹھایا۔ اس کے چہرے پر غصہ نہ تھا۔ کے بعد توئی نے اعتراض کرنے کا ارادہ ترک کر دیا۔

"آپ کا شوق ہے یا پیشہ؟" آری نے پچھا سے ٹیک لگا کر پوچھا۔

"یہ میری عادت ہے۔" لڑکی نے ایک بار پھر کمرہ منہ کے قریب لے لیا اور بات جاری رکھی۔

"جب کسی شوق کو پیشہ بنانے کی بات ہو تو پہلے اس کو عادت بنانا پڑتا ہے۔ میں بھی اسی دور سے گزر رہی ہوں۔" وہ اب تھوڑا لڑو یک اثر کر رہی تھی۔

"یعنی صبح سویرے اٹھ کر ایک کمرہ ختم کرنا بھان

لیتی بجائی اشیاء گارت کا بادیے تھے۔
نوی۔ نے میز پر مودود جگ سے فریش ہوں گلاس
میں ڈالی تھا۔

"آپ کو بیگم صاحبہ نے بلایا ہے۔" نو عمر ملازمہ
نے بھرتی سے کہا۔

آبی کو "علوم تھا کہ وہ اپنی آنس لانا انڈی میں
ہوں گی۔ دو چند ملی پہلے تک اس کے ابا کی بیشک
ہو کر لی تھی۔ کمرے کے دروازے پر غصہ کر آوی سے
اندر بھاٹکا اور حاتی انقیار حسین کو پیٹھے دیکھ کر اس کو
احساس ہوا کہ یہ ملاقات میں کے ساتھ نہیں بلکہ بیگم
رواق بیگم کے ساتھ ہے۔

ماتی صاحبہ ان کے ابا کی مخالفت کے دوران اور
وفات کے بعد بھی باقاعدگی سے کاروباری امور کا
حساب ختم صاحبہ کو کر دیکھتے تھے۔ آوی نے اندر
خونخیزوں کو سنا مگر نووری بیگم کے بدلے کے
بعد کر رہی تھی۔

"میں پاکستان آئے ہوئے کافی وقت گزر گیا ہے
مگر ہے کہ اب دفتر چنا شروع کرو۔" روفق جہاں
اپنے مختصر میں انداز میں بیٹھی تھیں۔ ان کی سیدھی
تھی کہ ان کے مزاج کی طرح تھی جو تکنوں کر رہی پر
نیشن کے بعد وہ بھی کر رہی کی پشت سے نہیں آتی تھی۔
"میں آپ کو پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میں اپنا انگ
کاروبار کرنا چاہتا ہوں۔"

"میں ان کی اجازت نہیں دوں گی کہ تم ابھی
نہیں۔ پہلے چند سال خانہ دانی کاروبار میں تجربہ حاصل
کرو۔" اپنی بات واضح کرنے کے لیے ان کو توار بلند
نہیں کر لی پر لی تھی کہ کی جنگی ان کی بات کو ورنہ کر
دیتی تھی۔

"مجھے ان شرتوں جام اچار ہوشامدون صافوں
میں کوئی دلچسپی نہیں۔ میں اپنے مرنے کے مطابق کام
کرنا چاہتا ہوں۔" قوی جملہ حاصل کر کے ایک سے کو
ڈر سنا کہ کہیں اس کی ہاں پر ہم نہ ہو جائیں۔

"تم جن چیزوں کا اس خمارت سے نام لے رہے ہو
وہ اس ملک کی سب سے بڑی اوم پروڈکس کمپنی

تھی۔ بہت جلد باڑے اور لڑکی کیا بات ہے جو
آپ کو اتنا غمگین بناتی ہے چنانہ چاہ کر بھی وہ اس
میں لگتا جا رہا تھا۔

"مجھ میرے فیصلے غمگین بناتے ہیں۔ جیتے کہ میں
نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جاتے ہوئے جب آپ اپنی
کاڑی کی چابی ہا کر مجھ سے کہیں گے کہ آپ کو کہیں
چھوڑوں تو میں فوراً انکار کر دوں گی۔"

"اس لیے تو آپ میں دانش مندی کی کمی ہے۔" یہ
کہہ کر لڑکی مسکرائی اور وہ انگلیوں سے سیلوٹ نما
اوراع کہہ کر گیت کی طرف پلٹ گئی۔ آوی وہیں بیٹھا
حیرت سے اس کو جانا دیکھتا رہا۔ لیا بھی نہیں ہوا تھا
کہ کوئی لڑکی آوی کو خاموش کر دے۔ البتہ لڑکیوں
کی اس کو دیکھ کر زبان ضرور لڑکھڑکاتی تھی۔

قوی نے فیصلہ نہیں کر پایا تھا کہ وہ اس لڑکی سے متاثر
ہو یا نہ ہو۔ مگر پہلی ملاقات میں اس نے کچھ تاثر
ضرور چھوڑا تھا۔ آوی کے لیے نیا تجربہ تھا۔

آوی نے بھی واپسی کی راہ لی۔ اس کی چھٹی
اسپورٹس کار اس وقت ملک کے صرف دو افراد کے
پاس ہی تھی۔ پہلے دروازوں کے بعد وہ پوش خانہ کے
کے وسیع طریقہ سے پرانے طرز کے مکان میں داخل
ہو رہا تھا۔ ملازم اپنے روزمرہ کے کاموں میں لگے
تھے۔ دروازوں کا ٹیوٹ و پور ہے تھے۔ ایک ملازم آوی
کو باہر رہا تھا اور قریب ایک ملازمہ لان کی کرسیوں کو
جھاڑ کر بیڑ پوش بدل رہی تھی۔ جس کا مطلب تھا کہ
بیگم روفق جہاں ناشتا کھول کر ہانگی ہیں۔ خوش گوادر
موسم کے باعث بیگم صاحبہ ان میں ناشتا کرتی تھیں
اور ان کے ناشتے سے پہلے نور احمد کرسیوں کو اچھی
طرح جھاڑ پونج کر چکا یا جاتا تھا اور ناشتا ختم ہونے سے
پہلے کسی ملازم کو وہاں آنے کی اجازت نہیں تھی۔

آوی ان سے گزرنا ہوا کہ وہاں داخل ہوا تو ایک دم
زمانہ ہی بدل گیا۔ باہر سے پرانی وضع کا مکان اندر
داخل ہوتے ہی "دو در" سے زیادہ چہرہ ہو گیا تھا۔
امپورٹڈ الیکٹرانک مہنگا فرنیچر جدید طرز کا روغن اور

ہے۔ جس کو تہمدی پھیل دلسلوں نے بہت محنت سے پروان چڑھایا ہے۔ تم نے باہر بڑھنے کی خواہش ظاہر کی میں نے تمہیں نہیں روکا۔ تم نے ہر بار اپنی منوائی ہے۔ اب وقت ہے کہ تم میری خواہش کا احترام کرو۔

”میں اب وقت ہے کہ تم اپنی خواہش کا احترام کریں۔“ آوی نے اپنا سب سے اہم سوا آگے کیا۔

روح جمل کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔ وہ ہمیشہ سے بلند حوصلہ اور ٹھوس کردار کی مالک رہی تھیں۔ شوہر کی زندگی میں بھی کاروبار اور گھریلو امور میں ان کی بدشاہت مکن مگر اپنے تمام فیصلے وہ پس پشت رہ کر منوائی تھیں۔ ان کی غلامت کے بعد روح جہاں کو براہ راست کاروباری امور دیکھنے پر سے پانچ سال قبل ان کے شوہر کی وفات کے بعد سب کا خیال تھا کہ وہ تمام امور جو ان بچوں کے حوالے کر کے پرسکون بیوگی گزاریں گی مگر انہوں نے سب کو غلط ثابت کر دیا اور کاروبار پر اپنی گرفت مزید سخت کر لی۔ وہ انہیں سے دور بیٹھ کر اس کو ایسے چالیں تھیں کہ کوئی پتا بھی ان کی مرضی کے بغیر نہیں ہوتا تھا۔ ہر کھانہ ان کی انڈی سے ہو کر گزارا تھا۔

یہیں تو ہی اور ان کا اختلاف شروع ہوا تھا تو ہی کو لنگ کاروبار کی ضد بھی اسی لیے تھی کہ وہ اپنی ماں کے محبت اور رعب بھرے شہنشاہی سے آزار ہو رہا تھا۔

”بارضامند شے کہ میں اپنا لنگ کاروبار کروں۔ بتوں ان کے“ میں نے جواب دیا ہے اس کا ایک پورا کسی اور زمین کو سرشار کرتے تو میں سمجھوں گا میں کامیاب ہو گیا۔“

روح نے دھمکے رک کر اپنی ماں کے تاثرات دیکھے اور جان گیا کہ وہ بات منوا چکا ہے۔ اس نے اٹھ کر سلام لیا اور گھر سے باہر نکل گیا۔

روح جہاں سرخ آنکھوں سے اس کو جاتے دیکھ رہی تھیں۔ وہ اس کی ترقی سے خائف نہیں تھیں۔ اس کے اپنی وجود سے خوفزدہ تھیں۔ اس کی حالت میں

ہمیشہ ایک بغاوت اور آزادی رہی تھی۔ وہ خود کو ہر ذمہ داری سے لائق سمجھتا تھا۔ اپنی شرطوں پر زندگی گزارتا تھا اور جو بات اس کی مرضی سے ہٹ کر ہوتی اس کو بدل نہیں سکتا تھا تو چھوڑ دیتا تھا۔ کوئی خواہش رشتہ یا شخص ایسا نہیں تھا جو اس کو کسی دوسرے کی خوشی کے بارے میں سوچنے پر مجبور کرے یا شاید ایسا شخص آج کا تھا مگر روح جہاں بے خبر تھیں۔

انہی صبح توی کو یوں محسوس ہو رہا تھا کہ وہ جا لنگ نہیں کر رہا بھاگ رہا ہے۔ ان ذہنیوں سے جو کبھی محبت رشتہ یا ذمہ داری بن کر اس کے پاؤں سے بندھ جاتی ہیں۔ اس کو کبھی کسی چیز کے لیے محنت نہیں کرنی پڑی تھی۔ آسانشوں نے اس کو دوسروں کی نظر میں بے حس اور اپنی نظر میں عمل مند بنا دیا تھا۔ زندگی مختصر تھی اور وہ اسے اپنی ہی ذات کے لیے بالکل سمجھتا تھا۔ دوسروں کی خواہشوں پر بیٹھا گیا اس کو ضائع کر دیتا تھا۔ اس نے ان خیالات کو سمجھنے کے لیے میوزک مزید تیز کر لیا اور روشنی زمین پر مزید تیزی سے ڈالنے لگا۔

اسی طرح وہ ڈرتے ہوئے اس کی نگاہ کمرے والی اس لڑکی پر پڑی۔ وہ آج وہ بچوں کی تصاویر کھینچ رہی تھی۔ بچوں کے ساتھ مکمل مل کر بچوں کی طرح باتیں کرتے ہوئے ان کو اپنے مطلوبہ انداز میں بٹھائی اور تصویر تیار لیتی۔ توی نے لمحہ بھر رفتار آہستہ کر کے اس کو دیکھا۔ آج اس نے ہلکے پلے رنگ کی شوار قمیض پہن رکھی تھی جو استری شدہ تھی۔ بال بھی سلجھے ہوئے تھے اور پہرہ بھی کھانا لنگ رہا تھا۔ اسی نے اس لڑکی کی نگاہ اٹھی اور اس نے توی کی نظر کا جواب مسکراہٹ سے دیا اور وہ بارہ بچوں کے ساتھ نکلن ہو گئی۔

روح کو پہلی بار احساس ہوا کہ اس لڑکی کے شخص جیسے تھے مگر رنگ سا نوا تھا۔ چند لمحوں کے تجربے کے بعد روح نے اپنی رفتار پھر بحال اور گراؤ بند کیا آخری چکر لگانے لگا۔ چکر مکمل کر کے وہ دوبارہ اس جگہ پر پانچا تو ہے بیٹھے کھیل رت تھے مگر وہ لڑکی موجود تھی۔ توی بھاگتے بھاگتے رک گیا اور نظر دوڑا کر

”سنیں! بات سنیں۔“ آوی نے غیر ارادی طور پر اس کو روک لیا۔

”ایش“ لڑکی نے مڑ کر توئی کو دیکھا۔ ”میرا ہم ایش ہے۔“

”آپ نے میری تصویر لیں تو شکریہ کے طور پر میں آپ کے لیے کچھ کر سکتا ہوں۔“

”تکر تو آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ اگر چاہیں تو۔“ ایش نے کہا۔

”آپ فرمائیں کیا چاہتی ہیں؟“ توئی نے مؤدب انداز میں پوچھا۔

”مجھ جیسی لڑکی آپ جیسے لڑکے سے اس وقت بھلا کیا چاہ سکتی ہے۔“ ایش نے شرارت سے کہا۔ آوی نے مشکوک نظر اس پر ڈالی۔

”ایسا شتا۔“ ایش نے منصوبیت سے کہا۔

”توڑی دیر بعد وہ آوی کی گاڑی میں بیٹھی تھی اور اسے راستہ سمجھا رہی تھی۔“

”مجھ جب بھی موقع ملتا ہے میں وہاں ملن پنے کھانے ضرور جاتی ہوں۔“ ایش نے بے مقصد مشغوری کی۔

”بچے ہاشتا یا کا چھاکا ہی پرند ہے۔ جو اس یا سلاٹس لے لیتا ہوں۔“ توئی نے وضاحت کی۔

”مثلاً اس لیے کہوں کہ آپ نے پہلے وہاں کے ملن پنے نہیں کھائے۔ غالباً“ شہر کے سب سے پرانے ملن پنے ہیں۔ روز روز نہ سنی میمنے میں ایک آدھ بار تو ضرور روایتی ہاشتا کرنا چاہیے۔“ ایش نے بے تکلف ہو کر کہا۔

”تبدیلی کو آزما لیتے ہیں۔“

”بس اوھر روک دیں۔“

توئی نے دیکھا۔ وہ شہر کی مشہور بلاکٹ تھی مگر زیادہ کانٹیں لگی ہوئی تھیں۔ جو تھوڑے بہت افراد موجود تھے ان میں زیادہ تر تعدلو چھاہوی، فروشی کی تھیں۔

”کہاں؟“

”وہ ٹھہلے والا۔“ ایش نے اشارہ کیا اور گاڑی

بارک میں چاروں طرف دیکھا۔ کہیں کوئی زرد لباس نظر نہ آیا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے دل کے کسی کونے میں مایوسی کے سائے منڈلانے لگے اس نے گاڑی کی چابی نکالی اور گہری سانسیں لیتے ہوئے پارکنگ لائٹ کی طرف چل دیا۔ گاڑی کے پاس پہنچنے تک اس کی سانس بحال ہو چکی تھی۔

”ہیلو“ وہ لڑکی اس کی گاڑی سے ٹیک لگا کر کھڑی تھی۔

”لوہ آپ لہائے۔“ آوی کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ تھی۔

”گھویا آج کیرے کی آنکھ سے جانے جانے کا شرف میری گاڑی کو حاصل ہوا ہے۔“ توئی نے شرارت سے کہا۔

”اتنی کھل نہیں ہوئی کہ بے جان چیزوں میں جان ڈال سکوں۔ میں آپ کا انتظار کر رہی تھی۔ آپ کی ایک امانت تھی میرے پاس۔“ اس نے چند بیگ سے ایک خاکی رنگ کا غلاف نکال کر آوی کو تھمایا۔

آوی نے غلاف کھولا تو پتہ چلے وہ اس کی تصاویر تھیں۔

”یہ تو آپ نے مشکل میں ڈال دیا۔ میں آپ کی فوٹو گرائی کی تعریف کروں گا تو کہیں آپ یہ نہ سمجھیں کہ میں اپنی تعریف کر رہا ہوں۔“ توئی اپنی ہی تصاویر دیکھ کر کالی متاثر ہوا تھا۔ تمام تصویروں میں بیٹوں سے پاک تھیں۔ چند ایک میں منہ جھٹکنے کے انداز میں کھول رکھا تھا۔ جس کے باعث ان میں حقیقت کا گہرا اثر تھا۔

”آپ کسی کی بھی تعریف کریں میرا جواب شکریہ ہی ہو گا۔ سبجیکٹ کا انتخاب میں نے ہی کیا تھا۔“

”میں کوئی لڑکی نہیں کہ آپ کو تصاویر نوٹاتی پڑیں۔ آپ یہ رکھ سکتی ہیں۔“ توئی نے تصاویر دوبارہ لٹکانے میں ڈال دیں۔

”میرے پاس نیکیٹو نہیں۔ آپ کو اس لیے دیں کہ ان پر آپ کا بھی حق ہے۔ میں چلتی ہوں۔“ وہ لڑکی مڑ کر ٹیک کی طرف بڑھ گئی۔

اس کے قدموں کے ساتھ ساتھ آوی کی بے چینی بڑھ رہی تھی۔

"تپ چاہیں انکار کریں مگر انسان کا ظاہر وہی ہوتا ہے جو بس کا باطن ہو۔" آوی لطف اندوز ہو رہا تھا۔
 "بے شک لیکن ایک مدت کے بعد ایسا ہوتا ہے۔
 ایسا قابل قبول صرف تب ہوتا ہے جب باطن نے ظاہر کو تراشا ہو۔ مگر انوس اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ اسوں گھرانے تمام تر توجہ لڑائی کے ظاہر کو دینے لگتے ہیں۔ یہ پروا نہیں کرتے کہ اس کو سچ اور جھوٹ میں تمیز کرنا آتی ہے کہ نہیں پر اس کو لپس پسنا ضرور سکھایا جاتا ہے۔ ملازموں کے ساتھ برتاؤ کرنا نہیں سکھاتے پر رپورٹ کارڈ پر پورے شمار کس چاہیں۔ اس طرح ان کو یہی درس ملتا ہے کہ باطنی زندگی کو ظاہری خوبصورتی سے چھپاؤ۔"

"ایسا ہر بار ہو ضروری تو نہیں۔ یہ بھی ممکن ہے انسان کا باطن تیزوار ہو اور ظاہر بھی خوش لباس ہو۔" آوی کو انیش کا ذہنی فلسفہ لگا۔
 "ہو سکتا ہے بالکل ہو سکتا ہے۔ مگر پھر باطن پر بھروسہ ہونا چاہیے۔ یعنی اگر کبھی پرانے کپڑے گور ہے ترتیب حلیمے میں بھی اور بناؤں تو شرمندگی نہیں ہوتی چاہیے۔" انیش اپنا آخری نوالہ کھا رہی تھی۔
 "آف کورس۔" آوی کی پینٹ بھی تقریباً خالی ہو چکی تھی۔

"چلو پھر آنا لیتے ہیں۔" انیش نے آوی کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔

"یہ جاگرز اسپورٹس ہیں؟" انیش نے پوچھا۔
 "ہاں جب جرمی میں پڑھ رہا تھا تب خریدے تھے۔"

"تو یہ جاگرز بڑے میاں کے جوتوں سے ہیں او۔" اس نے لہلہے والے کی طرف اشارہ کیا۔
 "اگل ہو گئی ہو کیا؟" آوی کا منہ کھلا کا کھلا رہ گیا۔
 "نیکوں تمہیں ڈر ہے کہ پٹاوری چیل میں کوئی تمہاری عزت نہیں کرے گا؟" انیش نے چیلج دینے کے انداز میں کہا۔

"ہرگز نہیں۔ مگر میں ایسی کئی فضیل حرکت نہیں کر سکتا۔" آوی لہجہ ہونے لگا۔

سے اتر گئی۔ آوی نے کرخلی سے اسٹیرنگ واپس پر ہاتھ مارا پھر انیش کو دیکھ کر احساس ہوا کہ وہ سنجیدہ ہے تو خود بھی اتر کر اس کے پاس چلا گیا۔

"تو یہ ہے آپ کے پسندیدہ ناشتے کی جگہ؟" آوی نے مسخراڑایا۔

"تپ پھر وہی کر رہے ہیں۔ ظاہری حلیمے سے باطن کا لڈا لڈا گانا درست نہیں ہے۔" انیش نے تھوڑے دے کر پھر سے کمر اسنجال لیا۔

"میرا مطلب ہے اگر یہ اتنا ہی مشہور اور معروف ہے تو اب تک اس نے دکان کیوں نہ کھول لی۔ یقیناً اس کا کاروبار بہتر نہیں چل رہا۔"

آوی نے لہلہے والے کو ہلٹوں میں چنے مسالا رائیہ اور اچھڑا لٹے دیکھا۔

لاٹ صاحب! آپ کو۔ میں سمجھاؤں۔ ان کہ چنڑ پھولے کتے ہیں۔ ان کی خاصیت یہ ہی ہے کہ ان کو لٹھا اکھایا جاتا ہے۔ اس لیے چولہے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ رقی بات ڈالتے کی تو اس کی ایک ہی دلیل ہے۔ "انیش نے پینٹ آگے بڑھائی۔

"یہ صاف تھرا تو ہے نا؟" آوی کا ہنسی لہلہے والے نے سن لیا۔

"کیا بات کرتے ہو صاحب! میں سال سے کام کر رہا ہوں۔" آوی نے قدرے غفلت سے کہا۔

آوی کی بذر شخصیت کو چیلج کا سامنا تھا۔ اس نے ایک نوالہ منہ میں رکھا اور ساتھ ہی ٹلک گور ٹلش کی مخصوص آواز آئی۔

"یہ آپ کے پہلے نوالے کی یادگار تصویر۔" انیش نے ہنستے ہوئے کہا اور کمر اگلے میں ڈال لیا۔

"اب انوس ہو رہا ہے کہ اس کی دکان میں ڈرن ہیں سال بعد یہ تصویر قریب کر کے لگا تاکہ مشہور زمانہ بزنس مین یہاں سے من چنے کھاتے تھے۔" انیش خود بھی کھانے لگی۔

آوی کی بھی جھجک دو نوالوں کے بعد دور ہو گئی۔ یہ اس کی زندگی کا سب سے لذیذ ناشتا تو نہیں مگر مفرد ضرور تھا۔

اتر گئی۔ پھر گاڑی کی کھڑکی سے منہ ڈال کر بولی۔
"شکریہ۔ ناشتے کا بھی اور میرا دعا و آغ کھانے کا"

بھی۔“
 ”کونسی مسئلہ نہیں۔ ویسے بھی یہ جاگرز تھے۔ شکر
 ہے تمہاری نظر میری گاڑی پر نہیں پڑی۔“ تونی نے
 ہنس کر کہا۔

لڈش سچید ہو گئی۔ "لوہری رکہ" اس نے
اگر جنسی میں گما۔

”رکھنے والے بھیا! ذرا سنبھل“ اس نے قہقہے
کھڑے رکھنے والے کو آواز دی۔

کوی کے ہاتھ پاؤں پھیل گئے۔ اس نے توجہ کھانہ
تازہ فلیسپیڈ سے گاڑی دوڑاتا ہوا نکل گیا۔ پیچھے اینٹ
کھڑی ہنس رہی۔

کھڑے ہو کر دیکھا، انگلیں نے اپنا لیور کا ڈیرہ پھنوس بیگ اس کو دے کر اس کا کپڑے کا سپلائی بیگ لے لیا اور وہ

اس تبار کے پر مٹسکن نظر توی تھی۔
 ”میرا فائدہ ہو گیند اس میں میرا کیرا نہیں ہے۔“

حاصلہ "ایشس" نے واپسی آکر خوشی سے کہا: "آئی چھوٹے سے انداز میں پس دیا۔ پھر اسی نے خاموشی سے بڑے

میاں کی چیل سے اپنے غم بھری دل لے
لے لے تمہوں انش نے مزید قصہ میرے لب

”کیسا لگتا ہے؟“ راہیسی میں ایکس نے شرارت سے پوچھا۔

”جسماری خوشی کی وجہ سے کھتا چلا رہا ہوں۔“ توری
خفا نہیں تھا۔

”تمہیں تمہارا ہی ایک پوشیدہ روپ دکھایا ہے
میں نے خوش ہوئی۔“

”یاد رکھ آگیا۔ تمہیں کہاں چھوڑوں؟“ آوی نے
رہنما آہستہ کہی۔

”بیسویں صدی کے آغاز کے آگے میرا کالج ہے۔“

"میں ہاتھ میں راتیں ہوں۔" "میں نے واضح کر لیا ہے۔" "میں آج تو چھٹی ہے۔"

یورڈنگ میں ملنا کا آغاز جلد ہو جاتا تھا۔ ہر کلاس کے لیے ایک کشن کمر مخصوص تھا جس کو ڈور مکتے تھے لمبی دیواروں اور بڑی بڑی کھڑکیوں سے ترچھی پخت باعث ٹخس نہیں رہتی تھی۔ کمرے کی آرائش ایسی تھی جس کے باعث دوسروں کا ساتھ اور خلوت دونوں میسر تھے۔ کمرے کے دونوں طرف بستر قطاروں میں لگے ہوئے تھے۔ ہر بستر کے اوپر لکڑی کے ڈنڈوں کی دیوے پر بے نصب تھے۔ جیسے کسی اسپتال کے ایمر جنسی دارڈ میں ہوتے ہیں۔ جن کو باقت ضرورت کھولا اور بند کیا جاسکتا ہے۔ ہر ڈورم میں ایک ٹن موجود رہتی تھی۔ ان کے بستر کی دیووں سمت لکڑی کی دیوار لگا کر مختصر سا کمرہ بنایا گیا تھا۔ صبح چوبیس میٹرن اسپتال سے کمرہ جن لڑکیوں کو جگاتی کیونکہ انہوں نے صبح پنج بج کر عبات میں حصہ لینا ہوتا تھا۔ آدھے گھنٹے بعد ایک ہاتھ سے گھٹی پلاستے ہوئے سسٹر تمام بستروں کے گرد چکر لگانا شروع کر دیتی۔

اس میں ہاتھ دہم چلیں بھلا تھیں۔ ساریڈی ٹھیکہ دہی

لڑکیاں اپنے گم میں جھٹی کافی دیر ڈال کر انہیں خوب پھینکتیں۔ یہ کافی بنانے کی ضرورت کے ساتھ ساتھ ان لڑکیوں کا تھخل بھی تھا۔ سینو نے پرہیز کو آتے دیکھ کر جلدی سے گھٹی بنادی اور تمام لڑکیاں اب اسے خاموش ہو گئیں۔ سنسز گریں اور پلٹی ٹن جیج سے آئیں تو تمام لڑکیوں نے لوب سے سلام کیا۔ سنسز گریں جواب دے کر بیٹھ گئیں تو پھر سے پیالوں میں جیج چلے گئے۔

ہر روز اندر سے مختلف طرح سے بنائے جاتے اکثر ساتھ شور بھی میسر ہوتا جبکہ دلہے ٹاشٹے کا لازمی جزو تھا۔ ٹاشٹے کے بعد لڑکیاں فلیٹ پر اسمبلی کے انتظار میں منتظر رہتیں۔

ایک بے علم کے بوجھ سے لدی لور تھکی لڑکیاں پھر فلیٹ پر جمع ہوئیں اور کھانے کے لیے پھر ڈانٹنگ ہال کا مساج کرتیں۔ سچ کا ہر روز نیا مینو ہوتا۔ ماہم کو الگ اور کو بھی سخت پسند تھی۔ قریبی انداز میں تیار کیے سچ میں آؤ ایک لازمی جزو ہوتا تھا کھانے پر لڑکیوں کا سب سے بڑا اعتراض یہ ہوتا کہ اس میں مسالے کے ہم پر صرف نمک اور کالی مرچ کا چمڑکا ہوتا تھا جس سے ہر کھانے کا ایک ہی ذائقہ ہو جاتا تھا۔ ان ننھے ذائقوں نے اس کا توڑ یہ نکالا کہ وہ کچھ چپ بریانی مسالے اور چائے مسالے کے پکٹ ساتھ رکھتیں اور ان کی مدد سے ذائقے کو کھانے کے قابل بناتیں۔

یہ بورڈنگ کی زندگی کا حسن تھا کہ اس کا ہر لمحہ فعال بیٹھا جاتا۔ کھانا ختم کر کے لڑکیاں کرسیوں پر ہی براجمان رہتیں۔ جب سنسز گھٹی بجاتی تو لڑکیاں ٹھکریہ کہہ کر اٹھ جاتیں۔

گھنٹہ بھر پہلی کے بعد اسپورٹس یونٹ فارم میں کر لڑکیاں ٹیمز میں حصہ لیتیں۔ اپنے اپنے ہاؤس کے مطابق گیمز ان کے لیے زندگی موت کا مسئلہ ہوتے۔ کسی جنگی سپاہی کی طرح ہر کھیل اپنے آپ کو مہلک کرنا چاہتا۔ ٹھوڑے سے خامس تا نام کے بعد ساڑھے چھ بجے کھانا لگایا جاتا اور چائے پینڈ آئے نہ آئے سات بجے سب بستر میں سونے کو لیٹ جاتے تھے۔

اسٹیل کا بڑا سا پالا یعنی بیسن موجود رہتا تھا۔ جس میں لڑکیاں پہلے منہ دھوئیں پھر دانت برش کرتیں۔ قلع سے ہو کر وہ ہاتھ دھو جاتیں اپنا جگ اور جین دھو کر کپڑے سے خشک کر کے وہاں اصلی جگہ پر رکھ دیتیں۔ ہاتھ دھو سلیپ سے استہلال کے باعث نہایت نفیس ہوتا۔ ایک طرف سات ٹکے لگے تھے لور دوسری طرف اتنا ہی لمبا بیچ تھا جو اوپر سے نیچے اور اندر سے جوتوں کی اساری تھی۔ انکا مرحلہ شب خوالی کا لباس تبدیل کرتا تھا۔

"اندر نہ آنا۔" ماہم نے بستر کے گرد پرہ پھینکتے ہوئے آواز بلند کیا۔

"یہ کہنے کی ہرگز ضرورت نہیں۔ پرہ آگے ہونے کا یہی مطلب ہے کہ بغیر اجازت اندر آنا منع ہے۔" سنسز اٹھانے اس کی بدتمیزی پر لوکا۔

اسویری سنسز: "ماہم نے معذرت کی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ ایک بے ضرر شرارت بن گئی جو دانت طوہر پر اکثر لڑکیاں کرتیں اور متوجہ دانت من کر کھیلاں نہیں ہشتیل

لباس تبدیل کر کے پرہے نفاست سے سیٹھیے لیے جاتے۔ اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا کہ پرہے ذرا سا بھی تر نہ ہو اور تمام چیزیں سیدھی ہوں۔ اس کے بعد بستر ٹھیک کرنے کا تکنیکی مرحلہ آتا جس سے ابتدا میں ہر لڑکی جو جھٹی تھی۔ بستر پر سادی چادر بچھا کر اس پر ٹکیے رکھتے پھر ایک اور چادر بچھا کر لمبیل رکھا جاتا اور اس کے اوپر وہ سارا لمبیل بچھا دیا جاتا۔ پھر چادر کے کونے سے کھیل کو بٹکا سا ڈھک دیا جاتا تاکہ لمبیل جگہ پر قائم رہے۔ چادر لگ کر معیوب نہ لگے اس لیے احتیاط سے چادروں اطراف سے چادر میسر کے نیچے ڈال دی جاتی۔ آخر میں ہننگا کر بستر کھل ہو جاتا۔ چھینچ کر بچاس منٹ پر وہ سب تیار ہو کر کیمپن کے پیچھے قطار بناتیں اور ڈانٹنگ ہال کا رخ کرتیں۔ جو نیئر اور سینئر اسکول کا مختلف ڈانٹنگ روم ہوتا تھا۔ ڈانٹنگ روم میں موجود اساری پر تلا لگا ہوتا تھا جو کیمپن صرف پندرہ منٹ کے لیے کھولتی تھی۔

اس کے بعد بات کرنا یا بستر سے لگنا سخت منع تھا۔ نظم و ضبط کی خلاف ورزی کرنے والے کو سزا بھی دی جاتی تھی۔

”ماہم! آپ کو سسٹر گریس نے بلوایا ہے۔“ سسٹر کی اطلاع پر ماہم حیران ہو گئی۔

پہلے پہل چھٹیوں کے اختتام پر ماہم اکثر وقت باکر سسٹر گریس کے آفس میں گھس جاتی اور عادت کے مطابق باتوں کا پیارا کھول دیتی۔ اس کے علاوہ کبھی نظر آتیں تو حصار توڑ کر ان سے لپٹ جاتی۔ سسٹر گریس نے اس کو آہستگی سے سمجھایا کہ چھٹیوں کا رہن سہن مختلف ہوتا ہے۔ جو اسکول کے دنوں میں قابل قبول نہیں ہے۔ اس پر لازم ہے کہ استاد شاگردوں کا رشتہ قائم رکھے۔ لیکن اس دن جب سسٹر کے خود بلوایا تو ماہم خوشی سے جمومتی ہوئی دوڑ کر ان کے پاس پہنچی۔ وہیلو آپ کیس ہیں۔ میرا بھی آپ سے ملنے کا بہت دل چاہ رہا تھا۔“ ماہم کے قدم رکنے تو زمین نے رفتار پکڑ لی۔

”ماہم! مجھے آپ کو ضروری بات بتانی ہے۔“ سسٹر گریس نے کچھ دیر بعد اس کی باتوں کی مزین کو لگام دی۔

”بیٹا! زندگی میں کئی دور آتے ہیں۔ ہر دور ایک تبدیلی سے شروع ہو کر کسی دوسری تبدیلی پر ختم ہوتا ہے۔ ان تبدیلیوں سے سمجھو تا ضروری ہے۔ جن گرمیوں کی چھٹیوں میں ہمیں پہلا نہیں دینا کی۔ میری ٹرانسفر ہو گئی ہے۔“ سسٹر گریس کی بات سمجھنے میں ماہم کو کئی لمبے لمبے لمحے گزر گئے۔

”پھر آپ میری بھی ٹرانسفر کرادیں۔ میرا بھی کوئی گھر نہیں۔ ام اسی طرح ساتھ رہیں گے۔“

”آپ کی ٹرانسفر نہیں ہو سکتی۔ آپ کو یہیں رہنا ہے۔“ سسٹر گریس نے محبت سے اس کا کالچھوا۔

”آپ کیوں جا میں گی۔ یہاں سب کچھ اتنا اچھا ہے۔ خاتونہ کہہ رہی تھی دوسرے شہروں میں گرمی اور شور ہوتا ہے۔ آپ کو تو شور بالکل پسند نہیں۔“ وہ بے

نامہ رشتہ ہی تو ماہم کی زندگی کا واحد حلقہ تھا۔

”اتنی کمزور نہ ہو کہ صبح کے لیے انساہوں کے ساتھ کی ضرورت پڑے۔“ چھٹیں بہت اور اچھا ہے۔ ہر رشتہ اپنے اندر تلاش کرتا ہے۔ خود کو سمجھنا ہے اپنی ذات کو پرچھنا ہے۔ جتنا تعلق اور رشتے میں خود کو جکڑو گی اتنا خود سے اور خدا سے دور ہو جاؤ گی۔“

سسٹر گریس چپ ہو کر تلقین کرنے لگیں کہ وہ نصیحت ماہم کو کر رہی ہیں یا اپنے آپ کو سمجھا رہی ہیں۔ اس کے پہلی بار سسٹر گریس کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہیں تھی۔ وہ باتیت کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے وہ ہمیشہ یہ سمجھ کر خود کو مطمئن کرتی تھیں کہ وہ اپنی خواہشات خدا کے واحد سے تعلق جوڑنے کے لیے قربان کر رہی ہیں۔ اپنے ایشہ پر ان کو کبھی شرمندگی نہیں ہوئی تھی لیکن اس وقت ماہم کے ننھے دل کو رد کرتے ہوئے ان کو اپنی سفاکی کا احساس ہوا تھا۔ انہوں نے گھبرا کر اپنے سر کو جھکا لیا۔

”نہیں وہ سفاکی نہیں تھی۔ فرض شناسی تھی۔“ ماہم کی محبت میں گمراہ نہیں ہو سکتی تھیں۔ وہاں نہیں تھیں وہ استاد بھی نہیں تھیں سب سے پہلے وہ ایک فن تھیں اور انہوں نے انسانیت کی خدمت کا عہد کیا تھا۔ ماہم جیسے کئی ننھے وجود ان کی شفقت اور رہنمائی کے منتظر تھے۔ وہ اپنے نگاہ کے لیے ان مستحق بچوں کو محروم نہیں کر سکتی تھیں۔

ان کے دل و دماغ میں جنگ ہو رہی تھی۔

”آپ کو گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ اتنی عیاری ہیں کہ ہر کوئی آپ سے محبت کرے گا۔ تمنا کی تڑپ نے کام طلب اپنے دھند سے ڈرنا ہے اس ڈر کو ختم کرنے کے لیے اپنے اندر تقابلیت بھرو۔ ہنر ہو گا تو تم تنہا نہیں رہو گی۔ تم اپنی ذات اور خواہشات کو سمجھو گی تو کوئی تمہیں بے وقعت نہیں کر سکے گا۔“ ان مولیٰ مولیٰ باتوں سے نہ جانے کیا کچھ بھی جس سسٹر گریس سے لپٹ کر روئے تھی۔

”ماہم! میرے پاس آپ کے لیے تحفہ ہے۔“

انہوں نے میز سے ست رنگی چھتری اٹھالی۔

”یہ جب آپ نے پینٹ کی تھی تو اس میں جلد بھر

کیا تھا۔ آپ اپنے پاس رکھیں اور جب اس ہوں اس کو تمہارا خدا ہے دنا مانگے گا۔ دیکھئے گا چھری اپنا جادو ضرور دکھائے گی۔" وہ مہم کو ہاؤس نہیں دیکھنا چاہتی تھیں اس لیے تعلق کا اختتام امید پر کر رہی تھیں۔

"اب میں جادو کروں گی کہ مہم پریشہ خوش رہے۔" وہ اکثر انہیں تھکے دیتی رہتی تھی۔ یہ چینٹ کی ہوئی چھری سسر کر میں کو بہت پسند آتی تھی۔ اب وہ اسے نوٹا رہی تھیں۔ انہوں نے اسے سسر سے چھری پڑائی اور "دوسرے ہاتھ سے مضبوطی سے گلے میں پھنسا کر اسے تھام لیا۔"



اس نے ایک مرتبہ پھر اپنی قیمتی کی گھڑی میں وقت دیکھا۔ اسے انتظار کرتے ہوئے پچیس منٹ ہو چکے تھے۔ آوی نے تیسری مرتبہ ہاسٹل کے گیٹ کی جانب قدم بڑھائے۔

"آپ نے مس افیش کو پیغام دیا؟" اس نے لمبی موچھوں والے لبہ برق تھا جسے چوکیدار نے پوچھا۔ جواب میں چوکیدار نے صرف گردن کو تڑکڑا کر آوی کو اوپر سے نیچے تک گھورا۔

"آوی گفت سے دوبارہ اپنی گاڑی کے پاس کھڑا ہو گیا۔ ایک نو جوان لڑکے کو ملاقات کے لیے آتے دیکھ کر چوکیدار کا رویہ خاصا مشکوک ہو گیا تھا۔ آوی نے پانچ منٹ بعد پھر گھڑی دیکھی تو اس کا پارہ چڑھنے لگا۔ افیش نہ خود نکلی تھی نہ کوئی پیغام بھیجا تھا۔

اس نے واپسی کے ارادے سے گاڑی کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ گاڑی گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو افیش چوکیدار کو اپنا گیٹ پاس دکھا کر باہر آ رہی تھی۔ اس نے خاکی ٹرولر سبز قمیص اور سفید "وہنا" اوڑھ رکھا تھا۔ رنگ مختلف ہونے کے باوجود وہ انہیں میں میں کھڑا ہے تھے۔ فائنٹ سے نیلی پونچھ نیل اس کے پلے چہرے پر مناسب لگ رہی تھی۔ آوی نے افیش کے کندھے کے لوہے سے ایک ٹھیکہ اٹھا

چوکیدار پر ڈالی اور ان تمام مشکوک نظروں کا جواب دیا ہو چھپے چالیس منٹ سے وہ آوی پر ڈال رہا تھا۔ افیش بے باکر چہرے کے ساتھ اس کی طرف آ رہی تھی۔ چار قدم کی دوری پر وہ انہوں کے لیے ان کی نظریں اور ساتھ ہی افیش نے دھوپ کا چشمہ آنکھوں پر لگایا اور منہ پھیر کر دوسرے رخ پھل دی۔ آوی کے صورت حال سمجھنے سے پہلے ہی افیش قریب کھڑے رشتے میں بیٹھ کر جا چکی تھی۔

چوکیدار دوبارہ آوی کو گھورنے لگا اس نے غصہ میں آکر گاڑی رستے کے پیچ بگادی۔ "یہ لڑکی خود کو سمجھتی کیا ہے۔" بھی بالیک لگے میں "اسی تڑکتی ہے اور کبھی یوں منہ پھیرتی ہے جیسے بالکل انجان۔"

اس نے گاڑی بالیک سراسر کی پارکنگ میں پارک کی۔ افیش اسٹور میں داخل ہو چکی تھی۔

"عجب بد مزاجی ہے۔ میں چالیس منٹ باہر کھڑا چوکیدار کی ترش نظروں کا سامنا کرتا رہا اور تم منہ بنا کر رستے میں نکل گئیں؟" آوی گروسری سیکشن میں پہنچ کر افیش پر ہنسا۔

"لاؤ کیوں کے ہاسٹل کے باہر کھڑا رہنا قابل تعریف معلوم ہے؟"

افیش نے کالا چشمہ آنکھوں سے اتار کر سر پر لگایا اور ٹرائل دھپکتے ہوئے آتے چہرہ لگی۔

آوی نے بھی شرمندگی سے بچنے کے لیے ایک باسکٹ اٹھالیا۔

"ایک تو میں وقت نکال کر تم سے ملے آیا اور اس کیڈے جیسے چوکیدار کو ہواشت کیا۔ ذرا تو قدر کرو۔"

"بے شک قدر دانی بنتی ہے۔ میں اسی لیے دیر سے آئی تھی مگر چوکیدار وقت پا کر ہمیں گارڈ آف آؤٹ پرش کر دے۔" افیش نے ٹرائل میں صابن اور ٹوتھ پیسٹ ڈالتے ہوئے کہا۔

"تو واقعی اس نے مجھے ایسا شہوت ربا ہے جس کا تجربہ مجھے پہلے کبھی نہیں ہوا۔" آوی نے بنا دیکھے باسکٹ میں صابن اور ٹوتھ پیسٹ ڈال لیے۔

ایک منٹ پہلے اس نے آوی سے آخری بات کی تھی کہ وہاں بھی تمہیں تھا۔ انیش اسروہو مٹی۔ شاید وہ غصے میں زیادہ ہی بول گئی تھی۔ وہ غصا بھی گھریب نہیں جانتی تھی کہ آوی چلا جائے۔ وہ تو ذرا سیاد کرتی تھی مگر امتحان کی وجہ سے بچے بنے صبح میں اضافی کلاسیں رکھ دی تھیں۔

انیش تیز حیز چل کر داخل دروازے کی طرف گئی کہ شاید تو یہاں کھڑا ہو گھڑیاں بھی اسے نہ پا کر انیش کا دل شاپنگ سے اچاٹ ہو گیا۔ تو ہی کا لٹا قصور نہیں تھا جتنا اسے چوکیدار کا تھا۔ دراصل انیش اور چوکیدار کی پہلے ہی کلامی ہو چکی تھی۔ انیش تصور اندازے کے صبح بائیں سے نکلتی تھی تو چوکیدار لے وارڈن کو شکایت کرتی تھی۔ اس پر انیش کو ایک علیحدہ درختوں سے لکھ کر وارڈن کے دستخط کروانے پڑے۔ انیش کو چوکیدار کی مداخلت کبھی نہیں بھولی اور چوکیدار کا انیش سے شک وور نہیں ہوا۔ ان حالات میں تو ہی کے آنے سے چوکیدار کا پلڑا بھاری ہو گیا۔ بچے دل اور اس فٹنوں سے زانی ہو چکے ہوئے انیش کو گھر پر تو تھی تو آوی ان کے بار سے ڈھنگا کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی جلدی نہیں" آپ قہقہے سے مل پتا میں گھر باری کا دنیاں رکھتے گا۔ "توئی شوٹی سے انیش کا رستہ روکے کھڑا تھا۔

"ڈنکر مجھے جلدی ہے۔ آپ ان کو جلدی فاسف کریں۔"

"ہاں لی جی! آپ کا بھی کر دیتے ہیں۔ کوئی مسئلہ نہیں۔" دکان دار نے ایک لڑکے کو آواز دی کہ انیش کا مل بنادے۔ اگے دو لوں کا ساتھ ساتھ ساتھ او جائے۔ دکان دار نے ٹرافٹ پیسے وصول کیے۔ "توئی فوراً" باہر نکل گیا۔

"رکو تو سہی ایک ضروری بات کرنی ہے۔" انیش نے باہر گھر کر آواز دی۔

"کیا؟" اس نے سپاٹ لیے میں کہا۔

"مجھے بائیں تو چھوڑ دو۔" انیش نے اپنا شمار بھی آوی کو تھمایا۔

موجود حالت تمہاری باہر تھی تو ہی میری باندہ ہو رہی تھی۔ پہلی بار ایک لڑکا مجھ سے ملنے آیا تھا جس کو کمرے کا نمبر بھی معلوم نہیں تھا اس لیے چوکیدار وارڈن کے پاس گیا اور وارڈن نے کمرے میں پیغام بھجوایا جس سے سارے بائیں میں دھوم مچ گئی کہ انیش سے کوئی لڑکا ملنے آیا ہے۔ "انیش ناراضی سے نظر بھی نہیں مارتی تھی اور چیزیں لیتے ہوئے یوں ہم کام بھی جیسے شیفٹ سے بائیں کر رہی ہو۔

"تو میں اور کیا کرتا۔ تم دو ہفتے سے پارک نہیں آ رہی تھیں۔" توئی بنا دیکھے بائیں میں چیزیں رکھتے ہوئے انیش کے ساتھ چل رہا تھا۔

"میں پارک وورڈن کرنے تو نہیں جاتی کہ باقاعدگی سے جاؤں۔ میں تصویریں لینے جاتی تھی اور میری کوئی مجبوری نہیں کہ اپنے شوق کو ایک ہی جگہ تک محدود کر لوں۔ ویسے بھی میرے امتحان ہونے والے ہیں میں مصروف تھی۔"

"مجھے تمہارے امتحانوں کی مصروفیت کا علم نہیں تھا ورنہ یوں پریشان نہ کرتا۔"

"بات مصروفیت کی نہیں میری ساکھ کی ہے۔ نہیں ہندو اور بھی نہ بائیں میں میرے پارک میں کسی طرح کی باتیں ہو رہی ہوں گی۔"

توئی کو بائیں احساس نہیں تھا کہ انیش کے اندر بھی ایک روایتی لڑکی موجود ہے۔

"تمہیں کب سے فرق پڑنے لگا کہ لوگ تمہارے بارے میں کیا سوچتے ہیں؟"

"بب سے لوگوں نے یہ سوچنا شروع کر دیا کہ وہ ملاقاتوں کے بعد وہ مجھ پر نشان حق رکھتے ہیں کہ سرعام میرا ہم نکار کر مجھ سے ملنے کا اعلان کر سکیں۔"

انیش نے توئی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر رعب سے کہا اور اگلے شیفٹ کے پاس چلی گئی۔

اس بار آوی اس کے پیچھے نہیں گیا۔ پہلے تو انیش بے خیالی میں شیفٹ پر بڑی چیزیں دیکھنے لگی۔ پھر خیال آیا تو دامن بائیں وچھل توئی کہیں نہیں تھا۔

انیش وہ بے قدموں چھپلے شیفٹ کی طرف گئی جہاں

”والہی پرست ٹیک ہائی ہوگی؟“ توی نے اس کا دھمکا پن دکھایا۔

”جب پہلی ملاقات میں بے تکلفی دوسری میں دوستی اور تیسری میں لڑائی مسلح ہو جائے تو ایسے تعلق پرچہ کیدار کی پودا نہیں کرتے۔“ انیش نے ٹیک سے گیسٹ انکال اور دونوں ہاتھوں میں شاہرہ قہارے قوی کی تصویریں کھینچی شروع کر دیں۔



سفید پتھری دیواروں سے چمکتا ہوا نیلا آسمان جھانکتا تھا۔ انگریزی طرز کے جھوسے، تر بھی پھست بلند کمزریں اور بچی بیرونی دیواریں کھنچے سرسبز درختوں سے لدتے میاڑوں کا منظر دکھاتے تھے۔ کتنے کو وہاں زندگی بہت رنگین تھی۔ انہی رنگینیوں میں ایک ننھا فرشتہ چھیل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں سات رنگوں سے نئی چھتری تھی۔ کبھی ماہم مٹی کے کتلے میں قسم قسم کے پتے اور گھاس دیکھ کر کھانا پکاتی تو یہ چھتری اس کی ڈوکی بن جاتی۔ جس سے وہنا آگ کے چولے پر پڑھتی ہوئی۔ کبھی پھاڑ کی کبلن کو کشتی بنا کر انہی پر بربادمان ہو جاتی اور چھتری کو چوبہ کرنا سناہ پانی پینے کی حکایتیں ربتی۔ جب اس کی کشتی خیل کے ورہا کے وسام میں پہنچتی تو اسی چھتری سے چھلیاں پکڑ کر کشتی میں داخلہ کرتی رہتی۔ اب وہ پری پری پھیل رہی تھی۔ سنو تو تھا کہ فرقیوں کے دور میں یہ کسی حکومتی سربر لو کی گرمیوں کی آرام گاہ تھی مگر بعد میں عمارت کی تعمیر نو کر کے نیک مشنری اسکول بنوایا گیا۔ زمانے سیاست اور ضروریات کی بے شمار ردوبدل کے بعد اب یہ ایک بورڈنگ اسکول تھا جس کی انتظامیہ کی طرح طالبات میں بھی مسلم عیسائی امتزاج تھا۔ تمام طالبات اور بیشتر اساتذہ طویل پھینوں میں اپنے گھروں کو چلے جاتے تو سوائے باہم کے اس نے تنہائی سے دوستی کی تدبیریں سیکھ لی تھیں۔ اس کے ہاتھ سنسٹرا میں کاٹا ہوا رنہ لگا ہوا اور جتنے پر اس کے پیروں تک لگ گیا۔ اس نے چھتری پکڑ کر پری کی طرح چلنا کرنا شروع کر دیا۔

اچھلتی کودتی ماہم کے سر سے اسٹارک کھسکا اور پیروں میں لپٹ گیا۔ ماہم لڑکھنے لگی۔ خود کو سنبھالنے کے لیے اس نے چھتری سے جنگا پکڑا۔ مٹی کھنچے اور بند ہونے میں ماہم کے ہاتھ میں جنگا آگیا اور چھتری نکل کر میاڑوں سے ٹکرائی پر زہ پر زہ ہوتی گھرائی میں گر گئی۔ سات رنگ ستر ٹکڑوں میں بکھر گئی۔ اس دن ماہم کا چارو لوٹ گیا اور وقت بدلنے لگا۔



اس نے دو پونیاں کھائیں۔ بائیں بھٹی میں شربت پلاں والی گڑیا والی اور معمول کی طرح زائداری سے گزرتے لگی۔ کمرہ کلاسوں اور آفس کے سامنے سے گزرتے ہوئے پورڈنگ کے پچھلے دروازے تک پہنچی۔ اس کی منزل دور بین کی پھتوں والے مختصر گھر تھے جہاں تیا خلقت اور جو کیدار منیر کی فیملی رہتی تھی۔ یہ حصہ پورڈنگ کی ملکیت تھا اور اس سے ملحقہ بھی تھا محمود میان میں ٹیکٹ نصب تھا جس کو خلقت لیا زاور منیر کے علاوہ کوئی پار نہیں کر سکتا تھا۔

”میں آئی۔“ ماہم نے گھاس پر بیٹھے شاہ زیب ماہ نور اور طاہرہ کو متوجہ کیا۔

”ماہم پوچھو! میرے پاس کیا۔“ شاہ زیب نے ہاتھ میں موبوڈ غلیل لرائی۔

”میں اس سے نشانہ لیتا ہوں۔“ شاہ زیب نے مہارت سے پتھر خیل میں رکھا اور درخت کا نشانہ لیا۔ پتھر نے تڑپے درست کے پتوں میں لگا اور کمر گیا۔ پہلے دوران شاہ زیب استا بہا رہا پھر راجا نور گل ریز بھی غلیل لے آئے تو مقابلہ شروع ہو گیا۔ لڑکیاں پتھر ٹکڑے اکٹھے کرتیں اور فٹیں کرتیں طرڑ کے دس بار کھنچے پر ایک بار موقع ہے۔

ماہم نے کاکئی سے اپنی دائرہ پروف مہتری اتاری اور شاہ زیب کی غلیل سے بدل دی۔ اگلے روز ماہم گڑیا چھوڑ کر غلیل لیے پہنچی تو لڑکیاں تارا آتا کے اور مرد ٹیٹھی تھیں۔ تارا آتا گڑیا کے برتن بناری تھیں۔

سب لڑکیاں نے غیلی مٹی سے اپنی اپنی پسند کے

سارے جذبات ظاہر کر رہی تھی۔ مار کر پھینس اور
دوسری چیزوں سے اس نے کئی تصاویر بنا ڈالیں۔

اسکول کھٹے کے قریب جب اسٹاف کا وہاں سے
گزر ہوا تو ماہم کی شہمت آگئی۔ لگے لگتے پرنسپل
انہیں کے سامنے بٹھا کھڑی ماہم شرمندگی سے سوچتی
رہی کہ اس سے غلطی کیا ہوئی۔ اس نے چند تصاویر تو
پہلی تھیں جس سے بے رنگ دیوار کیسے بننے لگی
تھی۔ اس سوال کا جواب سوچتے سوچتے اس کے اندر
سے کچھ نیا کرنے کا سارا جذبہ نمودار ہوا۔

نذر وار تو اوز کے ساتھ دروازہ کھلا ڈری سہمی ماہم
دروازہ سے لگی ٹھنڈی تھی۔ اس نے شاید کوئی
ڈراؤنا خواب دیکھا تھا اس لیے بچے پاؤں دوڑ آئی
تھی۔

"بچے یہاں سنا ہے۔" ماہم نے کہا۔

کمرے میں کوفت کی ایک لہر دوڑ گئی۔

"نہیں۔ تم اپنے کمرے میں سوؤ گی اور جوتے پہن
کر رکتا کرو۔" شیمہ کے ہاتھ میں سائیاں تھیں جن
سے وہ سویشون رہتی تھیں۔

"میں اکیلے نہیں سوؤں گی۔" ماہم کی آنکھوں سے
حرم قطرے سوری سے سرخ ہوتے گلوں پر بہنے
لگے۔

"اچھا میرے پاس آؤ۔" میوزک ٹیچر زب نے
کہا۔

"نہیں۔ اس کو اس کے کمرے میں سنا کر آؤ۔"
شیمہ نے عمدے میں جڑے ہونے کا حق ہستمال کیا۔
ٹیچرز بچوں سے ہفت پہلے واپس آگئی تھیں تاکہ
کورس پلاننگ کر سکیں۔

مختصر چٹیلوں میں اکثر کئی لڑکیاں ٹھہر جاتی تھیں۔
ان کو تفریح کر لائی جاتی تھی اور ان کی ضروریات کا
خاص خیال رکھا جاتا تھا مگر گرمیوں اور سردیوں کی
طویل چٹیلوں میں سب اپنے اپنے گھروں کو ضرور
جائیں سوائے ماہم کے۔ اس بار کیمپ ڈرب کی توسیع
اور کچھ انتظامی امور جن ٹیچرز کے سپرد تھے انہیں ماہم
کی ذمہ داری بھی اضافی مل گئی تھی۔

برتن بنانا شروع کر لے۔ ماہم نے چٹ استعمال کیے
اور برتن خوب صورتی سے کھیل ہو گئے۔ اس روز
جب ماہم واپس جا رہی تھی تو ہلکی ہلکی تھکاوٹ میں کچھ
سیکھنے کی علمائیت بھی تھی۔ انسان مٹی سے بنا ہے اور
مٹی میں ہی جاتا ہے اس نے بھی مٹی سے نفس جوڑ لیا
تھا۔ کھیل کے میدان میں پہنچ کر ماہم گھاس پر لیٹی اور
سکون سے سو گئی۔ اس کے سکون کی حقیقی وجہ تین
انفاک تھیں۔ ٹیسٹاری جذبہ اور حوصلہ۔ یہ تینوں
خوبیاں اس میں موجود تھیں جو جلد چھینوالی تھیں۔

آہن نے آہستہ آہستہ سورج کی مٹی بھجادی تاکہ
اس کی نیند میں غلط نہ پڑے۔ خنکی نے زور پکڑا تو ماہم
کی آنکھ کھل گئی۔ ڈر کے مارے وہ جیتے ہوئے اندر
بہاں۔ نورم کے قریب سسٹر ہار تھا نظر آئیں۔ ماہم ان
سے لپٹ گئی۔

سسٹر ہار تھانے اس کے بالوں میں پھنسی گھاس
دیکھی۔ اس کے فراگ پر پینٹ کے نشان تھے اور ناخن
مٹی سے بھر چکے تھے۔

"پیرت بدل کر ڈنر کے لیے آؤ۔" سسٹر ہار تھانے
ماہم کو پیچ کر پہلی فرصت میں نئی پرنسپل متیات کی۔
ماہم کے بدلے کچھ گندے کپڑے اور اوپر آؤلب
کی ٹائف ورڈی کے پیش نظر اس پر ان بچوں کے
ساتھ ایلٹ ریابندی لگادی گئی۔ وہ سالوں کی تہذیب و
مہینوں میں گنواہے "ایسا ناقابل قبول تھا ماہم اس
پابندی کا فہم سمجھ گئی تھیں کہ ان کی چھت تلے
رہنے والے اور پھری کانٹے سے کھانے والے مختلف
ہوتے ہیں۔ اس کی جنساری فرق جھجک میں بدل گئی۔



ایک تحقیق کے مطابق انسان کی توجہ کا دورانیہ
صرف ۱۵ سیکنڈ ہوتا ہے۔ کسی بھی چیز پر توجہ مرکوز کرنا
ہے تو ہر ۱۵ سیکنڈ بعد توجہ تبدیل ہو جاتی ہے۔ نظر اگر
ایک ہی جگہ پر ٹکی رہے تو اس میں تفصیلات نظر آنے
لگتی ہیں۔ اس نے چٹیلوں کے بے شمار سیکنڈ میں کئی
چیزیں جانی تھیں اور اب وہ اسکول کی جیسی سی دیوار پر وہ

کھلکھلائی گواہ پر آوی نے تہقہ لگایا۔
 "سہا سوال کہ تب اس فریڈے کو کیا کر رہے
 ہیں۔ آپ کے آپشن ہیں کچھ نہیں۔ غافل ہوں یا
 ہو گا بھی تو مشورہ کروں گا۔"
 "کچھ نہیں۔"

"تو سرا سوال۔ کبھی آپ نے ایسا دن گزارا ہے
 جس میں دل بھر کر تواہ کردی کی ہو۔ کھانا کھایا ہو مگر
 چٹائی ہلکی پھلکی لذیذ چیزوں سے ہیٹ بھر ہو۔"
 "نہیں۔" آوی نے سوچ کر جواب دیا۔

"آپ کا جواب درست ہوا۔ تیسرا سوال اس پیر
 پر انز کے دو مہینہ جاگل ہے۔ دن اچھم کر نہیں۔
 سوائے ہے کہ آپ کی سیکرٹری شادی شدہ ہے یا غیر
 شادی شدہ؟" انش نے ایک دم لوجہ سخت کر لیا۔ آوی
 جواباً "نہیں پڑا۔"

"تھانکس۔"

"یہ جواب قریب ترین ہے۔"

"آپ جانتے ہیں ایک خوب صورت دن ایکسپین
 اور زندگی سے بھرپور فریڈے کے ساتھ گزارنے کا موقع تو
 جوت کی بیج گیاہ بجے رخت سفر باندھیں اور میرے
 انداز میں ایک دلچسپ دن گزار کر اس کو یادگار
 بنائیں۔"

"لو کے میں پک کر لوں گا۔" آوی نے جیتے ہوئے
 فون بند کر دیا۔

دوسرے دن ٹھیک گیاہ بجے ایک خزانے بھرتی
 موٹر بائیک اسٹل گیٹ کے سامنے رکھی۔
 "یہ تب موٹر بائیک پر کیسے؟" پہلی بار آوی نے
 انش کو حیران کیا۔

"تم نے ہی تو کہا تھا کہ تمہارے انداز سے دن
 گزارنا ہے۔" انش خوش گوار حیرت سے بائیک پر
 بیٹھ گئی۔

"میں کچھ تحقیق کر کے آیا ہوں تو پہلے آپ کیا
 کھائیں گی؟ گولہ گے؟ یا شکرتی؟" آوی
 کی یہ فی لودا انش انش کو پسند آئی تھی۔
 "پہلے ہم تصویریں لیں گے۔"

"رشتے کو اتنی قائم کرو جتنا بھایا جاسکے۔ آج ہم
 اس کو گھروالوں کی طرح سنبھالیں گے۔ کراہٹاں ہوں
 کل بھی اس کو ایسے ہی افر لو ملیں۔ وہ کل کرے اس
 سے۔ حشر ہے کچ کر کر سنبھالنے کی تربیت ہوے۔ آج
 سل کی ہے۔ جتنی مل باپ بھی ہونے تو لب تک اس
 کا کمر الگ کر چکے ہوئے۔ تھیندے نے زب کی واپسی پر
 اس کو سمجھایا۔"

رات کے اندھیرے پیر میں باہم ایک بار پھر عملے
 کے کمرے کا رخ کر رہی تھی۔ اس بار اس کی آنکھوں
 میں خوف نہیں تھا۔ پہلے اس میں تمام دینے کا حوصلہ
 تھا اور اب اپنا آپ ظاہر کرنے کی ہمت آگئی تھی۔ اس
 نے دوا نہ کھول کر اندھیرے کمرے میں جھانکا۔ سب
 گہری نیند سو رہے تھے۔

نچ ٹینڈ جوتے پہننے لگیں تو معلوم ہوا ان کی جیل
 سے اولہ بندھی ہوئی ہے۔ سیزاؤن وہی تھی جس سے
 پچھلی رات وہ سوئپٹن رہی تھیں۔ انہوں نے لون کا
 پیرا پکڑا اور چل پڑیں۔ اولہ طویل دلالن سے ہو آلالن
 تک جا رہا تھا۔ ان کی دونوں کی محنت لومر کر کر دیں پہلی
 ہوئی تھی۔ آخری سرا ایک چوتھوے سے جڑا تھا اور
 لان کی نرم مٹی میں سلائیوں گڑی ہوئی تھیں اور وہ
 چوتھوے کی گھنڈے کی طرح طہرا رہا تھا۔ اس دوا
 بطور سرا باہم کو گھنٹہ بھر سو فرش پر پینٹا پڑا اور اگلے
 کئی سونل ہوئی نہ چل سکا۔ کسی نے اس میں پانی ڈال دیا
 تھا۔



"سرا آپ کے لیے اپٹر پینٹل بڑو لنگا۔ عینسی سے
 فون ہے۔ سیکرٹری نے فون پر آوی کو اطلاع دی۔
 "اچھا ملا۔" چند لمحوں بعد فون پر ایک زنندہ
 آواز ابھری۔ "خوش خبری۔"

آوی نے مسکراتے ہوئے کرسی سے نیک نکال۔
 "آپ کو منتخب کیا گیا ہے ہمارے پیر پر انز کے لیے
 صرف تین تھان سوالات کے جواب دیجیے اور مگر
 بیٹھے حاصل کریں ہمارا پیر پر انز۔" انش کی

لیڈو سحر راولو میں جاکر کیا سزا جاتا ہے۔

”دقیقہ گانہ سہی لو کا تو مڑا ہے۔“ توی نے نظریں

ایش کے چہرے پر گاندیں۔
”بھڑکیک لو اور مل گئی کو کس نہ کر بیٹھیں۔“ ایش

نے نظریں جرائیں۔
”تم نے مجھ سے تین سوال پوچھے تھے میرا صرف

ایک سوال ہے۔“ توی نے سنجیدگی سے پوچھا مگر

ایش کی نظر نہ اٹھ سکی۔ وہ کسی بھی سنجیدہ سوال کے

لیے تیار نہیں تھی۔ رشتے کو بامہدینے کے خیال سے

ی اسے چکر آیا تھا۔
”کیا تم ایک دن میرے انداز سے گزارو گی؟“ توی

نے کہا۔ ایش کا سانس بحال ہوا۔
”کیوں نہیں ہیں ایک شرط ہے۔ ہاسٹل چھوڑنے

سے پہلے مجھے آئیں کریم کلاؤ کے۔“ ایش نے بچوں

کی فرمائش کی۔



بیگم رونق جہاں میرے موجود مولیٰ مولیٰ فائلوں کو
بٹ پلٹ کر دی تھیں۔ سامنے بیٹھے حلقی صاحب ہر
فائل کے مطابق تفصیلات بتا رہے تھے اور رونق
جہاں ایک الگ ڈائری میں ہدایات لکھ رہی تھیں۔
دونوں افراد کے سامنے چائے کی پیالیاں رکھی تھیں جو
لمبڈی ہو رہی تھیں۔ بیگم صاحبہ مصروفیت کی وجہ
سے چائے بھول بیٹھی تھیں اور حلقی صاحب
گھبراہٹ کی وجہ سے جب بھی پیالی منہ تک لے
کر جلتے تو کچھ یاد آجاتا وہ الفاظ تو لگتے کہ کیسے
جتائیں۔ اسی ٹپ ٹپ میں وہ بیگم صاحبہ کے چند سوال
نظر انداز کر گئے۔

”حلقی صاحبہ! آپ کا وہ بیان کہاں ہے؟“ بیگم
صاحبہ نے ٹھوس لہجے میں پوچھا۔

”وہ بیگم صاحبہ! ایک بات بتانی تھی۔“ حلقی

صاحبہ لے ہونٹوں پر زبان بھیری۔
بیگم صاحبہ خاموش رہیں۔ وہ الفاظ بھی خالص کرنے

کی قائل نہیں تھیں۔

”بھو حکم۔“ توی نے ہانپک اشارت کر دی۔ چند

گھنٹوں بعد دھڑکے قریب گھاس پر بیٹھے تھے۔
”بہت سالوں بعد میرا دن اتنا اچھا گزرا۔“ شکر یہ۔“

ایش نے اچھا کھاتے ہوئے توی کو پیش کیا۔
”دن تو میرا بھی بہت اچھا گزرا کئی سال بعد۔“ توی

نے کئی پر زور دیا۔ ”اس سے پہلے میں ابا کے ساتھ

ایسے گھما تھا ان ہی جگہوں پر یونسی لہیلوں سے الم ظم

کھاتے ہوئے تب بہت چھوٹا تھا۔“ توی سوچ میں

گم ہو گیا۔
”تم اپنے ابا کو بہت یاد کرتے ہو؟“ ایش نے

پوچھا۔
”ہاں ابا! زندگی سے بھرپور توی تھے۔ جوانی میں

گھر سواری کیا کرتے تھے انہوں نے ہمیں کا دیوار اور

خاندان کے چکر میں اپنی زندگی اور شوق نظر انداز

نہیں کیے اور نہ ہی کبھی اپنے شوق کو ذاتی زندگی پر

اثر انداز ہونے دیا۔ ان کو توازن رکھنا آتا تھا۔ وہ تیار

ہوئے تو اسی نے ابا کی جگہ لینے کی کوشش شروع

کر دی۔ انہوں نے بڑی سچی سوجھ بوجھ تو حاصل کر لی

مگر اپنی طرح زندگی جینے کا کڑ نہیں سیکھ سکیں۔“ توی

رک گیا۔
”تم اس بات پر ان سے فقار ہو؟“

”نہیں میں فقار نہیں ہوں۔ غالباً اس وقت کی میں

ضرورت تھی وہ نہ کم عمر بچے کی مشکلات سے لاچار

ہو سکتے تھے اسی نے ایسا ہونے نہیں دیا۔ انہوں نے

نہ صرف کا دیوار سنبھالا بلکہ اس کو ترلی بھی دی۔ البتہ

میں بڑا بھول گئیں۔ محبت اور اصول پسندی کا ایک

پتھر اس بات لیا اور لولہ کو قید رکھنے کی کوشش کی۔“

”مگر تم نے وہ پتھر توڑ ہی لیا۔“ ایش نے ہنس کر

ماحول بدلا۔ ”تم نے الگ کا دیوار شروع کر لیا۔ اپنے

درواز پر کھڑے ہو گئے اور آؤ توی حاصل کر لی مگر یہ کتنا

بورنگ ہو گیا ہے۔“

”کیوں؟“ توی بیٹھنے کے انداز پر ہنس پڑا۔

”کب تو کسی لڑکی کو بھگانے کا مڑا بھی نہیں آئے

گا۔ اپنا کا دیوار ہے۔ اچھا کھاتے ہو۔ ایسے میں

آیا ہوں۔" آدی نے کہا۔ اور اسے لے کر وہیں کے وسط میں رکھے پیشے کی میز لاشیف تک پہنچا جس خاص خاص کتابیں موجود تھیں۔

"اولین تصلویر۔" آدی نے ایک کتاب کی جانب اشارہ کیا۔ انیش وار کتے ہوئے آگے بڑھی اور آہستگی سے اس کے پٹے پٹے پٹے لگے۔

"واحد۔ اتنی اچھی کتاب ہر کیٹ میں موجود ہے۔"

"میں جانتا تھا تمہیں پسند آئے گی۔ گفت کرنے سے پہلے تمہارے چہرے کے تاثرات دیکھنا چاہتا تھا۔ آدی نے خریدنے کی نیت سے کتاب اٹھائی۔

"نہیں، جی۔" علم کا ذخیرہ کرنے کے لیے لائبریری موجود ہے۔ میں تو وقت گزارا کر رہی ہوں۔ میرے لیے یہ بھول گئی ہے۔"

انیش اپنا منہ محفوظ لینا نہیں چاہتی تھی۔ اس لیے توی کے اصرار کے باوجود منع کر دیا اور پہلے پسند کیا ہوا بھول ہی لینے پر مصر رہی۔ جب مل ادا کرنے کی پوری آئی تو انیش نے ولٹ سے ممبر شپ کارڈ نکالا جس پر دس فیصد رعایت ملتی تھی۔ اس روز ان دونوں نے ایک دوسرے کی پسند کو نئے زاویوں سے جانا تھا۔

صبح کے لیے وہ ایک بر سکون ریٹورنٹ میں آئے تھے۔ آدی کو ڈر تھا کہ انیش شاید تکلفات سے کھانے جانے والے کھانے پسند نہ کرے مگر یہ ایک ضروری رسم تھا۔ انیش نے بنا مہینہ پڑھے آرڈر دیا۔ کھانا کیا تو آدی نے حسب عادت چھری کلٹا پکڑ لیا اور انیش نے ایک آواز سے چپ بسکس اٹھائیں اور مہارت سے لوڈز کھانے لگی۔ آدی کو اس کا ساتھ دینا ہی پسند تھا کہ وہ اسے چونکا دیتی تھی۔ ہر موقع پر اس کا تجربہ غلط ثابت ہوتا تھا۔ اس وقت آدی کے ذہن میں یہ خیال دوڑ رہا تھا کہ جب انیش کی چونکا دینے والی باتیں ختم ہو جائیں گی تب اس تعلق کا کیا مستقبل ہوگا۔

"مجھے کتنا پڑے گا کہ تم نے مجھے کلن سربراہ کیا ہے۔ میں سوچ رہا تھا کہ آج کا دن تمہارے لیے منظر

"وہ آدی صاحب کے متعلق بات تھی۔" حاجی صاحب رونق جمل کے مزاج سے خوف زدہ تھے۔

"مجھے انتظار پسند نہیں۔" رونق جمل بھڑکیں۔

"وہ توی بیٹا آج کل ایک لڑکی کے ساتھ گھوم رہے ہیں۔ کلنی دوستی ہو گئی ہے۔ اکثر اکٹھے نظر آتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے سامنے موجود قافلہ دوز سے بند کی جس کی آواز سے حاجی صاحب سمجھ گئے۔

"ہم سے متکواہ لینے والا ہمارا ایک ملازم یہ جرات کرتا ہے کہ ہمارے بیٹے کے متعلق ہمیں کچھ بھی کہہ سکتا ہے۔" بیگم صاحبہ کی گردن کے ساتھ ان کی آواز بھی مزید تن گئی۔

"اس کو یہ حق حاصل ہے تو صرف اس لیے کہ اس کی بات کسی غلط نہیں ہوگی۔ یہ بات سچی ہے تو مجھے فکر مند کس بات پر ہونا چاہیے۔ اس کے لڑکی کے ساتھ پھرنے پر یا اس لڑکی کے ساتھ پھرنے پر۔"

جواب میں حاجی صاحب پھر لرز گئے اور ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگے مگر بیگم صاحبہ کی نظروں کی تاب نہ لاسکے اور بول پڑے۔

"وہ اصل سدا لڑکی میسائی ہے۔"

پہلی چیز جو انیش کو دیکھتے ہی آدی نے نوٹ کی وہ کبیرے کی غیر حاضری تھی۔ اس کے ساتھ میں چھوٹا سا پرس تھا۔ بالکل نئے تھے اور لہلہ دار اسے نوڈھا ہوا تھا۔ یعنی وہ خود کھرا چھوڑ کر آئی تھی۔ وہی سہی قصہ ہی ادنیٰ ایڈی ہوئی گاڑی سی سینڈل نے کردی کہ آج وہ تصلویر لینے نہیں صرف توی سے ملنے آئی تھی۔

"کیا ارادہ ہے؟"

"کچھ سنجیدہ ہونے کا۔" آدی نے شرارت سے کہا اور تھیلہ ڈرائے کی دو تکس انیش کو پکڑا میں۔

انیش اور آدی ڈرائے کے بعد ایک کتابوں کی شاپ پر آئے تھے۔

انہیں بہت خوب مگر میں یہاں نہیں کچھ اور دکھانے

ہو۔ "گوی ہو کچھ دیر بھجوا کا پھر پیچھے ہو لیا۔
ایفیش دانداری سے قدم پر چار دیواری تھی۔
"یہ تمہارا گھر ہے تو سامنے کے دروازے سے
کیوں نہیں جا رہی۔"
"کیوں کہ میں نہیں جانتی، میرا کسی سے ملنا
ہو۔"

"میں باہر انتظار کرتا ہوں۔" اس کے ساتھ تھا گھر
میں جانا گوی کو نا مناسب لگا۔
"ڈرپوک۔" ایفیش منہ چڑا کر آگے بڑھ گئی۔
آوی نے ارد گرد کھلے کوئی نظر نہیں کیا۔ باہر کسی
نے دیکھا تو زیادہ مسئلہ ہو سکتا تھا اس لیے آگے بڑھ
کیا۔ داخل ہو گئی وہی راستہ تھا ایک دروازہ تھا جس
پر ایک بڑا سالو اینڈری کا اسٹیکر لگا تھا۔ ایفیش نے ایک
اور چلی۔ اسے دروازہ کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ کمرے
میں شدید ٹھنڈی کا احساس تھا اور کہیں کوئی روشنی کا
ذریعہ نہیں تھا۔ ایفیش نے ایک سرخ بلب روشن کیا
اور قریب چڑی میز پر اپنا پرس اور دھنڈا رکھ کر بیٹھ جائیدہ

آوی نے جائیدہ لیا۔ کئی کیمیکل کی بوتلیں کچھ ٹرے
کو پر کچھ مشینری موجود تھی۔

"یہ میرا ڈارک روم ہے۔ یہاں میں قسم دھوئی
ہوں۔" ایفیش نے کہا۔

"ذاتی ڈارک روم ہونے سے یقین ہو گیا کہ یہ
صرف تمہارا شوق نہیں بلکہ ہیشن ہے۔" آوی نے
ہلکی پھلکی گفتگو سے ماحول کی ٹھنڈی دھڑکنے کی
کوشش کی۔

"معلوم ہے مجھے یہ شوق کب ہوا؟" ایفیش نے لوہر
سے ریل گاڑی کھولا۔

"جب میں گیارہ سال کی تھی۔ میں نے کہا کہ وہ
ملک سے باہر جا رہی ہیں۔ کئی ہدایات نصیحتوں کے
ساتھ ایک فوٹائش بھی کہ میں ہر موقع پر ان کو اپنی
ایک اچھی سی تصویر بھیجوں۔ میں نے اس کو ایک
مشغلہ سمجھ لیا اور پہلا کیمرا خریدا۔" ایفیش اب ریل
کھول کر ٹکڑوں میں کاٹ رہی تھی۔

ہو گا مگر ایسا لگ رہا ہے تم ان ساری چیزوں کا سلسلے سے
تجربہ رکھتی ہو۔" آوی نے ریٹورنٹ سے نکل کر
گاڑی میں اتر لیا۔

"یعنی میں آداب سے رہوں تو باعث حیرت
ہے؟"

"نہیں ایسا بھی نہیں ہے مگر ایک ہی جتنے پہلے
ٹھیلوں سے وہی بھلے کھائی ٹھٹ پاتھ پر گھٹنوں کے نل
بیٹھ کر ہڈی کی تصاویر لینے والی لڑکی آگے ہفتے ڈرامہ
دیکھنے ایک لہکے کلوڈیو تھیٹر جاتی ہے اور اس کو
اندھیرے میں معلوم ہوتا ہے کہ اس کی سیٹ کون سی
ہے کتاب خریدنے لگتی ہے تو نمبر شپ کارڈ ہوتا ہے
جو کہ صرف اس صورت میں ملتا ہے جب کارڈ ہولڈر
یا قلمی سے ہزاروں روپے کی خریداری کرتا ہو۔ ایک
فائن ڈائن ریٹورنٹ میں جاتی ہے۔ مہینہ دیکھے بغیر
آؤر کرتی ہے اور چاپ اسٹک سے کھاتی ہے تو حیرت
تو بجا ہے۔"

"کیا یہ دوسرے الفاظ میں مجھ پر دہری زندگی جینے کا
انرا ہے؟"

"نہیں مگر شک ہے کہ اپنا یہ انداز پہلے کیوں نہیں
دکھایا۔" ایفیش چند لمحے کو چپ رہی پھر بہت سوچ کر
جواب دیا۔

"نہ تو آج تمہارا یہ شکوہ بھی دھڑکوں۔" ایفیش نے
اس دوستی کو دبا کر لگایا۔

"یہ کہاں لے گئی ہو۔" آوی نے گاڑی ایک عالی
شان گھر کے سامنے روک دی۔

"مجھے یہ قسم ڈالنا پڑی ہے۔" ایفیش نے پرس
سے کمرے کی قسم نکالی۔

"یہاں یہ تو کسی کا گھر ہے۔" آوی کو اس کی
حس پر شک ہوا۔

"یہ میرا گھر ہے۔" ایفیش گاڑی سے اتر گئی اور پرس
سے جانی نکل کر اندر داخل ہو گئی۔

"ہنس شہر میں تمہارا گھر ہے تو ہاسٹل میں کیوں رہتی

آنسوؤں کی جہیز ملک تعمیر کر کے فارن کر لے گئے
ہیں۔ اپنے اس جذبہ خدمت کی خودی تندرالی کرتے
ہوئے اس کر لے کا بڑا حصہ اپنے اکلوتے میں جمع
کرواتے ہیں۔ "ایش" کے چہرے پر غصہ تھا۔

"یعنی ان سے تمہارا اصولی اختلاف ہے؟"

"ان سے میرا ہر درجے کا اختلاف ہے۔ اولاد کو ہم
اور جیسے دنیا کافی نہیں ہوتی۔ میں نے اپنا ہر اکیر الیا
اور ہر اس چیز کی تصویر لی جو میری زندگی میں نہیں تھی
اس طرح مجھے کمرے سے محبت ہو گئی۔ ایش کے ساتھ
اختلاف کو پس پشت ڈالنے کے لیے میں نے اپنی راہ
بدل لی اور اسٹیل میں شلٹ ہو گئی۔ اب میں پچھلے چار
سال سے اپنی پسند کی زندگی گزار رہی ہوں۔ لہلے
سے کھانا پانیک پر دھنا میرے لیے اس لیے ہر لطف
ہیں کیونکہ مجھے صرف چار سال اس ہر لطف زندگی کے
ملے ہیں ورنہ مجھے بڑے ریستورنٹ میں کھانا
ایکسٹیکوڈیو کیو کلب کی لائیکلاس پارٹیز میں نے ساری
عمر دیکھی ہیں۔" ایش نے تقریباً "ساری ریل دھولی
تھی۔ جس طرح تصویریں دھول کر دیا تھی وہی تھیں
ایسی طرح توئی کی نظر میں ایش کی زندگی واضح ہو گئی
تھی۔

وہ ایش جوزف تھی۔ ایک بروکن ٹیلی کی ڈیٹریڈ
فرک۔ جس نے زندگی میں اپنی راہ خود متعین کی تھی
جو توئی کی زندگی اور خاندان سے کہیں میل نہیں
کھاتی تھی۔ پھر پھر بھی آوی کو اس سے محبت ہو گئی
نہی۔



چھٹیاں ختم ہوئیں اور پورا ملک کی رونق بھل
گئی۔ ہم جماعتوں کی واپسی کے بعد باہم بہت سکون
سے رات گزاراں جبکہ دوسری لڑکیوں کی ابتدا آئی راتوں
میں ہم سسکیاں ڈورم میں سنی جاتیں۔ اسکول سے
بے حد محبت بھی کمرے سے بدلنے کا غم کم کرنے میں وقت
لگتا تھی۔ پھر جب روٹن میں آجائے تو اس ہونے کا
وقت ہی نہیں ملتا تھا سات بجے چھٹیاں گھر کے

"شاید ہی اس کمرے سے میں نے کوئی تصویر
لی تھی ہوگی۔ البتہ میں نے اسے خوب استعمال کیا۔ ہر
موقع پر کسی نہ کسی کو پکڑ کر اپنی تصویر کھینچواتی۔ میرے
مذاہم سہیلیاں سب انصاف پر کھینچنے میں مشغول ہو گئے
تھے۔ بدلے میں مئی بھی کھینچاتی انصاف پر کھینچتیں۔ کبھی
کچن میں کبھی کام کرتے ہوئے اور زیادہ تر فطرح
کرتے ہوئے میرے ذہن میں بھی یہ سوال نہیں آیا
کہ ان کی تصویر کون لیتا ہے۔"

ایش اب تیشین کی مدد سے نیکیٹو کا عکس ایک
بڑے کلفڈ پر اندر رہی تھی۔
آوی خاموشی سے اس کو سن رہا تھا۔

"پھر مئی کی تصویریں اتانم ہوئیں تو بھی میں اپنی
انصاف پر کھینچتی رہی۔ جب میں تیرہ سال کی ہوئی تو مئی
نے مجھے بہت ساری تصویریں بھیجیں۔ لگتا تھا پوری
ریل ہی پوسٹ کر دی ہو۔ ساتھ ایک مبارک باد کا خط
تھا۔ میرا بھائی ہوا تھا کسی تصویر میں وہ آئینہ نہیں
تھیں۔ ان کی گود میں ایک بچہ تھا جس نے میری جگہ
لے لی تھی۔" ایش اب نیکیٹو کی ٹرے میں تصویریں
کلفڈ بھگور رہی تھی اور اس پر آہستہ آہستہ تصویر ابھر
رہی تھی۔

"ٹوڈ سے طلعت انہوں نے جانے سے پہلے لے لی
تھی۔ ان تصویروں کو دیکھ کر لگا جیسے اس دن میری اور
مئی کی بھی علیحدگی ہو گئی ہو۔" ہم روٹن نے اس کی
آنکھوں کی نمی کو چھپا کر کھا تھا۔

"اس کے بعد میں نے بھی مئی کے لیے تصویر
نہیں کھینچ لی اور غصے میں کمر اتور ڈالا۔" روٹن پر ایک
تار لگی ہوئی تھی جس پر بے شمار کلب تھے۔ ایش نے
ایک کلب کی عدد سے تصویر سوکنے کے لیے لکھ دی۔

"اور تمہارے ٹوڈ؟" آوی نے پوچھا۔

"ان سے تو ایک گھر میں رہتے ہوئے بھی تصویریں
رشتہ تھا۔ وپاکستان میں بالیتوں کی سب سے بڑی امن
جی او چلاتے ہیں۔ تم نے ان کا نام بھی نہیں سنا ہوگا
کیونکہ ان کی وارڈ روم کی طرح ان کے ڈور بھی
اپورٹڈ ہیں۔ یہاں موجود ضرورت مند عیسائیوں کے

سب سونے کو لینے تو کئی سسکیں بلند ہوئیں جو دم ہوئی ہوتی بچھ گئیں۔ ہاسپر نئی تھی اس لیے اس کی آواز آخر تک آتی رہی۔ بڑا نام کے بعد باتیں کرنا سختی سے منع تھا، مگر وہ ماہم ہی کیا، جو اصولوں کے آگے جھک جائے۔ پچھلے چند سالوں سے اپنی اصول توڑنے کی عادت کی وجہ سے اس نے انتظامیہ کا ناک میں دم کر رکھا تھا۔ آہستگی سے بستر سے نکل کر ماہم کے بستر میں کھس گئی۔ خوش قسمتی سے پردا سرکنے کی آواز کسی نے نہیں سنی۔

"ابھی نئی ہو" آہستہ آہستہ عادت ہو جائے گی۔"

ماہم نے سرگوشی کی۔
ماہم کی ماں کی چار سال پہلے وفات ہو گئی تھی۔ وہ سال پہلے ماہم کے پاپا نے دوسری شادی کر لی تھی۔ ماہم کلاس کے ٹولب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کے رشتے میں مداخلت سوتلاہن نہیں تھا بلکہ شوگر کوڈ کھچاؤ تھا۔ سال پہلے ماہم کا دسرا بھائی پیدا ہوا تو اس کی نئی نے ابر کلاس سے تعلق کا ایک اور قصدا پورا کیا اور ماہم اور اس کے بڑے بھائی کو بورڈنگ بھیج دیا۔

اسی رات ان دونوں کی خوب اچھی دوستی ہو گئی۔ ناشتے اور پڑھائی کے بعد وہ بالکل میں کسی کتب کے ساتھ بیٹھ جاتیں اور گیت سے آتے جاتے والدین کو دیکھتیں۔ اتوار کے روز والدین صبح دس بجے ملنے آتے اور چاہیں تو بچوں کو غروب آفتاب تک ساتھ لے جاسکتے تھے۔ ماہم کو کسی کا انتظار نہیں ہوتا تھا پھر بھی وہ والدین کی تندرہ وقت کا منتظر دیکھتی اور اپنی جگہ میں خشک میوے کو چٹکوں سے آزاد کرتی رہتی۔

"شیریں! تم اُھر کیا کر رہی ہو۔ فون کل کا انتظار نہیں کرنا؟" ماہم نے اپنی ہم جماعت کو توازدی۔

جن کے والدین دور شہروں میں مقیم تھے۔ وہ فون کے اور گرد جمع ہو کر فون کا انتظار کرتیں، جس پر انہیں سرسید کی منشیات کرنے کی اجازت تھی۔

"نہیں! میری کل نہیں آئے گی۔" شیریں قریب آگئی۔ "پلاٹیکشن میں مصروف ہیں اور تم کی دعائی گئی ہوئی ہیں۔"

"اور یعنی اس میں تمہان کو نہیں دیکھ سکو گی۔" ماہم نے اسے غلیل سے توازدی بلوام کی گریاں پیش کیں۔
"نن کو دیکھنا کون سا مشکل کام ہے۔ کل کے اخبار میں ان کی کئی تصاویر اور بے شمار سیاسی بیانات ہوں گے۔" شیریں کے کنبے میں اس کے نام کے برعکس تاثر تھا۔

"نہنہ آئیں تو سرخیاں لگتی ہیں۔"

"لوہ میرے والدین جب آجائیں تو سرخیاں لگ جاتی ہیں۔" سارا نے پیچھے سے آتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ماہم بھی تھی۔ سارا کے والدین فلمی دنیا کا معروف طلاق یافتہ جوڑا تھا۔ وہ سب اس سے ملنے آتے تو اسٹاف روم تک دھوم مچا جاتی۔

"واہ سنگ شائے۔" ماہم نے غلیل کو دیکھ کر اس کا انگریزی نام لیا۔ "تمہیں چلانا آتی ہے؟"
"اس میں کیا مشکل ہے بس نشانہ لے کر کہیںو۔" ماہم نے بلوام کھینچ کر چھوڑا۔ جو طاقت سے دشمن پر لگا اور اس کا چھلکا ٹوٹ گیا۔

سب نے باہری باری قسمت آزمائی کی۔ جب ماہم کی باہری آئی تو نشانہ لیتے کے لیے سب نے الگ الگ جگہیں تجویز کیں۔

"میرے پاس بستر تھپڑا ہے۔" ماہم نے شرارت سے کہا اور بلوام چھوڑ کر مونا اخروٹ پکڑ لیا۔ نیچے نہنہ رہن ان کے والدین اور چھوٹے بھائی کے ساتھ جاری تھی۔ ماہم نے پوری طاقت سے اس کے سر کا نشانہ لیا جو اس کی کمر پر لگا اور وہ چیخ کر اچھل۔ چاروں لڑکیاں بالکل کی بڑنگ کے پیچھے چپ گئیں۔
ماہم کو نہنہ رہن جیسی لڑکیوں سے سخت نفرت تھی۔ وہ پڑھائی میں درمیانے درجے کی تھی مگر لیبہ آداب کی وجہ سے تجویز اس کو بے حد پسند کرتی تھیں جو نہ خود قانون توڑتی تھی اور نہ کسی اور کو توڑنے دیتی تھی اور سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ وہ ان لڑکیوں میں سے تھی جس کے والدین لوہار کو باقاعدگی سے ملنے آتے تھے اور اگر نہ آسکیں تو لائن چلے جتنی بھی مصروف ہو فون ضرور کرتے تھے۔ جن کے لیے الوہار

کو دس بہت دیر سے بچے اور سورج بہت جلد غروب ہو جاتا تھا جن کے دوسرے رشتہ دار بھی باقاعدگی سے خط اور کارڈ بھیجتے تھے جن کو لے کر وہ پورے کالونٹ میں خوشی سے آرتھری پھرتی تھیں ان کے خاندان کے کئی افراد نے اس ادارے سے تعلیم لینے کے لیے گیت پار کرتے ہوئے ماہم کو دیکھ لیا۔ اس کی نظر سے ماہم کو کچھ کا محفل احساس ہوا تھا۔

سسٹر ہیلن اپنے آفس کے باہر بے چینی سے شغل رہتی تھیں۔

اسکول کی چھٹیاں ہوتیں تو والدین اساتذہ سے پروگرامس رپورٹ لے کر بچوں کو ہر نوٹ لے جاتے مگر اس روز کچھ مختلف تھا۔

”مذکیوں نے سلمان پیک کر لیا؟“ سسٹر ہیلن نے ذور مز میں رہتے سوال سسٹر سے پوچھا۔

”جی۔ سلمان جانے کے لیے تیار ہے۔“

”سلمان کی تلاشی لینی ہوگی۔ میرے آفس سے

مونیکا سمیت کی دھمکا شدہ ہلکے گیند عتاب ہے۔“

گیند اسکول کی ایک سابقہ طالبہ نے پروفیشنل ہالکی میں

ماہم کمانے کے بعد بھیجی تھی جو شیٹ کے پس میں

محفوظ رہتی تھی اب وہیں بار کر کے تین بیٹوں والا

پھول ہوا تھا جو چور کی نشانی تھی۔

”تمام بہت اچھے خاندانوں کی لڑکیاں ہیں وہ چوری

کیسے کر سکتی ہیں۔“ سسٹر مار تھا کو اپنی تربیت پر بخود سنا

تھا۔

”یہ ہی تو حیرت ہے لڑکیوں کو تو کھر جانے کا کس قدر

انتظار ہوتا ہے اور۔“ سسٹر ہیلن نے ذہن پر زور دیا۔

”ماہم کہیں ہے؟“ وہ معاملے کی تہ تک پہنچ گئی تھیں۔

ماہم بھی اپنا سلمان ضرور پیک کرتی تھی۔ چاہے چند

گزشتہ جا کر کدھر سے کمرے میں کھولنا کیوں نہ پڑے وہ

سب ماہم کے کمرے تک گئیں۔

”ماہم سلمان کھولو۔“

ماہم جانتی تھی کہ اس تعیش کا کیا مقصد ہے اس

لیے اس نے دیر نہیں لگائی اور جیب سے صرف گیند

نکال کر بھاڑی۔ کمرے میں شدید جھگڑا تھا اور ماہم زمین

پر نظریں گاڑے کھڑی تھی۔

”بھئی! آپ نے ایسا کیوں کیا؟“ سسٹر ہیلن سزاوے

کر اڑدیکھ چکی تھیں اس لیے پیار کی زبان آزمائی۔

پھر نہ ماہم نے آنسوؤں پر بند باندھا اور نہ اس نے

اپنے الفاظ مرد کے اور تمام احساسات پتا دیے۔ نہ کس

طرح اس کو اکیلے رہنے سے خوف آتا ہے اپنا خاندان

نہ ہوا اس کے لیے دکھ کا باعث ہے۔ وہ گیند چرا کر اپنی

سیلیوں کو جانے سے روکنا چاہتی تھی۔

ماہم کے چپ ہونے تک سب اس کو تسلی دیتے

رہے۔ کسی نے اس کی اس حرکت کی سزا نہ سنائی۔ حل

کا غبار نکال کر ماہم باہر نکلی تو اس نے ایک نئی بات

سیکھی کہ خلاف توقع کام کرنے سے توجہ ملتی ہے۔

اسی بات کو پہلے سے جاننے والے ماہم گیت کے قریب لگی

اسکول کی تھکنی زور زور سے بجاتے ہوئے اونچی آواز

میں گانا گانے لگی۔ گاڑیوں میں بیٹھے والدین نے ایک

کڑی نگاہ ماہم پر ڈالی تو ماہم کے خیال کی تصدیق ہو گئی

کہ خلاف توقع کام کرنے سے درحقیقت توجہ ملتی

ہے۔



گھر کے باہر گاڑیوں کی ایک قطار تھی اور اندر لان

کے پاس چند بیٹھے تھے۔ ڈارنگ روم میں خواتین

سارے بچے اپنے اپنے انداز میں بیٹھی قرآن

شریف پڑھ رہی تھیں۔ آؤں سب چیزوں سے نظر ہٹا

کر میزچیوں کی جانب لپکا۔

”آؤں! بات سنو۔“ بیگم رونق جہاں نے تیسری

میزچی پر اس کو آواز دی۔

”جی۔“ آؤں نے کوفت سے کہا۔

”گھر میں قرآن خوانی ہے۔“

”دیکھ رہا ہوں۔“

”تم بھی وضو کر کے سپاہ پڑھ لو۔ اس مہینے

تمہارے ابو کی برسی ہے۔ ان کی روح کو ثواب پہنچے

گا۔“

”جی! چھ۔“ آؤں کی کوفت غائب ہو گئی تھی۔

تھا مگر جارا آجائے تو کچھ نہیں ہوتا۔ سارے کام دھڑے کے دھڑے رہ جاتے ہیں۔" بیگم صاحبہ نے اخبار میسرور دکھا۔

"زیلے لیا جیسا شخص کبھی نہیں دیکھا۔ آئی کو اہل کے ساتھ مل کر ابا کو یاد کرنے میں لطف آتا تھا۔" "تمہارے ابا جیسے ایک اور شخص تھے۔ صدیق صاحب۔ تمہارے لبا ہمیشہ ان کے سبھے مرتجہ اور ہم کی تعریف کرتے تھے۔"

"صدیق صاحب ان فلور فلور والے؟" "توی نے صدیق کی۔"

"ہاں دے۔ کل ان کی بیوی اور بیٹی بھی آئی تھیں۔ بہت سیاری تھی۔ سہ ایم اے کر رہی ہے۔ بالکل اپنے خاندان کی طرح سلطنت بھی ہے اور ہم بھی۔ نو شین نام ہے۔" "مدتی جہاں مدعا پر آئیں۔"

"توی کے جسم میں کٹے تھے۔ لگے۔ یعنی یہ محبت سے محنت۔ ابا کا ذکر۔ یہ سب ایک دکھا رہا تھا۔ وہاں نہیں بنی تھیں۔ بلکہ ایک یاہر برکس لا سن کی طرح ماحول ترتیب دے رہی تھیں۔ جس میں ان کا پردہ بدل مدد ہو سکے۔"

"وہیں نے شادی کے متعلق سوچا نہیں اور ایک گھریلو سلطنت شعار لڑکی سے شادی کا ہرگز کوئی ارادہ نہیں۔" "توی کے لیے میں گڑا ہٹ تھی۔"

"تو اب سوچ لو اور ارادہ بھی بناؤ کیوں کہ میں فیصلہ کر چکی ہوں کہ نو شین ہی اس گھر کی ہوس بنے گی۔" "مدتی جہاں ضد میں بھی اس کی ہاں تھیں۔"

"میری زندگی کا فیصلہ میری مرضی سے ہو گا۔ آپ مجھے مجبور نہیں کر سکتیں۔" "توی کا لہجہ بلند ہو گیا۔"

"یہ اہم نہیں کہ فیصلہ تمہاری مرضی سے ہو یا میری مرضی سے۔ اہم یہ ہے کہ اس فیصلے میں تمہارے ابا کی مرضی شامل ہے۔" "مدتی جہاں نے توی کا حجب اسی پر استعمال کیا۔"

"تم اپنے ابا اور ان کی پسند کو اچھی طرح جانتے ہو۔ اپنی شریک حیات کا انتخاب کرتے ہوئے یہ سوچ لو کہ کس قسم کی لڑکی تمہارے ابا کی امیدیں ہوس ثابت

"ہاں ہے نیچے۔ آؤ اپنے کمرے میں ہی پڑھ لو۔" "مدتی جہاں نے مسکراتے ہوئے کہا اور دوبارہ ڈرائنگ روم میں چل گئیں۔"

اس بات میں کوئی حکم تھا نہ کوئی دباؤ۔ اس لیے عمل کرنے کا دل بھی چاہ رہا تھا۔ آئی نے لہا کر وضو کیا اور عرصے بعد قرآن پڑھا۔ محفل کے انتظام پر بیگم مدتی جہاں توی کے کمرے میں آئیں۔

"آپ نے کیوں میز چھایا چڑھیں مجھے بلایا ہوتا۔" "توی کو شرمندگی ہوئی۔"

"وہ بھی بہت ذمہ دار ہیں مجھ پر۔ تمہارے ابا کے کئی اوصاف کلام پائے تکمیل تک پہنچانے ہیں۔ اتنی جلدی بہت نہیں چھوڑ سکتی۔" "توی نے تجسس کیا کہ پچھلے دو دنوں سے گھر میں اس کے ابا کا ذکر کیا ہو رہا تھا۔"

"نہیں تو بس تم سے تمہارے دفتر کا حال پوچھنے آئی تھی۔ کام چم گیا؟"

بیگم مدتی جہاں نے بہت سکون سے توی سے اس کے کام کے متعلق سوالات کیے۔ کچھ مسئلوں پر مشوروں کا تبادلہ خیال ہوا اور پھر شب بخیر کہتے ہوئے چلی گئیں۔

صبح توی جاگنگ سے سو اہیں آیا تو پچھلے دن کی محفل کے کئی اثرات موجود تھے۔ جس کی ہڈی وجہ یہ تھی کہ بیگم صاحبہ اب تک لان میں بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ توی نے گھڑی دیکھی۔ اس وقت تو وہ ناشتا کر کے جا چکی ہوئی تھیں شاید پچھلے روز کی تھکاوٹ کا اثر تھا جو آج تاخیر ہو گئی پہلے وہ نظر انداز کر کے گزرنے لگا مگر قریب پہنچ کر اس نے ارادہ بدل دیا۔

"السلام علیکم۔"

"و علیکم السلام۔" بیٹھو بیٹھا تھوڑا سا سانس لے تو درندہ بھاگتے بھاگتے عمر گزر جاتی ہے اور احساس بھی نہیں ہوتا۔ "بیگم صاحبہ نے اخبار منہ کیا اور ملازمہ کو توی کے لیے فریٹس جو س لائے اندر بھیج دیا۔"

"تمہارے ابا کے بارے میں سوچ رہی تھی۔ کیا معلوم انہوں نے زندگی میں کیا کچھ کرنے کا ارادہ کیا ہوا

”ٹھیک سے فریڈے کے بعد کسی دن چکر لگاتا ہوں۔“ آدی کے کچے میں جبکہ اس کی شرمندگی کی علامت تھی۔

ایش نے فون بند کر کے دوبارہ خط پر لگے غیر ملکی ٹکٹ کو دیکھا۔ اس کے پاس خط کا جواب دینے کے لیے محدود وقت تھا اور وہ کوئی سے بات کرنے کے بعد ہی فیصلہ کرنا چاہتی تھی کہ کیا جواب دے۔

کوئی اگلے ہفتے بھی اس سے نہ مل سکا۔ جس کی کچھ وجہ مصوبیت تھی مگر زیادہ اہم وجہ رازداری تھی۔ وہ اپنے گھر میں چلنے والے محلے کی بجائے محلہ اس پر نہیں بڑنے دینا چاہتا تھا۔ اس لیے سامنا کرنے سے پہلو تھی کر رہا تھا۔

ایک ہفتے بعد لافش نے دوبارہ فون کیا تو آدی اس وقت آفس میں نہیں تھا۔ اس لیے بات نہ ہو سکی۔ فون رکھ کر ایش نے بیگ اٹھایا اور پی سی او کا رخ کیا۔ اس کو بیرون ملک فون کرنا تھا جو ہاسٹل سے نہیں کر سکتی تھی۔ اس نے خط کا جواب سوچ لیا تھا اور جواب لکھنے سے پہلے اس کو اپنی مٹی سے بات کرنی تھی۔



سورج کے طلوع اور غروب ہونے کے انتظار میں کتنی زندگیاں ابتدا سے اختتام کی مسافت طے کرتی ہیں۔ وہ پھاڑ بھی کئی ہستیوں کے عروج و زوال کے شہد تھے۔ ان میں بسنے والی ایک اور زندگی بچپن سے جوانی کی مسافت طے کر چکی تھی۔ کبھی وہ ایک ننھا فرشتہ بن کر اس سنگدل زمین کو اپنے قدموں سے گدگداتی تھی۔ پھر بچپن کی جگہ انہوں نے لے لے اب لہو والی کے ساتھ اس کے مزاج میں ایک نغمہ بھی آگیا تھا۔

اس کے انداز کے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی لا سروں کو متوجہ کرتا تھا۔ بند جوتے اس لیے ہستی تھی تاکہ قدم جھا کر چل سکے۔ جینز کے پائینے کو میچ کر دھماکے نکالے ہوئے تھے اور ٹخنوں کے اوپر ریشمیں بند کر کے کئی ہنگریزی کی شوخ عبارتیں اور نقش و نگار

ہو سکتی ہے۔ ایسی لڑکی جو اس گھر کو سنوار کر رکھے یا ایسی لڑکی جو ہمارے مذہب اور روایات سے ہی ناواقف ہو۔ تمہاری اپنے سرے ہوئے بپ کی خاطر یہ ذمہ داری ہے کہ لوہ آداب کو خود سری اور بے ڈھنگے پن پر تریں۔ ”دونوں جہاں کا تیر نشانے بر لگاتھا۔“ آدی کے لیے میری خوشی اہم ہوتی۔ ”آدی اپنی ماں کی معلومات بنیں کہ ہم کچے میں بولے۔“

”میرے لیے بھی تمہاری خوشی اہم ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میں اور اندیش ہو کر دیکھ پا رہی ہوں کہ تمہاری دیر یا خوشی کس میں ہے اور کیا کوئی بدل لگی ہے۔ جس سے چند روز میں خود تمہارا سامنا کھٹنے لگے گا۔ اگر تمہارے ابا ہوتے تو تمہیں بہتر طور پر قائل کر سکتے تھے۔ مجھے یاد ہے ایک دفعہ تم نے ہی کہا تھا ابا کا وجود نہ ہو کر بھی وہ ہم میں ہیں۔ ان کے فیصلے کا احترام ہم پر لازم ہے۔“ دونوں جہاں نے بات مکمل کی تو ان کی آنکھوں میں رنج کی چمک تھی۔

”میں نے صدیقی صاحب کو کہہ دیا ہے کہ اس جگہ ہم ان کے گھر آئیں گے۔ مجھے کوئی اعتراض نہیں مگر تم کتنی سے پہلے اس سے ملنا چاہو۔“

”شاپاش بیٹا جس پل ٹو۔“ دونوں جہاں گلاس آدی کو تھما کر اندر چلی گئیں۔ اس اہم کام کے لیے انہوں نے آدھا گھنٹہ مقرر کیا تھا اور اب چالیس منٹ ہو چکے تھے۔



ایک ہاتھ میں فون پکڑے اور دوسری مٹھی میں ایک خط تھامے ایش بے چینی سے اپنے پاؤں کے نیچوں پر جھول رہی تھی۔

”اس فراغتے کو میں مصروف ہوں۔ چلو کر بھی نہیں مل سکتا۔“ آدی نے فون کی دوسری طرف عذر پیش کیا۔

”ٹھیک ہے پھر رفت یا اتوار کو کسی بھی دن آسکو۔“ ایش نے ظاہر نہیں کیا کہ اسے ضروری بات کرنی ہے۔

سفر تھا جو باہم محض تفریح کے لیے کر رہی تھی۔
 سارہ کے گھر کا پھنکا پھنکا شاکر رہے تھے جب سارہ کی ماما
 معذرت کرتے ہوئے ایئر پورٹ کے لیے روانہ
 ہو گئیں۔ شیریں اور ادیب نے اپنے والدین کو فون کر
 کے اطلاع دی اور کہہ دیا کہ وہ باور باران کو بچوں کی
 طرح فون کر کے شرمندہ نہ کریں۔ سارہ کی ماما چلنے
 سے پہلے خرچے کے لیے رقم دے کر گئی تھیں۔ سارہ
 نے وہ لفافہ پکڑا اور ملازمین کو ضروری ہدایات دے کر
 اپنا رازدار بنا لیا۔

اپنا اپنا بیگ دوبارہ گاڑی میں رکھتے ہوئے چاروں
 نے اپنے اصلی سفر کا آغاز کیا۔ ان کا بیگ بھوریں کے
 فور سنسار ہوٹل کی طرف تھا۔ جہاں وہ فیملی کے ساتھ تو
 کئی بار جا چکی تھیں اب تہا جا کر زندگی کا نیا تجربہ کرنا
 چاہتی تھیں۔ وہ گھنٹے بعد چار شخص اور پھر تکی لڑکیوں کا
 ٹولہ ہوٹل پہنچا اور فیس بے پروا لقموں سے رونق
 بکھیری۔



”دیر کے قدرتی ماحول میں میرے لوالی مچھلی کو جب
 شیشے کے بنے فینسی بکس میں ڈال دیا جائے تو اس کو بھی
 ایسا ہی محسوس ہوتا ہوگا جیسے وہ محسوس کر رہا تھا۔“
 خضر سوئمنگ پول کے پاس بیچ پر بیٹھا بے تکی پاہیں
 سوچ رہا تھا۔ ابراہم کلاس کے اس عایشان ہوٹل میں وہ
 خود کو مس فٹ محسوس کر رہا تھا۔ مس فٹ رہنے کی
 اس کو عادت ہی ہو گئی تھی۔

سیالکوٹ میں وہ اپنے خاندان کے وہ سرے لڑکوں
 کی نسبت پڑھائی میں بہت اچھا تھا۔ گلی کے کھیلوں
 میں وقت ضائع کر لے کے بجائے کتاب کو ترجیح دیتا
 تھا۔ اس لیے وہاں لڑکوں سے الگ تھنک نظر آتا
 تھا۔ میٹرک کے بعد لاہور آیا تو کالج میں وہ واحد لڑکا تھا
 جو پڑھائی کے بعد چھوٹی موٹی نوکریاں کرتا تھا۔ کیونکہ
 اس کے والد کی آمدن کم تھا تھی اور اس کے تین
 چھوٹے بہن بھائی بھی پڑھ رہے تھے۔ سب کام میں والد
 لیا تو اور گرو کی دنیا ہی بدل گئی۔ ابراہم کلاس سے تعلق

بہار کے تھے۔ قیاس مذہب انداز میں پوری آستینوں
 والی پہنتی تھی۔ ہاتھ کی ایک لٹ کو گھلائی اور نیلے
 دھماگے میں لپیٹ کر ڈیر مٹن بٹایا ہوا تھا جو اس وقت
 فیشن تھا۔ ناخون پر کبھی کل تو کبھی سلور ٹیل پالش
 لگاتی تھی۔ اس بے ترتیب سنگھار کے باوجود اس کی
 شکل و صورت پر مصومیت تھی اور بول چال میں نیز
 اور لکھنا تھا جو اس کی مامی تعلیم پر تربیت کا عکاس تھا۔
 یوڈیٹک میں حسب روایت چھٹیاں ہوئیں تو
 خلاف توقع باہم بھی رخت سفر باندھ کر تیار تھی۔ اس
 مختصر سفر کے لیے اس نے بے شمار تدبیریں کی تھیں۔
 سب سے اہم اپنے گینگ کو منانا تھا۔

”سارہ! تم انکار کر کے اسے ڈر پوک ہونے کا ثبوت
 نہ دو۔ تم تو اکیلے بیرون ملک کا سفر کر چکی ہو۔ ہم سب
 سے زیادہ تمہیں پلنگ ڈینگ کا تجربہ ہے۔ تم انکار
 کر دینی تو میں سمجھوں گی تم ہمیں اپنے گھر میں لے جانے
 کی روادار نہیں۔“ سارہ کو اس نے وہ سی گلا سلا دے
 کر قائل کیا۔

شیریں اس آزاد شہانہ ماحول سے نکل کر اندرون
 سندھ اپنی ریوایتی حویلی میں جانے کے لیے زیادہ بے
 تاب نہیں تھی۔ اس کو ڈر تھا تو پکڑے جانے کا۔ ادیب
 کو قائل کرنا سب سے مشکل ثابت ہوا۔ سارہ نے اپنی
 بے چین چھٹیوں کی روادار سٹائی اور صرف ایک ویک
 اینڈ مانگا تو وہ سی بھانے کو بھی بلان گئی۔ اگلا مرحلہ گھر
 والوں کو منانے کا تھا۔ سارہ نے وہاں ہی ہو کر ان سے
 شکوہ کیا کہ جس وطن اس کی چھٹیاں ہوں گی اسی ملک وہ
 یورپ شوٹنگ پر جا رہی ہیں۔ گھر میں لاہوتے خمار رہنا
 اس کے ساتھ نا افسانہ ہے۔ اس سے پہلے کہ ہس کی
 لوانکا دوا لہ حل تجویز کرتیں سارہ نے خود ہی قیامت
 ظاہر کی کہ وہ ویک اینڈ پر سیلیوں کو بلانا چاہتی ہے۔
 شیریں اور ادیب نے بھی سچی جھولی روو لو سنا کر اجازت
 لے لی۔ باہم کے لیے اجازت روایتی عمل نہیں تھا۔
 اس کو پہلے درخواست دینی پڑی۔ پر پہل نے سارہ کی
 والدہ سے فون کر کے تصدیق کی پھر جا کر اجازت دی۔
 اب وہ گاڑی میں بیٹھے چٹنی کا سرخ کر رہے تھے۔ یہ پہلا

کوئی نہیں یاد رکھتا کہ ہم ہیں یا پیسے کا کیا مسئلہ ہے۔ چھوڑا ہے۔ پریشان نہ ہو۔ اس کے دوستوں نے بد رو منت کی ماحاصل تلاش کے بعد اس کو تسلی دی۔

حضرت جانا تھا کہ اس کے دوست بغیر کہ اس کی تمام ضرورت کا خیال رکھیں گے اور متا میں گے بھی نہیں مگر اس بڑے میں اپنی مائا اور خود داری بھولایا تھا وہ تو کم ہو گئی تھی۔

حضرت نے قصے سے دانت چیتے ہوئے اس کی ہانک لڑکی کے بارے میں سوچا جس کی ٹوپی کی دج سے وہ اس کی شکل نہیں دیکھ پایا تھا۔



ماہم کو کلاس کے بچے میں اس کے بچنے کے لیے کہا گیا اس نے غیر ارادی طور پر اپنی آنکھ کے اوپر جوت کے نشان پر انگلی پھیری۔ تین مہینے سے اس نے کوئی قابل ذکر شرارت نہیں کی تھی۔ پھر یہ دعوت ملے کہ وہ اسی شش و شنبہ میں اس کی پکڑ کرے میں ہائیں طرف سر جھکائے دیکھی کھڑی تھی۔ قریب صوفے پر سلا لباس میں اس کے خلاء خلو بیٹھے تھے۔

"ماہم اریکا اسکول سے جارہی ہے۔ آپ کی اس سے دوستی ہے اس لیے جانے سے پہلے مل لیں۔"

پہل اپنی کرسی پر بیٹھی کہہ رہی تھیں۔

"کیوں دیکھی تم کیوں جارہی ہو؟" ماہم نے روتی ہوئی دیکھی کو گلے لگایا۔

"کیوں کہ یہ چور ہے۔ اس نے میرا نمٹ چرایا تھا۔" کمرے کی دا میں جانب ایک جالی پچانی تو ازانے جواب دیا۔ ماہم نے مڑ کر دیکھا۔ ذنب و سحران ایک ہاتھ میں اپنا قیمتی لاکسٹ لیے غصے سے کہہ رہی تھی۔

ماہم کی آنکھوں میں بھی آنکارے دیکھنے لگے۔ ذنب و سحران جیسی لڑکیوں جن کے پاس گھر یا بارہور تحفظ ہوتا ہے۔ دیکھی جیسی لڑکی کا غم کیسے جان سکتی تھیں۔

"میدم یہ کوئی غلط فہمی ہے۔ دیکھی چور نہیں ہے۔"

دیکھنے والے خاندانی رئیسوں میں اس جیسے لاچار ہی تھے جو اس کا رشب پا کر اس منگے لوہے کا حصہ بنے تھے۔ لیکن تعلیمی اداروں میں دوستی خیانت سے بچی ہے اس لیے حضرت اور اس کے دوستوں نے طبقاتی فرق ہمیشہ نظر انداز کیا ہے۔ کام کے پیروے کر فارغ ہوئے تو عملی زندگی میں قدم رکھنے سے پہلے ایک یادگار تفریح تو ان کا حق تھا۔ حضرت تو برسوں سے عملی زندگی کے جھمیوں کو نبھا رہا تھا۔ اس لیے اس تفریح پر سب سے زیادہ حق اس کا تھا۔ اس نے ہائی بھلی کیونکہ اس سمیت کسی بھی لڑکے کو کمرے کا کرایہ نہیں دیتا تھا۔ اس کے ایک دوست کے والد کی کمپنی نے کچھ بیٹے ملے ایک بڑے درجے کی کانفرنس منعقد کروائی تھی جس پر ہونے والوں نے چند کمرے کچھلے منٹوی دیے تھے جن سے وہ فائدہ اٹھانے آئے تھے۔ حضرت نے بیویوں بلایا ہوا کھول کر دیکھا۔ بڑے میں حسب ضرورت رقم موجود تھی۔ جو اس نے پارٹ مام جاب کر کے جمع کی تھی۔ وہ محنت سے جوڑی ہوئی رقم ضائع نہیں کر رہا تھا بلکہ اپنے صبر کا پھل پور رہا تھا اس لیے وہ تمام منفی خیالات کو جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔ اب وہ کسی بھی چیز کو اپنی تفریح کے درمیان حائل نہیں ہونے دینا چاہتا تھا۔ اس نے بچ سے اٹھ کر اپنی مائیں اور باند سیدھے کیے جو پانچ گھنٹوں کی مسافت سے آکر گئے تھے۔ اچانک ایک دلی تلی لڑکی اس سے آکر ٹکرائی اور وہ معذرت کرتا ہوا اس کے راستے سے ہٹ گیا۔ ش کیپ پنے لڑکی زمین کی طرف متوجہ کیے جس تیزی سے آتی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔

"لوئے حضرت! ادھر کیا کر رہا ہے۔" کسی دوست نے تو اڑ دی۔ وہ سب شام کا پلان کر رہے تھے۔ حضرت نے خشک ہوتے ہوئے موسم کے باعث ہاتھ جیب میں ڈالے تو خوشوار موسم کے باعث بھی ماتھے پر پیتہ آگیا۔ اس کی جیب میں ہوا نہیں تھا۔

"کیا ہوا یا ر؟" ایک دوست نے اس کی کندھا دیا۔

"صبر! ہوا نہیں ہے۔" حضرت نے بے چینی سے ارد گرد کھا کہ شاید گر گیا ہو۔

نہیں اس پر غلط الزام لگا رہی ہے۔ "ماہم نے اس کی وکالت کی۔

"لاکٹ بکس کے سالن سے ملائے اور ملتے ہی ہم نے اس کے گارڈین کو بلوایا تاکہ فیصلہ سب کے سامنے ہو۔ ہمارے اسکول میں بہت اچھے خاندان کی لڑکیاں پڑھتی ہیں یہاں چوری کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس لیے ریکارڈ کو خارج کرنا واحد حل ہے۔"

ماہم نے غصے سے نہب کو گھور کر یقیناً "ہم نے جان بوجھ کر لاکٹ بکس کے سالن میں رکھا ہو گا۔" اس کا مطلب ہے۔ "جک" ماہم کی نظریں چلی جی جی کر کہہ رہی تھیں۔

یہ بات سب جانتے تھے کہ نہب اور ماہم کی ایک دوسرے سے نہیں جتنی۔ مگر بکس کے جانے کے بعد ان کی ٹوک جھوٹک شدید ہو گئی تھی۔ بات کھاس مباحثے میں مختلف نظریے ہونے سے کہیں آگے بڑھ گئی تھی۔ ماہم نے نہب کے ٹی شرٹ جس پر میڈیا کے کئی معروف لوگوں کے دستخط ہوئے تھے اور جسے نہب کسی مشہور عزیز کی طرح سنبھال کر رکھتی تھی۔ ایک دن باسپلی گروٹھ میں جھنڈے کی جگہ کھسے پر لہرا رہی تھی۔ کئی لڑکیاں لوہر پچھڑا جھنڈے سے اس کو دیکھ رہے تھے۔

"کس کی شرٹ ہے؟" ٹی شرٹ اتروا کر پچھرنے غصے سے پوچھا۔

"میں میری ہے۔" نہب نے نفرت سے اقرار کیا۔

"یہ اسکول ہے۔ مشہور ہونے کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ روٹی بٹا کر کھائیں۔" پچھرنے غصے سے ٹی شرٹ نہب کو تھما لی۔ اس میں دھنسنے کے بعد اس کی سیاہی کافی پھیل گئی تھی۔ نہب نے روٹی لسی ہو کر اس میں ایک نیا اضافہ دیکھا۔ اس پر لال رنگ سے ایک ٹین بٹون والا پھول بنا ہوا تھا۔ بالکل ماہم کی آنکھ کی چوٹ جیسا۔ جو ماہم نے بطور آنو گراف دیا تھا۔ نہب ہیرا پھٹی ہوئی اپنے ڈورم میں چلی گئی۔

اس کا بدلہ نہب نے پروجیکٹ وائے پر افکار پیش

خسٹر کے سامنے ماہم کو شرمندہ کرا کے لے لیا۔ جب ان کے ساتھ اسکول کے بورڈ آف گورنرز اور قریبی چرچ کے ایشپ بھی مدعو تھے۔

یہ سلسلہ طول پکڑ گیا۔ ماہم نے نہب کے سر پر میں تھیلی والا پاؤں ملا دیا اور نہب نے اس کے ملک پاؤں میں بغض کشا دیا۔

نتیجہ۔ طنز و مزاح بعد وہ نسل پر نسل آفس میں پکڑی تھیں۔ جرم ثابت ہو گیا تھا جس سزا سناتے کی دہر تھی۔ پرنسپل کے علاوہ وہاں نہب کے والدین بھی موجود تھے۔

"بچیوں کی آپس لڑائی سے اگر ہم پہلو ہٹ کر رہیں تو اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ہم حالات سے بیوقوف ہیں بلکہ ہمارا مقصد یہ ہوتا ہے کہ بچیاں خود اپنے مسائل حل کر سکیں۔ مجھے اس بات سے کوئی سروکار نہیں کہ پرنسپل کس نے کی۔ میری نظریں دونوں کا قصور برابر ہے اور دونوں کو برابر کی سزا ملے گی۔" پرنسپل نے لڑکھائی کہا۔

"بچیاں اجازت ہونے کی معافی چاہتی ہوں۔" ماہم نے نظریں جھکا کر کہا۔ "جس طرح اس کمرے کے آفر لو میں توازن نہیں اس طرح ہلاری سڑا بکس کیسے ہو سکتی ہے؟ نہب آپ کی رہی ہوگی سڑا کالے کی لور اپنے والدین کے ساتھ گھر چلی جائے گی جبکہ میں مقدر کی سزا کٹوں کی لور چھٹیوں میں بھی بیٹھ رہوں گی۔" ماہم نے چند لمحے خاموش ہو کر دوبارہ بات شروع کی۔

"انصاف تو تب ہو جب نہب بھی ان چھٹیوں میں گھر نہ جائے اور سبق سکھے کہ بکس جیسی لڑکیوں کی زندگی کتنی سخت ہوتی ہے۔" ماہم نے لوب سے کہا۔ کمرے میں مکمل سناٹا تھا اور نہب ہونٹ سی اپنے والدین کا منہ تک رہی تھی جنہوں نے ماہم کے مطالبے پر احتجاج نہیں کیا تھا۔ پرنسپل نے نہب کے والدین سے مشورہ کرنے کے لیے دونوں لڑکیوں کو باہر بھیج دیا۔ تھوڑی دیر بعد دونوں کو اندر بلا کر فیصلہ سنایا گیا۔

"مظاہر تم دونوں میں اختلاف رائے ہے اور

میں مشکلوں کی عادی ہو گئی ہوں۔" انیش نے رعایت لفظی کے تڑکے کے ساتھ کہا۔

"میں نے اتنے عرصے رابطہ نہیں کیا۔ اس بات کا غصہ قابلِ رہی ہو؟" آدی نے سنجیدگی سے کہا۔

"مہارے درمیان ایسا کوئی رشتہ نہیں کہ ناراض ہو کر سزا سنائی جائے ورنہ شکوہ تو میں بھی کر سکتی ہوں کہ میری ذاتی زندگی کی تفصیل جان کر تم نے رابطہ ختم کر دیا۔" انیش نے بھی ہونوک کہا۔

"اچھا! تم یہ سمجھتی رہی ہو کہ تمہارے مذہب کو جاننے کے بعد میں پہلو تھی کرنے لگا۔ نہیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" آدی نے بے چین ہو کر وضاحت کی۔

"میں نے پہلی بار اپنا خیال تو ذکر کسی کو اپنے وجود میں جھانکنے کی اجازت دی تھی۔ تمہارا ایک دم غائب ہو جانا اسی بات کا حاکم تھا؟" انیش اپنی عادت کے مثالی نگہ کر رہی تھی۔

"میں مصروف تھا۔ گھر میں میری شادی کی بات چل رہی تھی۔ میں پہلے اس معاملے کو پیشِ دفع کرنا چاہتا تھا۔ تم سے پہلو تھی میری ناراضی نہیں۔ میری شرمندگی کے باعث تھی۔" آدی بھی خلافِ عادت اپنے مذہب کی وضاحت دے رہا تھا۔

"جب یونیورسٹی سے ایڈمیشن کا خط ملا تو میں نے تھیسز فون کیا۔ تم آفس میں نہیں تھے۔ میں نے بہت سوچا اور پھر مہما کو کل کر کے اطلاع دی کہ میں ایڈمیشن لے رہی ہوں اور فن کے پاس آ رہی ہوں۔" انیش نے بتایا۔

"واپس کب آؤ گی؟"

"خانہ بدوش واپس نہیں آئے۔ آگے کہیں اور ٹھکانہ بنا لیتے ہیں اور بہتر بھی یہی ہے کہ تم میری واپسی کی چاہ نہ کرو اور اپنی زندگی میں آگے بڑھ جاؤ۔

درحقیقت ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے ہارے ہیں سنجیدہ نہیں تھے اور اس تعلق کو آج نہیں توکل ختم ہوا ہی تھا۔" انیش نے سمجھایا۔

"یعنی ہماری کمانی کا یہی انجام ہونا تھا؟" آدی نے

حقیقت میں تم ایک دوسرے کی زندگی کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ انسان بعض اوقات کسی دوسرے کی آسودہ زندگی سے تالاں ہوتا ہے تو اکثر دوسرا اس انسان کی زندگی پر رشک کر رہا ہوتا ہے۔ تم دونوں کو ایک دوسرے کو سمجھنے کی ضرورت ہے۔ مہما! میں آپ کی بات سے قائل ہوں کہ آنے والی چٹھیاں آپ دونوں کو ساتھ گزاریں گی انہیں ذہن کے والدین آلودہ ہیں مگر ذہن یہاں نہیں رہے گی آپ ذہن کے ساتھ اس کے گھر جائیں گی۔" پرنسپل نے فیصلہ سنلایا۔

کیا! نہیں! کیوں! ان کے اعتراض بلند ہونے لگے مگر پرنسپل نے ہاتھ اٹھا کر دونوں کو خاموش کر دیا۔

"فیصلہ حتمی ہے۔"

ذہن اپنے والدین کے ساتھ کمرے سے باہر نکل گئی اور اس کے والدین اس کو فیصلے پر قائل کرنے لگے۔ مہما نے بھی غصے سے سوچا ہوا منہ دروازے کی طرف برصا یا تو پر پھیلنے روک دیا۔

"مہما! میں ضروری نہیں کہ ہر انسان کی مجبوری اس کو بڑا انسان ہی بنائے۔ یہ کیا آپ کی سبیلی تھی اس لیے آپ کے لیے اس کا نقص قبول کرنا مشکل ہے۔ مگر حقیقت یہی ہے کہ اس نے لاکھ خرچ کیا تھا۔"

پرنسپل نے مہما کو سوچنے پر مجبور کیا۔

چند ہفتوں میں گلتا ہے جو نیا ہی بدل گئی۔ تم کمرے کے بغیر ہو۔ منظر بہت اچھا اور سالک رہا ہے۔" آدی انیش کو دیکھ کر خوش تھا۔ اس لیے شوخی سے چھیڑ رہا تھا۔

"اس ملک کی بہت تعلیم سمجھ لیں۔ اب تو یہ دن ملک جا کر رول ضلع کروں گی۔" انیش نے سلوگی سے کہا۔

"کیس باہر جا رہی ہو؟" آدی سینڈویچ کھاتے ہوئے رک گیا۔

"میرا امریکا کی بہت اچھی یونیورسٹی میں ایڈمیشن ہو گیا ہے۔ مجھے احساس ہے کہ یہ سطر مشکل ہو گا۔ مگر

یو بھل لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
 مہاراجہ کوئی کہانی نہیں تھی۔ مس انتہا قات کی ایک
 لڑی تھی۔ دل بھلاتے ہوئے دل دکھاتا ہے واقعی ہوتی
 ہے۔

”کچھ لوگ اسے محبت بھی کہتے ہیں۔“
 انیش اپنے اطراف ایک دائرہ کھینچ کر آئی تھی جس
 سے وہ آگے نہیں بڑھنا چاہتی تھی۔

”ان باتوں کو چھوڑ۔ ممکن ہے یہ ہماری آخری
 ملاقات ہو۔ آج مجھے تمہاری گاڑی چلانی ہے۔ خدا
 معلوم مستقبل میں تم جیسا امیر لڑکا ملے نہ ملے۔“
 انیش نے پہلے سا انداز کرنے کی کوشش کی۔
 آوی نے چلتی پھرتی اور انیش چلنے کے
 ریٹورنٹ سے باہر نکل گئی۔ آوی بھی ملے اور کر کے
 پیچھے آگئی۔

”مجھے فون کر دینی پڑھنی تھی مگر وہ فائن آرڈر کے
 ساتھ پڑھ سکتے ہیں یا صحافت کے ساتھ تو پہلے میں
 صحافت پڑھوں گی پھر۔“ انیش دارا کی ٹنگ سیٹ پر
 بیٹھی ہی تیزی سے بولنے لگی۔

”تم جانتی ہو تمہارا مسئلہ کیا ہے؟“ آوی نے اس
 کی بات کاٹ دی۔ ”تمہیں ابتدا میں کسی نے سمجھا
 نہیں۔ اس لیے تم نے اپنے آپ کو ایک خود ساختہ
 خول میں جکڑ لیا تاکہ آئندہ بھی کوئی تمہیں جان نہ
 سکے۔ تمہیں خوف ہے کہ اگر کوئی جان لے گا کہ تم
 بھی جذبات رکھتی ہو تو تمہیں روک کر چلا جائے گا۔“
 فحسری ہوئی گاڑی میں چند لمحوں کا سکوت آیا۔

”تمہاری زندگی میں کسی نے قدر نہیں کی تو یہ
 تمہاری خالی نہیں ان کا نقصان ہے۔ تم تعلقات سے
 بے گانہ رہ کر خاندان پریشانی زندگی گزارنے کی خولیں
 ہو۔ مگر حقیقت تم جس راہ سے بھی گزرتی ہو لوگوں
 کے دل میں گھر کر گئی ہو اور یہی تمہارا مقام ہے۔“

آوی نے گھما پھرا کر اپنے ہی دل کا حال بتایا۔
 ”تم پہلے غصے نہیں ہو جس نے میرا تجربہ کر کے
 مجھے سمجھنے کا دعوا کیا۔“ انیش نے غصے میں مضبوطی
 سے گاڑی کی چابی پکڑ رکھی تھی اور خلاف عادت نظر

بھکار رکھی تھی۔

”میں کوئی دعوا نہیں کر رہا۔ میں صرف اتنا چاہتا
 ہوں کہ جب میں نے تم سے رابطہ نہیں کیا تو تم رات
 کو بے چین رہتی تھیں۔ جب سالوں کی ضد کے
 آگے گھٹنے ٹیک کر اپنی مل کو فون کیا تو واپس ”تم تم
 خوب ردی ہو گی۔“ آج جب میں نے اسٹوڈنٹوں کے
 بعد رابطہ لیا تو چاہتے ہوئے بھی تم غصہ نہیں کر سکیں
 لو۔ میرا پسندیدہ رنگ پین کر میرے سامنے آئیں۔“

کئی مدت بعد تمہارے وجود کا خول ٹوٹا ہے اور اس بار
 کوئی تمہارے دل میں گھر کر گیا ہے۔ اپنی پسینہ خوری
 باتوں سے تم یہ ظاہر کرنا چاہتی ہو کہ تمہیں میری ملکیت
 منگنی اور اپنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ مگر جتنا
 وقت تمہیں گاڑی لٹا کرٹ کرنے میں لگ رہا ہے
 اس سے صاف ظاہر ہے تم بھی چاہتی ہو کہ میں تمہیں
 روک اور۔“ آوی کی نظر اس کے چہرے پر جمی ہوئی
 تھی۔

انیش کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی اور جالی اس کے ہاتھ
 سے چھوٹ گئی۔ اس کا گھبراہٹ کا انداز تھا۔

”ایسی باتیں نہ کرو۔ یہ ہمیں مشکل میں ڈال دیں
 گی۔“ انیش نے ہلچل ماری سے کہا۔

”اگر ہم اس وقت جدا ہو گئے تو کیا ساری عمر مشکل
 میں نہیں رہیں گے؟“

”ہمارے پاس دس سواکون سارا دست ہے؟ اگر میں باہر
 جانے کا ارادہ ترک بھی کروں تو کیا ہم شادی کر لیں
 گے؟ ہمیشہ ساتھ رہیں گے؟ ایسا اتنی آسانی سے ممکن
 نہیں۔ مجھے اپنے خاندان کی پروا نہیں مگر تمہاری فیملی
 کبھی بھی یہ شادی نہیں ہونے دے گی۔ مذہب
 روایات سب باقی۔ کس کس چیز کی وضاحت کرنی
 پھوٹ گی میں۔“ انیش قسمت پر ہنس گئی۔

”میں جانتا ہوں سب آسان نہیں۔ ممکن ہے
 ہمیں انہیں منانے میں بہت وقت لگ جائے مگر مجھ
 میں اسٹینڈ لینے کا حوصلہ ہے۔“ آوی نے اسے یقین
 دلایا۔

”کچھ عرصے بعد تمہاری ضد کے آگے گھٹنے ٹیک

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

دونوں نے اپنا خیمہ قسمت کے سپرد کر دیا تھا۔



ڈیر گینگہ اسر دیا فتہ دیدی کا سلام۔ اس کشادہ دہر پر آسائش خیل میں تین اور حصہ دار ہیں۔ ان میں اول نمبر ایک بلو تو تھ ڈیٹے ہیں۔ جو روزگ سے گھر تک کن میں بلو تو تھ لگا کر ظاہر کرتے رہے کہ پاکستان کی تجارت ان ہی کے کندھوں پر ہے۔ دوم ایک لان ڈیرائز ملا ہیں۔ جن کو لان پر تیس زبانی یاد ہوتے ہیں۔ جن کا درزی اسپنڈاگل رہتا ہے اور عام خواتین کی طرح انہیں ہانڈ صاحب نہیں بلکہ اس کا نام لینے کو ترجیح دیتی ہیں۔ سوم ایک تلی فون بھائی ہے جو ویدرو کم انٹرنیٹ پر وقت ضائع کرتا ہے اور فاسٹ فوڈ کا دل سے کھاتا ہے۔

ماہم نے زینب کی فیملی کا نقشہ برصا چڑھا کر پیش کیا۔ وہ باقاعدگی سے اینڈر سیلیوں کو اسی ٹیل کر کے اپنے شب و روز سے آگاہ کرتی تھی۔ چھٹی کے دن وہ سب لوگ مل کر لچ کرتے تھے۔ پہلے روز ماہم میز پر پہنچی تو زینب نے دو کھے بن سے ملازمہ کو توار سے کر تصدیق کی کہ "کس" نے کھانے میں ملاوت تو نہیں کی؟ پھر اپنے والدین کے ٹوکے پر اس نے دو معنی طے نہ بنا جو ڈسے۔ مگر وہ اپنا سارا دن اپنے کاموں میں مگن رہ کر گزارتی تھی اور ماہم سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔ زینب کی ماما مسمان لواز خاتون تھیں۔ جو ماہم کو اپنے بچوں سے زیادہ توجہ دیتیں اور کوشش میں لگی رہتیں کہ ماہم زیادہ وقت گیسٹ روم سے باہر گزارے مگر ماہم کا مختصر تجربہ اس بات کا شاہد تھا کہ کسی کی بھی توجہ دیر نہیں ہوتی اس لیے وہ خوبصورتی سے اپنی راہ الگ ہی رکھتی۔

اسے آئے ہوئے تقریباً "ہفت" چکا تھا زینب باقاعدگی سے اپنی کزن کے گھر جا رہی تھی جس کی عنقریب شادی تھی۔ کھالے کے بعد نہ شب تیار ہونے انھی تو فوریہ نے قریب جاکر اسہنگی سے اسے ماہم کو ساتھ لے جانے کو کہا۔

بھی دیں تو ان کے دلوں میں جگہ جگہ جگہ ساری عمر لگ جائے گی۔

"تمہیں میرے دل میں جگہ ملے گی کیا یہ کافی نہیں ہے؟"

"تمہارے دل میں تو میرے لیے جگہ ابھی بھی ہے۔ ہم ابھی فیصلہ کرتے ہیں۔ اسی وقت کورٹ میں کرو گے؟" انیش کے لیے میں چیخا تھا۔ جیسے ایک جھٹکے میں اس کے تھوڑے عروس کو آنا چاہتی ہو۔ جواب میں توئی کچھ بول نہ سکا۔

"وہ کھالے۔ یہ اس قدر آسان نہیں۔" انیش نے جتلیا۔

"میں تمہیں تمہارا ہر جائز حق دینا چاہتا ہوں۔" "اپنی زندگی کو آگے بڑھانا میرا جائز حق ہے۔ مجھے ایک باپنٹہ وعدے کی نذر کر کے تم میرا یہ حق سلب کرنا نہیں۔"

"میں تمہیں کیسے چلنے دوں۔ پچھلے مہینے کی دوری میں ایک بات میں نے سمجھی ہے کہ تمہارے بغیر زندگی کلنڈر پر درج تاریخوں سے زیادہ کچھ نہیں۔ مجھے اوصورت امت کرو۔"

"پھر مجھے لپٹلو۔" انیش آریا بار ہونا چاہتی تھی۔

"کوورٹ بند ہونے میں چالیس منٹ ہیں۔ اگر چالیس منٹ میں ہم کورٹ پہنچ گئے تو انکی شادی کر لیں گے۔ ورنہ یہ ہماری آخری ملاقات ہوگی۔" انیش نے کسی جو لب کا انتظار نہیں کیا۔ چلی اٹھا کر گاڑی اشارت کی اور فل اسپینڈ میں بھاگنے لگی۔

توئی کے لیے یہ تعلق اس خیر نادر گاڑی کی طرح تھا جس کو بچھنے کا موقع نہیں ملا اور جب ملا تو گویا گاڑی چھوٹنے والی تھی وہ اس طرح چند منٹوں میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا مگر انیش کو چلنے بھی نہیں دے سکتا تھا۔ وہ سخت اضطراب کا شکار تھا۔ گاڑی لوکڑے لگی تو توئی نے اپنے ہاتھ سے اسٹیرنگ وہیل کی سمت درست کی۔ وہ بارہ انیش کا ہاتھ نہیں لڑکھڑایا اور وہ حوصلے سے گاڑی دوڑائی رہی۔ دونوں کے دل کا ایک حصہ خواہش مند اور دوسرا خوفزدہ تھا۔

ضرورت ہے وہ موجب ہو رہے ہیں۔ "فوزیہ کے
تجربے پر ماہماٹھ کھڑی ہوئی۔

"میرے بل ہیں میں جیسے مرضی رکھوں۔" ماہما ہوا
بل کر کرے میں چلی گئی۔

"وہ کھانا ماہما یہ کتنی بد نیز ہے، کپ ایسے ہی اس کو
منہ لگائی ہیں۔ میرے تل لگا دیں۔ پورڈنگ لکھانا کھا
کر حشر ہو گیا ہے۔ ظاہر ہے جو اندر جائے گا وہی باہر
نکلے گا۔" زینب نے کہا۔

"یہی میرا کہنا ہے۔" فوزیہ نے آہستگی سے ہاتھ
شروع کر دی۔ "تین سالوں سے ماہم کے اندر جو کچھ
گیا ہے وہی باہر آ رہا ہے۔" فوزیہ کے الفاظ لور مالش
سے زینب کا ذہن غلط اہولے لگا۔ ندامت نے اسے
گھیر لیا۔

بچہ دہر بعد زینب نے گیسٹروم پر دستک دی۔ ماہم
منہ پھلائے بیٹھی تھی۔

"میں معذرت کرنے آئی تھی میں تم سے زیادہ ہی
کرت ہو گئی تھی۔" ماہم کے لیے یہ الفاظ غیر متوقع
تھے۔

"مجھے لگا تھا کہ تم یہاں آکر مجھے اور میری فیملی کو
خوب ستاؤ گی، مگر تم تو خاموش ہو گئی ہو۔" زینب چند
لمحوں کے دھنکے بعد بولی۔

"میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ میری زندگی میں کمی
ہے۔ بہت بڑی کمی، مگر سال اگر میرا ذہن ہاربا رہا اس
کمی کی وجوہات کریدتا ہے، میرے والدین مر چکے ہیں،
مگر وہ بھی نہ بھی تو تھے، ماہم کے بل میں سالوں کا غبار
بھرا ہوا تھا۔ زینب حوصلے سے اس کو سنتی رہی اور ماہم
اپنی سوجھ بوجھوں کو گفتگو میں ڈھالتی رہی۔

"تمہیں تبدیلی کی ضرورت ہے۔" زینب نے
مشورہ دیا۔

"اس سے ہوی تبدیلی؟" ماہم نے پوچھا۔
"یہ ماحول کی تبدیلی ہے، اب ذات کی تبدیلی کا
وقت ہے۔ کل ہم شاپنگ پر چلیں گے۔ مجھے بھی
شادی کے لیے کپڑے بنوانے ہیں۔ تم بھی جینز کی
شرٹ کے علاوہ کچھ لینا۔ کتنا بہت مڑا آئے گا۔"

"لما! کپ جانتی ہیں نا، کتنی شرارتی ہے۔ کوئی
تماشا کر دے گی۔ میں اس کو شادی پر لے جاؤں گی۔

ابھی نہیں۔ میری چھٹیاں تو خراب نہ کریں۔" زینب
نے ضد کے انداز میں انکار کیا۔ فوزیہ کی تمام احتیاط
کے باوجود ماہم نے یہ مکالمہ سن لیا اور منہ بسورنی میز
سے اٹھ گئی۔ وہ کون سا اس کی کزنز سے ملنے کے لیے
مر رہی تھی۔ فوزیہ آنٹی نے اسے بھی جانے سے منع
کر دیا۔ وہ ٹھٹھکتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"یابہ۔ میں پھر حثیت گیڈ۔" لالو کچ میں وانیال تیز
گواڑ میں دوپٹو گیم لگا کر بیٹھا تھا۔

"ایسا ہی ہو گا اگر حثیتیں سے مقابلہ کر دے۔" ماہم
نے گزرتے ہوئے تبصرہ کیا۔

"میرا ریکارڈ بہت اچھا ہے۔ زینب سے ہمیشہ جیتتا
ہوں۔" وانیال نے جھپٹا۔

"زینب کو ہرانا کیا مشکل ہے۔" ماہم نے بے خیالی
میں چیلنج دے دیا اور وانیال نے خوشی سے قہقہہ کر لیا۔
پھر دونوں مقابلہ بازی پر اتر آئے۔ دو تین لمحوں کے
بعد ماہم کی گرفت بھی مضبوط ہو گئی اور ٹھنڈے بھر میں
دونوں یکدم پر تبصرو کرتے ہوئے اتنے گھن ہو گئے کہ
اس بات سے بے نیاز ہو گئے کہ کون زیادہ جیتا، کون
زیادہ ہارا۔

"مان گئے ماہم تپا! آپ ایک مضبوط لڑکی ہیں۔"

ایک گیم ہارنے کے بعد وانیال نے اعتراف کیا۔
"میں آپ کو تپا کہہ سکتا ہوں بلکہ زینب نہیں کہنے
دیتی، کہتی ہے وہ قیالو سی ہے۔" وانیال نے ماہم کے یک
دم خاموش ہونے پر پوچھا۔ جواب میں ماہم نے لہجہ
میں سہلادیا۔

"زینب تم نے آج پھر بل اسٹوٹ کر لیے۔ کتنے
روکھے ہو گئے ہیں۔ روز روز آٹمن کرنا صحیح نہیں
ہے۔" ایک گھنٹے بعد زینب کمرے سے نکل تو فوزیہ کا
دھیان زینب کے بالوں کی طرف گیا۔

"ماہم آپ کے بال بھی کتنے خراب ہو رہے۔ چلو
میلے آپ کے تل لگا دیں۔" فوزیہ نے بغیر اجازت ماہم
کے بالوں میں ہاتھ بھیرا۔ "اف آپ کو کتنا لے کی بھی

”اسکول فنڈز پر اسکا رشپ صرف عیسائیوں کو ملتی ہے مسلمانوں کو نہیں۔“

”مجھے ہمیشہ سے پتی رہی ہے۔“ ماہم نے ہنس کر غلط فہمی دور کرنا چاہتی۔

”نہیں بیٹا! میں نے زہنب کے واسطے سے پہلے تمام معلومات لی تھیں۔ اسکول بورڈ کسی عیسائی کو اسکا رشپ نہیں دیتا۔“ سبحان کو معلوم ہو گیا تھا کہ ماہم کے واسطے کے پیچھے کوئی بہت بڑی سفارش اور اس سے بھی بڑی امداد تھی جس کے باعث اسکول نے ایک ایسی ہی کو لے لیا تھا جس کا پیچھے کوئی گھر نہ تھوڑا تھا۔

”مطلب؟“ ماہم کا ذہن سن ہو گیا تھا اور وہ سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ پانی ٹیناں نے بھی کمالے سے ہاتھ روک لیا تھا۔

”ڈیڈ کا مطلب ہے کہ اگر آپ عیسائی نہیں ہوتے آپ اسکا رشپ پر نہیں رہ سکتے۔ کوئی ہے جو اتنے سالوں سے آپ کی فیس بھر رہا ہے۔“ وانیال نے اپنے تئیں تھکی سلجھائی۔

”شٹ اپ وانیال!“ زہنب نے ماہم کا اڑتا ہوا رنگہ دیکھ کر ڈانٹا۔



آخر کے ویٹنگ ایریا میں بیٹھی وہ اپنے بے ترتیب خیالوں کو یکجا کر رہی تھی۔ اس کے سامنے دائیں جانب استقبال پر بھاری جسم والی لڑکی بیٹھی فون پر ہنس کر رہی تھی اور بائیں جانب لاہرے شیشے والا داخلی دروازہ تھا جو ایک جانب سے آئینہ نظر آتا تھا اور دوسری جانب سے شیشہ تھا۔ اس کے خیالات اس کے اندر بھی غصہ، کبھی تجسس تو کبھی تاسف جگا رہے تھے۔ انتظار کرتے ہوئے ہیں منٹ ہوئے تو اس نے ملنے کا ارادہ ترک کر دیا۔ جب اس کو ایک فالتو پرزے کی طرح الگ کر دیا گیا تھا تو اس کی انا کو بھی بے منزل رشتوں کا تعاقب گوارا نہیں تھا اسی لمحے داخلی دروازہ کھلا اور ماہم کو آئینے میں اپنا عکس نظر آیا اور وہ دوبارہ

اگلے روز زہنب کی بات سچ ثابت ہو گئی ماہم کو پہلے ایسا کوئی تجربہ نہیں ہوا تھا۔ فوزیہ آئی کا تجربہ اور زہنب کے مشورے سے ماہم کی دادرش میں کئی رواجی کپڑے شامل ہو گئے۔ پھر بار بار میں مختلف قسم کے تجربوں سے ماہم کا پالا پڑا تو وہ چکر اکر رہ گئی۔ جب آئینہ دیکھا تو گناہ جیسے طوفانی ہارش کے بعد منظر نکھر گیا ہو۔ لب شیشے میں ایک باؤ کاہر، پیچور لڑکی نظر آئی تھی جس کے بالوں اور ٹانگوں پر کوئی مصنوعی آرائش نہیں تھی۔ شلواریں اور دوپٹا ایسا تھا جس پر لکھا نہیں جاسکتا تھا۔ چہرے پر اب بھی پہلے جیسا بھولہ پن تھا۔

وانیال پر سبحان انگل نے بھی اسے سرلا۔ فوزیہ دونوں کی حد سستی میں اپنی کامیابی دیکھ رہی تھیں۔

”ڈیڈ! میں سوچ رہی ہوں ڈیڈ! منور بن جاؤں۔“ مجھ میں آرلینک سہنس ہے۔ یہ کام میرے لیے بہترین ہے۔“ زہنب نے کہا۔

”ماہم! آپ پڑھائی میں بہت اچھی ہو۔ آپ نے کیا کرنا ہے؟“ سبحان نے شفقت سے پوچھا۔

”میں میڈیکل فیلڈ میں ہی جانا چاہتی ہوں۔ ڈیپٹسٹ بننے کا ارادہ ہے۔ کوشش کرنے کی کہ میرٹ پر ایڈمیشن ہو جائے ورنہ میں انورڈ نہیں کر سکتی۔“

”آپ کی یہاں نہیں کولتے تھے؟“

”ہمارا مشنری اسکول ہے۔ ان کے اسکا رشپ پروگرام ہیں میں ہمیشہ سے اسکول کے فنڈز پر پڑھتی رہی ہوں۔“ ماہم کو وضاحت میں حار محسوس نہیں ہوا۔

”آپ کا ذہب؟“ سبحان نے دانستہ منہ لہو حورا چھوڑ دیا۔

”میں مسلمان ہوں۔ بچپن سے ہی چھٹیوں میں قرآن پڑھنا اور نماز سیکھنے استثنائی کے پاس جایا کرتی تھی۔“

ماہم کو اپنے ذہب پر سوال اچھا نہیں لگا۔ جو لب میں سبحان صاحب نے اچھی ٹینک کے فریم کے لوہے سے ماہم پر ایک کڑی نگہ لائی جیسے تعین کر رہے ہوں کہ وہ جھوٹ بول رہی ہے یا حقائق ہے۔ پھر اسکی سے بولے۔

لے لیا ہم آج اس جلس میں بیٹھی تھی۔
 ”آپ اندر جاسکتی ہیں۔“ استقبالیہ پر بیٹھی لڑکی
 نے اہم کو مخاطب کیا۔
 ”کیا کہیں لکھا گیا کہ ہے؟“ سوئی تو عدو الے اسرے
 اوب سے پوچھا۔

”جیسے اس بینک اکاؤنٹ کے بارے میں معلومات
 چاہیں۔“ ماہم نے ایک کانڈ پر لکھا نمبر اس کے سامنے
 رکھا۔

”بینک سے معلوم ہوا ہے کہ یہ اکاؤنٹ اس کمپنی
 کے نام تھا جو تین سال پہلے بند ہو گیا تھا۔ اس اکاؤنٹ
 سے پچھلے کئی سالوں سے میری فیس کوا ہوتی رہی ہے
 اور بند ہونے سے قبل ایک بھاری رقم میرے اکاؤنٹ
 منتقل کی گئی تھی۔“ ماہم نے اسکول سے حاصل کیے
 ہوئے کانڈ اسر کو دکھائے۔

”دراصل بالکل ان کے اخراجات اور ان کے بچوں
 کی فیس تو کمپنی اکاؤنٹ سے ہی ادا ہوتی ہے۔ یہ جو
 اکاؤنٹ ہے اس سے سینٹر اسٹاف کو جو مراعات ملتی ہیں
 ان کی ادائیگی ہوتی تھی جیسے میڈیکل وغیرہ۔“ اسر نے
 وضاحت کی۔

”میں صرف اس شخص کے بارے میں جانتا تھا جی
 ہوں جس کو مراعات کی مد میں یہ رقم ادا ہوتی۔“ ماہم
 نے کہا۔

”اکاؤنٹ تو بند ہو چکا ہے مگر ہمارے پاس ریکارڈ
 موجود رہتا ہے۔ آپ اکاؤنٹس ڈیپارٹمنٹ میں چلی
 جائیں۔ میں جو نیئر اکاؤنٹنٹ کو کہہ رہا ہوں آپ کی مدد
 کرے۔“

ماہم نے میز پر موجود کانڈ میٹھے اور اسر کی بنا کی بوتلی
 سست چل رہی۔ اس کی دل کی دھڑکن بے چین ہو گئی
 تھی جیسے لاشی گفتی گن رہی ہو۔ ڈپارٹمنٹ میں جو نیئر
 اکاؤنٹنٹ کی میز پر پہنچ کر ایک دم اس کی دھڑکن رک
 گئی۔ ماہم کو لگا جیسے بوئے میں موجود اسٹوڈنٹ کارڈ کی
 تصویر کو اس نے اس قدر سر پر سوار کر لیا ہے کہ میز کے
 پیچھے بیٹھا جو لوگ اس کی شکل کا لگ رہا ہے۔
 ”خضر جلدیہ؟“ ماہم نے لڑکھائی زبان سے تصدیق

کر دی میں دھنس گئی۔ یہاں سبیل رشتوں کا نہیں
 بلکہ شناسیت کا تھا۔ تکیے میں نظر آنے والا عکس
 نامکمل تھا اور وہ کسی دوسرے کی نہیں اپنی خاطر صرف
 یہ جانتا چاہتی تھی کہ اب تک کون کس پر وہ اس کی
 معاشی مدد کر رہا تھا۔

پہلے تو یہ انکشاف اس کے لیے ناقابل یقین تھا کہ
 کوئی شخص اس کی مدد کر رہا ہے۔ پھر یقین آیا تو جسے
 نے اس کے اعصاب کو جکڑ لیا اور اس نے تیرہ کیا کہ وہ
 اس شخص سے کوئی رابطہ نہیں کرے گی۔ فاسٹ
 اسٹان کے بعد اس کا نمبر اسرارہ اسیلاڑ گیا۔ اس نے
 اسکول ریکارڈ سے معلوم کیا تو کوئی نام لکھا گیا تھا اس کے
 ہاتھ نہ لگا۔ صرف ایک بینک اکاؤنٹ نمبر تھا جس سے
 ماہم کی فیس ادا ہوتی تھی پھر کسی نے ماہم کے نام سے
 اکاؤنٹ کھلوا کر اس میں باقی رقم جمع کروادی تھی کہ وہ
 پورا بینک سے نکل کر آگے کہیں داخلہ لے سکے۔ ماہم
 سمجھتی رہی تھی کہ یہ اکاؤنٹ اسکول بورڈ نے اپنی
 تسلی کے لیے کھلویا ہے جس کو ماہم خود چلا سکے۔

نہیں اب اس کی بہترین سہیلی بھی جاتے ہوئے
 انہیں صرف انہیں باتیں یاد ہیں جبکہ ماہم کے لیے
 وہاں سے جانے کا خیال ہی سبب بدست تھا۔ پہلے وہ خود
 کو قیدی سمجھ کر وہاں رہتی تھی مگر پھر احساس ہوا کہ
 رہ رہ کر وہ اس کے محافظ ہیں جنہوں نے دنیا کی
 ٹھوکر سے اسے بچائے رکھا ہر رشتے سے بچہ کر
 اس کو سہارا دیا تھا اسے ایسا پایا کہ معاشرے میں سر
 اٹھا کر چل سکے۔ جس دن اس نے رخت سفر باندھا۔
 آسمان سیاہ ہو گیا اور خوب برسا جسے اس کو مدد کرنا چاہتے
 ہوں مگر اس کو جانتا تھا سو وہ نہ رہی۔

پچھلی رات وہ چڑے کے اس بوئے کو قہام کر بیٹھی
 تھی جو اس نے ہوٹل میں ایک لڑکے کی جیب سے نکالا
 تھا۔ اس بوئے میں جو رقم تھی وہ اس نے خرچ کر لی
 تھی اب اس میں ایک اسٹوڈنٹ کارڈ تھا اور ایک جنرل
 اسٹور کی رسید۔ اس کو خود میں اور اس بوئے میں کوئی
 فرق نظر نہیں آیا۔ وہ بھی اپنے اصل سے پہچن گیا تھا
 اور ماہم بھی۔ فرق صرف یہ تھا کہ ماہم جان دار تھی اس

”تین سال پہلے اپنی ریٹائرمنٹ سے پہلے انہوں نے اس اکاؤنٹ سے آخری بار تپ کے اکاؤنٹ میں رقم جمع کر دالی اور پھر اکاؤنٹ بند کر دیا گیا۔“ خضر نے ایک نور منظر پر انگلی رکھی۔

”کیا میں فن سے مل سکتی ہوں؟“ ماہم بے صبری ہو رہی تھی۔

”اپنی ریٹائرڈ میں ہر اوچر میں یہی دوسرے ہے کہ وہ اپنی بیٹی کی نہیں ادا کر رہے ہیں۔“ خضر نے ڈرامائی انداز سے کہا۔ ماہم کی دھڑکن ایک بار پھر تیز ہو گئی اور خون کی گردش سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”ان سے ملنے کے لیے کیا کرتا ہو گا؟“

”دو سال پہلے ان کی پابند ہو چکی ہے۔“

ماہم ایک بار پھر بھڑکی۔ اس نے چہرہ دکھایا جیسے اوچر پر ہاتھ رکھ رہی ہو مگر حقیقت وہ اپنے آنسو چھپا رہی تھی۔ تو بسکنا ہی اس کا مقدر تھا۔ وہ نہ تو گریہ کر سکتی تھی اور نہ دامن اس شخص سے الٹا تصور پوچھ سکتی تھی اور نہ دامن تمام کر اپنا حق مانگ سکتی تھی۔ اس کی زندگی کی حقیقت مٹی سے بنی ہوئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں بس کچھ رسیدیں تھیں جو اس کے ہر حق کی نفی کرتی تھیں گویا پیسے سے رشتوں کا تاج بن ادا ہو گیا ہو۔

خضر نے آہستگی سے ایک تہہ شدہ نشوونما اس کے ہاتھ پر رکھا جہاں اس کے آنسو ٹپکے تھے۔ اس لیے ماہم کو احساس ہوا کہ وہ کتنی کمزور دکھائی دے رہی ہے۔ اس نے دھڑکے کے پلو سے آنکھیں خشک کیں اور بنا نظریں دلائے ٹھیک کہہ کر اٹھ گئی۔ یہی وہاں نہ جانے کا ارادہ کر کے۔ مگر اگلے روز وہ وہاں پھر موجود تھی۔



خضر تقریباً دو سال سے اس آفس میں پارٹ ٹائم نوکری کر رہا تھا۔ بڑھالی کے ساتھ ساتھ تجربہ حاصل کرنا سوا مند بھی تھا اور تکلیف دہ بھی انگریز سلسلہ جلد ختم ہونے والا تھا اس کا Lums میں ایڈمیشن ہو گیا تھا اور ایم بی اے کرنے کے لیے اسے اسٹوڈنٹ نوٹ

چاہی۔

”میں میں ہی خضر ہوں۔ نہیں۔“ اس کو انسر کافون موصول ہوا تھا۔

ماہم اب تک بے جا جھگے انداز میں اس کی صورت مگھور رہی تھی۔

”اکاؤنٹ نمبر بھیجیے۔“ خضر مذہب انداز میں مخاطب ہوا۔ ماہم نے تمام کاغذات کی فائل اس کی طرف بڑھادی۔

”صرف اکاؤنٹ نمبر۔“ خضر نے آہستگی سے ایک کاغذ الگ کیا اور محضرت کرتے ہوئے اٹھ گیا۔

تو گویا وہ گمشدہ چیزوں کے ملنے کا دن تھا۔ شرارت میں کی ہوئی اس حرکت پر ماہم کو شدید شرمندگی ہو رہی تھی۔ انتظار کے ان لمحات میں بھی اسٹوڈنٹ کلرڈ پر موجود اس لڑکے کا نام ’تاریخ پیدائش اس کے گرد گھومتے گھومتے تو کبھی بورڈنگ اسکول میں لکھے اپنے نوٹس کو انکس اس کا منہ چرانے لگتے۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے۔“ خضر تیا تو اس کی پہلی پڑتی دھمکت دیکھ کر گھبرا گیا۔ ہاتھ میں موجود فائل اس نے میز پر رکھی اور ڈپنسر سے ایک گلاس پانی کا بھر لایا۔

”یہ لیں۔“ ماہم گھونٹ گھونٹ کر کپانی علی میں امارتے تھی۔

”اب آپ ستر ہیں۔“

”جی میں ٹھیک ہوں۔“ ماہم نے ایک بار پھر اپنے وجود کو اکٹھا کیا۔

خضر نے فائل کھولی۔ اس میں چار سے پانچ صفحات پر مشتمل کئی پوائنٹ تھے۔ اس نے ایک دو اور چار ماہم کے سامنے رکھا اور ایک نام پر انگلی پھیری۔

”یہ اس کمپن کے شروع کے لوگوں میں سے تھے جنہوں نے اس کو پڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہ نہیں ان کے توسط سے ادا ہوئی تھی۔“ خضر سے تیانے لگا۔ ماہم نے کئی بار اس انجیل نام کو پڑھا مگر ذہن میں کوئی تصویر نہ

”یہ لب کہاں ہیں؟“ ماہم نے غلٹ میں پوچھا۔

مل گیا تھا۔ اس لیے اس کو نوکری کی زیادہ ضرورت نہیں رہی تھی۔ چوبیس سال کی عمر میں چالیس سال کا بننا سیکے اس کی مجبوری تھی اور مل لگا کر توجہ سے بڑھنا اس کی خواہش۔ اس پر اس نے خواہش کو فوقیت دی تھی۔ وہ آفس بچہ نام کے بعد پہنچتا تھا اس لیے پھر مل سے کام میں لگ جاتا۔

وہ اپنی میز سے کلنی اور کھڑا ایک سینئر آفسر سے بات کر رہا تھا جب اس نے وہ پہاڑوں ایک دیو کی لڑکی کو اندر آتے دیکھا۔ لڑکی کی پشت اس کی طرف مڑی اور وہ دبے پاؤں اندر آئی تھی۔ خطر کی میز کے قریب پہنچ کر وہ میز سے ٹکرائی۔ وہ بچے سے چوڑھاٹے زمین کی طرف منہ کر کے وہ لڑکی جس تیزی سے آئی تھی اسی تیزی سے چلی گئی۔ خطرہ منظر دکھایا ہوا میز کی طرف بڑھ رہا تھا اور جس انداز سے لڑکی گئی تھی۔ اس کو خطرہ سمجھی بھولا ہی نہیں تھا۔ وہ ڈر کر میز پر پہنچا مگر اس بار کچھ چوری نہیں ہوا تھا بلکہ وہاں خطر کھڑا ناواٹ ہوا۔ رقم موجود تھا۔ خطر نے والٹ پکڑا اور اس لڑکی کے پیچھے وہ ڈال وہ بیوی گیٹ تک پہنچ گئی تھی۔

”ایک کیو زی مس! محترمہ بات تو نہیں۔“

خطر نے قریب پہنچ کر آواز لگائی۔
جواب میں وہ آہستگی سے ہنسی۔
”سیلو۔“ ماہم نے نظریں نیچے اتارے ہوئے کہا۔
”آپ اسی طرح بغیر کچھ کے جا رہی تھیں۔“ خطر نے بولا لڑکیا۔

”بڑے میں رقم پوری موجود ہے۔ اس لیے کہنے کی ضرورت نہیں اور اگر آپ معذرت کی توقع کر رہے ہیں تو اس کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ آپ کی اہمیت آپ تک پہنچ گئی ہے۔“ ماہم نے آکر سے کہا۔

”ان سالوں میں معیشت کتنی بدل چکی ہے“ آپ کو اندازہ ہے۔ ڈالر کی قیمت مار بھی رہی ہے۔“

خطر نے اس کے انداز کو دیکھ کر کہا۔
”تو واپس کر دیں۔ ناشکرے لوگوں کو گمشدہ چیز ملنی بھی نہیں چاہیے۔“ ماہم نے استحقاق سے ہاتھ

پھیلا۔
”تپا شکر کی نہیں کر رہا۔ حالات واضح کر رہا ہوں۔ ویسے میں ان لوگوں میں سے ہوں جو اسی بات پر خوش ہو جاتے ہیں کہ انہیں حقیقت کا علم تو ہو گیا تھا ہے حقیقت دردناک سی کیوں نہ ہو۔“

ماہم کو احساس ہوا کہ کچھلے روز خطر نے اسے بہت لاچار حالت میں روکے ہوئے دیکھا تھا۔ کسی باجی کو خود پر ترس کھلنے میں دے سکتی تھی۔ اس لیے پلٹ کر جانے لگی۔

”آپ پھر کل کی طرح بغیر کچھ کے سنے چلی جائیں گی تو نقصان آپ کا ہو گا۔“ خطر نے بلند آواز سے کر اس کو دوبارہ روک۔

”میں نے کسی باجی کو حق نہیں دیا کہ میری زندگی کے نفع نقصان پر سمجھ کرے۔“ ماہم غرلگی۔

”میں وہ شخص ہوں جس کے ہونے اور تصویر کو آپ نے اتنے عرصے سے سنبھل کر رکھا ہوا تھا میں آپ کے لیے اجنبی نہیں ہوں۔“ خطر نے غصے کا جواب چل سے دیا۔ ماہم نے شرمندگی سے نظر چلای۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ رقم خرچ کرنے کے باوجود ماہم نے بغیر مقصد بنا سنبھل کر رکھا تھا یہ قدرت کا اتفاق تھا کہ وہ دوبارہ ملے اور ماہم نے رقم ڈال کر ہوا واپس کر دیا۔

”ویسے میں آپ کو روک اس لیے رہا تھا کہ کل بھی آپ اور عورتی بات سن کر چل گئی تھیں۔ مجھے آپ کے والد کی وفات کا افسوس ہے مگر دنیا میں صرف والد کا رشتہ نہیں ہوتا۔“ خطر نے کہا۔

”میں نے آفس ریکارڈ سے ان کا ایڈریس نکالا ہے۔ ان کی بیوی ابھی تک حیات ہیں۔“

ایک بار پھر آفس ماہم کے گالوں سے نکلنے لگے۔ معلوم نہیں اس کی زندگی میں کتنے اتار چڑھاؤ بلی تھے۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ آپ بیٹھ جائیں۔“ خطر نے لہجہ میں بیچکی طرف اشارہ کیا۔

”میری کچھ میں نہیں آتا کہ خوش ہوں یا اداں۔ جن رشتوں نے مجھے خود سے الگ کر کے پھینک دیا تھا

میں اب ان کے پاس ایک بار دوبارہ ٹھکرائے جانے کے لیے کیوں جاؤں؟" ماہم نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

"حقیقت چاہے جتنی کڑی ہو اس کو جانا بہتر ہوتا ہے تاکہ آپ زندگی کا وہ باب بند کر کے آگے بڑھ سکیں۔" فخر نے کہا۔

"میرا مشورہ تو یہی ہو گا کہ آپ صرف ایک بار ملاقات کر لیں اس سے جو احساس کشیدگی ہے وہ ختم ہو جائے گا اور مستقبل کی راہ متعین کرنا آسان ہو جائے گی۔" فخر نے کہا۔

"ایڈریس کیا ہے؟" ماہم نے بے چارگی سے پوچھا۔

"میں آپ کو لے چلوں؟" فخر کو اس ردی گھبراہٹ لڑکی کی فکر ہونے لگی تھی۔

پچھ دیر بعد وہ اس کے ساتھ ہائیک پر بیٹھی اس ایڈریس کی سمت جا رہی تھی۔ چند کلو میٹر مسافت کے بعد ہائیک ایک ایسے علاقے میں داخل ہو رہی تھی جو پچیس برس پہلے تک لاہور کا پوش علاقہ تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ اب قدرے نیا اور پرانا لگنے لگا تھا۔ فخر کو گھر معلوم کرنے کے لیے ایک راہ گیر کی مدد لینی پڑی۔ راہ گیر نے سفید آہنی گیٹ کی طرف اشارہ کیا۔ ماہم اس جگہ پہنچنے کے لیے گیٹ کو کھولنے لگی۔

"بہتر کی ہے کہ میں باہر انتظار کروں۔ پہلے آپ کو اندر جانا چاہیے۔" فخر نے کہا۔

ماہم نے قیدم پر چلنا تو سفید دیں یاد تھیں جس میں وہ بورڈنگ آگئی تھی۔ ماہم نے گھنٹی بجائی اور مڑ کر فخر کو دیکھا جس نے گھنٹی بجنا اسے مضبوط رہنے کو کہا۔ دروازے پر کھٹ پٹ ہوئی۔ کوئی اندر سے لاک کھول رہا تھا۔

گیٹ کھلا اور ایک نیلی شلوار قمیض میں ملبوس آدمی نمودار ہوا۔

"جی فرمائیے کس سے ملنا ہے؟" اس نے پوچھا۔

ماہم گنگ سی اس کی شکل میں کوئی شناسائی ڈھونڈنے لگی۔ اس کے پاس الفاظ نہیں تھے۔

"میں مجھے؟" اس کے ذہن اور زبان نے اس کا

ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

اس شخص نے غور سے ماہم کو دیکھا۔ پایاں ہاتھ پر سجا کر دو انگلیوں سے اس کی آنکھوں کے نیچے ٹھیک پتوں جیسے پھول والی چوٹ کے نشان کو پھول "بہنا؟" اس نے حیرت سے تصدیق چاہی۔

ماہم کچھ کہہ نہ سکی۔

"کون! دیکھو کون آیا ہے۔ اماں۔ بہنا تکی ہے۔" وہ شخص دوڑ کر اندر کی طرف بڑھا اور والہانہ چپختے لگا۔

ماہم بے یقینی سے یہ دیکھ کر کچھ برائی تھی کہ بنا ایک لفظ کے اس کو کیسے پہچان لیا گیا تھا اور اس کی آمد پر خوشی کا یہ عالم تھا کہ اسے یقین نہ آیا۔

"اماں تو تو کبھی میں بہنا آئی ہے۔" وہ شخص دوبار ماہم کی طرف آیا اور اسے ہاتھ سے پکڑ کر اندر لے آیا مگر کشادہ مگر پالے ملز کا تھا۔ صحن میں سبز لٹکے کے ساتھ ایک تخت تھا۔ دائیں طرف باورچی خانہ تھا جہاں سے ڈولی تھامے اس شخص کی بیوی نمودار ہوئی جس منظر کو ماہم یتیم خانہ سمجھتی تھی وہ درحقیقت گھر تھا۔

"ماہم۔ کیا صبح میں ماہم آگئی ہے۔" سامنے کمرے سے ایک ضعیف خاتون کی تواضع آئی اور اگلے ہی لمحے وہ دیوار کا سارا لیتے صحن میں آئیں۔ ماہم کو دیکھ کر ان خاتون کی آنکھیں بھر آئیں۔ ماہم کے ہاتھ پکڑ کر الٹ پلٹ کر کے دیکھا۔ جیسے پہچان رہی ہوں اور ماہم کو سینے سے لگا لیا۔

"میری بیٹی تو کہاں تھی۔" دونوں پلٹ کر زائد قتلہ رونے لگیں۔ باورچی خانے کے دروازے میں کھڑی عورت سب سے زیادہ ہکا بکا تھی۔ چھ سال کی شادی میں اس نے کبھی اس لڑکی کو نہیں دیکھا تھا جس کو اس کا شوہر بہنا کہہ رہا تھا اور جس کے آتے ہی گھٹنوں کی تکلیف میں جتا اس کی سانس جو ہاتھ روم بھی سولی پکڑ کر جاتی تھیں "تقریباً" دوڑتے ہوئے ٹھیک پتوں کی باہر آگئی تھیں۔

کون گئی یہ لڑکی جس نے آنے کے بعد ایک لفظ

بھی نہیں کہا تھا اور اب ایسے دوری تھی، جیسے صدیوں سے پھڑپھڑے رشتوں کو پلایا ہو۔

کیسٹ پیپر پر نازیہ حسن کے گلے بچ رہے تھے۔ موسیقی کی آواز میں جب فرنیچر تھینے کی آواز کی آمیزش ہوئی شروع ہوئی تو آوی کی نیند کا نور ٹوٹنے لگا۔ اس نے کودت بدل کر بنگ کے ساتھ والے حصے پر ہاتھ پھیرا۔ سلوٹ زون بستر خالی تھا۔ اس نے بمشکل آنکھیں کھولیں۔ پرلوں سے سلیٹی مائل مدہنی آنا شروع ہوئی تھی۔ اس نے کمرے کا دروازہ کھول کر لاؤنج میں جھانکا۔

"اتنی صبح صبح کیوں جاگ گئیں؟" آوی نے نیند سے بند ہوئی آنکھوں سے دیکھا دو ہفتوں سے اسٹور گنٹولا مکان باب گھر گئے لگا تھا۔ فرنیچر پر سے پلاسٹک اتار کر کشن رکھ دیے تھے۔ دیواروں پر تصاویر تھیں۔ ایکسٹوٹکس کا سلٹن جگہ پر رکھا جا رہا تھا۔ ایک کونے میں اب تک خالی ڈبے، شاپر اور گتے ذخیرہ کی صورت پڑے تھے۔

"تم نے یہ سب اکیلے کیوں سیٹ کیا۔ میرے اٹھنے کا انتظار کرتی تھیں۔"

"دراصل میں سو ہی نہیں سکی۔ گھر تو تیب دینے کی بہت ایکسٹنشن تھی۔ دیکھو سب کچھ کتنا تنگ رہا ہے۔"

"آوی نے خوشی سے اشارہ کیا۔ تو اس کو اس وقت صرف اس چمک سے غرض تھی جو لائٹس کے چہرے پر تھی۔

"مجھے ہمیشہ سے ڈیکوریشن میں دلچسپی رہی تھی مگر آج تک کبھی آنایا نہیں تھا۔ پانی زندگی کی آرائش ہے سو رہتی ہے مگر اب میرا اپنا گھر ہے میں سارے ابلان پورے کر دوں گی۔"

"ایک ایک کر کے ہر کونے کی مہلوث کر رہی تھی۔ وہ زندگی میں بہت عرصے بعد خوش تھی اور آوی کو نظر تھا کہ وہ اس کی خوشی کا باعث ہے۔

اسے کوئی لال مل نہیں تھا جب کودت میزج کے بعد

وہ گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے تو دلوں بے حد خاموش تھے۔ ستر رفتار قدموں سے چلتے ہوئے وہ اس آنا "فانا" آوی تہذیبی کو سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ایک دم اپیش کے قدم رک گئے۔ آوی کا دل دوسو سالوں میں گھبر گیا۔ یقیناً "اب وہ اس فیصلے پر مادم ہوگی اور اسے ایک غلط فہمی سمجھ کر بھول جانے کو کہے گی۔ آوی نے آہستگی سے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اپیش جھک کر اپنے جوتوں کے نیچے پاندہ رہی تھی۔ آوی نے سکون کا سانس لیا اور اپنا ہاتھ پوجا کر بس کو اٹھنے میں مدد دی۔ دونوں ایک مرتبہ پھر خاموشی سے سفر طے کرتے گئے۔ پھر اس بار دونوں نے ہاتھ تھامے ہوئے تھے۔

"ایک بات کہوں؟" آخر اپیش نے خاموشی توڑنے میں پہل کی۔

"مجھے سمجھے ہوئے چنے کھانے ہیں کبھی کے ساتھ۔" اپیش نے قریب کھڑی ریڑھی کی طرف اشارہ کیا اور ایک دم اس کی شوخی واپس آگئی۔

"تج اتنے خاص دن پر تمہارے پاس کیرا نہیں ہے۔" آوی نے کانڈ کی کون چمکتے ہوئے کہا۔

"کچھ منظر دل پر نقش کرنے کے لیے ہوتے ہیں۔" اپیش نے گاڑی کے ہونٹ سے ٹیک لگالی۔

"جب کسی یادگار دن کو بار بار دہانے کی خواہش ہوتی ہے تو تصویر اتار لینی چاہیے۔ او اس وقتوں میں کلام آتی ہے۔ تو یہ کتا ہوا قریبی دکانوں کی طرف چلا گیا اور کچھ دیر بعد ایک فوٹو گرافر لے کر آیا۔ جس نے پورا آڈیو کیمرے سے دونوں کی تصویر آری۔ دونوں کی شکل پر لویا ہوتا جوڑے والا نور تھا۔ آوی نے تصویر اسٹوڈنٹ میں رکھ لی۔

"اب مجھے گھر چھوڑ دو۔" اپیش نے ہاتھ جھارتے ہوئے کہا۔

"گھر ہم مل کر بنائیں گے مگر مجھے تھوڑا وقت درکار ہے۔" آوی نے کہا۔

"ساری عمر مکانات میں رہنے کے بعد مجھے گھر کی

تہنہ بے کی۔
ایش نے مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا۔

”سیٹھ قیصر شاہ کی بہو ایک فیروزہ بے توارہ لڑکی
آوی کے اعشرف پر بیگم بدلتی جہاں پہلے سکتے ہیں
آگئیں۔“

”وجہ بہت علی خان کے نواسے کی بیوی سیٹھ قیصر
شاہ کی بہو۔ وہ نہیں ہو سکتی۔“ بدلتی جہاں اس زور
سے دھانڑیں کہ ان کی آواز کی گرج کو گلی کے کونے
کونے تک سنی گئی۔ جس خاتون کی نظر اگلے کامانس
روک دیتی تھی ان کی دھانڑ سے گھر کے تمام افراد کا
خون خشک ہو گیا۔ توہی بہت بہت کر کے ان کے
سامنے آیا تھا۔ اس کو ان کے اسی رد عمل کی توقع تھی۔
وہ یہ خبر بہت تہست تہست ان تک پہنچانا چاہتا تھا مگر کورٹ
میں ج کر کے جب وہ گھر پہنچا تو اس کی منگنی کی تاریخ
رہ گئی جانتی تھی اور تیاریاں زور پکڑ گئی تھیں۔ اس
لیوہ انتظار نہیں کر سکتا۔

”تم نے ہماری نسلوں کو داغ دار کر دیا۔ میں ایسا
نہیں ہونے والا کی۔ اس کی اس گھر میں کبھی کوئی جگہ
نہیں بن سکتی۔ جو قطعی تم نے کی ہے اسے ہم
سدھاریں گے۔ حاجی صاحب سے فوراً طلاق کے
پیچہ زبنا میں جب تک یہ توہین ہمارے سامنے رہے
گی ہمیں چھین نہیں آئے گا۔“ بدلتی جہاں نے کونے
میں کھڑے لڑتے ہوئے حاجی صاحب کو حکم دیا۔
”میں اسے طلاق نہیں دلاں گا۔“ آوی کشمیاں جلا
کر آیا تھا۔

”اس سے تعلق رکھتا ہے تو یہ گھر جائیداد سب سے
باتھو و حوناڑے گا۔ میں تم سے قیصر شاہ کا نام تک نہیں
دلاں گی۔ تمہیں عائد کر دلاں گی۔“ غصے سے ان کی
آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”کاش! امنا کا واسطہ دیا ہوتا، مگر انسو میں آپ کو
صرف دلاں ہی کہنی آتی ہے۔ نہیں خاں سے آپ کی
ادلت۔“ توہی غصے سے اٹھا اور کرسی کو کھوٹ کر کباہر

کی طرف بڑھتا ہوا اس کا بھائی روڑا آہوا آیا اور کندھے
سے پکڑ کر اس کو روکنے کی کوشش کی۔ کوئی دو سراع
ٹکائے کی تیور ہوئی مگر بدلتی جہاں نے روک دیا۔

”آج کے بعد اس گھر کا کوئی بھی فرد اس سے رابطہ
نہیں رکھے گا۔ ہرگز نہیں۔“

توہی غصے سے دروازہ بند کرنا ہوا مگر سے ٹکل گیا۔

ایش کی طرف بھی منظر زباں مختلف تھیں تھا۔ قریق
انتہا تھا کہ اس کے والد کو ایش کی طلاق شدہ بیوی ہی
نہیں تھی اور ایش کو بھی باغیالی کی عادت ہو چلی تھی۔
”تم سے پورے توقع ہی کیا تھی۔ آخر تمہاری رگوں

میں اس غلط صورت کا خون جو ہے۔ وہ بھی مجھ سے
تعلق توڑ کر کسی اور سے شادی کرنے کے لیے چلی گئی
تھی۔ تمہاری صورت ہی نہیں تختہ پر بھی اس جیسی
ٹکل۔ اگر تمہیں گھر چھوڑ کر نہیں تو قسم کھاتا ہوں تمہارا
انجام بھی اس جیسا ہی ہو گا۔ وہاں لو کری کرتی ہے
پورے کنبوں کے پاد نشت میں زندگی بسر کر رہی ہے۔
جب یہ ایسے زباں چند دنوں کی عیاشی کے بعد تمہیں
چھوڑ دے گا تو تم بھی جوتیاں چٹکائی پھوکی۔ تمہارے
باپ کی این جی اوپر ملنے والے چیرٹی اسکولوں میں
تمہاری اولاد تعلیم حاصل کرنے کو ترے گی۔“ نفرت
اور گالیوں سے بھرے ہوئے الفاظ خلاف توقع ایش
کی آنکھوں میں آنسو لے آئے۔

وہ اپنا ہاتھ سارے ایک اٹھا کر گھر سے باہر سڑک پر بیٹھ کر
آوی کا انتظار کرنے لگی۔ کچھ دیر بعد آوی آیا تو ایش کو
پتہ لگ گیا کہ وہ بھی اس کے لیے سب چھوڑ آیا ہے۔

شادی کے ابتدائی دنوں میں دونوں کے کئی خدشات
دور ہو گئے۔ ایش کو لگتا تھا کہ وہ پیار کرنے کے قابل
نہیں مگر توہی کی محبت اسے ہر پہل احساس دلاتی تھی کہ
”کس قدر خاص ہے۔ آوی نے زندگی کو پیش
تمہاں تلوں سے مرین دیکھا تھا۔ ایک چھوٹے سے بغیر
فرنیچر کے گھر میں ساونگی سے رہنا کس قدر خوشگوار
ہو سکتا ہے۔ یہ ایش کے ساتھ رہ کر اسے معلوم ہوا۔
چند مہینے کسی جگہ کے انداز میں گزرے۔ وہاں ایسے
تھے کہ کئی لوگ اپنا تمام زندگیوں دے کر حاصل کرنا

پر اپنے بھائی کا نام اور تین دن بعد کی تاریخ پر مبنی۔
اجنبیوں کی طرح دعوت نامہ وصول کرنا بے حد
تکلیف دہ تھا۔

”تم بات کی ابتدا میں میرے پاس آتے تو میں ضرور
کوئی راستہ بتاتا۔ مصالحت کی کئی راہیں نکل سکتی
تھیں، مگر تم نے مجھ پر بھروسہ نہیں کیا۔ اب یہ انا کا
مسئلہ بھی ہے اور عزت کا سوال بھی۔ اسی کی شرط وہی
ہے جو پہلے تھی۔“

”میں اسے کسی قیمت پر نہیں چھوڑوں گا۔“ توئی
کا لہجہ گستاخ ہو گیا۔
”اور اس کی خاطر سب کچھ چھوڑ دینے کو کیا یہ
قیمت بڑی نہیں؟“

”وہ میری خوشی ہے کاش! آپ لوگ سمجھتے۔“
توئی کا سارا جذبہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔ آج
اس کے لیے خاص دن تھا۔ اس کی سالگرہ تھی اور وہ
ایش کے ساتھ مل کر لطف اندوز ہونا چاہتا تھا مگر بھائی
کی آمد نے اس پر یہ حقیقت آشکار کر دی کہ وہ پھر کا
نہیں ہے۔ اسے گھر اور گھر والوں کی یاد ستانی ہے۔ ان
کی جدائی نے اس کے دل میں کہیں ایک کی پیدائش کر دی
تھی جو ایش کی بھرپور محبت چلو کر بھی مٹ نہیں کر سکتی
تھی۔ جب وہ گھر پہنچا تو ایش گھر پر موجود تھی۔ جو ایک
منقذیات تھی۔ زیادہ تر توئی گھر آتا تو ایش باہر جاتی ہوتی
تھی۔ کبھی تصاویر لینے کبھی گھر کی آرائش کے کسی نئے
مرحلے کو طے کرنے اور کبھی شیم بچوں کی این جی باور
کے کام سے، جس سے وہ کچھ عرصے سے فہمگم تھی۔
پھر کچھ دیر بعد گھر میں آئی گھر آئی توئی دی دیکھتے آدی کو
دیکھ کر کہتی کہ ”یہ تم جب تھی ہوئی باہر سے آئے تو
میاں کو تیار ہو کر بیٹھنا چاہیے۔“ توئی اس کو ہنسرے
میں قید کر لے کے لیے نہیں لایا تھا اور اسے بھی بات
سب سے زیادہ پسند تھی کہ اس نے شادی کے بعد اپنا
آپ نہیں بدلا تھا۔ بھروسہ لوں مل کر کھانا تیار کرتے اور
سارے وطن کی مصروفیات بیان کرتے۔

مگر آج کھانا بھی پہلے سے تیار تھا اور ایش نے
خلاف عادت شلوار کیس پہن کر ہلکا پھلکا میک اپ کیا

چاہی۔ پھر فریج پر آیا، جس کو ایش ترتیب دینے میں
لگی تھی۔ اس کو خوش دیکھ کر توئی کو اپنے ٹیبل پر باز
ہو گیا تھا۔

”پلو بس بہت کام کر لیا۔ لب تھوڑا آرام کر لو۔“
توئی نے پھر کریش کا ہاتھ تھام لیا اور آہستگی سے اس پر
موجوں گرو جھاڑی۔

”نہیں۔ ابھی ڈیکوریشن چس میٹ کرنے ہیں۔“
میں نے اپنی کچھ تصاویر فریم کر والی ہیں وہ لنگل
ہیں۔“

”ابھی نہیں۔“ توئی نے لڈ سے کہا اور ایش کو
کمرے کے اندر کھینچ کر دروازہ بند کر لیا۔



ایس ٹیبل پر انگلیوں سے غائبانہ پالو بجاتے
ہوئے آدی دل میں کوئی گانا گنگنا رہا تھا۔ کچھ دیر پہلے
ٹریڈل ایجنٹ ہو کر گیا تھا۔ اپنی سالگرہ کا تحفہ پکڑ کر خوش
ہو رہا تھا۔ انٹرکام کی گھنٹی بجی اور سیکرٹری نے ایک نئے
ملاقاتی کی آمد کی اطلاع دی۔ توئی کی گھر کئی انگلیاں
رک گئیں۔

”بیچ بھلا۔“ اس نے سنجیدہ انداز میں کہا۔
انگلی لی لے لے اس کا بھائی کمرے میں داخل ہوا۔
دولوں کے درمیان واضح کھپاؤ تھا مگر آدی نے اٹھ کر
استقبال کیا۔

”کیسے ہو؟“ اس نے نشست سنبھالنے ہی پر چلا۔
”یہ سوال آپ کو چھ مہینے بعد یاد آیا؟“ آدی شکوہ
کرنے سے نہیں بچ سکا۔

”آجے کڑوے مہینے بنو۔ تمہاری حرکت پر ہمارا
غصہ بھڑا تھا۔“

”مزا سنانے کے بعد غصہ جاتز نہیں۔ ویسے آپ کا
یہاں آنا آپ کو بھی مزا دلوا سکتا ہے یا ملاقاتیوں کو لئے
کی اجازت دے دی گئی ہے۔“ آدی اسے کی وجہ پوچھ
رہا تھا۔

”گھر میں شادی ہے۔“ اس کے بھائی نے دعوت
نامہ نکال کر میز پر رکھا۔ آدی نے جگہ کا کارڈ پکڑ کر اس

حالت میں تم سخر کیسے کرو گی۔ میں کب سے تمہارے لیے یہ ٹرپ پلان کر رہا تھا۔ تمہارا رویہ انتہائی سنگین ہو گا مجھے ہرگز امید نہیں تھی۔

"اپنی اولاد کی خبر سن کر آپ کا رویہ انتہائی سنگین ہو گا مجھے بھی ایسی امید نہیں تھی۔" لفٹش کو روک دیا تھا۔ میں تمہارے اندر کے فیکار کو دیکھتا ہوں۔ میں نے تم سے کبھی توقع نہیں کی کہ گھر چھوڑنے پر تیار ہو لو اور انیس پانچ لاکھ میں خود کو ضائع کر۔ "توی نے نرم لہجے میں کہا۔

"مگر میں نے اس چیز کی خواہش کی ہے۔" "کیوں نہ آتی لڑکیوں کی طرح جذباتی ہو رہی ہو" میں کب کہہ رہا ہوں کہ مجھے اولاد نہیں چاہیے مگر ابھی نہیں۔

"کب تم روایتی مردانہ کی طرح ہو رہے ہو صرف اپنا سوچنے والے۔"

"میں نے اپنے بارے میں سوچنا ہوتا تو اپنی ماں کی پسند کی لڑکی سے شادی کر کے زندگی گزار رہا ہوتا مگر میں نے ایسا نہیں کیا۔ میں نے تمہارا انتخاب کیا۔ ایک مختلف زندگی کا انتخاب کیا اب تم چاہتی ہو کہ بندھنوں میں جکڑ کر وہی زندگی گزاروں جس کو میں نہیں کر رہا کرتا ہوں تو پھر میں نے کیوں اپنے خاندان کی تار اضی مول لی۔ ایسی زندگی تو وہاں بھی موجود تھی۔" سارے بدن کی دھڑکی سن کر آگئی۔

"میں بھی تمہارے لیے بہت کچھ ٹھکرا کر آئی ہوں۔" لفٹش کی آنکھوں میں پانی تھکنے لگا۔ اس کے آنسو دیکھ کر آدی جھرا گیا اور اپنا لہجہ نرم کر لیا۔

"میں صرف یہ کہنا چاہ رہا ہوں کہ تم نہیں جانتیں محبت کرنے والے رشتوں کو چھوڑنا کس قدر کرب کا باعث ہوتا ہے۔ میرے بھائی کی شادی ہے جس میں میں شریک نہیں ہو سکتا اب یہ خدا کرے مجھے مزید دینی نہ کرو۔" توی نے اس کو کندھوں سے پکڑ کر سمجھایا۔

"میں ایک بڑا کن فیملی سے ہوں تو کیسے جان سکتی

ہو اتھا۔

"انھیں برتھ ڈے۔" لفٹش نے جھمکاتے ہوئے چہرے سے کہا۔

"صرف ساٹھ سی برتھ ڈے شوش۔" میرا تحفہ کہاں ہے؟ "توی اپنے بوجھل مزاج کا اثر اس خوشگوار رات پر نہیں دے سکتا چاہتا تھا۔

"تحفہ بھی ہے اور کیک بھی۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹیبل کے پاس لے تلی جلی کئی موم بیوں میں گھرا چاکلیٹ کیک رکھا تھا۔ دونوں نے مل کر کیک کھا۔

"میرے پاس بھی تمہارے لیے تحفہ ہے۔" آدی نے بیک سے وائر لکٹ نکالیں۔ "میری زندگی کو خاص بنانے کا شکریہ۔ یہ یورپ کے نور کے ڈالکٹس ہیں۔"

"اگلے مہینے؟" لفٹش نے لکٹ کھول کر تاریخ پڑھی۔

"وہاں تم جی بھر کے تصاویر کھینچو۔ دنیا اب کسے بھلا کرنا اور میں تمہیں دیکھ کر ریلیکس کروں گا۔" آدی لفٹش کے چہرے پر متوجع خوشی نہ دیکھ کر حیران ہوا۔ لفٹش کچھ لمحے خاموشی سے کھڑی رہی پھر قریب پڑی میڈیکل رپورٹ آدی کو تھمائی۔

"یہ میری طرف سے آپ کے لیے تحفہ۔ گڈ نیوز ہے۔" لفٹش نے اس کے کندھے پر سر کا کر مسکراتے ہوئے کہا۔ آدی نے رپورٹ کھول کر ایک نظر پڑھی پھر میرے موجود موم بیوں کے قریب لے جا کر اسے آگ لگا دی۔ لفٹش نے خوف زدہ ہو کر خود کو آدی سے دور کیا جیسے آگ اس کے وجود کو گھٹی ہو۔

"ابھی اس سب کا وقت نہیں ہے ابھی ہمارے انجوائے کرنے کے دن ہیں۔ دنیا یاد رکھنی ہے۔ تمہارے اتنے خواب ہیں۔ ان سب چکروں میں پڑ گئے تو چھوٹی سی عمر میں خوار ہو جائیں گے۔" آدی نے جلتا ہوا کاغذ زمین پر پھینکا۔ لفٹش حیران اس کی صورت تک رہی تھی۔

"اے کم تن! مجھے ایسے مت دیکھو۔ خود سوچو اس

شاہنگ بیگ سے ایک اجلا سفید رنگ کا بچکانہ سوٹ لٹکلا لور دھیرے سے توڑی کے ہاتھ میں تھما لیا۔ توڑی کے مضبوط ہاتھوں میں وہ سوٹ بے حد چھوٹا لگ رہا تھا۔

”جو چیز اتنی چھوٹی سی ہو وہ خراب کر لی ہے اور نہ ہی رکھوت مٹی ہے۔“ انیش نے آہستگی سے کہا۔

”میرے ماما باپ میں محبت نہیں تھی۔ اولاد ان کے لیے بوجھ تھی۔ ہماری محبت اتنی کمزور نہیں ہے۔“ توڑی نے جواب میں اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اس نے جو کچھ کہنا تھا سب بھول گیا۔

”ابھی مجھے تم چاہیے ہو۔ آمندہ بھی مجھے ہیں چھوڑ کر نہ جاؤ۔“ اس نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر صدمہ لیا۔

”نہیں جاؤں گی، ابھی نہیں جاؤں گی۔ وعدہ کرتی ہوں۔“ انیش نے کہا۔

مگر وہ اپنا وعدہ وفا نہیں کر سکی اور اسے چھوڑ دیا۔ چند مہینوں بعد وہ ایک منشی کی بیٹی کو چھوڑے چلی گئی۔ توڑی نے اسے بہت مزایا دیے تھے مگر اس نے جنہش نہیں کی۔ اپنی محبت کا واسطہ دیتا رہا مگر اس نے جنہش نہیں کی۔ غم سے نہ داخل توڑی آپریشن ٹیبلر لورینو یونان نرسری کے درمیان کارڈور میں بیٹھا آگے کی راہ تلاش کر رہا تھا۔ وہ اس بیٹی کے پاس نہیں جانا چاہتا تھا۔ انیش کے جانے کی وجہ یہی تھی۔ بہت دیر سوچنے کے بعد اس نے ایک فون ملایا۔

”ہی۔ میں توڑی بول رہا ہوں۔“

بیکم راتق جہاں نے جب بیٹی کو گود میں اٹھایا تو وہ خوشی سے سرشار ہو گئیں۔ وہ بیٹی ان کے لیے ایک نرانی کی مانند تھیں جو اس شاد مار جیت پر انہیں ملی تھی۔ توڑی کی ضد ہار گئی تھی اور ان کی انا سرخرو ہوئی تھی۔ ان کے لیے وہ بیٹی اس بات کی نشانی تھی کہ راتق جہاں کو پہنچ کر لے والا منہ کے بل گر جاتا ہے یہ سوچ کر ان کے کندھوں کے ساتھ ساتھ گردن بھی مزید اٹکڑ

ہوں اور تمہاری خواہش پوری کر کے شاید عمر بھر نہ جان سکوں۔ البتہ میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ جب میاں بیوی کا رشتہ اپنے عروج پر پہنچتا ہے تو بیوی شوہر کے وجود کا حصہ بنے آمندہ رہا کر گس تند خوش ہوئی ہے لور جب شوہر اس احساس کو رد کر دے تو اس کے پیرڈل کے نیچے سے زمین نکل جاتی ہے۔“ انیش نے آہستہ پوچھے اور پوچھتے ہوئے ابھرتی گئی۔

توڑی نے کھلتی ہوئی موم تیل کو غصے میں فرش پر پھینکا اور سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اسے اپنے موقف پر شرمندگی نہیں تھی۔ انیسویں صرف اس بات کا تھا کہ وہ بات سنبھال نہیں سکا۔ وہ انیش کو تکلیف نہیں دینا چاہتا تھا۔

بہت دیر سر پکڑے وہ اوسان بھال کر رہا۔ پھر اٹھ کر دروازہ کھول کر باہر نکل گیا کہ شاید وہ بیٹیں کہیں بیٹھی ہو مگر وہ کہیں نہیں تھیں۔ توڑی ایک بار پھر اندر آ گیا اور پہلی کے ٹھنڈے گلاس سے صاف ٹھنڈا کیا کہ وہ آئے گی تو اسے کس انداز میں قائل کرے گا اسے یقین تھا کہ وہ مان جائے گی۔ تمام الفاظ ترتیب دے کر وہ غیر لرزائی طور پر انہیں زہن میں دہرائے لگا۔ تین گھنٹے گزر گئے وہ کہیں تکی۔ توڑی کو بے چینی ہونے لگی۔ لگے وہ گھنٹے اس نے آمندہ باہر آتے جاتے گزار لیے۔ وہ اس کی سر پھری طبیعت سے واقف تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں وہ خود کو نقصان نہ پہنچا دے۔

”اف خدا یا! یہ کیا کر رہا۔“ توڑی نے ڈوہڑے تھل کے ساتھ سوچا اس کی رشتوں کی بے اعتباری کو ختم کر کے ایک بار پھر کئی کاٹھنڈے دیے وہ سوچنے لگا کہ وہ آئے گی تو اس سے معافی مانگے گا۔ اس کا نظریہ سننے کا محکوم کہیں گئی ہوگی۔ گاڑی کی چابی پکڑ کر باہر کی طرف لپکا تو انیش ہاتھ میں ایک چھوٹا سا شاہنگ بیگ لیے کھڑی تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ گیا۔ انیش اندر آگئی لور شاہنگ بیگ میز پر رکھ کر کیک کھانے لگی۔ اسے یقیناً بہت بھوک تھی تھی جو منٹوں میں ایک پڑا سا کھڑا جٹ کر گئی۔ توڑی نے کیک کا ایک لور کھڑا کٹ کر اس کی طرف پھلایا اس نے نہ بھی کھا لیا۔ پھر انیش نے

مکمل

"حاجی صاحب! یہ آپ کے پاس میری امانت ہے خیال رکھنا۔" رونق جہاں نے بچی گاڑی کی سیٹ پر رکھ دی اور گاڑی سے اتر گئیں۔ حاجی صاحب اسے اپنے گھر لے آئے۔ ان کی ٹیکس ریکارڈ نے اس کی اپنی لولہ کی طرح بدور ش کی۔ ماہم ٹینڈر سٹل کی تخت پر بیٹھی کھلونوں سے کھیل رہی تھی۔ ریحانہ برآمدے میں کپڑے استری کرنے لگی۔ تھوڑی دیر میں ان کے دونوں بچے لودھم بجاتے آئے۔ دلوں نے نئے کھلونے لیے تھے۔ ناصر کے پاس گاڑی بھی اور صابر کے پاس بے بلیڈ تھا۔ جو تھا تو لٹوئی بس ساتھ لیور لگا تھا۔ جس کی بدولت وہ اس چھوڑو تو فرش پر گر کر پھرتی سے چکرانے لگا تھا۔ ناصر محبت سے تخت پر گاڑی چلانے لگا۔ ماکہ ماہم بھی لطف اندوز ہو سکے۔ صابر کی بھی جس پھٹکی اور اس لے لیور کا رخ ماہم کی طرف کر کے لٹو آزاد کیا۔ لٹو فرش پر گرنے کے بجائے ماہم کی آنکھ پر گر اور پھر تخت پر گر کر گھومتا لگا۔

ماہم نے تکلیف سے چیخا شروع کر دیا۔ ریحانہ استری چھوڑ کر آئیں اور ماہم کو اٹھالیا۔ آنکھ کے لوہے ڈون کا قطرہ موجود تھا۔ ماہم نے خوف سے آنکھیں بند کر رکھی تھیں۔ تسلی ہوئی کہ آنکھ محفوظ ہے۔ صابر بے حد شرمندہ ہوا اور ماہم کو پیار کر کے معافی مانگی۔ ماہم کا زخم بھر گیا مگر آنکھ کے لوہے پر جلد پر نشان رہ گیا۔ جیسے تین پتھروں والا کوئی پھول ہو۔

بورڈنگ جانے کے بعد ماہم کو اکثر منظر یاد آتا۔ اس کا چوتھی سالگرہ بڑے اہتمام سے منائی گئی۔ پڑوسیوں کے بچے کئی تھانک لائے اور ناصر لور صابر نے اپنی جیب خراج جوڑ کر اسے ایک منگلی مڑیا لے کر دی۔ ریحانہ نے کئی کپڑے لے کر دیے۔ مگر سب تحفوں پر بھاری دہ تحفہ تھا جو ماہم کی دکانی لے بھجوا دیا تھا۔

"اس کا بورڈنگ اسکول میں داخلہ کروا دیا گیا۔"

لوریوں ماہم سفید دین میں بیٹھ کر بورڈنگ چلی گئی۔ صابر اور ناصر صابن دانی کہہ رہے تھے۔

اس کی بند چلوں پر کسی کی پھونک کی سرسراہٹ ہوئی۔ وہ رات دیر سے سوئی تھی۔ اس لیے پلکیں بہت دھنکی ہو رہی تھیں۔ اپنی ہتھیلیوں کی بدولت سے آنکھیں مل کر اس نے دیکھا۔ ریحانہ اباں ہٹا آواز کچھ پڑھ کر پھونک رہی تھیں۔

"السلام علیکم۔" ماہم نے ان کی گود میں سر رکھ دیا۔ "جیتتی رہو۔ منہ ہاتھ دھو لو نہیں سو کو کہہ کر تمہارا ناشتا بنوائی ہوں۔" منہ ہاتھ دھو کر ماہم محسن میں تخت پر آگئی۔ صابن نے گرم گرم انداز پر اٹھا اس کے سامنے رکھ دیا۔ ماہم نے ڈنٹ کر ناشتا کیا پھر ریحانہ کے کمرے میں آگئی۔

"ابن! میرے باپ کا نام کیا ہے؟" صت کر کے ماہم نے پوچھا۔

"میں نہیں جانتی جینا! میں نے کبھی نہیں پوچھا۔ جب انسان وفاداری قبول کر لیا لیتا ہے تو نہ چاہتے ہوئے بھی کتا بن جاتا ہے۔"

ماہم نے چونک کر لپٹاں کھنکھنایں۔ ان کے لمبے سے واضح تھا کہ ان کا مقصد ٹھیک نہیں تھا۔ "تو جیسے ایک حقیقت بیان کر رہی تھیں۔"

"اور وادی۔" ماہم کے الفاظ خود اس کے لیے اجنبی تھے۔

"وادی بریں پہلے فوت ہو گئی تھیں۔ ان کے بعد حاجی صاحب ہی ذمہ داری سے تمہارے اخراجات دیکھتے تھے۔"

"جب میں انجیل تھی تو تمہاری نگاہوں سے بعد تکلیف ہو تھا۔ اب جاننے کے بعد احساس ہو رہا ہے کہ اس انکشاف میں اس سے کہیں زیادہ فوجیت ہے کہ میرے رشتے ہیں مگر انہوں نے مجھے ایک ٹیوٹر کی طرح خود سے الگ کر دیا۔"

"میری بچی! خود کو کیوں ملامت کرتی ہو۔ بد قسمت ہیں وہ لوگ جو تم جیسی بیاری بچی سے محروم ہو گئے۔" انہوں نے تسلی دیتے ہوئے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔ مگر

ماہم کی شکل پر واضح تھا کہ اس کی کنڈاہٹ میں کوئی کمی نہیں ہوئی۔

”بیگم صاحبہ کے تین بیٹے ہیں۔ بڑے کا نام عدین شاہ ہے۔ اس کی بیگم کا نام سلسلی ہے اس کے چار بچے ہیں۔“

”دوسرے بیٹے کا نام عادل شاہ ہے۔ اس کی بیگم عالیہ مشہور سوشل ورکر ہے۔ اکثر اجتماعات میں تصویب آتی ہیں۔ غریب عورتوں کے روزگار کے لیے کام کرتی ہے۔ اس کے بھی دو بچے ہیں۔ تیسرے کا نام حبیب ہے۔ وہ بہت سلیکھا ہوا اور عزت کرنے والا لڑکا تھا۔ ملک سے باہر جاتا تو حاجی صاحب کے لیے بھی تحفہ ضرور لاتا۔“

”وہ بھی شادی شدہ ہیں؟“

”ہاں جی! اس کی بیگم نے بالکل بیگم صاحبہ کے انداز میں گھر سنبھالا ہوا ہے۔ سلیقہ، رعب اور انتظام تینوں ہی خوب پائے ہیں۔ اس کا نام نوشین ہے۔ اہل خاموش ہو گئیں۔“

”ان کے گھر کا ایڈریس کیا ہے؟“ ماہم نے سنجیدگی سے پوچھا۔

سیلا اپنی گھٹ کے سامنے کھڑے ہو کر ماہم نے اپنا حوصلہ اس جوہلی نما گھر سے زیادہ سنبھال لیا۔ آج وہ اس گھر کی دیواریں لرزاتے کے لواحد سے آئی تھی۔ اس کے ہاتھ میں قائل تھی۔ جس میں اس کی تمام دستاویز تھیں۔ اس کی فیس سلف ’چنگ اکلونٹ‘ نمبر اس کے تمام رزلٹ کا ڈیوہ ہر بات کے لیے تیار تھی۔ اس کے انکشاف کے بعد عین ممکن تھا اسے دھکے دے کر نکال دیا جاتا مگر اسے پروا نہیں تھی۔ اس کے دل میں جو آگ لگی تھی وہ اس کی چنگاری اس گھر میں بسنے والے رشتوں کو لگا جاتی تھی۔ وہ بے تصور ہو کر آہلی کیوں جلتے اس نے گھنٹی بجائی تو ایک گاڑ نمودار ہوا۔

”مجھے گھر والوں سے ملنا ہے۔“ ماہم نے آد کا

مقصود بتایا۔

”سیدھا جا کر بائیں جانب دو واڑے۔“ گاڑ نے ہاتھ سے اشارہ کیا۔

وہ لائن سے گزر کر دو واڑے کے قریب پہنچی تو اس کی ساری ہمت حیرت میں بدل گئی۔ سامنے دو اور لڑکیاں ہاتھوں میں مائل تھکے بیٹھی تھیں۔ دونوں گھبراہٹ ہوئی تھیں۔ ایک کے ساتھ اس کی بہن بھی تھی جو بیگم سے پالی کی بوتلی نکال کر پیش کو نگار رہی تھی اور حوصلہ کی تاکید کر رہی تھی۔ ماہم ایک خالی کرسی پر بیٹھ گئی۔ دو واڑے سے ایک ملازمہ نمودار ہوئی اور پہلی لڑکی کو آٹے کا کدہ کچھ دیر بعد لڑکی باہر نکلے اور دوسری چلی گئی۔ ماہم نے رات بھر پارہ اپنے لٹکا ہوا سچ کی طرح دہرائے تھے کہ اسے کیا کہنا ہے۔

”اب آجائیں۔“ ملازمہ نے اسے ادب سے مخاطب کیا۔ کیوں کہ اس کا علیہ باقی دونوں سے کئی گنا بہتر تھا۔

”میرا ماہم اور ہے اور میں بیگم عورتوں جیسا اور قصیر شاہ کی پوتی ہوں۔“ ماہم نے ذہن میں سٹلا جملہ دہرایا جو اسے کہنا تھا اور اجازت لیتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئی۔ سامنے صوفے پر ایک عورت خود سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ ماہم نے جھٹکے سے فائل اس کے سامنے بھیل پر رکھی۔

”میرا ماہم اور ہے۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ خاتون نے اس کی بات ٹکٹ دی اور اپنے ہاتھ میں تھامی ڈائری میں ماہم کا نام درج کر لیا۔ ماہم نے پھر رونے کی کوشش کی مگر وہ قائل دیکھنے لگی۔

”اب نے مری سے بڑھا ہے؟“ حیرت میں اس کے منہ سے انگریزی آئی تھی۔

”کچھ کشادہ دل لوگوں کا احسن ہے اور نہ قسمت بیہم خانے میں بھی لے جاتی تو میرا کیا اختیار تھا۔“

”اب کی تعلیم کئی اچھی ہے اتنے بڑے گھر مشہور اداروں میں پڑھتے ہوئے اب کو جانب کی ضرورت کیسے پڑ گئی؟“ خاتون نے قائل میں کاغذات دیکھ کر کہا۔

"جالب۔" ماہم نے دریافت کیا۔
 "اور میں کوئی چند گھنٹوں کی نوٹری تلاش میں نہیں ہوں۔ مجھے دن بھر کا شیجر چاہیے۔ جس سے بچے نیپل، مینورلینگو، کونج اسکلو، سیکہ نکلیں۔ آپ کے گھر والے اجازت دے دیں گے؟"
 "اپنا کوئی ہو تو ہاشل میں دھکے نہ کھاریں ہوتی۔"
 ماہم نے انجانے میں نوکری کے لیے ہاں بھری تھی۔
 "تو تب انٹسٹین رسی ہیں۔ ہاشل کی آپ کو ضرورت نہیں رہے گی۔ جہاں تک آپ کی پڑھائی کا تعلق ہے تو وہ انکو موڈیٹ ہو سکتی ہے۔ ہمارے بچے اتنے چھوٹے نہیں ہیں کہ چوبیس گھنٹے گمرانی کی جائے۔" خاتون نے قائل والیس کی۔
 "میں یہاں اس لیے نہیں آئی مجھے کسی اور گھر والے سے ملنا ہے۔"
 "ابھی آپ کی تقرری نہیں ہوئی۔ تاہم ہڑالی لے آؤ۔"

خاتون نے ملازمہ کو آواز دی جو لوازمات سے بھی ڈال لے گئی۔ ماہم کو خاطر تواضع کی ہرگز توقع نہیں تھی مگر کچھ بھی چلان کے مطابق نہیں ہو رہا تھا۔
 "میرا نام نو شین ہے۔ میرے تین بچے ہیں۔ کچھ سو۔" خاتون نے نرمی کی طرف اشارہ کیا۔
 ماہم کو کھانے کی خواہش نہیں تھی مگر اسے گھر کے بارے میں مزید جاننے کا موقع مل رہا تھا اس لیے انکار نہیں کیا۔ ماہم نے پلیٹ نکال کر نو شین کی طرف برعکاسی اور جیسے پیش کیں پھر اس نے خود پلیٹ لے کر پڑا کا ٹکڑا اٹھالیا۔ اس سب کے دوران نو شین بغور ماہم کی حرکات دیکھ رہی تھی۔ اس سے ماہم کو اندازہ ہوا کہ اس خاطر تواضع ہرگز نہیں بلکہ یہ انٹرویو کی ایک کڑی ہے۔

"میری بچی بی بی ماہم پر کیسی ج میں سے دھن کی کافی تیز ہے بلکہ کچھ زیادہ تیز ہے۔ اس کا خیال رکھنا پڑتا ہے کہ انہی قابلیت صحیح جگہ استعمال کرے۔ پھر مٹا ہے مود جو کلاس فائو میں ہے اور ایک پیرا معاذ ہے جو ابھی پہلی کلاس میں ہے۔"

ماہم نے پرا فٹم کر کے پلیٹ رکھنا چاہی۔
 "آپ پلیٹ بھی لوٹا۔" نو شین نے اشارہ کیا۔
 ماہم کو پلیٹ کھانے میں ہیٹ کو فٹ ہوئی تھی۔
 پلٹ پلٹ کر نو شین کے بے شمار بھورے پلیٹ میں کرتے تھے مگر نو شین نے عقل مندی سے ساتھ چھری بھی رکھوائی تھی۔ کیوں کہ اکثر مہمان تو حالیے کی خواہش ظاہر کرتے ہیں۔ ماہم نے چھری سے پلیٹ آدھا کیا پھر اس آدھے کے بھی دو ٹکڑے کر لیے تاکہ پلیٹ میں توڑتے وقت آواز نہ ہو پھر وہ دو ٹکڑے اپنی پلیٹ میں ڈال کر آرام سے بیٹھ گئی نو شین کی مسکراہٹ سے اندازہ ہو رہا تھا کہ ماہم نے بیٹ پاس کر لیا ہے۔
 "میرے علاوہ وہ علیہ بھابھی کے بچے بھی آپ کی ذمہ داری ہوں گے۔ اس طرح ماہم اپنا پورا بستر لے کر اسی گھر میں آگئی۔ جہاں وہ ہاشل اس کا حق تھا مگر ماہم کو احساس تھا کہ وہ بھی ایک وقتی پڑاؤ ہے۔ اس گردش کوئی دن یا اس شاید ہی اس کا کوئی مستقل ٹھکانہ ہو۔

"جو گاڑی صبح انکم کو کالج چھوڑتی ہے وہی تمہیں کالج لے جائے گی۔" والیس کے اوقات صبح ہی ایک دو نمبر سے ملے کر نیا کرنا مگر وہ بیان رہے تھوڑی دیر بعد ہی تمہارے کلم میں حائل نہ ہو۔ بچوں کے گھرے گھر کے اسی حصے میں ہیں گھر کے باقی افراد کی ذاتیات کا خیال کرنا اپنی دوسری گوبچوں کی رہنمائی کے ساتھ ملاو تاکہ جیل میزڈ نہیں اور انداز کی بھی تربیت دے سکے۔ اس گھر میں سہولیات کی کمی نہیں اور گھر والوں کے دل میں وسعت بھی ہے مگر مجھے فلنگ چاہییں۔ خاص طور پر عالیہ بھابھی کے بیٹے سفیان کے معاملے میں۔ وہ بیٹہ سے ہی کم گو ہے۔ اس کے لیے پہلے تین یوزر رکھے جا چکے ہیں مگر وہ ان سے بھی بات نہیں کر رہا تھا۔" نو شین نے دس منٹ مسلسل بولنے کے بعد سانس لیا اور موضوع بدلا۔

"تین میں جا کر کچ کر لو پھر کمراتر تیب دیا بچوں سے شام کو مل لینے۔"

"جی میڈم۔" ماہم تیری طرح سیدھی کھڑی تھی۔
 "تم مجھے آگئی کہہ سکتی ہو۔" نو شین پہلی بار

مسکرائی۔

عادتمیں کیا ہیں۔ دوست کون ہیں۔ آپ کو سب معلوم ہونا چاہیے۔" آپ لمبے لمبے ہنس رہے تھے۔

"روزانہ پانچ گھنٹے کی پنڈ سو کر سب کی ڈم دامی اٹھانے کے بعد بھی ایسا لگتا ہے زندگی گروی رکھ دی ہو اور اس سب محنت کے بعد انسان کی منہ چاہتا ہے کہ وہ کتنا لا پرواہ اور ناگوار ہے۔" عالیہ بیگم نے سر پکڑ لیا۔ "میں صرف اتنا چاہتی ہوں کہ ہم ایک فیملی کی طرح رہیں۔ اپنی مصروفیت میں بچوں کا نقصان نہ کر بیٹھیں، ہم ایک کمرے میں ساتھ بھی بیٹھے ہوں تو سر نیم کے سوا کچھ یکساں نہیں لگتا۔"

"بچھلے پانچ منٹ میں تم میری کوئی بچاس برائیاں گنوا چکی ہو۔ اس سے تم نے خود ثابت کر دیا کہ میرے ساتھ وقت گزارنے سے بچوں پر کوئی مثبت اثر نہیں پڑے گا۔" تو از رووازے کے نزدیک آ رہی تھی۔ عالیہ نے ہاتھ ایسے گھمائی کہ عالیہ بھی سنبھلتی تھیں۔ اپنا کی ہر بحث ایسے ہی بھنور میں چھنس کر رہ جاتی تھی۔

"میں ملل کلاس ہاؤس وائف کی طرح بحث نہیں کرتا چاہتی۔ آئی ایم سوری۔ آپ جانا چاہیں گے ٹھیکہ نے کیا رپورٹ دی؟"

"میں تم پر بھروسہ کرتا ہوں کہ تم سب سنبھل لو گی۔ تمہیں اس بات پر خوش ہونا چاہیے کہ میں تمہارے فیصلوں پر اعتراض نہیں کرتا اور نہ ہی مداخلت کرتا ہوں۔"

جملہ کھل کرتے کرتے عالیہ دروازے کے سامنے آ گیا اور ماہم پر نظر پڑی۔ ماہم گھبرا کر دو قدم پیچھے ہوئی۔ عالیہ کی غصیلی نظر سے ماہم کو سخت غور شرمندگی کا احساس ہوا تھا۔ عالیہ جلدی سے کمرے سے باہر آ گئی اور احتیاط سے دروازہ بند کر دیا۔

"آپ نے خود بلایا تھا۔" ماہم نے فوراً صفائی پیش کی۔

"ہاں۔ میں نے بلایا تھا۔" شرمندگی عالیہ کو بھی ہوئی تھی۔ اس نے خشک آنکھوں کو ہی درگزر کر لو سناں بھل گئے۔

پہلے دن ماہم سوا صبح کر دیا گیا تھا کہ گھر کے کون سے حصے گھر کے افراد کے ذاتی استعمال کے ہیں، جہاں اس کا داخلہ قبول نہیں، پھر بھی حسب عادت ماہم نظر نہ بگا کر پورے گھر کا معائنہ کر چکی تھی۔ دوسرے کی ذاتیات میں مداخلت نہ کرنے کا اس نے اب تک خاص خیال رکھا تھا۔ جس روز اس سے مداخلت سرزد ہوئی تھی اس روز اسے حدود کے اندر خود بلوایا گیا تھا۔

ذکر کے بعد اسے عالیہ نے اپنے کمرے میں بلوایا تھا۔ ملاقات کی وجہ بچوں کے اسکول میں ہونے والی پیرٹس ٹیچر میٹنگ تھی، جس میں ماہم نہیں جاسکتی تھی۔ دستک دینے کی ضرورت نہیں پڑی۔ لودھ کھلے دروازے سے عالیہ نظر آ رہی تھی جو صوفے پر سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"آپ کو کہاں جانا چاہیے تھا۔" محتاط لہجے میں شکوہ کیا گیا تھا۔

"میں مصروف تھا۔" عالیہ کی سوا ازاد ماہم کے کانوں میں پڑی۔

"میں نے بعد وہ کھینچے ڈھکنا اس قدر مشکل نہیں ہوتا۔" عالیہ کا شکوہ پر قرار تھا۔

"تم جو چلی گئی تھیں۔" دوسری طرف سوسری میں کوئی کی نہیں تھی۔

"آپ ان کے باپ ہیں، آپ کا فرض بنتا ہے کہ آپ بھی جائیں۔" شکوہ بڑھ رہا تھا اور احتیاط کم ہوتی جا رہی تھی۔

"اپنے فرائض مجھے معلوم ہیں۔ ملک کے بہترین اسکول میں بیٹھ رہے ہیں۔ آسائش ان کے ہاتھوں کا میل ہے۔ فرائض کی غمراہ نہ کھلاؤ اور نہ حقوق کی لسٹ بھی کھل جائے گی۔" لہجے کی سوا ہی اچانک آگ میں تبدیل ہونے لگی تھی۔

"میں آپ کو الزام نہیں دے رہی۔ مگر بچوں کو ہم دونوں کی ضرورت ہے۔ وہ بڑے ہو رہے ہیں۔ ان کی

"ہاں دراصل آج میٹنگ تھی بچوں کے اسکول میں" پیچہڑ سے ملاقات ہوئی۔ "عالیہ انگ کر کہہ رہی تھی۔"

"رزلٹ پہلے سے بہتر ہے۔ سفیان کے ہوم ورک اور ٹیسٹ میں بہتری ہے مگر پیچہڑ کو شکایت ہے کہ وہ کم صدمہ دیتا ہے گوشت کھانے میں پورے کی مکمل کرنے کی پریکٹس کراؤ۔"

"جی ہنر۔ میں کوئی موضوع دے دیا کہوں گی کہ کم از کم وہی جملے بولے ہو۔"

"ہاں ٹھیک رہے گا ہمیں تھوڑی سی بہتری پر خوش ہونے میں وقت ضائع کرنے کے بجائے آگے بڑھنے کی کوشش کرنی پڑے گی۔"

"میں سمجھ رہی ہوں۔" ماہم کا ذہن اب تک پچھلی مصغلوں پر رہا تھا۔ اگر اس کی کوئی ہم عمر ہوئی تو وہ آگے بڑھ کر غم باغی تھی۔ مگر مسز عادل کے سلسلے میں وہ ہمت نہیں کر سکی اور ایس میڈم کہہ کر ٹھٹھکی۔

ماہم کے دل پر باغی کی یادوں کی دھندلک ہونے لگی تھی۔ تو تمہاری بھی اس لیے جنگل کی گھاس کی طرح خود بڑھی تھی۔ اس گھر کے بچے ماہم کو خود جیسے لگے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی ٹھنڈک کی ایک لہر اس نے اپنے اندر اترتے محسوس کیا۔



خضر لاہوری میں کتابوں میں گہرا بیضا تھا۔ دور کا اس دور کے پاپر ماہم زور زور سے ہاتھ ہلارہی تھی۔ خضر کی کرسی ترچھی تھی اس لیے توجہ نہ لگتی۔ ماہم ہمت کر کے لاہوری کے اندر داخل ہوئی۔ "کارڈ دکھائیں۔" چوڑے چہرے والی لاہورین نے کہا۔

"کارڈ تو نہیں ہے۔" ماہم نے معصوم شکل بنالی۔ "کارڈ کے بغیر نہیں جاسکتیں۔" عورت نے بے زاری سے کہا۔

خضر ناصطی پر بیٹھا تھا اس لیے توازن مناسب نہ تھا۔ اہم افسردہ ہو کر دروازے کی طرف چلی۔ آہستہ

سے ایک سے موبائل نکالا اور ہائی بیگ زمین کی طرف پلٹ دیا۔ میڈیکل کی مینی مینی کتابیں دھڑ دھڑکی تو از کے ساتھ ایک کے بعد ایک فرش پر گر گئیں اور ہر سکون فضا میں مل چلی گئی۔ ہر شخص نے سر کر نکال دیا۔ "لٹا شور کیوں کر رہی ہیں۔" ماہم نے پوچھا۔ "عورت غصیلے انداز میں چلائی۔ ماہم بے فکری سے کتابیں اٹھانے لگی تو خضر اس کی مدد کو آگیا۔

"موبائل کیوں آف تھا۔ میں کب سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہوں۔" اس سے پہلے خضر تماشا بنانے پر اعتراض کرتا "ماہم نے گلہ کر ڈالا۔

"تم نے مجھے پھر بھی دھونڈ نکالا۔ نہ ہے نصیب۔" خضر کی شرارت ہر ملاقات کے ساتھ بوجھتی جا رہی تھی۔ ماہم نے نظر ہٹا کر فوراً بات بدل دی۔

"یہ لاہورین غیر شادی شدہ ہونے کے باعث اتنی چلی بھنی رہتی ہے یا انھوں نے زندگی کے مصائب نے خوشخوار بنا دیا ہے؟"

"میں خواتین کے بارے میں زیادہ معلومات رکھتے کاغذی نہیں ہوں اپنی سناؤ۔"

"بغافوت چلنا شروع کر دی ہے۔ جلد ہی فتح کے جھنڈے گاڑ دیں گی۔" وہ بات کرتے کرتے ایک بچہ پر بیٹھ گئے۔ جو درخت کے تنے کو درمیان سے آٹھا کٹ کر بٹایا گیا تھا۔ ارد گرد کی اسٹوڈنٹ گروپ بنا کر بیٹھے تھے۔ بے فکری کا یہ عالم دیکھ کر ماہم چند لمحوں خیالوں میں کھو گئی۔

"کس سوچ میں پڑ گئی ہو۔" خضر نے اس کے خیالوں کا سلسلہ توڑنے کے لیے جھکی بھلی۔

"کچھ خاص نہیں۔ بس ایک بے چینی ساتھ نہیں چھوڑتی۔" خضر بیٹھ خاموش ہو کر پوری توجہ سے اس بات سنتا تھا۔

"میں سمجھتی تھی اس گھر میں جا کر مجھے میرے سوانح کے دلوں مل جائیں گے لیکن جتنی کتابوں میں ہوئی ہوں اس سے مجھے خوف آتا ہے۔" ماہم نے سچے سچے میں قدم اٹھا چکی تو احساس ہوا کہ میں کسی منزل کی طالب نہیں ہوں۔" ماہم اپنی زبان سے ادا ہوئے

اسی پر قائم تھی۔ صبح نو گھنٹہ رہا تھا مگر کیلا ہم کے پاس
اتنے طرف تھا۔

"تم بہت قابل ہو تم آگے کی کرنا چاہتے ہو۔" ماہم
اس کی زندگی میں دیکھی ہی نہ تھی۔

"میں بس اپنی تعلیم کا حق لو کرنا چاہتا ہوں۔" اس
نے ادھر اور جواب دیا۔

"کامیابی بس وہ قدم ہی لا رہے ہیں۔ ایک قدم
یونیورسٹی سے بڑی ہی ڈگری لے کر نکلو اور ایک

شماردار اور کنڈریٹ آفس میں ہو گا۔" خضر نے غور سے
ماہم کو دیکھا اور تعین کیا کہ اسے اپنے خواب کا حصار

بانا چاہیے یا نہیں۔
"کچھ غلط کہا؟" ماہم نے اس کی نظری تحریر پڑھی۔

"میں ایک ایسا لوانا بنانا چاہتا ہوں جس میں ہنر بھی
ایک مضمون کی طرح پڑھایا جائے۔ اس کی ہاتھ

کلاس ہو اور بچوں کی بنائی اشیاء فروخت کر کے بچوں کی
لیس کا خرچہ اور ان کا جیب خرچ بھی نکل آئے۔"

خضر کی بات پر ماہم کے چہرے پر رونق آئی۔
"میں نے پیسے اور پڑھائی میں بہت خواری دیکھی

ہے۔ دونوں چیزیں یکساں کر کے ایک ہی جھت کے نیچے
مسا کرنا میرا خواب بن گیا ہے۔" خضر کے زلوے کی

پختگی لمحے میں نمایاں تھی۔
"چشتی گاڑی، یاد دہی ملازم اور لٹنڈا آفس بہت

جاذبیت رکھتے ہیں۔ کہیں تمہیں تمہارا مقصد بھلانے
پر مجبور نہ کر دیں۔"

"حقیقت رکھتے ہیں بہت جاذبیت رکھتے ہیں۔ کہیں
مل جانے کے بعد کہیں مجبور نہ کر دیں کہ مجھے بھلا

لا۔" بے خیالی میں خضر کے منہ سے خدشہ نکلا۔
❖ ❖ ❖

اسکول سے واپسی پر وہ بچوں کو لے کر آفس کریم
پارکرک گئی۔ ہر بچے نے اپنی پسند کی آفس کریم کون

میں ڈال لی اور کھانے لگے۔ شائین نے اپنی ڈیزل اینٹ
کی مسجد جدا بنانے کی روایت قائم رکھی اور ایک شیڑھا

سا آڑ دیا جس کی تیاری میں ولت دور کا وقت تھا۔

الفاظ کا مطلب خود بھی نہیں سمجھ پارتی تھی۔ اس نے
سوالیہ نظروں سے خضر کو دیکھا جیسے اسے یقین ہو کہ وہ

اسے سمجھا سکتا ہے۔
"ہو چنیک طرف محبت سے زیادہ تکلیف دہ ہے وہ

ایک طرف نفرت ہے۔ محبت کے غم میں کم از کم لذت
تو ہوتی ہے۔ نفرت تو اس سے بھی محروم رکھتی ہے۔"

خضر نے وہ بے لفظیوں میں سمجھ لیا۔
"میرے نزدیک سب سے تکلیف دہ ادھوری

مطلوبت ہے۔ یہ جہتیں سوالوں کی جلیں داغی کر دیتی
ہے۔"

"جو جانتی ہو وہ جان کر بے سکون ہو رہی ہو۔ اس
بات کی کیا تعین دہی ہے کہ مکمل حقائق جان کر نہیں

سکون مل جائے گا؟"
"ایسا لگتا ہے میں کچھ بھی نہیں جانتی۔ سناپ

سیڑھی کے کھیل میں ہر وہ قدم بعد دس لی جاتی ہوں اور
پھر سے ابتدا پر آکر رہتی ہوں۔" ماہم کا تہ از غصیل

ہو تا جا رہا تھا۔
"ایسا نہیں ہے سب سے بڑی حقیقت تم جانتی

ہو۔"
"کیا۔" ماہم نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"یہ کہ تم میں بچوں کی بچہ ہو۔ اسکو شاگرد کا یہ
مقدس رشتہ کسی بدلے کی بیعت نہیں چڑھنا

چاہیے۔" خضر نے نرم لہجے میں سمجھ لیا۔
"تم جانتے ہو میں نے یہ جاب اس نیت سے

نہیں کی۔" ماہم کی خند و جمل بڑھ گئی۔
"لیکن بچے یہ نہیں جانتے۔ انہوں نے تم میں

بیش اہلی بچہ ہی دیکھی ہے۔ اب اس حلق کو رسوا
مت کرو۔ سب کچھ بھول کر ایک بار صرف اس رشتے

پر توجہ دو۔ ایک اچھی استاد بنو۔"
"تم کہتے ہو جیسے ہو؟" ماہم کی نظریں ستائش

کے علاوہ کئی گہرے جذبات تھے۔
"اچھے لوگوں کی محبت میں رہتا ہوں۔" خضر کو

آنکھیں پڑھنا خوب آتا تھا۔ چند لمحوں کے لیے ماہم
نے نظریں ہٹائیں اور گھاس کو دیکھنے لگی مگر خضر کی نظر

تھکاوٹ جسم کو ہو سکتی ہے تو ذہن بھی اس کے زیر اثر آسکتا ہے۔ سفیان ذہنی بیماری کا شکار ہے۔ "ماہم اپنی عمر سے بڑا کھم کر لے جا رہی تھی۔"

"بیمہ لوہور تفصیل سے بتاؤ۔"

"اس بیماری کو منتخب گونا گونہ کہتے ہیں۔ بعض بچے کچھ جگہوں پر بالکل بدل انداز میں کھینچتے اور بولتے ہیں جیسے گھر گھر کچھ جگہوں پر لاکھ کوشش کے باوجود بول نہیں پاتے جیسے اسکول۔ یہ اسکول کے ابتدائی سالوں میں واضح ہو جاتی ہے مگر سفیان کو ہمیشہ نشان کا ساتھ میسر رہا۔ اس لیے اس کی ٹوٹ جیسا یہ بیماری پوشیدہ رہ گئی۔" ماہم اس پر تفصیل سے تحقیق کر رہی تھی۔

"یہ شدید دباؤ کے باعث ہوتا ہے خوش قسمتی سے دماغ کا نقص نہیں اس لیے علاج ایک طرح سے ذہنی ایکسٹریکٹ کا مجموعہ ہوتا ہے۔" ماہم نے علیہ کو پریشان دیکھ کر مزید وضاحت کی۔

"اسے سائیکائوسٹ کو دکھاتے ہیں۔" علیہ نے کہا۔



"یہ غیر معمولی بیماری ہے اس لیے اکثر اس کو شرم سے چھٹی یا ڈھٹائی بھی سمجھا جاتا ہے۔ اس لیے مہازم پورا ایک مہینہ اس کی علامت جاری رہنے پر ہی اس کی تصدیق ہوئی ہے۔" ڈاکٹر کے سر پر توڑے ہل لور آنکھوں پر دو گن چشمرہ موجود تھا۔

"اس کی وجہ کیا ہے؟" علیہ نے سوال کیا جبکہ ماہم ساتھ والی کرسی پر خاموشی سے بیٹھی تھی۔

"تحقیقات بہت واضح نہیں ہیں۔ کئی وجوہات ہو سکتی ہیں۔ اکثر مائیں اور پرولیکس ہوئی ہیں جس سے بچے کی شخصیت کی مناسب نشوونما نہیں ہو پاتی اور وہاں پر ضرورت سے زیادہ مختصر ہونے لگتا ہے۔"

"ہمارے معاملے میں ایسا نہیں۔ میں ایکسٹریکٹ دین من ہوں۔" علیہ نے اس التزام سے خود کو بری کروایا۔

"آج آپ نے اسکول میں کچھ بولا؟" ماہم نے سفیان سے پوچھا۔

"میرے پیٹ میں ایک بکسا ہے جب بھی میں بولنا چاہتا ہوں وہ بکسا زور زور سے ہلتا ہے اور مارے لفظ اس میں پھنس جاتے ہیں۔" سفیان نے معصومیت سے صفائی دی۔

"معاذ میرے یونیفارم پر آکس کریم نہ گرتو۔"

سفیان نے اٹھا۔

"غلطی ہو گئی۔" معذرت سے معذرت کی۔

غلطی سیکھنے کے عمل کا لازمی جزو ہے جو غلطی سے گھبراتا ہے وہ کبھی سیکھ نہیں پاتا۔ سفیان کا مسئلہ بھی ایسا ہی تھا۔ گفت کے ذریعے کھیل سے ہی منہ موڑ لینا سب سے بڑی شکست تھی۔

"تو کیا ہوا۔ یہ لو میں نے بھی کر دی۔" ماہم نے اپنے دامن پر آکس کریم کا چھینٹا کر اگر ایک نئے کھیل کا آغاز کر دیا۔ وہ سفیان کو سکھانا چاہتی تھی کہ ہر وقت اپنی کڑی جانچ نہیں کرنی چاہیے۔ گندا ہونا یا غلط ہونا زندگی کا حصہ ہے۔ اس کھیل میں سادوں کے ہی کپڑے مختلف آکس کریموں سے رنگین ہو گئے۔ ہنستے مسکراتے وہ گھر بیٹھے تو نو سینیں درہم ہونے پر بے چین لافٹ میں شل رہی تھی۔ وہ پچھلے تین ہفتوں سے اپنے شوہر کے ساتھ دوسرے شرمیلی ہوئی تھی۔

اچانک بچہ کس ہم کو ایک کنوڑا لمبے میں پکڑا تھا۔

"تاہرہ نور!" نور ہر کہو۔ "مالکین کی آواز پر نلوں دوڑتی ہوئی آئی۔"

"بچوں کے کپڑے بدلوؤ اور نور!" دھودا کہیں داغ نہ پکے ہو جائیں۔ "وہ گھم تاہرہ کو دے دی تھی مگر اپنی شعلہ بار نظریں ماہم پر مرکوز کر رکھی تھیں۔ ماہم شرمیلی سے گڑھی جا رہی تھی۔

"ار اصل یہ سفیان کے علاج کے لیے اہم تھا۔"

اس نے بہت کر کے گھم ہی ڈالا۔

"خارج؟" شرمیلا ہے مگر خدا نخواستہ ہمار نہیں ہے یہ کس قسم کا طریقہ ہے۔"

"بیماری جسم کی نہیں ذہن کی بھی ہوتی ہے۔"

"جی نہیں۔ میرے شوہر چاہتے تھے کہ میں کام کروں۔ لیکن کوکھر میں رہنے والی عورتیں پسند نہیں ہیں۔ میں نے کام شروع کیا، لیکن دوسرے بچے کی وجہ سے اسے روکنا پڑا۔ میرے شوہر کی بلور میری اکثر غرار ہوتی تھی۔ تب تک سفیان بولنے لگا تھا، میں نے سفیان کو تھپتھپ کی تھی کہ وہ کمرے کی باتیں باہر نہ کرے۔"

ڈاکٹر نے ہاتھ ہلا کر مزید بولنے سے منع کر دیا۔ اس کو اپنے سوال کا جواب مل گیا تھا۔ یعنی یہ مل کی تاکید تھی، جو اس بچے نے غلطی سے اپنی فطرت میں شامل کر لی تھی۔

کیس مشدیدی مکمل کرنے کے ڈاکٹر نے سفیان کا تفصیلی معائنہ کیا۔

خضر لاہور واپس آیا تو ماہم سے ملنے فوراً چلا آیا تھا۔ وہ سیالکوٹ سے ایک تھکا لایا تھا، اس لیے ماہم سے ملنے میں تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا۔ گارڈ نے اسے لان میں بٹھایا اور اندر اطلاع دی۔ خضر کرسیوں کے گرد ٹہلنے لگا۔ تھپوں کا شور بلند ہوا تو خضر نے کھڑکی کے پردے کھلے پردے سے کیک کھانے کا محدود منظر دکھا۔ عدنان شاہ کی شادی کی سائیکل پر سفیان کے کلاس میں لٹم سنانے کو یہ منظر دیکھ کر گھبرا گیا۔ جس کا کریڈٹ بلا جھجک سب نے ماہم کو دے دیا تھا۔ ماہم کو سب سے پہلے کیک کھلایا گیا پھر باقیوں نے اپنی اپنی پائیشیں کھائیں۔ عدنان صاحب نے بڑھ کر بار دیا تو خضر کو لگا جیسے ماہم نے اپنی پہچان پائی ہو۔ ماہم کی دنیا مکمل ہو چکی تھی۔ اسے اب کسی خضر راہ کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ خضر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا اور ایک لٹل سائس بھری۔

"ماہم! بی! آپ سے کوئی ملنے آیا ہے؟" ماہم نے اطلاع دی۔ ماہم خود ہاں سے جلتا چاہتی تھی اس لیے فوراً باہر نکلی مگر وہیں کوئی موجود نہ تھا۔ لان خالی تھی۔ ماہم اندھیرے کو ٹھٹھل کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔

کمرے کا دروازہ کھلا تھا۔ بستر پر بیٹھے شخص کو دیکھ کر

"بعض اوقات والدین میں سے کوئی ایذا رسانی کا شکار ہوتا ہے۔ تب بھی بچے میں اثرات منتقل ہو جاتے ہیں۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ داغ کا جو پرزہ انسان کو خطرے سے آگاہ کرتا ہے وہ زیادہ پر جوش ہوتا ہے۔ اس لیے ہر خطرے کو نمایاں کر کے دکھانا ہے۔ اس سے بچہ فائٹ اور فلائٹ کا شکار ہو جاتا ہے اور وہ لڑنے پر دوانے کو ترجیح دیتا ہے۔ تب کے بچے کو بولنے میں کوئی دشواری ہے؟" عالیہ ذہن پر زور دینے لگی۔

"Rہ نہیں بول پاتا" اس کی جگہ لے بولتا ہے، لیکن یہ کبھی کبھار ہوتا ہے۔" ماہم نے اس پر ہلکا سا ہنسنا شروع کیا۔

"یعنی اگر وہ بولنا چاہتا ہے تو زبان کی یہ کنواری اس کو شرمندہ کر دیتی ہے۔ اس لیے وہ ٹیکس بولنا ترک کر دیتا ہے۔ ہو سکتا ہے اسکول میں دوسرے بچے اس کا مذاق بھی اڑاتے ہوں۔" ڈاکٹر کی بات پر وہ لوں خواہشیں نے اثبات میں سر ہلایا۔

"ایک بار بیماری کی تصدیق ہو جائے تو فوراً علاج کی طرف بڑھنا چاہیے۔ آخری سول پوچھنا چاہتا ہوں۔ کیا بچپن میں سفیان نے وہ عجیب حالات دیکھے ہیں۔ کوئی معمولی صدمہ بھی چھوٹے بچے کے ذہن پر بڑا اثر چھوڑ جاتا ہے۔" ڈاکٹر کے ساتھ ماہم بھی منتظر نظروں سے عالیہ کو دیکھتے گئی۔

عالیہ نے اپنی گود میں رکھے اپنے دونوں ہاتھوں کو سختی سے بھینچ لیا۔

"جاننا اس لیے بھی ضروری ہے کہ کیوں کہ یقیناً وہ خوف اب بھی اس کے اندر نمودار ہے۔" ڈاکٹر کا پیشہ ہی خاموشی جانتا تھا۔

"میرے شوہر اور مجھ میں کوئی قتل ذکر ذہنی ہم آہنگی نہیں تھی، مگر ابتدا میں زندگی خوش گوار تھی۔ ہمارے رشتے میں واضح اختلافات سفیان کی پیدائش پر شروع ہو گئے۔ سفیان نے بچپن میں ہی میں باپ کی طرح دکھائی دیکھی ہے۔"

"کیا اپنی کی وجہ سفیان خود تھا؟" ڈاکٹر نے کاغذ پر اہم نکات لکھے۔



تمام انبیاء علیہ السلام کے بارے میں مشعل
ایک ایسی خوبصورت نقاب ہے آپ
اپنے بچوں کو پڑھا کر سیکھیں گے۔

ہر کتاب کے ساتھ تحفہ قرآن مجید
کا شجرہ صلت ماحصل کریں۔

قیمت - 300/- روپے

بذریعہ ڈاک: ٹکوائے پاک - خرچ - 50/- روپے

بذریعہ ڈاک: ٹکوائے پاک - خرچ - 50/- روپے

مکتبہ عمر ان ذوالنہشت

37 اور پڑھو اور سیکھو۔ فون: 32216361

عادل نے افیش کی کھیلتا ہوا۔
"تو تم پکڑو کیرا اور تصویر کھینچو اس تاریخی دن کی"
جب پہلی بار تم مجھ سے پہلے بیدار ہو گئے۔ "افیش نے
کہو تبدیل کرنا آکھوں سے جواب دیا۔
"پلو انھو۔ آج صبح صبح گیارہ بجے نکلتے ہیں۔ پہلے کی
طرح سارا دن باہر گزاریں گے۔"
"آج نہیں۔ جی بوجھل ہو رہا ہے۔" افیش نے
سستی سے کہا۔

وہ اکثر چھٹی والے دن پناہ گاہ کے نکل کھڑے
ہوتے تھے۔ ان کا بس ایک اصول تھا کہ انکار نہیں
کریا۔ پھر جب بھکاری پیسے مانگا تو دینے والے کو روک کر
پوچھ کر کسی گھر کی تشہیر کرتے ہوئے دیکھنے کو کہتا تو وہ بھی
دیکھتے۔ پورا دن سرسپاٹے کرتے تھے۔ مگر اب افیش کی
نقید سن کر اس کی طرح بے وقت اور بیستہ
وقت آدھی گھنٹی رہتی تھی۔

"ابھی سچے کی کیا جلدی تھی۔" عادل نے کوہٹ
سے کہا۔

"ہاں ابھی تو تمہارے کھیلنے کو دینے کے دن تھے۔"
افیش نے چادر منہ پر ڈال لی۔ عادل نے سچ بدل کر
اخبار اٹھالیا۔

عادل نے افیش کی ضد کے آگے ہتھیار ڈال دیے
تھے مگر وہ دل سے قائل نہیں ہوا تھا اور بچے کا فیصلہ
جلد بازی سمجھتا تھا۔ اس نے بحث پر مزید وقت ضائع
نہیں کیا۔ جس طرح افیش کی حالت تھی اسے پورا
یقین تھا کہ وہ اپنا فیصلہ بدل دے گی۔ چند ہفتوں میں
افیش کی طبیعت بہتر ہونے لگی تو وہ پھر سے پہلے والے
معمولات پر آگئی۔ کیرا لے کر نکل کھڑے ہوئے اور شام
وچنے لگے وہاں آئے۔

"آوی! ہمارے بچے کا ذہن کیا ہو گا؟" افیش نے
ایک شام بیچیدگی سے پوچھا۔

"ہاں فکر میں مت رہو۔ ابھی وقت نہیں
ہے۔" عادل نے فوراً کبھی یہ بات نہیں سنی تھی۔
وہ افیش کی تجسس کی عادت سے واقف تھا۔ اس

کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھ لیا۔ اس نے ایک قدم پیچھے کیا تو نرالی پوڑ سے ٹکرا کر نیچے لڑکھٹے لگی۔ ایک ذرا اس غلطی کی سزا میں وہ چھت سے زمین پر پڑنے لگی تھی۔

اسپتال پہنچنے تک مست خون خرابی ہو چکا تھا۔ فوراً آپریشن کر کے پانی کو زندہ نکال لیا گیا تھا مگر پری میچور ہونے کی وجہ سے انکوبیٹور میں رکھا گیا تھا۔ لائش کی حالت سنبھلنے کا انتظار ہو رہا تھا تاکہ اس کی ضروری سرجری ہو سکے۔ ڈاکٹر پریشان حالی آئی کہ کپاس آتے اور مشکل مطلقاً میں پیچیدہ ممکنات بیان کرتے رہتے۔ وہ بونٹی بے حال نہ مری اور آئی سی یو کے درمیان ٹھہرا رہا۔ مگر وہ دنوں میں ہی قدم رکھنے کی ہمت نہیں کر پایا۔ اگلے روز لائش کی سرجری ہو رہی تھی تو غلط یا ہر بیضا اپنے باپ کو یاد کر رہا تھا۔ وہ اس کے لیے دوستوں سے بیڑہ کر اور بہترین استاد تھے۔ وہ اکثر ایسی چھٹیوں پر جاتے۔ عادل بھی لوجوالی میں اکثر ان کے ساتھ جاتے لگا تھا۔ وہ ان کے ساتھ جب یورپ کے ٹور پر تھا تب ان کی موت ہوئی تھی۔ انجمن شہر انجمن زبان نے عادل کے ہاتھ پاؤں بچھا دیے تھے۔ آج بھی وہ اسی طرح ہو کھلایا ہوا تھا۔

”تلی ایم سوہی۔ وہ لاہور میں سرجری عیا چل رہی ہیں۔“ ڈاکٹر نے کچھ جلدی پہچانی بات کی تھی۔

”مجھے رشتے کیوں داس نہیں آتے۔“ عادل نے اپنے دل سے سوال کیا۔ جس سے محبت کا رشتہ قائم کرنا ہوں۔ وہ چند قدموں بعد ہی کیوں منہ موڑ جاتا ہے۔ اس نے باپ کے جنازے کو کندھا دیا تھا تو تکلیف سے تڑپ کر سوچا تھا اب دل نہیں دگائے گا مگر بھر پار بیٹھا۔ اس دن کہیں سے لائش کو مٹی میں دفنانے کی امت لانا۔ وہ خود کو قصور وار سمجھتے لگا۔ سخت ملامت کرنے لگا جیسے اس میں کوئی خاص نقص ہو۔ جس کو چھوٹا ہے مٹی کو دیتا ہے۔ وہ اسپتال میں تھا اور کسی کے پاس اس کے مرض کا علاج نہیں تھا۔ وہ لائش کے پاس گیا تو موت نے اس کا سالوا چرو

نے ایک لاہور لائش کو کسی مذہبی کتاب کا مطالعہ کرتے بھی دیکھا۔ یقیناً اس نے کوئی راہ سوچ لی تھی جو لاہور یہ بحث نہیں چھڑی۔

چند مہینے گزر گئے تو واپسی کی کوئی راہ نہ رہی اور عادل نے بھی اسے واپس لے کر لیا تھا۔ اور اس دن اسے عادل مل ہوئی دیکھتے ہوئے صوفے پر اٹھ سو گیا تھا۔ لائش کیمرے آئی اور تصویر اٹارتے لگی۔

”یہ میرے ہاتھوں کی اتنی خوبصورت تصویر کیا کرنی ہے؟“ عادل نے جھانک کر پوچھا۔

”بچے کا روم میٹ کروں گی تو ایک دیوار آپ کی ہر طرح کی تصویروں سے بھر دوں گی تاکہ جب آپ آئیں جانیں تو وہ اویس نہ ہو۔“ لائش لن دلوں چٹکتے لگی تھی۔

”وہ مری دیوار پر اگر تم اپنی تصویر لگانے کا سوچ رہی ہو تو میرا خیال ہے ایک ہی تصویر بہت ہوگی۔“ عادل نے اس کے مونہ پر پرچوٹ کی۔

”میں اس سے دور کب جاؤں گی سائے کی طرح

چھٹی رہوں گی۔ سائے کی دیوار پر جہاں سورج کی روشنی پڑتی ہے وہیں میں طلوع آفتاب کی تصویر لگائوں گی تاکہ صبح کی پہلی روشنی کے ساتھ یہ بگے جیسے سورج کمرے میں طلوع ہو رہا ہے۔“ لائش نے اپنا پٹاں پٹا۔

اور اگلی صبح اس نے سورج سے ریس لگائی تھی اور اس سے پہلے جاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ وہ ٹائٹ سوٹ میں ہی چھت پر چلی گئی مٹی بڑائی بوڑھیٹ کر کے وہ سورج کے طلوع ہونے کا انتظار کرتے لگی۔ سورج کی پہلی جھلک سے پہلے ہی لائش نے تصویر اٹارنا شروع کر دی تھی۔ ایک پرفیکٹ تصویر کے انتظار میں اس نے کتنی دن صرف کر دیے۔ جب وہ اپنی کمر کردی سے مطمئن ہو گئی تو ٹھکانے ہوئے کیمرہ اورد بڑائی بوڑھیٹے لگی۔ قسمت کو اس کی خوشی پر اعتراض نہیں تھا مگر وہ ایک گستاخی کر بیٹھی تھی اس نے سورج

تھی۔ اس کا جسم ایش کی جیسا ہے مدد دیا نہیں تھا اور اس کا رنگ سفید تھا۔ اس وقت عالیہ نے بڑھ کر دو واہ بند کر لیا اور عادل سکتے کی حالت میں کھڑا رہ گیا۔ ایش کا ہی وہ سراویب تھی۔ مہم کو دیکھ کر ایش کی یاد شدت پکڑنے لگی تھی اور وہ دھیرے دھیرے اپنی خوں سے نکلنے لگا۔ فرق لگا تھا کہ مہم کی موجودگی سے اب ایش کی یاد کی چھین ختم ہو رہی تھی۔ لب و لہجہ اسے ایک ترو واہ ہوا کے جھونکے کی مانند یاد آتی۔ اس کا خیال سٹکا دینے والی آگ سے بدل کر ایک مدد شنی پھیلائے والے چراغ کا روپ اختیار کر گئی تھی۔ اس لیے عالیہ اور بچوں کا ساتھ بھی پھلا گئے لگا تھا۔ اس رشتے کی مضبوطی کو ابھی دیر نہیں ہوئی تھی اس نے بچوں کو آئیں کریم کھانے کی ہائی بھٹی اور راستے میں جب حلالی صاحب کے گھر مہم کو ڈراپ کیا تو سب حقیقت آشکار ہو گئی۔

شرمندگی نے اسے ہر طرف سے گھیر لیا۔ یہ کیا کر بیٹھا تھا۔ چند فون کالز کیں اور کارڈ پیف کیا مہم کے سرٹیفکیٹ دیکھے تو چند کمشنوں میں ثابت ہو گیا کہ مہم اسی کا خون ہے۔ ایش کا خیال اسے شرمندہ کرنے لگا تھا۔ وہ اس کی لائٹ کی حفاظت نہ کر سکا تھا اور وہ سبوں کے سپرد کر دیا تھا۔ اس کا وقتی کھار اس نے لاپتا

سفید کر دیا تھا۔ عادل کو اسے بے سدھ اور سرود بکھینے کی عادت نہیں تھی۔ اس نے اس سے ہاتھیں شروع کر دیں۔ دھیرے یاد لائے اکسا یا کہ کاش وہ بول بڑے۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا تو وہ خود بھی ٹوٹ گیا۔ وہ بچی کو ایش کی موت کا قصور وار نہیں سمجھتا تھا۔ مگر اس میں اپنا غلطی تیسری بار دواؤ پر لگنے کی ہمت نہ تھی۔ اس کو لگا کہ وہ بچی سے دور رہی رہے۔ تو بہتر ہے۔ وہ اپنی نحوست سے اس نئے وجود کو بھانا چاہتا تھا۔ اس نے مہم کو دور سے دیکھا تو غیروں میں جکڑی ہوئی ٹھیک سی مہم سے اسے خوف آیا تھا۔ وہ خود کو اس قابل نہیں سمجھتا تھا کہ ایک نیا رشتہ جوڑ سکے اس لیے پلٹ آیا۔ بچی کی ڈس واری اپنی ہاں کو دے کر وہ کچھ سالوں کے لیے باہر چلا گیا۔ پھر رونق جہاں کے انتقال کے بعد واپس آیا۔ چھوٹے بھائی کے بھی بچے ہو چکے تھے۔ جس کی شادی رونق جہاں نے آوی کے گھر چھوڑنے کے بعد نوشین سے کر دی تھی۔ اسی کا کارڈ اسے اپنی سالگرہ کے دن موصول ہوا تھا۔

عالیہ کا ۶۶ سالہ نوشین نے کیا تھا۔ وہ بہت امیر نہیں تھی مگر کھاتے پیتے گھر کی بڑھی نکلی اور سنبھل ہوئی لڑکی تھی۔ ابتدا میں عادل نے کمیشن تھا مگر جلد ہی عالیہ کے ساتھ نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ عالیہ میں ایش تلاش کرتا رہتا تھا۔ اس نے عالیہ کو گھریلو عادات پر لوکا شروع کر دیا۔ فتنہ جتنا عالیہ نے گھر سے باہر قدم نکال لیے۔ پھر وہ ایش تو نہ بن سکی مگر عالیہ بھی نہیں رہی اور دونوں کے رشتے میں مزید کھجواؤ آئے لگا۔

اس دن اسکول کی میننگ سے آکر بہت عرصے بعد دونوں میں ٹکرا رہی ہوئی۔ عادل جان چھڑانے کے انداز میں بہت گھما رہا تھا تو اسے احساس ہوا کہ مہم کا دو واہ کھلا رہ گیا تھا۔ اس نے بڑھ کر دو واہ بند کرنا چاہا تو کھڑے کھڑے ہی جم گیا۔ باہر بکھڑائی ہوئی ایش کھڑی تھی۔ ایش کی صورت ویسے ہی اس کی آنکھوں کے سامنے گزرتی رہتی تھی مگر اتنی واضح بھی نہ تھی۔ عادل نے غور کیا وہ ایش سے کچھ مختلف

خواتین ڈائجسٹ

ماہانہ ۱۰۰ روپے

پیشہ کی زندگی



میں بخاری

پیشہ کی زندگی

آپ تبدیل کر کے کہہ دو گھر میں بوقت دینے لگا تھا۔
سفیان کی حالت میں سدھار لانے کی کوشش کرنے لگا
تھا۔ عالیہ کو دل سے سپورٹ کر رہا تھا کہ اپنی اس جی او
کی مصروفیات ترک کر کے گھر کی طرف توجہ دے۔
ساتھ ساتھ وہ دست جمع کر رہا تھا کہ ماہم کو حقیقت
بتا سکے۔ اس نے عدنان بھائی سے بات کر لی تھی۔ وہ
ماہم کو تحفظ دیں گے۔ اس گھر میں اسے بچی جیسی
رحمت بن کر آتا تھا۔ اب وہاں اس گھر کی عزت بن کر
رہے گی۔ عدنان کی بیوی کی حیثیت سے۔

”میں جانتی تھی کہ آپ کی ایک پہلی بیوی بھی تھی
اور نہ چاہتے ہوئے بھی میں نے اس کے وجود کو بیش
اپنے درمیان محسوس کیا ہے۔ مجھے اس پر ایک ہی
سبقت حاصل تھی کہ میں آپ کے بچوں کی ماں ہوں
مگر وہ اس میں بھی مجھ سے باڈی لے گئی۔“ عالیہ نے
چروا اپنے ہاتھوں میں چھپا لیا۔

عادل آہستگی سے اس کے پاس آ بیٹھا اور اس کے
کندھے پر باند رکھ دیا۔ عالیہ نے اپنا سر عادل کے
کندھے پر ٹکایا۔ پہلے کبھی عدنان نے اسے یوں تسلی
نہیں دی تھی۔ عالیہ کے خدشے سمیٹنے لگے۔ اس نے
آنسو پونچھ کر دیکھا تو احساس ہوا کہ عدنان کی گردن
معمول سے زیادہ جھکی ہوئی تھی۔

”وہ آپ کو معاف کر دے گی۔ ہم اسے مل کر
منامیں گے۔“ عالیہ نے اس کے دل کا حال پڑھا۔
”تم میرا ساتھ دو گی۔“ عادل نے پہلی بار اس سے
اس کا ساتھ مانگا تھا۔ وہ خوشی سے سرشار جیسے نہ
ہوئی۔

صبح اٹھی تو گھر میں طوفان کے بعد کی خاموشی
تھی۔ رات جب ماہم پر انکشاف ہو رہا تھا تو ہوائی
گھروالوں پر بھی حیرت انگیز معلومات کی بوچھاڑ ہو رہی
تھی۔ سب نے اپنے اپنے خدوہن کے مطابق معاملے کو
کچھ نہ کچھ سمجھ لیا تھا۔ عدنان شہلا اور سلمیٰ یکدم تو تمام

حقیقت سے بہت پہلے سے واقف تھے۔ اب تک
مصلحت کی بنا پر خاموش تھے۔ ہائی گھروالوں نے بھی
ماہم کی حقیقت کو قیبل کر لیا تھا۔ سب نے اپنے انداز
میں ماہم کو احساس دلایا کہ وہ خوش ہیں کہ ماہم اس گھر کا
حقیقی فرد ہے۔ ٹکٹے کے بعد عدنان نے اسے اپنے
آفس اسٹنڈی میں بلایا جو راتوں جہاں سے انہیں
دراشت میں ملا تھا۔ گھر کا سربراہ ہونے کے ناتے ان کا
فرض تھا کہ اس تبدیلی کو قبول کریں اور ماہم کو سارا
دے کر اس کی منزل تک لے جائیں۔

”ہمارا ہی تربیت میں شامل ہی نہیں تھا کہ اماں سے
بحث کی جائے اور سوال پوچھنے کے حق سے ہم خود
دستبردار ہو گئے۔ مجھے یہ ہی بتایا گیا تھا کہ اس دوسرے
میں بچی بھی نہیں بن سکی تھی میری لا علمی اس گناہ کی
مصلحتی نہیں جس میں میرا بھی قصور ہے۔“ ماہم نے
خاموشی سے سر جھکا کر ان کی معذرت سنی۔

”اگر بڑے خطا کر کے خود کو چھوٹا ثابت کر دیں تو
پھولوں کو چاہیے کہ بڑھاپا دکھا کر انہیں معاف
کر دیں۔ تم تو اپنا رشتہ ظاہر ہونے سے پہلے ہی اس گھر
کا فرد بن چکی ہو۔ اب میری بات ہے کہ خود کو کبھی اجنبی
نہ سمجھنا۔ تمہارا حق اور ہمارے فرائض ابھی بہت
زیادہ ہیں۔ ہمیں غیر سمجھ کر تکلیف نہ دینا۔“ انہوں
نے شفقت سے اس کا سر سسایا اور اسے باقاعدہ اس
گھر کا فرد تسلیم کیا۔

ماہم سسلا کر ہکا سا مسکرائی اور لاؤنج کی طرف چل
دی۔ ایک پوچھنے پر اب بھی اس کے ساتھ تھا۔
سہفت کی ٹھکن اتنی زیادہ تھی کہ منزل پانے کی
راحت ابھی تک محسوس نہیں کپائی تھی۔

”لی لی جی! آپ کا خط آیا ہے۔“ ٹاور نے ایک
ہیرنگ لفافہ ماہم کو تھمایا جس پر اس کے نام کے سونچے
دستخیز نہیں تھا۔ گویا کتنے والا خود دروازے پر چھوڑ کر گیا
تھا۔ اس نے خط کھولا۔

”ماہم!

تجلی ملاقات کے بعد میں روز کی سوچتا تھا کہ اب
ملوگی تو کن الفاظ میں تمہیں اپنے جذبات کے بارے



خضر کیسپس کے ایک ویران سے جسے میں غوطہ
نیچنی زمین پر بیٹھا تھا جب ماہم اسے ڈھونڈتے ہوئے
پہنچی۔ خضر اسے دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ قدم پڑھاتے ہوئے
ماہم کو ٹھوکر لگی۔ اسے گرنے سے بچانے کے لیے
خضر نے بروہ کر اسے تھام لیا۔ ماہم خضر کے کالر کا سہارا
لے کر سنبھل گئی اور وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔

"سب کو حقیقت چاہی گئی" خضر نے ماہم کے
چہرے سے انداز لگایا۔ ماہم نے اذیت میں سر ہلایا اور
عادل شاہ کے انکشافات کاغذ اٹھ کر لیا۔

"پر ابھی وقت لگے گا۔" ماہم نے گم صدم انداز میں
کہا۔

"تم نے اپنے فادر کو معاف کر دیا؟" خضر نے پھر پوچھا
سوال نیل۔

"معاف؟" ماہم نے اپنے اندر غملا۔ "سب کچھ
ایسے ہی ہوتا تھا اور ایسے ہی ہونا چاہیے تھا۔ میں زندگی
سے چاہ کر بھی شکوہ نہیں کر سکتی۔ کسی بات کا گم
کہاں۔ سسر کر لیں، سسر مارا تھا جیسے تھکے نوکروں کو
جاننے کا یا شیریں ہادیہ، زینب جیسی سیلیوں کا؟"
ماہم کی آنکھوں کے سامنے کئی چہرے آئے۔

"مشکلات تھیں۔ بہت زیادہ تھیں۔ مگر وہ کس
کی زندگی میں نہیں ہو تھیں۔ اگر میں اسی عمر میں رہ کر
برود شہزادی تو ہر کچھ اپنے وجود کو منوانے کی جنگ لڑتی"
پھر بھی شاید ہی اتنی خود اعتماد ہوتی۔ قسمت نے مجھ
سے وہ جدوجہد لے کر ایسے وقت میں اس گھر بھجوا
جب اس کے بچپن مجھے اپنانے کی آواز میں کچھ بھی
کرنے کو تیار نہیں۔"

خضر نے مسکرا کر ماہم کو دیکھا جو چند مہینوں میں
کتنی بدل گئی تھی۔ اب اکبر تھا نہ ہی خدا ان کی جگہ
سلجھاؤ اور شکرگزاری آگئی تھی۔

"اب بولنے کی باری تمہاری ہے۔" ماہم نے کہا۔
"کیا کہوں؟"

میں بتاؤں گا۔ میری تربیتی بڑھی کہ پہلی رات ہر
مصلحت اور لحاظ بھلا کر تم سے ملنے چلا آیا۔ تمہیں
دیکھا تو بچپن میں سنی شہزادیوں کی کہانی سچ لگتی تھی۔ تم
مخلوق کی شہزادی لگتی تھیں جو کچھ عرصے کے لیے بھٹک
گئی تھیں۔ تمہیں ہمساری منزل پر دیکھ کر میں دل سے
بہت خوش اور مطمئن ہوں۔ اپنے احساسات کو
نقدوں میں احوال کر نہیں مشکل میں نہیں ڈالنا
چاہتا۔

میرا ساتھ رہنا بہت شوار ہو گا۔ تم میرے ارادوں
سے واقف ہو اور یہ بھی جانتی ہو کہ اس کو پاپہ تکمیل
تک پہنچانے کے لیے مجھے اپنی رگوں سے مل جل کائے
خشنے ہوں گے۔ میں تمہارے ساتھ کی خواہش کر کے
تمہیں منزل پالینے کے بعد پھر سے سفر کی اذیت سے
دوچار نہیں کرنا چاہتا۔ اس لیے خود ہی تمہاری رگوں سے
ہٹ رہا ہوں۔ جب بھی تمہیں راستے میں اندھیرا
محسوس ہو تو اس خضر کو یاد کر لیتا جو کبھی زندگی کی
مسافت میں دو قدم تمہارے ساتھ چلا تھا۔
دعا گو خضر۔"

ماہم مزید بو جھل ہو گئی۔ علیہ اور عادل ماہم کے
پاس آئے۔ علیہ تو اتنی ہی اس سے لپٹ گئی جو ماہم
کو بچپنہ کیسے کر سکتی تھی۔ جس نے چیدان میں اس
کی سادوں سے ابھی زندگی سنواری تھی۔ اس کے
لیے تو اعزاز تھا کہ سولہویں سنی دعا ماہم کی ہاں تو ہے۔
"ماہم دونوں قدم بوجھائیں گے تو رفتہ رفتہ اپنے سچ کی
یہ داریاں یاد کر لیں گے۔" عادل نے تحفظ بھرا ہاتھ
ماہم کے کندھے پر رکھا۔

"میری کوشش ہو گی کہ تمہارے ہر ایک قدم کے
جواب میں میں دس قدم دوڑ کر تم تک پہنچوں۔ ہماری
زندگیوں نے میرے فیصلے کی بدولت کیا کچھ کھویا ہے۔
ہم یہ تب تک نہیں جانتے تھے کہ جب تک دل سے
اس رشتے کے ہر قلے کو نہیں بھجائیں گے۔ پھر بھی
تمہیں اختیار ہے چاہے تو مجھے سزا سنائو۔"

"میرا فیصلہ اب تک میرے ہاتھ میں تھا مگر اب
میں آپ کو ایک اختیار دینا چاہتی ہوں۔" ماہم نے کہا۔

کر خدمتِ عشق میں اپنی ایسی چھاپ چھوڑیں گے جس کی بارگشتِ رہتی دنیا تک سالی دے گی۔“
 خضر نے غر سے اس مصوم لڑکی کو دیکھا جو غالباً اس کے ساروں کے صبر کا انعام تھی۔
 ”اب تم کو جو کہنا تھا۔“ ماہم نے ایک بار پھر تختہ کیا۔
 ”میں نے امی سے تمہارا ذکر کیا تھا۔“

”پھر۔“ ماہم بھڑکی گئی۔
 ”انہوں نے تمہارے لیے عقدہ بھیجا تھا۔“ خضر نے اپنی جیب میں ہاتھ ڈالا۔ جیب ایک بار پھر خالی تھی۔ وہ گھبرا کر اپنے گھر پہنچا اور اپنی جیبیں پٹو لے لگا۔
 ”میرے پاس ہے۔“ ماہم نے اپنی منگھی کھلی۔
 اس کی پیمیں پر انگوٹھی بڑی تھی جو اس نے سارا لے کر اٹھتے ہوئے اس کی فرنیٹ پائکٹ سے نکال لی تھی۔
 ”یہ امی کی سب سے پسندیدہ انگوٹھی ہے جو ان کی نالی نے ان کو دی تھی۔“

ماہم کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ کیا وہ اتنی خوش قسمت ہو سکتی تھی۔ ساروں پہلے ایک باپ نے اسے بنا دیکھے ٹھکرا دیا تھا اور آج ایک ماں نے صرف اس کا پیہم سن کر اپنی سب سے قیمتی چیز اس کے حوالے کر دی تھی۔

”یہ میں اپنے گھر والوں کے سامنے پہنوں گی۔ میں نے بھی بابا کو تمہارے بارے میں بتا دیا ہے۔“ ماہم کے منہ سے لفظ پانا نکلتا خوش آمد قلم خضر نے انگوٹھی لمانا ”دوبارہ پکڑ لی۔“

”ویسے بھی تمہارا ایک بارودن ایریاڈ کا ٹرپ مجھ پر اوجھار ہے۔“ ماہم نے مسکرا کر کہا۔

”وہاں جا کر تمہیں چٹاؤں گے۔ جو میں نے خط میں لکھنے سے معذرت کر لی تھی۔“ خضر نے شرارت سے کہا اور دونوں ساتھ ساتھ چلنے لگے۔



”وہی جو خط میں نہیں لکھا تھا۔“ ماہم نے ہمت کر کے کہا۔
 ”نہ لکھنے کی وجہ۔“ خضر نے نظریں چرائیں۔

”میں غلوں کی شہزادی نہیں ہوں خضر! میں پھول کے پاس مٹی میں مسکن بنانا چاہتی ہوں۔“ ماہم نے کہا۔

”خواہش تو ہے کہ تمہارے لیے محل کھرا کر سکوں۔“ مگر میں جانتی ہوں مجھ سے یہ نہیں ہو گا۔ سکتا رہتا بھی تو میں ایک محل پر سو اسکولوں کو ترجیح دوں گا۔ میں تعلیم کا مقروض ہوں مجھے اس کا حق لوبا کرنے سے نہ روکو۔“ خضر جانتا تھا ”ماہم کی بات رد نہیں کیا جائے گا۔“

”مجھے تمہارے ارادے کی بہت قدر ہے۔ میں اس میں تمہارا ساتھ دینا چاہتی ہوں۔“

”اتنے سال سفر کر کے تم نے اب جا کر ایک مستقل ٹھکانہ پایا ہے۔ میرا ساتھ تمہیں پھر سے بھٹکا کر سفر میں بھٹکا کر دے گا۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں میں سہولیات سے عاری زندگی گزار کر ہی یہاں وسائل کی بنیاد رکھنا ممکن ہو گا۔ جذباتی ہو کر فیصلہ مت کرو۔“
 ماہم ڈبیا تھی۔

”مجھے مستقل ٹھکانہ نہیں چاہیے۔ صبح سے جو

بو جھل پن میں محسوس کر دیتی ہوں وہ اس بات کی ہی نشاندہی کر رہا ہے کہ میری زندگی میں کسی مستقل ٹھکانے کی نہیں تھی۔ ایک مستقل ہم سفر کی کمی تھی۔ جو وہ سکھ میں میرے ہم رہا رہے۔ جس کو بریکنگ میں تو اوردے سکول اور سکھ میں خوشیاں بانٹ سکول۔ سفر کی تو ویسے بھی مجھے عادت ہو گئی ہے۔ لگتا ہے گھر مٹی تو ختم ہو جاؤں گی۔ ہر انسان جب تک زندہ ہے سفر میں بھٹکا رہتا ہے۔ اکثر ارنچل کی سمت سفر کرتے ہیں۔ جس میں تھکاوٹ زیادہ ہوتی ہے اور منہ کے مٹی کرنے کا خطرہ رہتا ہے۔ میں سامنے کی طرف سفر کو ترجیح دیتی ہوں جس میں اپنا راستہ بناتے ہوئے وہ سروں کے لیے بھی راہیں کھول سکوں۔ ہم ساتھ مل

پاولیٹ

نیلگوں آسمان پر بدل دھکی ہوئی روٹی کی طرح
جا بجا بکھرے تھے۔ ان سے ملنے کے لیے دور دور سے
سیاحی ماٹل ہالوں کے قافلے لڑے چلے آ رہے تھے۔
منزہ جیسے ہی ملتان اور پورٹ کی عمارت سے باہر نکلا
مست ہوا کے خوش گواری جھونکے نے آگے پیچھے کر
استقبال کیا سفر کی ساری کلفت دور ہو گئی۔

وہ جو ملتان آتے ہوئے یہاں کی گرمی سے دل ہی
دل میں خائف تھا 'ہالوں کی چھاؤں سے
الٹا کھیلنا کرتے پھول پودوں کو دیکھ کر یوں
ترسکون ہو گیا جیسے لب سدا کی موسم ٹھہرا رہے گل
فیکسی والے کو نعمت حبل کا پتا چتا کروا طبعان سے

رمشہ خاں رحمان

محبتیں مائیکل ہائوس

بیمبلی سیٹ پر جم گیا۔
بہت عرصے بعد وہ یہاں آیا تھا۔ اسے اچھی طرح
پتا تھا آخری بار وہ دارا جی کی وفات پر آیا تھا، پھر اپنے
بیمبلیوں میں ایسا الجھا کر فرصت پایا ہو گئی۔ ہاں نما
پایا ہر مل باقاعدگی سے یہاں آیا کرتے تھے۔ اس کے
صد با اصرار پر دادو بھی ملتے دو ہفتے لگا، دور گزار جاتی
تھیں۔ مگر پچھلے تین سال اس نے ہائر اسٹڈیز کے
سلسلے میں حلق سے ہاں گزارے تھے۔

پاکستان واپس آنے پر دادو پورا مہینہ اس کے ساتھ
گزار کر گئی تھیں۔ وہ تو اسے بھی ساتھ لے جانا چاہتی
تھیں مگر وہ بھی کچھ وقت وہاں میں گزارے مگر
اسے فوراً "جواب مل گئی تھی۔ مصروفیت اتنی زیادہ ہوئی
کہ وہ چاہنے کے باوجود بھی نہ ان کے ساتھ جاسکا تھا۔

ان کے پاس پہنچ جائے۔
ملتان میں دو پروجیکٹ شروع کیے تھے۔ ان میں سے
ایک پروجیکٹ اسے جوائن کرنا تھا۔ اس کی رائے لی گئی
تو اس نے ہاں ملتان والے پروجیکٹ میں شمولیت
کی خواہش ظاہر کر دی۔ یوں ایک ہفتے بعد ہی وہ ملتان
میں تھا پورے چھ ماہ کے لیے۔ آتے ہوئے مہمان
ہوئی عجیب ذمہ داری اس کے کندھوں پر ڈال دی تھی۔
کل رات ہی تو وہ سوئے سے پہلے اس کے کمرے میں
تلی تھیں۔

"منزہ! میں اور تمہارے پلا آج کچن سنبھال گئی ت
تمہاری شادی کا سوچ رہی ہیں" اگر تمہیں کوئی لڑکی
پسند ہے تو بتاؤ۔" انہوں نے آتے ہی بہت سنجیدگی



پورے کرنے پڑتے ہیں۔" وہ بے ساختہ بولا اور وہ
خس دیں۔

"خدا اور اللہ میرا کان تو چھوٹے لبورٹ ایک کلن
والے لڑکے سے چار تو کیا ایک لڑکی بھی شادی کرنا پسند
نہیں کرے گی۔" اس کے دہانے پر وہ اس کے سر
پر پست لگا کر مسکراتے ہوئے چلی گئیں مگر تینوں میں
سے ایک کے انتخاب کی "بھاری" ذمہ داری اس پر
ڈال گئی تھیں۔



نیکی "فلت خزل" کے سامنے جنگل سے رکی آوا
سہجوں کو جنگل کے طوطی سانس خارج کرنا سیاہ بیگ
کندھے پر ڈال کر باہر نکلا۔ بالکی بالکی بارش شروع ہو
چکی تھی۔ مٹان کے مضافات میں جدید طرز کے
مکانوں کے درمیان قدیم طرز تعمیر کی یہ حویلی بڑی شان
اور وقار سے کھڑی تھی۔ منقش کٹری کا بھاری دروازہ
نیم وا تھا۔ دنگ دونوں یا اندر چلوں؟ کچھ بھڑکی نکلتی
کے بعد اس کے پاس خود بخود ہی آگے بڑھ گئے۔

ڈیوڑھی سے گزر کر وہ سرخ اینٹوں والے درخت
کھڑے صحن میں داخل ہوا جس کے دائیں بائیں اور
سامنے نیم دائرے کی صورت میں برآمدہ تھا۔ جس میں
ڈیوڑھی کمرے کے دروازے کھلتے تھے ستون اور

دروازے، بیلوں سے ڈھکی تھیں۔ اس کی آنکھوں میں
ڈیوڑھی سکون آتا تھا اس گہری جو تصویر اس کے تصور
میں تھی تھی سامنے ہو ہووے منظر تھا۔ بس کھرا اسکیم
تبدیل ہو چکی تھی۔

پورے گھر میں خاموشی کا راج تھا۔ وہ سر ہاتھ پیرے
کے چکر میں اٹلا رہے کر بھی نہیں آیا تھا۔ اور حوا حوا
گردن کھٹکھا کر کسی ذی الذی کو تلاشتے ہوئے اس کی
نظریں ہیر کے درخت تلے رکھے دلوں کے تخت پر سے
ہوئیں پر تالے سے گرتے پانی کا پتچا کرتے اوپر کو
اٹھیں اور ٹھٹھکی گئیں۔

نہیں پر ہز سوت میں بلوس ہلی کھولے تک سک

سے پوچھا تھا۔

"مما! جہاں تک میری پسند کا سوال ہے تو مسئلہ یہ
ہے کہ مجھے ایک نہیں لاؤ لڑکیاں پسند ہیں۔" اس
نے بھی ہنسی کی طرح ہمت سنجیدگی سے جواب دیا۔
"کون ہیں وہ لڑکیاں۔" "تیکھے تیوں سے دریافت
کیا گیا۔" ایمان علی اور ایما واٹسن "تمہارے انتہائی
معصومیت سے جواب دیا۔

"انتہائی بھونڈا مذاق ہے۔" اس کی شرارت پر وہ
اسے مسکراہٹ بچائے گھورنے لگیں۔

"لو ہو ممما! آپ پہلے بھی مجھ سے کئی بار پوچھ چکی
ہیں اور میں آپ کو بتا چکا ہوں مجھے کوئی لڑکی پسند نہیں
پھر یہ بار بار پوچھنے کا مقصد؟" وہ ان کی گود میں سر رکھ کر
لیٹ گیا۔

"بیٹا! ہم نہیں چاہتے تمہارے ساتھ کوئی ذمہ داری
ہو۔ شادی زندگی بھر کا بندھن ہے۔ اس بندھن کی
پائیداری کے لیے تمہاری خوشی اور رضامندی کا شامل
ہونا بے حد ضروری ہے۔" وہ پیار سے اس کے بالوں
میں انگلیاں چلائے لگیں۔

"لو۔ اصل بات تو میں کرنا ہی بھول گئی جس کے
لیے آئی تھی۔ اگر تم کہیں باہر اتر سکتے نہیں ہو تو میری
اور تمہارے پیار کی خواہش ہے کہ تمہاری شادی

خاندان میں ہی ہو۔ تمہارے خیال میں تو کوئی لڑکی
تمہارے جوڑی نہیں۔ مگر وہ خیال میں تمہارے تپا
کی جی ٹھٹھکی چھوئے پتچا کی خوش لور پھپھو کی دستک
ہیں اور۔"

"یعنی آپ اپنے اکلوتے بیٹے کی تین عین شادیاں
کرنا چاہتی ہیں تاکہ اپنے ارمان پورے کر سکیں۔
فتنا سنگ۔ پھر تو مجھے ایما واٹسن کے لیے بھی اپنے
نرم گرم جذبات بچا کر رکھنے چاہیں آخر کو چار شادیوں
کی اجازت ہے۔" وہ ان کی بات ٹاٹ کر شوخی سے بولا۔
انہوں نے بھی اس کا دل نہ پکڑنے میں دیر نہیں کی۔

"اتنی ہمت تو تمہارے باپ نے بھی نہیں کی۔"
"کہتے ہیں میں باپ کے اوصاف سے کام لیتے کو

فلک کے ساتھ ساتھ زرش کو بھی پٹلے لگ گئے۔
کیونکہ دونوں ایک ہی پلیٹ شیئر کر رہی تھیں۔ اس
سے پہلے کہ تیسری جنگ عظیم شروع ہوئی، ملک کے
ہوائی ایل اڑتے چرے اور پھولی سانسوں لے سب کو
متوجہ کر لیا۔

"کیا ہوا ملک؟" اسے پاس بٹھا کر پانی پلاتے ہوئے
بیوی آئی لے تشریش سے جو تھک
"نہیں، کسی بھوت کو تو نہیں ڈرا آئیں۔" سروش
نے لقمہ دیا۔

"اللہ معاف کرے،" اس طرف مہمن میں۔
وہاں دروازے کے قریب۔ "ادھر۔" لقمہ دیا۔
پھولی سانسوں کے ساتھ "جانا شروع ہوئی تو سمجھ میں
نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔"

"اللہ واقعی تمہیں معاف کرے۔ اب کچھ آگے
بھی بولو۔" اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے لیٹھاں بھائی
نے شرارت سے کہا تو سب کے ہونٹوں پر ہل ہل
مسکراہٹ پھیل گئی۔

"اللہ معاف کرے۔" ملک کا تکیہ کلام تھا جس
کی وجہ سے اکثر اس کا ریکارڈ لگتا تھا۔

"گھر میں دن بھر ڈاکو گھس آیا ہے۔" حلا تک
نے والے کی شکل بھی وہ ٹھیک سے نہیں دیکھ سکی
تھی کیونکہ اس نے بلیک ہپا کیپ اور آنکھوں پر بڑے
یشیوں والے سیاہ گائیز چڑھا رکھے تھے۔ "اور ہاں اس
کے کندھے پہ بھی کچھ کالا گاما سالدا تھا۔ ضرور بندوق

ہی ہوگی۔" اور بندوق کے ساتھ بطور اجازت ریڈیو لہری
سے گھر میں نہننے والا ڈاکو ہی ہوا "ابھی کل ہی تو اس
نے اخبار میں پڑھا تھا کہ پڑھے لکھے لوہڑوں کی
اکثریت بے روزگاری کی وجہ سے ڈاکے ڈالتی پھر رہی
ہے۔ بس وہ بھی کوئی پڑھا لکھا اسٹالٹس ڈاکو ہی ہو گا۔
ملک نے خود کو دلیل دے کر یقین دلانے ہوئے سب
کے سروں پر دھماکا کیا۔

"کیا۔۔۔ ڈاکو؟" حیرت اور خوف سے ملی جلی
توازیں ابھریں۔

سے تیار ہونوں ہاتھ ہوا میں پھیلانے مراٹھائے ہوئے
ہوئے گھومتی وہ جو کوئی بھی نہیں اس خوب صورت
موسم کا حصہ لگ رہی تھی۔ نرود چہی سے اسے دیکھے
مکھا۔

یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی چھپوڑ لیا نظریہ قسم کا لڑکا تھا۔
جس نے آج تک کوئی لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ مگر یہ بھی
سچ تھا کہ اتنی بے خودی سے اپنا آپ بھلائے چرے پر
بچوں کی سی خوشی سجائے تک ملک سے تیار ہو کر ہارش
میں شمالی لڑکی پہل پارہ کیسی تھی۔

اسے بھی شاید انکھوں کی گہری خود پر محسوس ہوئی
تھی۔ جو اس نے جھگڑے سے آنکھیں کھول دیں۔ گھر
کے آئین میں ایک اجنبی کو یوں محبت سے اپنی
جانب تکتے پا کر اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلیں اور
پھر اگلے ہی لمحوں میں ہراس پھیل گیا۔ وہ جو
اس کی بل بل بدلتی کیفیت سے محفوظ ہو رہا تھا۔ اس
سے پہلے کہ اسے مخاطب کرنا وہ بھاگتے ہوئے وہاں
سے غائب ہو گئی۔

بانی لاپتی جو اس بانڈ سی پھیلی بیڑیاں باؤ کر وہ
پائیں بلغ میں پہنچی جہاں ساری پارلی جو ترے پر بڑی
سی رہتیں چھتری تنے پھڑوں سے لطف اندوز ہوتے
ہوئے خوش گاہوں میں مصروف تھی۔

"آہستہ آہستہ کرن آہستہ! پکوں کے پاؤں
نہیں ہوتے جو وہ بھاگ جائیں گے۔" اسے لاؤ کر
آنسو کیہ کر سروش نے ہانک لگائی۔

"تمہارے ہوتے پکوں کی مجال جو وہ تمہارے
ہیٹ کے سوا کہیں اور جاسکیں۔" فلک جو اس کے
پوری پلیٹ قبضے میں کیے بیٹھنے پر تھی وہی تھی شک کر
بولی۔

"والے والے پر کھانے والے کا نام لکھا ہوتا ہے۔
میرے نواسے مگننے کی ضرورت نہیں۔" اپنی پلیٹ
خالی کر کے سروش نے فلک کی پلیٹ سے پکڑا ڈالیا تو

مجھے میں دیر نہ لگی۔ بلکہ مجھے بھی سر پر ہاتھ مار کر دیے۔
 ”اگو۔“ حنزہ نے سوالیہ نظروں سے شرمندہ
 شرمندہ کھڑی اسی لڑکی کو دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔
 ”مک نے جلدی سے سلام بھاڑ کر چائے پلانے کے پلانے
 بھاگنے میں دیر نہ کی۔ سروش صبح مسالا لگا کر مزے
 مزے ہے اس کی حواس باختگی کی داستان سب کو سنا کر
 مفلوٹ کر گئی اور وہ اندر چائے کے پانی کے ساتھ خود بھی
 کھولتی رہی۔

رات بارہ بجے حنزہ سوئے لیٹا تو جھکن ہم کو نہیں
 تھی۔ حالانکہ وہ جب سے کیا تھا۔ تب سے سب کے
 درمیان بیٹھا رہا تھا۔ سب کی محبتیں اور خاص کر داد
 کے والہانہ انداز محبت نے اسے سرشار کرنے کے
 ساتھ ساتھ جی بھر کر شرمندہ بھی کیا تھا۔ ایک ان کے
 آنے سے انہیں اتنی خوشی ہوئی تھی کہ اب تک اپنی
 مصروفیات کو سر پر سوار نہ کرتا تو یہ خوشی انہیں ہر مہینے
 دے سکتا تھا۔ بہر حال وہ اپنے یہاں آنے کے پہلے
 سے بہت خوش تھا۔ آنکھیں موند کر رہ بھری پری
 ”ملکت حیل“ کے ہر فرد کے بارے میں فردا فردا
 سوچنے لگا۔

یہ چھوٹی سی دیوبلی اس کے واداعیت اللہ نے اپنی
 حق طاعت کی کمال سے بہت محبت سے اپنی اولادوں کے
 لیے بنوائی تھی۔ ان کے بعد یہاں کی خلافتی سربراہ اور
 ان کے

اس کے دادا کی چار اولادیں تھیں۔ بڑے تیار جن

کے دو بیٹے عدنان اور فیضان اور ایک بیٹی فاطمہ تھی۔ پھر
 اس کے باپ تھے ابو مخاب یونور علی میں پروفیسر تھے اور
 مستقل لاہور میں رہائش پذیر تھے۔ وہ ان کی اکلوتی
 اولاد تھا۔ ان کے بعد مصباح چچو تھیں ان کی دو بیٹیاں
 بیو اور حنا تھیں۔ وہ اوپر والے پورشن میں رہائش
 اختیار کیے ہوئے تھیں۔ پھر آخر میں چھوٹے چچا تھے
 جن کے دو بیٹے سروش اور زرش تھے۔ کرنز میں سب

”اللہ معاف کرے۔“ بندوق لے کر سروش کی ہانک
 کے قریب کھڑا تھا۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا
 ہے۔

”سیری ہائیک۔“ سروش نے کونکھانہ تلو۔ اپنی
 راج ولاری کا نام سنتے ہی دھڑپڑا۔ چارو ناچار فیضان
 بھائی کو بھی اس کے پیچھے جانا پڑا۔ سورنہ تو وہ سنجیدگی سے
 پولیس کو فون کرنے کا سوچ رہے تھے۔ ابھی ہفتہ پھر
 پہلے ہی تو پڑوس میں چوری ہوئی تھی۔ وہ سب بھی اٹھ
 گران کے پیچھے ہو گئے۔

دبے قدموں راج ولاری سے گزر کر حالات کا جائزہ
 لینے کے لیے سب نے ستون کے پیچھے سے اوپر نیچے
 سرنگھٹ کر جھانکا مگر یہ کیا۔ ہر آدے میں تو سارے
 ہروں کی محفل تھی تھی ناورین کے درمیان سیاہ جینز اور
 فی شرٹ پہنے شخص کو دیکھ کر سب ہی چونکے اور
 آنکھیں خوشی سے چمکنے لگیں۔

”تو بھو! کھو تو میرا حنزہ آیا ہے۔“ وادہ بار بار اسے
 چومتی خوشی سے نہاں ہوئی جا رہی تھیں۔ صبح کے
 سوا سب ہی پرجوش انداز میں آگے بڑھ کر حنزہ سے
 ملنے لگے۔ سروش اور فیضان بھائی کے ساتھ اس کی
 ویسے بھی بہت دوستی تھی۔ مہائل اور انٹرمیٹ پر
 رابطہ بھی رہتا تھا۔

ستون کے پیچھے چھپ چھپ کر وہ دیکھ کر غصہ
 آ رہا تھا۔ کاش اپنی چھپ چھپ سے پہلے کم از کم اسے
 والے کو ایک نظر غور سے دیکھ تو لیتی۔ بے شک حنزہ
 لمبے عرصے سے یہاں نہیں آیا تھا مگر اس کی تازہ ترین

تصویریں نانو کے پاس موندور تھیں۔ حواس باخشت
 ہوئے بغیر غور سے اگر وہ اسے دیکھتی تو ضرور پہچان
 جاتی مگر یہ کیسے اور کتنی وجہ سے وہ دھوکا کھا گئی
 تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ چمکے سے داہیں کھسک جاتی
 سروش بدتمیز اسے ہاتھ سے پکڑ کر سب کے درمیان
 کھینٹ لیا۔

”کچھ نہلا۔“ یہی تھا نانا اگو۔ ”سروش کے شرارت سے
 پوچھنے پر اسے نجل اوتے دیکھ کر ساری پارلی کو بات

کیا۔" تابی نے پراٹھا تلپتے ہوئے مصروف سے انداز میں اٹھا دی۔

"ہنٹی جان کو اسے اکیلے نہیں جانے دینا چاہیے تھا۔ اگر راستہ بھول گیا تو؟" شک شیک کے لیے ام کا مٹی پیپو کو تشویش لے آگھیرا۔

"ارے آپالو پیچہ تھوڑی سی۔ اگر راستہ بھول بھی گیا تو کسی سے پوچھ لے گا۔" پھولی چلی لے ہتے ہوئے تسلی دی۔

لور منزہ جس کے لیے سب فکر مند ہو رہے تھے شہر کنارے بیٹھا پانی کی سطح پر سورج کی اولین کرنوں کی جھللاہٹ دیکھ رہا تھا۔ خورد خورد گھاس میں کھلے جنگلی گلاب کے پھول سورج کی تازہ ہوا محسوس کے دوسری طرف تازہ نگاہ آسمان کے ہلکتے فضا میں پھیلی آسمان کی مسک لور کو ٹل کی پونے دھتے سے گونجتی کوکبات بے خود کیے رہی تھی۔ وہ فطرت کا رسیا تھا۔ مگر لاہور جیسے ہنگامہ برد شہر میں ایسے مناظر خواب تھے۔ اس کی تلاش میں نکلا سروس آدھا ٹھنڈا خوار ہونے کے بعد اسے ڈھونڈنا وہاں پہنچا تو اس کی محویت دیکھ کر حیران رہ گیا۔

"کہاں ہیں۔" اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر مانتے غور سے دیکھتے ہوئے سروس لے پوچھا۔

"کون؟" وہی پھر دیکھا۔ جنہیں اتنی محویت سے ہٹے نہ تھے۔ گھر تھکے کا ہوش ہی نہیں رہا تھیں۔ "لاجل کروں تو معزہ نہیں دلا۔"

جب وہ دونوں گھر پہنچے تو گول گھرے میں سب ناشتے پر اس کے منتظر تھے۔ یوں تو عام طور پر سب ہفتا اپنے اپنے پوریشن میں کرتے تھے۔ مگر آج جو کچھ منزہ کا پہلا دن تھا اس لیے دلا کی ہدایت کے پیش نظر سب اکٹھے ہوئے تھے۔

"آؤ تو منزہ میاں! اتن تو بڑا انتظار کرایا۔" پھولنے جانے ہانگ لگا لی۔ اسے بے ساختہ شرمندگی نے آ گھیرا۔ اس لیے شارد لینے کی شدید خواہش کو پس پشت

سے بڑے مردان بھائی سوہر سے تھے۔ لیے دیے دیتے تھے۔ لون کی پیگم فضا میں بھائی بس ہن ای کی ہم مزاج تھیں۔ جبکہ فیضان بھائی جو مردان بھائی سے پیشگی دو سال پہلے چھوٹے تھے انتہائی زندہ دل اور پابلی طبیعت کے مالک تھے۔ سروس بھی ان ہی کا بہتر تھا۔ اس لیے دونوں کی گاڑی چشتی تھی۔ منزہ ان کی کمپنی میں لمحہ بھر کو بھی بور نہیں ہوا تھا۔

فیضان بھائی کی بیوی بلند آبی بھی فضا سی تھیں۔ فلک لور زرش سے وہ کافی عرصے بعد ملا تھا۔ مگر وہ بھی اس سے جلد بے تکلف ہو گئی تھیں۔ دونوں کافی زندہ دل تھیں۔ جبکہ مسک۔ پھلی جنگلی شرمندہ سی پھلے کھل والی لڑکی کے بارے میں وہ کوئی رائے قائم نہیں کر سکا تھا۔ کیونکہ شام کے بعد سے وہ اس کے سامنے ہی نہیں تھی۔ رات کے کھانے پر بھی سب اکٹھے تھے سوائے اس کے۔

"ڈاکو۔" لڑکیاں میں شکل سے واقعی ڈاکو لگتا ہوں۔" لہجہ ایک یاد آنے پر وہ بیڈ سے اتر کر ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑا ہوا۔ پانچ منٹ تک ہر ذریعے سے گھور گھور کر خود کو دیکھتے ہوئے ڈاکو بس والی کوئی بات نظر نہ آئی تو اپنی احمقانہ حرکت پر ہنس کر دوبارہ بیڈ پر واپس ہو گیا۔ لور ہر خیال جھٹک کر سونے کی کوشش کر رہا تھا۔

کچن سے آتی طرح طرح کی خوشبو میں پورے گھر میں رقصاں تھیں۔ گرج سالوں بعد دلہنے آؤ خود کچن کو مدق بخشی تھی اپنے لازالے پوتے کے لیے اپنے ہاتھوں سے تیار کیا کیک کے لیے لور جب سے بیڑ تھی

والے بلورچی خانے کی جگہ امریکن اسٹائل کچن نے لی تھی تو گویا یہاں کا راستہ ہی بھول گئی تھیں۔ "ارے کوئی میرے منزہ کی بھی خبر لائے! اٹھایا نہیں؟" حلوہ بھونٹتے ہوئے انہیں خیال آیا۔ "لہی لہو تو بھر کا ٹھہ گیا تھا۔ اپنے تیا کے ساتھ نماز کے لیے گیا تھا۔ وہ تو وہاں آگئے۔ منزہ میرے لیے چلا

وال کرہا تھ دھوکہ سترخوان پر آبیٹھا۔

حلوہ پوری، کھو اور غصے کے سنہری پرانے ہین چنے چھوٹے، میٹھی اور نمکین لسی، ملک شیک، فریج ٹوسٹ اور بھانے کیا کیا۔ نامتناہی مڑے دار اور پر ٹکلف تھا۔ اوپر سے سب کا ٹکلف نہ پرچنے کا اصرار دلاؤ نے تو حقیقتاً "کھلا کھلا کر مار ڈالا۔ وہ اس کے احتجاج پر جیسے ہی ہاتھ روکنے لگتیں فیضان بھائی یا سروش میں سے کوئی چلا اٹھتا۔

"دلاؤ! حمزہ تو ٹکلف کر رہا ہے، ورنہ اس کی شکل دیکھیں صاف لگ رہا ہے اس کی بھوک ابھی بلی ہے۔" اور دلاؤ ان کی شرارت سمجھے بغیر اس کی خالی پلیٹ لبالب بھر دیتیں۔ آخر خدا خدا کر کے اس کی جان چھوٹی۔ اسٹے سے پہلے سب سے نظر بچا کر وہ اپنے قریب بیٹھے سروش کو چٹکی کاٹا نہیں بھولا تھا۔

جولہا ۳ سے مکھو کھا کر سروش بھی ہانڈھ گیا۔ ایک سی دن میں ان کی ہر سول پرانی بے تکلفی ٹوٹ تلی تھی۔ کھڑکھڑکی آواز پر اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ تیز تیز میڑھیاں اترتی مکھو سے سامنے دیکھ کر ٹھنک کر رک گئی۔ وہ کل سے اس سے چھٹی بھر رہی تھی۔ رات کھانے پر اور لب صبح ٹاٹتے پر بھی نہیں آئی تھی۔ اسے فردوس دیکھ کر حمزہ نے دستاورد مسکراہٹ چہرے پر سہلی۔ جولہا ۲ زبردستی کی مسکراہٹ اس کی طرف اچھاتی وہ یوں تیزی سے گول کمرے کی طرف بڑھ گئی جیسے ایک منٹ بھی مزہ کی تو حمزہ اس سے حساب لینے کھڑا ہو جائے گا۔ حمزہ کندھے اچکا کر مسکراتے ہوئے پاس پڑے اخبار پر جھک گیا۔



بیچہ تپتی کھیر کا پیالا تھامے اوپر اپنی امی کے پورشن میں آئیں تو انہیں سر تھا سے دیکھ کر ریٹائن ہو گئیں۔ "کیا ہوا امی، آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" "اس لڑکی کے ہوتے میری طبیعت ٹھیک رہ سکتی ہے بھلا۔ اسی سے پوچھو کیا ہوا ہے۔" وہ اندامت سے سر

بھکائے بیٹھی مکھ کی طرف اشارہ کر کے بولیں۔ "آئی بالکرائی ہروانی دم پر رکھ کر نیچے چلی گئیں اور وہ جل گئی تو اس میں میرا کیا تصور؟" اپنی کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وہ ہولے سے منٹائی۔

"ہاں بالی، اقصوہ میرا ہی تھا جو تمہیں ہروانی کا خیال رکھنے کا کہہ کر گئی تھی۔ تمہیں اپنی کتابوں سے فرصت ملے تب نا۔ ذرا اور ٹکلف بھی تو چس تمہاری ہی ہم عمر ہیں۔ مگر کبھی دیکھا ہے اتھلا پروا انہیں؟" اسی کو اس کی بات سننے ہی پہلے لگ گئے۔ وہ اس کی لاپرواہ طبیعت سے ہلاں رہتی تھیں۔

شادی سے پہلے بیچہ نے ساری ذمہ داری اپنے سر لے رکھی تھی۔ اس کی شادی کے بعد مکھ کی باری آئی تو اس نے حقیقتاً ۳۳ نہیں ہیوس کیا تھا۔

اسے تو صرف ایک ہی شوق تھا مطاوعہ کرنا، اپنی کتابوں سے لے کر انسا نیکو سینیٹا تک، مجال ہے جو گھر میں منہ جو روئی کا اقتدار بھی اس کی نظموں سے پڑھے بغیر گزرد جاسکتا یوں تو جو کام اس کے ذمے لگا تھا مارے ہانڈھے کر دیتی تھی مگر جب کوئی کتاب ہاتھ میں ہوتی تو اسے کھل کے بغیر اٹھانا ممکنات میں سے تھا۔ اس وقت بھی وہ صدیق سالک کی ہر شر کر "میں کھوئی تھی۔ جب انہوں نے اسے ہروالی کا خیل رکھنے کا کہا تھا وہ مطاوعہ میں منہمک رہی۔ منتہجتا ہروالی جل جانے پر وہ پچھنے پندہ منٹ سے اپنی بے عزتی برواشت کر رہی تھی۔

"سمجھ میں نہیں آتا کیا بنے گا اس لڑکی کا۔ نہ سرور بل کا سارہ نہ کوئی کن تمہاری تو قسمت اچھی تھی جو گھر میں کھپ گئیں۔ اس کے بارے میں تو سوچ سوچ کر میری نیندیں اڑ جاتی ہیں۔" امی کو بیچہ کے آگے دھکڑے روٹے دیکھ کر اس نے موقع غنیمت جانا اور کتاب اٹھا کر چپکے سے پائیں بل کی طرف نکل آئی۔

"اللہ معاف کرے یہ امی بھی نا۔" طویل سانس خارج کرتے ہوئے وہ جھولے پر بیٹھ گئی۔ مگر بھانے کیوں کتاب کے الفاظ آنکھوں میں چھپنے لگے اور نین

ہوتی ہیں کے ساتھ چائے ہوئے لیلی کی یاد نہ چاہتے
ہوئے بھی یادیں کی مانند اندی ملی آتی لورہ ہیں دہل پر
برسنے لگتی تھی۔

ایک پتے کی چھٹی کے بعد کچھ حنو کا آفس میں پہلا
دن تھا۔ گھر آیا تو ٹھکان اس قدر خند غالب تھا کہ کھانا
کھائے بغیر سو گیا۔ داد اسے چائے آئیں گھر وہ اتنی
سگری خند سویا تھا کہ اٹھانے کو ہن کاچی نہیں چاہا اس
لیے اس کے قریب پہنچ کر بار بھری نظروں سے کتنی
عی ویرہ اسے دیکھے تھیں۔ کھانا گندی رنگ بھرے
بھرے ہوئے تھی ہولی ٹاک ٹوڈن پیشانی وہ بالکل
اسے دادا پر گیا تھا۔ وہ اس کے بل سلائی رہیں۔ حنو
ذرا کسمسلیا تو اس کا تھا چوم کر چلی گئیں۔ تاکہ
آرام سے اپنی قید پوری کر سکے۔

وہ اٹھا تو شام کے سائے گھرے ہوئے تھے۔ فرش
ہو کر تو لیسے بل درگزا تباہیں میں تھکے والی کھڑکی
میں آکھڑا ہوا۔ آسمان تاریکی چلور اوڑھے ہوئے تھا۔
سورج کی دم توڑتی کرنوں میں پردوں کے غل کے
غول واپس کے سفر پر دراز تھے۔ سائے کی دیوار کوڑھکے
پیلے پھولوں کی تیل لور اس پر پڑتی سورج کی الوداعی
تھر نہیں یوں لگ رہا تھا جیسے پورے ماحول میں اواسی
رج بس گئی ہو۔ وہ کھڑا اس اواسی کو نبھانے سب تک
اپنے اندر اتار رہا تھا کہ مہاکا فون آگیا۔ وہ اس کے بغیر
لو اس تھیں۔ حالانکہ ہر اسٹریز کے لیے وہ ملک سے
باہر بھی رہا تھا مگر ماس کی سودی کی بلوی نہیں ہو سکی
تھیں۔

”پھر کیا سوچا حنو تم نے؟ کچھ عرصے تک رمضان
الہبارک شروع ہو جائیں گے امیر اور تمہارے بابا کا
عید ملن میں کرنے کا ارادہ ہے۔ ہم چاہ رہے تھے کہ
اس موقع پر کم از کم تمہاری منگنی ہی کر دی جائے۔“
فرزادہ غوراً سب گھر والوں کی خیانت دریافت کرنے

کنو رہے پانی سے بھر تے چلے گئے وہ سوچنے لگی۔
”کیا باب کا سایہ سر پر ہونا ضروری ہے۔ اتنا بڑا
آسمان ملے کو کافی نہیں؟“

وہ صرف سات ملی کی تھی جس میں اس کے ہوا نہیں
بانو کے ہیں چھوڑ کر ان کا بستر مستقبل خریدنے امریکا
گئے تھے۔ ان کی خوشیاں کیا لاتے وہ تو خود ہی ملایا نگری
میں ایسے کھوئے کہ پلٹنا بھول گئے۔

اسے یاد تھا وہ جب تک اپنی جی کے سینے پر مردہ کر
نہ سوتی اسے خند نہیں آتی تھی۔ اسی لاکھ قشع کرتیں
پیشی کی عادتیں فراب مت کریں مگر ہمیشہ جس کڑاں
چلتے۔

جب وہ چلے گئے تو اسے ساری ساری رات خند
نہیں آتی تھی۔ اسی کے ڈانٹنے پر تکیہ منہ پر رکھے
سکتی رہتی تھی۔ ایسے میں بیچ جو سمجھ دار تھی اسے
مزے مزے کی کہانیاں سنا کر بسلانے کی کوشش کرتی
اور وہ کہانی سننے میں اتنی منہمک ہو جاتی کہ پتا بھی نہ چلتا
لور وہ سو جاتی ہاں۔ مگر جب بھی خواب میں کلا دینا
غلام بری کے بچائے اسے اٹھانے آجاتا وہ ابھی تک
کر چلا اٹھتی مگر حفاظت کو ان کی مضبوط چھاتی نہ پا کر
لوٹ جاتی تھی۔

پھر یوں ہوا کہ اس نے نظروں سے لاپتہ کرلی۔
ایکے وہ کر جینے کا قرینہ سکھ لیا۔ اچھی کتابیں اس کے
لیے لڑیکو لائبر کالیم کرتی تھیں جن میں کم ہو کر وہ
اور گرد کی ساری مشکلات ساری پریشیاں بھول جاتی
تھی سب کے درمیان رہتے ہوئے بھی اس نے اپنی
انگ خیل پر نیا سار رکھی تھی۔ جہاں وہ سب کچھ تھا جس
کی وہ خواہیں تھی۔

مگر اسی اس کی لاپرواہی کی وجہ سے اس سے غلام
رہتی تھیں۔ ان کی چلی کئی وہ ایک کلن سے سن کر
دو سرے سے نکال دیتی تھی مگر جب بھی وہ سر پر باب کا
سایہ نہ ہونے کی بات کرتیں تو ان کی یہ بات نیڑے کی

انی کی طرح اس کے دل میں گڑ جاتی تھی۔ حالانکہ وہ
اپنی رانست میں اپنی کو بھلا چکی تھی مگر جب بھی لور اس

جسے انتہا تک سے اپنی طرف دیکھتے پارنا کواری کی ہلکی سی لہر مسک کے چہرے پر دوڑ گئی۔

"اے ڈاکو! دیکھتا ایسے ہے جیسے اندر تک پڑھ لے گیا۔" اس کی گہری آنکھیں اسے مضطرب کرنے لگیں تو وہ کتاب اٹھا کر لوہ پر چلی گئی۔ حتمی نگاہوں نے آخر تک اس کا پیچھا کیا۔

"ہاں اس کے بارے میں سوچا جاسکتا ہے۔" دل نے بے ساختہ صدا دی۔

رمضان المبارک کا چاند بکھنے کے لیے ساری پاموں کو اپنے فیضانِ دلہنہ کے شعلوں پر قبضہ جمانے کھڑی تھی۔ سروش تنزہ کو بھی تھیںٹ لایا تھا۔ اب سب سر اٹھائے سرخسے آگے لے کر نظر میں تھمارے تھے۔

"دیکھاں! سب سے پہلے تنزہ کو نظر آیا۔" سب کی بے چین آواز میں ابھریں۔ تنزہ کی نشاندہی پر سروش "ٹلک اور پھر زور ش کو بھی چاند نظر آیا۔" ٹلک مسک اٹھی تنک منہ بسور کر کھڑی تھی۔ چیریں غلاش کرنے کے معاملے میں وہ ہمیشہ سے کمزور تھی۔ بتول اسی اسے سامنے کا پر ڈ نظر نہیں آتا تھا۔ یہ تو پھر ہار یک سا بلال تھا۔

"کہاں سے مجھے نظر نہیں آ رہا۔" ساتھیوں کی ہنسی کے چہچہے اب کے ارخت کی سب سے اونچی ٹھنی کے پاس۔ "تنزہ نے قریب ہو کر بڑی تفصیل سے اوپیشن پیش کیا۔"

"دل گیا۔" وہ خوشی سے اچھل کر تلی بجاتے ہوئے چلی۔ تنزہ اسے دیکھتا رہ گیا۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ نہیں پایا تھا۔ کبھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر بچوں کی طرح خوش ہوتی، کبھی سویرنی ہڈی ہڈی سیاسی بحثوں میں ابھی تو کبھی ارد گرد سے بے نیاز کتاب میں منہ بسے مسک پر کبھی اسے چھوٹی نیکی کا گمان ہوتا تھا اور کبھی وہ اسے بوڑھی دھڑکتی تھی۔

"اب بھی دعا کیجیے۔" اس کی گہری نظروں کے حصار سے گھبرا کر وہ بولی اور چند قدم تگے پوہ کر خود بھی

کے بعد وہ مطلب کی بات پر آئیں۔ تنزہ گڑبڑا گیا۔ ماما نے جو ذمہ داری آتے ہوئے اس کے سر ڈال تھی یہاں اگر تنزہ کے سر پہنچا دیا تھا۔

"ماما! ابھی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکا۔ بہت جلد کسی فیصلے پر پہنچ کر آپ کو آگاہ کروں گا۔" ان کی ڈانٹ سے بچنے کے لیے اس نے گول مہل جواب دے کر بات بدل دی۔

ان سے بات کرنے کے بعد فون چارنگک پر لگاتے ہوئے وہ مسلسل اسی بارے میں سوچے جا رہا تھا۔ اس ایک ہفتے میں وہ زور ش اور ٹلک سے کافی گفتگو کر گیا تھا۔ دونوں بہت اچھی لڑکیاں تھیں۔ سروش کے ساتھ مل کر وہ انہیں تنک بھی خوب کرتا تھا۔ وہ اسے تنزہ بھائی کہتی تھیں۔ اس لیے انہیں کسی اور ذمہ دے سے دیکھنے کی اہمیت ہی نہیں آتی تھی اور لب پاتے ہوئے بھی کسی اور نظر سے ان دونوں کے بارے میں سوچ نہیں رہا تھا۔

وہ کئی مسک تو اس سے تو ابھی تک ڈھنگ سے بات بھی نہیں بولی تھی جب بھی سامنا ہوتا وہ باوجود ہی نرموس ہو جاتی تھی۔ پہلے دن والی بات پر شاید ابھی تک شرمندہ تھی۔

ہر وقت کتاب یا اخبار ہاتھ میں لیے کبھی نیلا می سے سیاست پر بحث کرتی، کبھی چھوٹے بچانے کوئی کتاب ڈسکس کرتی۔ باتوں کی لمبی چٹیا کمرے والے خود سے بے نیازی یہ مسک اس تک مسک سے تیار مسک سے قلعہ مختلف تھی۔ جس سے وہ پہلے دن ملتا تھا۔

"آنکھیں بند کیے، سناؤ اٹھائے بوندوں سے کھیلتی لڑکی۔" بے ساختہ بارش میں بھیجے ہوئے منظر اس کی آنکھوں میں چمک اٹھا۔ ٹیٹھی سی مسکراہٹ ہونٹوں کو چھو گئی۔ اسی پل اس کی نظر کھڑکی کے پار جھولے پر پڑی جسے مسک نے یاد کر رکھا تھا۔ اس نے بغور اسے دیکھا۔ ٹھیکین پانی میں ڈوبا ہوا اس جھیلیں شام کا سارا درد جیسے اس کی آنکھوں میں سمٹ آیا ہو۔ تنزہ کو اپنا آپ ان میں ڈوبتا محسوس ہوا۔ کھڑکی میں کھڑے تنزہ کو

لک نے حمزہ کے منہ کی بات چھین لی۔ جو سروش سے پوچھ کر پچھتاہوا تھا۔

”اوسلوں۔ اچھے بچے جیلس نہیں ہوتے۔“ سروش نے بڑے نرم لہجے میں گھر کا۔ کرار اس جواب دینے کی صورت میں چائے سے محروم ہونے کا خطوط تھا جو اسے منظور نہیں تھا۔

”حمزہ بھائی! اتنی ڈیڑھ ساری کتب دیکھ کر تب کو حیرت نہیں ہوئی اور نہ جو بھی اسکی بار بار کھاتے حیران ضرور ہوتا ہے۔“ پچھو کے کام سے اندر جانے پر درش بھی ان کے پاس آئی تھی۔

”بالکل بھی نہیں۔ میرے ماما پاپا دونوں ہی مطالعے کے شوقین ہیں۔ ان کی ڈائیلاگیری میں بلا مبالغہ تین چار ہزار کتابیں ضرور ہوں گی۔“ درش کے پچکانہ سوال پر حمزہ مسکرایا۔

”واقعی۔“ کتاب لے کر آئی مسک لے حیرت سے پوری آنکھیں کھولیں۔ ”اللہ سلف کرے اتنی زیادہ کتب جمع کرنے میں تو انہیں بہت عرصہ لگا ہو گا تا میں بھی انہیں سے جمع کر دی ہوں مگر میرے پاس صرف نو سو بکس ہیں۔ ساموں اور مالیاتی کی بلا پیری میں کس ڈھان میں زیادہ بکس ہیں؟ کن رائٹرز کو وہ شوق سے پڑھتے ہیں؟“ حمزہ اسے یوں پُر جوش انداز میں سوال پر سوال پوچھتے دیکھ کر پھر سے حیران رہ گیا۔ کہاں تو سامنا ہوتے ہی گھبرائے تھی ابھی اور کہاں اب یوں ایک دم سے۔ یہ لڑکی قدم قدم پر حیران کر رہی تھی۔

حمزہ اگرچہ کتابوں کا شیدائ نہیں تھا مگر ادبی حلق کے حامل وٹلہ بین کی محبت میں رہنے کی وجہ سے ”لوب“ کی الف ب سے ضرور واقف تھا۔ اس لیے پور نہیں ہوا۔ ورنہ سروش تو کشتی کے درمیان ہی کب کا بے زار ہو کر جا چکا تھا۔

کالی دیر بعد جب وہ نیچے جانے کے لیے اٹھا تو نہ صرف کتابوں سے متعلق مسک کی دیوانگی جان چکا تھا بلکہ اس سے کافی بے تکلف بھی ہو چکا تھا۔ ”ماما پاپا سے گاڑمی چھنے کی خبر نہ کی۔“ شوخ سی

جھا کے لیے ہاتھ اٹھا لیے۔ سب نے انتہائی خسرو و خسرو سے دعا مانگی۔

سب سے لمبی رہا سروش کی تھی۔ پچھو کے بلانے پر سب ان کے لائونج میں جا کر بیٹھ گئے۔ مسک چائے بنانے چلی گئی۔ لک بھی اس کلام تھا بلانے پچھو چلی گئی جبکہ درش پچھو سے اپنے عید کے کپڑوں کی نظر اسکیم ڈسکس کرنے لگی۔ سروش نے لی جی کا نہ صورت اٹھا لیا۔

حمزہ آج پہلی مرتبہ اوپر آیا تھا۔ ورنہ پچھو سے تقریباً ”روزانہ ہی نیچے ملاقات ہو جاتی تھی۔ وہ غیر ارادی طور پر ارد گرد کا جائزہ لینے لگا۔ پڑا سا لائونج جو بیک وقت ڈائمنگ اور ڈرائمنگ روم کے طور پر بھی استعمال ہوتا تھا۔ ان ڈور پلانٹس اور خوب صورت وال چیشننگز سے فضا سے آراستہ تھا۔

سامنے دہلی دیوار میں نصب کتابوں سے کچا کچج بھری الماری لائونج کے وقار میں اضافہ کر رہی تھی۔ ”آٹھ لو سو کتابیں تو ضرور ہوں گی۔“ حمزہ نے سوچا۔

”کہاں کھو گئے پادشاہو!“ فی وی سے پور ہو کر اس کی طرف منہ کر کے سروش نے پوچھا۔

”یار میں سوچ رہا تھا اتنی لمبی دعا میں آخر تم نے کیا مانگا۔“ حمزہ شرارت سے مسکرایا۔

”لو! اپنی کبھی سی عقل کو تنکا بے کی کیا ضرورت تھی۔ مجھ سے پوچھ لیا ہوتا چاند دیکھ کر جو بھی دعا کی جائے قبول ہوتی ہے۔ اس لیے میں نے تو اللہ سامنے سے خوب فرمائشیں کیں۔“ سروش فارم میں آتے ہوئے اپنی دعا کی تفصیل بتاتے لگا ”میں نے سن کر حمزہ چکرا کر رہ گیا۔“

”شگن دار سا بنگہ۔ ڈیو میٹر فرادی“ ملی عیشیل کہنی میں بہترین جالب ورلڈ ٹور ٹورس۔ اور۔“ وہ ہر شوق نگاہوں سے چائے لے کر آئی فلک کو دیکھ کر اٹھکا۔

”بس۔ بس۔ کالی ہے۔ ہزار داغ کھانے کی ضرورت نہیں۔“ میز پر چائے کی لڑے دیکھتے ہوئے

مسکراہٹ چہرے پر سجائے یہ سوچا وہ میٹھیان اتر
مکمل اس کی پشت پر نظریں جمائے کھڑی مسک
مسکراتے ہوئے اپنی گڈ بک میں اس کا نام دہن کر لے
گئی۔

رمضان المبارک کے ہر رست دن پر لگا کر اڑتے
جا رہے تھے۔ سراسر شہر شروع ہو چکا تھا اب تو سب
کی دھنیں بھی سیٹ ہو گئی تھیں۔ ہاں مگر حنزوہ کو جس دن
سائٹ پر جانا ہوتا تھا اس دن وہ ایسی پر اس کی حالت
خراب ہوتی تھی۔ عصر کی نماز پڑھ کر دو سونا صفر کی
خیر لانا تھا۔ داد اس کے بے وقت سوتے پر ہوتی رہتی
تھیں اور اس کے آفس وہوں کے خوب غائبانہ لٹے
لیتیں بہنوں نے اسے کولہ کلنیل بنا چھوڑا تھا۔

ذرش اور فلک نے صبح سے داد کا ہتھالیا ہوا تھا۔
انہیں عید کی شاپنگ کرنے بازار جانا تھا۔ مگر کوئی لے
جانے پر تیار ہی نہیں تھا۔ ان کا گھر چونکہ ملکن کے
مضافات میں تھا۔ بازار اور مارکیٹیں سب سے کافی دور
تھیں۔ اس لیے اکیلے جانا بھی مشکل تھا۔

"دادو! آخری عشو شروع ہو چکا ہے۔ جوتے
چوڑیاں تو ایک طرف ہم نے تو ابھی کپڑے بھی نہیں
لے لیے۔ دوستوں کے لیے کراؤ اور گلشن بھی لینے
ہیں۔ ہماری بات تو کوئی سناتا ہے۔ پلیز گپ ہی
کسی سے کہیں ہمیں بازار لے جائے۔" سادی
لوگیاں دادو کو گھیرے ہوئے تھیں۔ فلک اور مسک تو
باقاعدہ دے لگی تھیں۔

"اچھا اچھا۔ اظہار کے بعد تیار رہنا۔ میں کہتی
ہوں کسی سے۔" وہ انہیں ہلکی بھٹک ان کے گھیرے
سے نکلیں۔

"والو زندگی مبارک" سب ایک ساتھ چلا گئیں۔

وہ سب اسی شام لفظ ان کے بعد مسووش اور حنزوہ کے
بمراہ آئے تھے۔ "پلیزیز" کو شاپنگ پر لے جانے کا سنتے
ہی خاموش بیٹھ کر بیوی دیکھتے عدنان بھائی کو ضروری کام
یاد آ گیا تھا جبکہ ٹھیک ٹھاک فیضان بھائی کے سر میں درد

ہوئے لگا تھا۔

مسووش کو چونکہ بروقت کوئی مہمانہ نہیں سوچا تھا
اس لیے اسے یہ سزا بھگتنی پڑی تھی واحد حنزوہ تھا جسے
لیڈیز کو شاپنگ کرانے کا تجربہ نہیں تھا اسی لیے وہ
خوشی خوشی ساتھ چلا آیا۔ فیضان بھائی اور یحیٰ تو
نورا "بے بیزار" کی طرف چلی گئیں۔ ذرش اور
فلک کا ارادہ کپڑوں کی خریداری کے بعد میچنگ کے
لیے اور نور پھر لے گا تھا۔

"پلیز تم لوگ میرے لیے کوئی سوٹ دیکھ لینا میں
جب تک کتابیں خرید لوں مگر پھر آتی کو ہرگز مت جانا
کہ میں بک شاپ میں ہوں۔" اپنے برسی میں موجود
آٹھ ہزار میں سے صرف ایک ہزار نکال کر فلن کی
طرف برہمایا۔

"ارے اتنے میں تو اچھا سا سوٹ کجا شرت ہیں
بھی نہیں آئے گا۔"

"تو پھر رہتے دو کوئی اچھی سی کتاب تو ضرور ہی
آجائے گی ویسے بھی میرے پاس دو تین ان سٹل سوٹ
پڑے ہیں انہی میں سے کوئی بنالوں کی عید پر۔"

حنزوہ بک شاپ میں سٹل سے موجود کارڈ دیکھ رہا تھا
اسے آتے دیکھ کر مسکرایا۔ اسے یقین تھا مسک
سیدھی بیٹھ ہی آئے گی وہ چونکہ کارڈز میں کھڑا تھا
اس لیے مسک کی اس پر نظر نہیں پڑی جبکہ وہ کارڈ کی
اوت سے اسے خوشی خوشی تھن کی مانند ایک ریک
سے دوسرے کے درمیان چکراتا دکھایا۔

اپنے پسندیدہ مصنفین کی ڈیجیٹل کتب کا ڈائری
ڈیجیٹل کرنے کے بعد بن بنوانے لگی۔ اتنے میں سفید
چادر سلیقے سے لپٹے ایک عورت دکان میں داخل ہوئی۔
اس کے ساتھ آٹھ سالی کا بڑی بڑی آنکھوں والا کمزور
سابقہ بھی تھا جو دیکھنے میں بیمار لگتا تھا۔ وہ ہولے سے
سلام کر کے کاؤنٹر کے پاس نظریں جھکا کر کھڑی ہو گئی۔
اسے دیکھ کر دوکاندار نے کیلکولیٹر پر چلتے ہاتھ رک
گئے۔ اس نے دروازے سے پیسے نکال کر عورت کی طرف
برہمائے شاید وہ اسے پہلے سے جانتا تھا اور بچے کے سر
پر ہاتھ پھیرا۔

ہو گیا۔



عید کا دن اپنی تمام رویتوں اور رہنماؤں کے ساتھ
نعت خلیل میں اترا تھا۔ داد خوشی سے کھلی پڑ رہی
تھیں شیر خرا بھی اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا۔ اس عید
پر ان کی تمام اولادیں ان کے ہمراہ تھیں۔ ایک ماں کے
لیے اس سے بڑھ کر خوشی کی بات کیا ہو سکتی تھی۔
مکئی کا انتظام پائس باغ میں کیا گیا تھا۔ حنزہ کی ماما
نے جھولے کو اپنے ہاتھوں سے سنبھالا۔ مکئی کا جوڑا اور
انگوٹھی تو وہ لاہور سے ہی لائی تھیں۔ تقریب میں
صرف ترقی رشتہ دار ہی نہ تھے جو سر شرم بن آتا
شروع ہو گئے تھے۔

حنزہ نے میک کی ایک جھٹک دیکھنے کے لیے صبح
سے لاکھ کو شش کی کھلی کھڑا کھڑا تھا۔ بیچے ہی نہیں
اُترتی تھی۔

یاد اور فضیلت بھائی اسے تقریب کے لیے نیچے
لا میں تو وہ بے شوق نظروں سے اسے دیکھے گیا۔ اس نے
ایمرانہ گرین چوڑی وار فراک پہن رکھا تھا اور آگے
سے گھٹنوں سے نیچے تھا اور پیچھے سے گھٹنوں کو چھو رہا
تھا۔ کانوں میں داد کے چاندی کے کنوڑے والے
جیمے اور ماتھے پر گول ڈپکا سجا رکھا تھے سفید موتیا کے
پھولوں سے گندھی چولی آگے کندھے پر ڈال رکھی
تھی۔ غلاست سے کیے گئے میک اپ کے ساتھ بلاشبہ
پھولوں کی میک لگ رہی تھی۔

اسے جھولے پر حنزہ کے برابر لاکر بٹھایا گیا۔
پھر جب داد نے اسے تالیوں کی گونج میں حنزہ کے
ہم کی انگوٹھی پہنائی تو دل نے ایک انگوٹھی کے عوض
ساری بقیہ میں پہلو میں بیٹھے حنزہ کے ہم کروں۔

"مکئی مبارک ہو۔" سب سے نظر بھا کر حنزہ نے
اس کے کان میں سرگوشی کی۔ اس کا جھکا سر مزید جھک
گیا۔ آنکھوں میں خولب اور ہونٹوں پر مسکان اتر آئی
تھی۔



"تھوڑا سا بہت بڑی بیماری ہے۔ اللہ پاک
اسے شفا دے۔" میک کو سن کر بہت الحسوس ہوا
اسی بل اس کی نظریں بچے کی خالی دیرین آنکھوں
سے ٹکرائیں۔

"سنیے۔" جاتی ہوئی عورت کو روک کر اس نے
پرس میں موجود تمام پونجی اسے تھکائی۔

"سوری انکل! ابھی میرے پاس یہ کتابیں خریدنے
کے لیے پیسے نہیں۔ پھر کبھی آکر لے جاؤں گی۔" اس
نے متانت سے بارش وکلن دوار سے معذرت کی۔

حنزہ کا دل چہرے کے آگے سے ہٹا کر سینے پر ہاتھ
باندھے اسے دیکھے گیا چھوٹے چھوٹے قدموں سے
باہر جاتی میک اسے اپنے بل میں اندر بہت اندر گہرائی
میں اترتی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ ہر وار ایک نئے روپ
میں اس کے سامنے آتی تھی مگر اس کا یہ روپ تو ہر
روپ سے زیادہ خوبصورت تھا، کچھ سوچ کر وہ کھڑک پر
چلا آیا اور جھک کی چھوڑی ساری کتابیں پیک کرنے کا
کہہ کر ماما کو مہیج کرنے لگا جو اس کا فیصلہ جاننے کو
بے قرار تھیں۔



حنزہ کا فیصلہ جاننے کے بعد اس کی ماما بھی نہیں
چل رہا تھا۔ ڈاکٹر ملن بھیج جائیں۔ عید تو ویسے بھی لاہور
ہی کرنے کا دن تھا اس لیے اعلیٰ ملاٹ سے ہی وہ لوگ
بچنے آئے تھے۔ سینے اور ہنر کو یوں اچانک سامنے پا کر
دلہ نہال ہو گئی تھیں اور جب ان کے آنے کا مقصد بتا
جلا تو خوشی سے ہلا ہو گئی۔ آنکھیں تو میوہ بیگم کی بھی بھر
تکی تھیں پھر بھول کی شیشک میں کی طے پلایا کہ عید
کے دن حنزہ اور میک کی مکئی کرنی جائے جبکہ شادی
کچھ عرصے بعد کرنے کا ارادہ تھا۔

داد نے گئے ہاتھوں دونوں بیٹوں اور بیویوں کی
رضامندی سے سروش اور فلک کی زبانی نسبت بھی
طے کر دی۔

اچھی طرح خود کو یقین دلانے کے بعد سروش نے
جو اچھٹا کوٹنا شروع کیا تو حنزہ سے اسے سنبھالنا مشکل

سفید بیک گر لٹوٹھ میں حسین سائیوب مرد اور اس کے
اور گرد بھری ڈھیروں گلاب کی پتیاں اندر صرف اتنا
لکھا تھا۔

"Life is Beautiful but
less than you"

کسی کی زندگی میں اپنی اتنی اہمیت کے اس
نویسورت اظہار نے اسے مدح تک سرشار کر ڈالا
تھا۔ وہ کتنی ہی دیر لفظوں پر انگلیاں پھیر کر ان میں
بھی جذبوں کی خوبصورتی محسوس کرتی رہی۔ یہ اس
کی زندگی میں پہلا موقع تھا جب اس کے ارد گرد اتنی
کتابیں بھری تھیں اور وہ ان میں گم ہونے کے بجائے
کیس اور گم تھی۔ اگر زرش لکھ بیٹھ تلی یا کوئی اور یہ
دیکھ لیتا تو لازماً "مدرے خیرت کے بے محوش ہو جاتا۔"



آج حنزہ کالمکن میں آخری دن تھا۔ جس پروجیکٹ
کے سلسلے میں وہ یہاں آیا تھا وہ پایہ تکمیل تک پہنچ چکا
تھا۔ شام کی لگاتار سے اس کو وہاں ہی چھٹی دیا ہر گھنٹہ
میں چلا آیا۔ دلہا اپنے تخت پر اس بیٹھی تھیں۔ داؤد
کے قدموں میں بیٹھ کر اس نے اپنا سر لہن کی گود میں رکھ
دیا۔

"آتے رہنا۔ ان دنوں ہی آنکھوں کو ترساہست۔"
داؤد نے اس کا ہاتھ چوما اور پیار سے اس کے ہاتھ
سلائے لگیں۔ وہ ان کے بونٹے ہاتھ اپنے
ہتھیلیوں میں قلم کر کے اختیار جو شہ نگ۔

"بہت یاد آئیں گے آپ کے یہ محبت بھرے
لمس۔" اس نے تو داؤد سے ساتھ چلنے پر بے حد اصرار
کیا تھا مگر ان کا ایک ہی جواب تھا اب تو تمہارے
دلہے پر ہی اس کی۔ داؤد کے دلخیزے کلوقت اور رہا تھا۔
وہ ایک بار پھر اس کا ہاتھ چومتی قیدیہ سی اندر چلی
گئیں۔ وہ تخت پر لیٹ کر خلی خالی نظروں سے نعمت
منزل کے ہر گوشے کو ادراغ کرتا رہا پھر کچھ سوچ کر لوہ پر
چا آیا۔

مشق کے بعد ملک اس کے سامنے نہیں آئی تھی۔

وہ ڈرننگ ٹیبل کے آئینے میں خود کو دیکھے جا رہی
تھی۔ نیچے قریب قریب اختتام پذیر ہو چکی تھی۔
سب مہمان جا چکے تھے مگر کے لوگ ہی مل بیٹھ کر
خوش گہوں میں مصروف تھے وہ منہج کے بغیر پھولوں
سے کندھی چوٹی پر ہاتھ پھیرتے ہوئے آئینے میں سولہ
شگبار سے آراستہ اپنا ادب دیکھے جا رہی تھی جو بہت
اجنبی اجنبی سا لگ رہا تھا۔

"آج لخصہ بندھا بھی ساڑھی میں کتنی پیاری لگ
رہی تھیں۔" اسے اچانک ان کا خیال آیا اور وہ اپنی
دو جھکنے لگی۔ "انہیں کتنا شوق تھا میں پلی ایچ ڈی
کرنے کا۔" پیکچر ہٹنے کا۔ ایم ایس سی MSC
گولڈ میڈلسٹ تھیں مگر کیا بیاہادی کے بعد ان کے
خوابوں کا؟ نور بیگم آپلی کتنی اچھی میٹر تھیں انہیں
رنگوں سے کھیلنے کا کتنا اشتیاق تھا مگر شادی کے بعد اس
نے ان کے ہاتھوں میں کبھی برش نہیں دیکھا تھا۔

کیا شادی کے لیے ہر لڑکی کو اپنا ہر شوق باطل کی بیگز
پر چھوڑ کر جانا ہوتا ہے؟ کیا مجھے بھی اپنی کتابوں کو بھولنا
ہو گا؟ منفی خیالات اچانک حملہ توڑ ہوئے تو دل میں
بے سکونی اترنا شروع ہو گئی۔

اس نے سر جھٹک کر ہر خیال دور پھینکا اور زبور
اتارنے لگی۔ جیسے اتارتے ہوئے اس کی نظر
رائٹنگ ٹیبل پر پڑی۔ وہاں بڑا سا گت پیک رکھا تھا۔
وہ اسے لے کر بیڈ پر آ بیٹھی۔ اس پر کسی کا نام نہیں
لکھا تھا۔ اس کے باوجود وہ جان گئی یہ کس نے بھیجا ہو گا۔

ہتھیلیوں میں بے اختیار بیوی اتر آیا۔ ہاتھوں کی
لرزش پر گلاب پا کر اس نے گلاٹ پیک کھوا تو مارے
خوشی کے ہلکی سی چیخ نکلی تھی۔ اندر ڈھیروں کتابیں
رکھی تھیں۔ وہ ایک ایک کتاب اٹھا کر دیکھنے لگی۔
سب کی سب وہی تھیں۔ خود وہ اس دن کاؤنٹر پر چھوڑ آئی
تھی حیرت نے آنکھوں کا احاطہ کر لیا۔ کچھ دیر پہلے دل
میں گھر کرتی بے سکونی روح میں اترتے سکون میں
معم ہو کر پناہ دہر کھونے لگی۔

ڈبے کی تسمہ میں اک کارڈ بھی رکھا تھا۔ اس نے
بھٹکتے ہوئے اٹھا لیا کارڈ بے حد خوبصورت تھا۔

وہ بھی اوپر نہیں جاتا تھا مگر جانے سے پہلے آخری بار وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔ اور مکمل سناٹا تھا۔ وہ صدمہ کو تلاش کرتا بچھلے نیچے کی طرف آیا تو وہ ہاتھوں کے پالے میں چہرہ سہانے بیٹھی تھی۔ وہ آہستہ سے اس کے پاس سے دو قدم نیچے آ بیٹھا۔ صدمہ یوں اچانک اسے دیکھ کر گڑبڑا گئی۔

”تم رو کیوں رہی ہو؟“

”نہیں نہیں تو میں کہیں رو رہی ہوں۔“ اس نے شرمناک آنکھوں سے جھٹاٹا چلا مگر آنسوؤں نے پلکوں کی باز توڑ کر غم کا شکر کڑا لک۔

”وہ دراصل آنکھ میں کچھ چلا گیا تھا۔“ وہ حمزہ کی اندر تک اترتی شفاف گہری آنکھوں سے گھبرا کر نظریں چرا گئی۔ اب کیوں کا جواب کیا دیتی۔ بے شک مقلی کے بعد سے اس کے سامنے نہیں جاتی تھی مگر یہ احساس کیا کم تھا کہ جن ہفتوں میں وہ سانس لیتی ہے وہ اس کی خوشبو سے بو جھل ہیں اسے چھو کر آتی ہیں۔

جب سے اس نے حمزہ کے جانے کا سنا تھا۔ آنکھیں پونہ ہی چمکنے کو بے تاب رہتی تھیں۔

میڈیٹیشن کے پاس ہی بار سنگھار کا پڑتلا ہوا ہے اسے چھیڑا تو ڈھیروں پھولوں والوں پر برس گئے۔ بہت سے دھندے بہت سے اقرار خاموشی کے طویل وقفے میں خاموشی کی ذہنی ہی کر کے حمزہ اٹھ کھڑا ہوا۔

”اب میں چلتا ہوں بہت جلد تمہیں لینے آؤں گا۔ میرا انتظار کروں گی میں؟“ بڑی آس سے پوچھا ”صدمہ نے بے اختیار اشیاء میں صدمہ کیا۔ اس کا وہ اس سر پہ دل میں اتار مارو آگے بڑھ گیا۔“

”سنو!“ جلتے جاتے پلٹا۔ بجا ہے دل کے قلعے کو فتح کر سکتے ہیں آنسو مگر تیری آنکھوں میں یہ لٹک مجھے اچھے نہیں لگتے۔“ آئینہ آنکھوں میں ”کچھ“ جانے مت دینا۔“ مسکرا کر کہتے ہوئے وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا چلا گیا۔ اس کے قدم گنتی صدمہ سوچ کر رہ گئی۔ ”یہ شخص واقعی ڈاکو ہے۔ خالی ہاتھ آیا تھا اور اب میرا سب کچھ لوٹ کر لیے جا رہا ہے۔“

دونوں گھر میں شادی کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ حمزہ جہ تک اٹھتا تھا اس لیے اس کی ممالی خواہش بھی کہ وہ اس کی شادی میں اپنے سارے اہل خانہ کو لے کر لے کر دوسری طرف صبحہ عظیم بھی لے جاتی تھیں کہ ان کی پھولی بیٹی کی شادی میں کوئی کسر باقی نہ رہے۔ چونکہ بھائیوں نے انہیں وراثت میں سے الگ جائزہ شرعی حق دیا تھا اس لیے وہ پے پیسے کی کوئی غشی نہیں تھی۔

مگر حمزہ نے جیسنہ لینے کا شوشا چھوڑ کر انہیں پریشان کر دیا بلکہ اس نے تو یہ کہتے ہوئے شادی اور دلہن کے لیے ہونٹ کی پگ کھانے سے بھی منع کر دیا تھا کہ جب اپنے اتنے بڑے اور خوبصورت گھر میں جو ہیں تو پھر اس فصول خرمی کی کیا تک ہے۔

سب نے زور دیا تو اب اس نے صاف کہہ دیا اس طرح جو رقم منج جائے اس سے کسی بے سارا لڑکی کی شادی کرواؤ مجھے گا۔ چونکہ اس کی نیت صاف تھی اور جذبہ عجب تھا اس لیے سب مل گئے تھے۔

پھر اللہ اللہ کر کے شادی کا دن بھی آ پہنچا۔ صدمہ کی حالت صبح سے عجیب تھی۔ کبھی نئی رفاقتوں کی خوشی ایک ایک میں سرشاری بھر جاتی اور کبھی آشیانہ چھوڑنے کا غم رگ و پے میں سرایت کرنے لگتا تھا۔ اسی وجہ سے چھوٹا سی کیفیت میں نکاح ہوا اور اسے حمزہ کے پہلو میں لایا گیا۔

میون لینے اور بیچ لانا شرم میں روایتی دہانوں کے تمام لوازمات سے آراستہ۔ بہت پیادہ لگ رہی تھی۔ جمو مرنی نے گویا حسن میں چار چاند لگا دیے تھے بیچ رنگ کی شیردازی میں حمزہ کی محبت بھی نرالی تھی۔

”بھئی دھن پر روپ آتا تو سنا تھا مگر میں تو دلہن کے ساتھ ساتھ دو لہا میں پر بھی ٹوٹ کر روپ آیا ہے۔“ کسی صمان خاتون نے بھرپور تہنیت کے ساتھ تبصرہ کیا تو سب نے ان کی ہاں میں ہاں ملائی۔ دونوں کی جوڑی چاند سورج کو شرار رہی تھی۔

شادی کی رسموں کو سب نے خوب انجوائے کیا
سارے لڑکے منزہ جبکہ لڑکیاں صک کی طرف
ہو گئیں۔

یوں ہی جتنے مسکراتے رخصتی کا وقت آپنا تھا ہر
آنکھ جس میں کچھ دیر پہلے خوشی کے ستارے چمک
رہے تھے اب کراہی سے جھللا رہی تھی۔ ابھی طے
لانے کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک معجزہ رونما ہو گیا۔ صبح
کا بھولا شام کے ڈھلتے سماں میں دلہن چلا آیا تھا۔
ابھی چند دن پہلے ہی صک کے والد نے جو دلوں کے
بوائے تھے انہوں نے فون کیا تھا اپنے کیے پر بہت
شرمندہ تھے۔ رو رو کر معافی مانگ رہے تھے۔ معاف
کرنا آسان تو نہیں تھا مگر سست سے گلوں شکوؤں کے
بعد دلوں نے انہیں معاف کر کے آنے کی اجازت دے
دی۔

”شام کے سائے اگرچہ ڈھل رہے تھے مگر تھی تو
ابھی شام نہ۔“ یہی سوچ کر صبیحہ نے بھی انہیں معاف
کر دیا تھا مگر ان کے آنے کو پھر بھی راز رکھا تھا۔ مبارک
وہ ایک بار پھر اپنا ارادہ بدل ہی نہ دیں۔
وہ رخصتی کے وقت تک پہنچ ہی گئے تھے اور صک
جو سہتی تھی جب کبھی ان سے ملتا ہوا وہ انہیں اسی
طرح نظر انداز کرے گی۔ جس طرح انہوں نے ان کو
کیا تھا۔ مگر انہیں اپنا تک سائے پا کر وہ بغیر کوئی شکوہ
کیے ان کی کھلی باتوں میں چاٹائی اور لٹا دی کہ ہر گز
شکوہ آنسوؤں میں نہ گیا۔ قرآن مجید اور دعاؤں کے
سائے تلے جب وہ نعمت محفل سے وداع ہوئی تو اور
بہت سی چیزوں کی طرح اپنی ذات کی محرومیاں بھی وہیں
چھوڑ گئی۔



شادی کے بعد زندگی اتنی خوب صورت ہو جائے گی۔
صک نے سوچا بھی نہیں تھا۔ منزہ نے نہ تو چاند
مارے توڑ لسنے کے وعدے کیے اور نہ ہی کسی دوسری
دنیا کے خواب دکھائے تھے۔ بس سیدھے سیدھے اپنا
دل جو وہ پہلے ہی اس کے ہم کر چکا تھا۔ اسے پیش

کر دیا۔

ابھی صون کے لیے دلوں میں ملازمت جات گئے تھے۔
وہیں سے واپسی پر منکن کا چکر لگایا تھا۔ جہاں دعوتیں
بھٹکتے ہوئے وقت گزرنے کا پتا بھی نہیں چلا تھا۔
میں نے بعد جب دونوں واپس آئے تو ایک دوسرے کے
اتنے قریب ہو چکے تھے جیسے کئی سالوں سے ساتھ
ساتھ ہوں۔

کمرے میں نہ سونا بلکہ کی کارن تھا۔ منزہ تکیے میں
منہ چھپائے گری خند مہیا تھا۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی
صک نے بڑے پیار سے اسے جگانے کی کوشش کی
تھی مگر ذرا سا کھسکنے کے بعد وہ پھر غافل ہو گیا
تھا۔ اسے اس منٹ میں اٹھنے کا الٹی ٹیلم رینگنا تھا
ہانے میں گئی۔ حالانکہ خاندان موجود تھا مگر اسے منزہ
کا ہر کلم اپنے ہاتھوں سے کرنا اچھا لگتا تھا۔ ناشتے کی
ترالی کھینچتے ہوئے وہ اندر آئی تو منزہ ابھی تک خواب
خوش کے مزے میں تھا۔ اسے ٹوہنچے آفس جانا ہوتا
تھا اور اب ساڑھے آٹھ بج رہے تھے۔

”لنہ معاف کرے“ آپ ابھی تک سوئے ہیں
پلس نہیں جانا کیا؟“ مگر رہا تھو رکھ کر وہ اسے خود گروہ
گئی۔ پھر اچانک کچھ سوچ کر شرارت سے مسکرائی اور
ٹائم پیس پر الارم سیٹ کر کے اس کے کان کے پاس
رکھا اور صک کی پردے میں چھپ گئی۔ الارم کی
چنگھاڑتی آواز اور صونج کی تیز شعاعوں نے بیک
وقت منزہ پر حملہ کیا اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

اس کی بدحواس شکل دیکھ کر صک کے قبضے
پھوٹ گئے۔ اسے یوں خود پر ہشتادیکھ کر منزہ ایک جھٹکے
سے بیڈ سے اتر کر صک کی طرف بڑھا۔ اسے شاید
غصہ آگیا تھا۔ اسے اپنی جانب بڑھتے دیکھ کر صک
مارے ڈر کے اٹنے قدموں پیچھے ہٹی دیوار سے جا لگی۔

ابھی کل ہی تو ممانے بتایا تھا کہ لیل تو منزہ کو غصہ
آتا نہیں مگر آجائے تو سامنے والی کی خیر نہیں ہوتی۔
اس کا حلق خشک ہو گیا۔ منزہ خطرناک تیروں سے اس
کے سامنے آکھڑا ہوا۔ دلوں ہاتھ دیوار پر لٹکا کر اس کے
فرار کا راستہ بھی معدوم کر دیا۔ اس کا ہاتھ اپنی طرف

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"ابھی سے" ابھی تو بارہ بھی نہیں بجے۔" اسے حیرت ہوئی۔ منک اب کیا بتاتی؟ وہ تو اس کے جاتے ہی اسے کا انتظار شروع کر دیتی تھی۔

"اللہ معاف کرے، حمزہ! میں تو سارا دن باکیے سخت پور ہو جاتی ہوں۔ بتائیں نا کیا کروں۔" وہ اپنا تکیہ کلام دہراتے ہوئے۔

"پڑھائی کا سلسلہ دوبارہ شروع کرو۔" حمزہ نے حل پیش کیا۔

"ما سٹرز تو کر چکی، لب مزید کتنا پڑھوں۔" اس نے منک پر مشورہ رد کر دیا۔

"تو بھی کتابوں سے دوبارہ دوستی کر لو۔"

"کتا ہیں۔" اس نے ڈیر لب دہرایا، وہی نے شادی کے بعد ہر وقت کتابوں میں منہ دے رکھنے سے سختی سے منع کیا تھا۔ اس کے لاکھ غصے کرنے کے باوجود اس کی کتابیں لاہور نہیں بھجوانی تھیں۔

منک کو خود پر حیرت ہو رہی تھی۔ کیسے وہ اتنا عرصہ کتابوں کے بغیر زندہ رہی تھی۔

"مگر حمزہ! میری کتابیں تو لیکن ہی میں بد نہیں۔ اسی نے لائے ہی نہیں دیں۔" وہ بے چہرگی سے گویا ہوئی۔

"اللہ معاف کرے ڈیر مسز! کیا یہ ضروری ہے کہ تم صرف اپنی ذاتی کتابیں ہی پڑھو؟ ہم کیا کی لاہوری سے استفادہ کر لیا کرو۔" وہ اس کا تکیہ کلام دہراتا ہوا تو وہ فون کو گھور کر رہ گئی، مگر چونکہ اس کا مشورہ پسند آیا تھا۔ اس لیے پرا نہیں بنا۔

"اچھا مجھے سائنس پڑھانا ہے، پھر بات کریں گے۔" اللہ حافظ! وہ فون بند کر کے اٹھ کھڑی ہوئی۔ اسے حیرت ہو رہی تھی۔ اس نے ابھی تک لاہوری میں جھانکا کہوں نہیں۔

"اللہ معاف کرے اتنی خوب صورت لاہوری۔" جون ہی وہ اندر داخل ہوئی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ بڑے سے اہل لڑا کر کے تین اطراف میں دیوار گیر الماریاں نصب تھیں۔ چوتھی طرف تو گچی دیوار گھاس کی تھی۔ جس سے

پوچھا دیکھ کر منک نے کبوتر کی طرح سختی سے آنکھیں بند کر لیں۔ حمزہ نے جھٹکے سے اس کے پیچھے کھوٹی سے لڑکا تو کیہ اتارا اور شہادت کی انگلی سے اس کی ناک کی پھینک زور سے دیا کہ قہقہہ مار کر فیس پڑا اب منک کی شکل دیکھنے والی تھی۔

"کیا بہت خوف ناک ہوں میں؟" اس کی دہشت بھری آنکھوں میں معصومیت سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ منک غصے سے اس کے پاؤں پر اپنا پاؤں بچ کر گھڑکی میں جا کھڑی ہوئی۔

"اللہ معاف کرے۔ آج تو میری جان ہی نکل کر رکھ دی تھی۔" اس کا دل ابھی تک زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ حمزہ اپنی شرارت سے لطف اندوز ہونا کچھ دیر گہری نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ روٹھی ہوئی اتنی پیاری لگ رہی تھی کہ منانے کا پروگرام کچھ دیر بعد پر اٹھا کر اس کی لمبی چوٹی کو جھٹکا دینا شروع کر لینے چلا گیا۔ اس کی پیشینہ کو پیار سے مٹا دکھاتے ہوئے منک بے اختیار فیس دی۔



شادی کے شروع کا عرصہ تو یوں پلک جھپکتے گزر رہا تھا کہ چٹا بھی نہیں چلا تھا، مگر اب جب سے نارمل روٹھن شروع ہوئی تھی تو سب کے جانے کے بعد وہ گھر میں اکیلے پور ہو جاتی تھی۔

کرنے کو کوئی کام بھی نہیں تھا۔ مختلف کاموں کے لیے مختلف ملازمتیں تھیں۔ حمزہ کے سارے کام بے شک وہ اپنے ہاتھوں سے کرنے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر وہ ہوتے ہی کہتے تھے۔ تھوڑی دیر میں ختم ہو جائے۔ اس کے بعد سارا دن وہ ہوتی اور اس کی تملی۔ وہ لب اس روٹھن سے شدید پور ہونے لگی تھی۔ بے مقصد مجھٹل سر جھگ کرنے کے بعد کچھ سوچ کر حمزہ کا نمبر ملائے گی۔

"کیا ہو رہا ہے ڈیر مسز؟" سلام کے بعد حمزہ نے پوچھا۔

"آپ کا انتظار؟" وہ بے ساختہ ہوئی۔

"اللہ محال کرے آبی! میں تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ زندگی اتنی شان دار بھی ہو سکتی ہے۔ بتا ہے اب سارا دن میں ہوتی ہوں اور کتابیں، نہ کوئی روک ٹوک نہ پابندی، آپ لوگوں نے تو مجھے ڈرایا تھا شادی کے بعد یہ ہوتا ہے شادی کے بعد ہوتا ہے۔ لیکن جتنے اسی ڈر سے میں نے تین مہینوں تک کتابوں کو چھوا بھی نہیں، مگر اب ساری کسر نکال رہی ہوں۔"

دو سری طرف لائن پر خاموشی چھا گئی۔ لیکن اس کی مزاج آشنا بھی اور کتابوں سے متعلق اس کی دلچسپی کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ سوچ رہی تھی جب اسی کی اتنی روک ٹوک کے باوجود مسک کا یہ حال تھا کہ کتاب ہاتھ سے جدا نہیں ہوتی تھی تو اب کھلی چھوٹ مل گئی ہوگی تو۔

"اگر تم ناراض نہ ہو تو ایک بات کہوں؟" آبی! ایسی باتیں کر رہی ہیں آپ؟ کیا اب تب وہ مجھ سے کچھ سننے کے لیے اجازت کی ضرورت پڑے گی۔" وہ نرمے انداز میں بولی۔

"ہمسک! ہر جذبہ ہر کام ہر شوق پتا ہے کب تک اچھا لگتا ہے؟" اب تک کہ ایک نے نا کبھی سے پوچھا۔

"جب تک وہ اعتماد کا پیرا امن اور محبت سے بنا ہو، تمہاری ساس، سسر، شوہر سب اچھے ہیں۔ انہیں تمہارے شوق پر کوئی اعتراض نہیں، تمہارے ہر شے سمجھ رہی ہو۔" مہیری بات۔ اچھا لگتا ہے، لیکن اچھا لگتی ہے، میں بعد میں بات کرتی ہوں۔" وہ اسے تفصیل سے سمجھانے کا سوچے بیٹھی تھی، مگر بچل کے رونے کی آواز من کر جلست میں فون بند کر دیا۔ مسک کچھ دیر فون ٹھوڑی تلے رکھے ان کی بات پر غور کرتی رہی، پھر سر جھٹک کر دوبارہ کتاب کھول لی۔

"آبی! بھی نا خواہ خواہ پریشان ہوتی رہتی ہیں۔" اسے اپنی زندگی کے کشمکش کشمکش کی آخری سطور کی مانند لگتی تھی۔ "پھر وہ سب خوش خوش رہنے لگے۔" اور کہانی ختم۔ ایسا سوچتے ہوئے وہ دانستہ کہانی اور زندگی کا فرق

خوب صورت لانا کا برا بھلا منظر نظر آتا تھا۔ درمیان میں گلاس ٹاپ ٹیبل اور ریو الووٹک چیر رکھی تھی۔ کمپیوٹر سسٹم بھی تھا۔ ماسوں میٹیں پر بیٹھ کر مطالعہ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے دوسرے کام بھی کرتے تھے۔

اسے سخت لفسوس ہو رہا تھا، وہ یہاں پہلے کیوں نہیں آئی۔ انگریزی، اردو کے علاوہ فارسی زبان کا بھی وسیع خزانہ جمع تھا۔ سمجھ نہیں آ رہا تھا کیا پڑھا جائے اور کیا نہیں۔ کالی سوچ بچار کے بعد اس نے محمد ولی دہلوی کی کتاب اٹھ لی۔ حمزہ کی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو چونک کر سیدھی ہوئی۔

"ارے یہ آتی جلدی آگے۔" مگر سارا صبا بچ بھائی مہیری پر نظر پڑی تو انگشت بندوں پر مٹتی ہوتی ہو گئی، کیسے کتنا تھا۔ آج گویا پلک جھپکتے ہی تیار تھا۔



رفتہ رفتہ مسک کی پرانی روٹھن لوٹ آئی تھی۔ کچھ دنوں پہلے جس پوریت کے گلے شکوے بعد وقت اس کی زبان پر چلتے تھے۔ اب ان کا نام و نشان نہیں تھا۔ پہلے تو حمزہ کی سوجھ بوجھ میں اس کا سارا وقت حمزہ کے لیے ہوتا تھا، مگر اب عموماً وہ وقت بھی کتابوں کی نظر ہو جاتا تھا۔

"ہم کو کتنا ہے شادی کے بعد لڑکیوں کے سارے شوق اپنی موت آپ مر جاتے ہیں۔" وہ کئی کا کپ لیے گلاس وال سے گلابی شام کا نظارہ کرتے اکثر طمانیت سے سوچتی تو خوب صورت مسکراہٹ چہرے کا احاطہ کر لیتی تھی۔

اس وقت بھی وہ کسی کتاب میں کھولی تھی۔ جب سیکھتے تپا کارڈ ایس فون اسے تنہا نہیں، وہ سری طرف لیٹھ گئی۔

"ہاں بھی کیا حال ہے۔ تمہاری کا کوئی حل نکالیا پھر وہی صورت حال ہے۔" سلام دعا کے بعد اس نے پوچھا تو مسک جوش و خروش سے شروع ہو گئی۔

بھول جاتی تھی۔



کاٹنی میں رکھا اور گلاب توڑ کر کمرے میں چلا گیا۔
لیجے لے ڈنگ بھرنا منک کے پاس آکر رک گیا۔

ریشمی زلفوں کے ہلے میں اس کا معصوم چہرہ بھی
گلاب کی مانند لگ رہا تھا۔ وہ مسکراتے ہوئے گلاب کی طرف
سے دیکھے گیا۔ کچھ دیر پہلے والی جھنجھلاہٹ پر اب ہمارے
غالب تھا۔ ہاتھ میں پکڑے گلاب سے اس کا مکمل
سہلایا۔ منک کی آنکھیں لہو بھر کر دھوئیں میں اس سے
پہلے کہ وہ کچھ بھگتی وہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی کتب پر
پھول رکھ کر جتنی تیزی سے آیا تھا اتنی تیزی سے
واپس چلا گیا۔ اسے آفس سے دیر ہو رہی تھی۔



حنو آفس کے گراؤنڈ فلور پر لفٹ کے انتظار میں
کھڑا تھا کہ سر پر لے والی چپٹ لے کر روتا رہا۔ وہ اس
مستحانہ حرکت پر چلنے لگا ہوا تھا تو سامنے اپنے
منگولے یا رطلہ کو پا کر حیران رہ گیا، جواب کینڈا میں
ہو جاتا تھا۔

”اے تو کب آیا؟“ مارے خوشی کے حنو نے اسے
بچھڑ کر رکھ دیا۔

”ارے یار! غریباں توڑے گا کیا۔“ اس کی آہنی
گردنت سے گھبرا کر طفلہ، چنچاٹھا، ہنسنے ہوئے اسے
اپنے کہن میں لے آیا۔ باتوں باتوں میں وقت گزرنے
کا ہاتھی نہیں چلا۔

سونیا (اس کی بیوی) کی کال آئی تو وہ ٹائم دیکھتا اٹھ
کھڑا ہوا۔ اسے سونیا کو شاپنگ پر لے جانا تھا اس لیے
اجازت چاہی۔

”تو اپنی بھانجی سے تو ملادی نہیں یہ بتا کر کب آ رہا
ہے۔“ وہ اس کی شادی پر پاکستان میں آسکا تھا۔ حنو
اسے پارکنگ تک چھوڑنے اس کے ساتھ چل پڑا۔
”بہت دیر کے ہیں آج ذرا معصوف ہوں۔“

”تو بس پھر کل ڈنر تو میری طرف کرے گا۔“ حنو
نے فیصلہ سنایا۔

”جو حکم میرے یار کا ہاں مگر کھانا بھانجی کے ہاتھ کا
ہونا چاہیے۔“ تابعداری کا مظاہرہ کرتے ہوئے طفلہ

پورا کمرانہ کی میں لایا تھا۔ چکر پھیلنے کی دھمک سے
چھین چھین کر آئی سوچ کی کرنیں اندھیرے سے ہر سر
پیکار تھیں۔ جہازی سائز کے بیڈ کے ایک طرف
منک جبکہ دوسری طرف حنو تکیہ دوپٹے محو خواب
تھا۔ حنو نے کسمپاسا کرکٹ بولی تو نیم وا آنکھیں
الارم ہیں کے ریڈیم ڈائل سے ٹکرائیں۔ وہ کھٹکی
باندھ کر دبا پھر کرکٹ کھا کر اٹھ بیٹھا۔

اسے ٹھیک نو بجے آفس پہنچنا تھا اور اس وقت
پولے لو ہو رہے تھے صبح نہڑ کے لیے تو اس کی آنکھ
خود بخود کھل جاتی تھی۔ مگر پھر جو سوتا تو اٹھنا مشکل
ہو جاتا تھا۔

پہلے تو وہ الارم سیٹ کر دیتا تھا۔ مگر جب سے شادی
ہوئی تھی۔ اس کی آنکھ منک کی کھال میں کھٹکتی
چوڑیوں سے کھٹکتی تھی مگر آج کل۔۔۔ حسرت بھری
نگاہ اپنی سوتی ہوئی نصف بستر پر ڈالنا اٹھ کھڑا ہوا اور
بھانگ بھاگ واش روم پہنچا۔ جلدی جلدی شاور لینے
کے بعد ڈرائنگ روم میں آکر جو کھانا کپڑے اور
جوتے نہ ارد۔ شادی سے پہلے وہ اپنے ذاتی کام خود کر لیتا
تھا۔ مگر اب جبکہ مکمل منک پر انحصار کرنے لگا تھا تو
وہ لاپرواہ ہوتی جا رہی تھی۔ یہ تو اب روز کا معمول بن چکا
تھا۔

مجھے کی تیز ہر سر سے نکل کر بیروں کو دوڑی مکمل
کے مقام تک آتے آتے اپنی گری کھو کر جھنجھلاہٹ
میں بدل گئی۔ منک اپنے اپنے عادی بنا کر خواب کتبوں
میں گم ہو کر لاہوا ہو گئی تھی۔ رات دیر تک پڑھتی
رہتی۔ اس لیے صبح آنکھ دیر سے کھلتی تھی۔ اس کے
آنے جانے کا حساب رکھنا بالکل چھوڑ دیا تھا۔ بغیر
ناشتے کے وہ جیسے تیسے تیار ہو کر نیچے پہنچا گاڑی کا
وردان کھولا ہی تھا کہ گھر گھبراہٹ کے بج میں سب سے
زیادہ کھٹے خوب صورت مسخ گلاب پر پڑی جو دور
سے ہی نمایاں تھا۔ کچھ سوچ کر اس نے ہریف کیس

نے شرط بھی عائد کر دی۔

"ویسے بھائی کو کھانا بھانا تو آتا ہے نا؟"

"ارے ایسا رسیا جو ایک بار کھائے آئندہ کھانے سے توبہ کر لیتا ہے۔"

"واقعی۔۔۔" طلحہ گھبرا گیا۔ جبکہ حمزہ قہقہہ مار کر ہنس پڑا۔

"ارے پار گھبراہٹ مذاق کر رہا تھا۔ منک اگرچہ کم پکائی ہے مگر اچھا کالٹی ہے۔"

"ہوں۔۔۔ میں بھی کموں تیری تو نہ کیوں نکل آئی ہے۔"

"اوہ ہنس کے پیٹ میں مکا مار کر شرارت سے بولا۔ حمزہ کی گھبراہٹ گریٹ ہو گئی۔

"لے لے ننگ۔ سب کچھ فٹ تھا۔ سکون کا سانس لیتے ہوئے اس نے مسکراہٹ دیتے طلحہ کو گھورا۔ اگلے ہی پل دونوں کا مشترکہ قہقہہ پارکنگ میں گونج اٹھا۔

گھر آتے ہی اس نے منک کو کل کی دعوت کی اطلاع دی۔ "مما! پلا تو پرسوں ہی ایک ہفتے کے لیے منگ گئے تھے۔ صورتحال سارا انتظام ماما سنبھال لیتیں۔

لے لے عرصے بعد طلحہ سے مل کر وہ مست خوش تھا۔ رات گئے تک اسے اپنی اور طلحہ کی شرارتوں کے تھے

سناتا رہا۔ منک کبھی ہاتھ میں پکڑی "حماتیاتیں" کے ٹکڑوں پر لور کبھی حمزہ کی باتوں پر دل کھول کر ہنسی رہی۔

مگر جب سونے لگی تو شیخ الرحمن کی "حماتیاتیں" لور حمزہ کی "شرارتیں" آپس میں گڈلے ہو چکی تھیں۔

پڑھا سنا اور سنا پڑھا لگ رہا تھا۔



خدا! خدا کر کے میٹنگ ختم ہوئی۔ وہ جس وقت پارکنگ میں پہنچا، سات بج چکے تھے۔ اس پر جنیوا ہسٹ سوار ہونے لگی۔ گاڑی گھر کے کپڑوں میں روکی تو آٹھ بج رہے تھے۔ دیر ہو جانے پر اس کا غصے سے براہل تھا۔ جیسے سے گاڑی کا دروازہ بند کر کے لیے لیے سانس لے کر خود کو مارل کرنے لگا۔ اگرچہ وہ بہت نرم مزاج تھا۔ اسے غصہ دیر سے آتا تھا مگر جب آتا تو بے حد شدید آتا تھا۔

پورے گھر میں سناٹے کا راج تھا۔ کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ آج یہاں دعوت ہے۔ وہ نیم تاریک لاؤنج کو تعجب سے دیکھتا ہند روم میں چلا آیا۔ یہاں بھی تاریکی تھی۔ منک کیس نظر نہیں آ رہی تھی۔

وہ استے آوازیں دیتا نیچے چلا آیا۔ سیکنڈ آپا بھی دیکھائی نہیں دے رہی تھیں۔ یوں تو وہ سرشام چل جاتی تھیں مگر آج اس نے منک کو انہیں روکنے کی خصوصیت

ہدایت کی تھی۔ وہ کچن میں بھی دیکھ آیا۔ بھائی بھائیں کرسٹے خالی کچن نے اس کا دل غچکرا دیا۔ مہمان کچھ ہی دیر میں آنے والے تھے اور یہاں۔۔۔ غصہ پھر

سے اس کے دل پر سوار ہونے لگا۔

لاہیرری کے بھتیجا اور وائسے سے ملاشیں کی ایسی نکیر دور تک پہنچی تھی۔ آہستہ سے دروازہ کھول کر وہ اندر داخل ہوا۔ سامنے ہی منک لہو کر رہے بے نیاز۔

روزمرہ کے حلیے میں ہاتھ میں کتاب پکڑے اتنی محکم تھی کہ اس کی آنکھ کی خبر بھی نہیں ہوئی۔ غصہ کشمکش کرتے کرتے حمزہ کا چہرہ نماز کی مانند سرخ ہو گیا۔

آنکھوں سے گویا پتھر پڑا پھوٹنے لگی تھیں۔

"منک۔۔۔" اپنی آنکھیں اس نے چہرے پر گاڑ کر تیز لہجے میں لے لیا۔ وہ چونک کر سیدھی ہوئی۔

"ارے حمزہ! آپ کب آئے تھے تو پتا بھی نہیں چلا۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔ حمزہ کی آنکھیں دیکھ کر کچھ

غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

"تمہیں غن کہتوں سے فرصت ملے تو تمہیں بھی کچھ پتا چلا اور یہ تم ابھی تک تیار کیوں نہیں ہو میں

مہمان آتے ہی ہوں گے۔" سخت لہجے میں بات کرنا وہ بالکل اجنبی لگ رہا تھا۔

"کون سے مہمان۔۔۔" باقی الفاظ اس کے منہ میں ہی رہ گئے۔ اسے یاد آیا کل رات ہی تو حمزہ نے طلحہ کی

آہ کا پتا کیا تھا۔ صبح بھی دعوت کی یاد دہانی کروائی تھی۔ مگر وہ

"ویشن کے قید خانے میں" ایسی کھولی کہ کچھ یاد ہی نہیں رہا۔ اس کی آنکھیں فوراً "دل کلاک کی طرف

اٹھ گئیں۔ جہاں سوا آٹھ بج رہے تھے۔ پندرہ منٹ میں مہمان آنے والے تھے۔

"یعنی۔۔۔ یعنی تمہیں یاد ہی نہیں رہا۔" حمزہ کا باغ مگھوم گیا۔

"وہ۔۔۔ وہ حمزہ دراصل میں یہ کتاب پڑھنے میں۔" اس نے غل جھل ہو کر اپنی صفائی پیش کر لی چاہی مگر آج حمزہ کچھ سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"بس۔۔۔" وہ ہاتھ اٹھا کر دھاڑا۔ مک مک سر تپا لرز مٹی۔ اس کے ہاتھ سے جھٹکے سے کتاب کھینچ کر دیوار پر دے ماری جو ڈیکوریشن مرر سے ٹکرا کر زمین پر پڑی ہو گئی۔ شیشہ ٹوٹنے کی آواز میں مک مک کی تیز ہوئی دھڑکنوں کی آواز دب گئی۔

"تم ایک نہایت نکمی، مست الوجود اور پاگل لڑکی ہو۔ تمہاری شادی مجھ سے نہیں ان کتابوں سے ہوگی چاہیے بھی جن کے سوا تمہیں کچھ دکھائی نہیں دیتا۔" اس سے پہلے کہ وہ کچھ زیادہ کہہ جاتا یا کچھ غلط کر جاتا، بشکل خود پر ضبط کرتے ہوئے اس کے لرزے وجود کو کافی پر دھکیل کر لیے لیے ڈگ بھرتا ہوا چلا گیا، چونکہ مک مک جس کی آنکھوں میں بے چینی خیمہ ہو گئی تھی۔ اپنے لرزے وجود کے ساتھ کٹھنی دیر ساکت پڑی رہی۔



حمزہ گلاس میں غائبی ڈالے گھونٹ گھونٹ پیتا ٹیرس کی میز میوں پر آ بیٹھا جیسے جیسے پانی حلق سے اترتا جا رہا تھا اس کا باغ بھی لہٹتا پڑتا جا رہا تھا۔ اب اسے یہ سوچ سوچ کر حشت ہو رہی تھی وہ مطلقہ کو کیا منہ دکھائے گا۔ ان کہاں جائے کیا کرے؟ اتنے شارت ٹوٹس پر تو بازار سے کچھ لانا بھی مشکل تھا۔ گلاس میں موجود بلی ماہی ایک ہی گھونٹ میں حلق سے اتر کر اس نے جھنلا کر گلاس زمین پر دے مارا۔ جھٹکے کی آواز سنائے میں پھل بچا گئی۔

وہ سر پکڑے بیٹھ گیا۔ چونکا تو تب جب سٹل پر مطلقہ کی کل آنے لگی۔ بے اختیار نظر گھڑی کی طرف اٹھ گئی جہاں لونج رہے تھے۔ "فیلو" اس نے مرے مرے ہاتھوں سے کل ریسیو کی۔

"یار حمزہ سو سو سو آج کارپورام تو کینسل سمجھو ہم گھر سے نکل چکے تھے کہ سونیا کے بھائی کے انکسپلانٹ کی خبر ملی ہم اسپتال چلے گئے۔ ابھی بھی وہیں ہیں تو پلینز بنا بھی سے معذرت کر لیتا ہم پھر کسی دن چکر لگائیں گے۔" مطلقہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔ کچھ سننے بغیر جلدی جلدی اپنی بات ختم کر کے فون بند کر دیا۔

حمزہ کو بہت بڑا بوجھ سر سے سرکتا محسوس ہوا۔ طویل سانس خارج کر کے وہ پرسکون ہو گیا مگر اگلے ہی بل خود کو سرزنش کر کے مطلقہ کے سائلے کے لیے دل کی تل میں دعا کرنے لگا۔

وہ لب مک مک کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ جوں ہی غصہ لہٹتا ہوا اسے افسوس ہونے لگا۔ اس نے آج تک مک مک کے ٹھرے کسی محبوبہ کی طرح دھمائے تھے۔ کبھی روایتی شہر کی طرح نہیں کیا تھا اسے اب حیرت ہو رہی تھی یہ مک مک جس پر وہ چاہنے کے بخود قسم نہیں کر پاتا تھا آج اسے تناسب کیسے کہہ گیا۔ "مجھے اسے مٹانا چاہیے۔" اس کی آنکھوں سے لہریز آنکھیں بار بار دھڑک رہی تھیں تو دل نے مشورہ دیا۔

"نہیں۔ غلطی اس کی تھی۔ معافی تو اسے آکر ملنی چاہیے۔" اس کے اندر کا روایتی مواخزائی لیٹا بیدار ہوا۔ اس کے اچھے قدم رک گئے۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بدباہ بیٹھ گیا۔

"میں آج تک مک مک کی ہر غلطی ہر کوتاہی ہر لاپرواہی نظر انداز کرتا آیا ہوں مگر اب نہیں اسے ہر صورت مجھ سے معافی مانگنی ہوگی۔" اس کے اندر چمکی پارید ار ہوئے روایتی موئے فیصلہ سنایا اور دلچ کو بھی اپنا ہمنوا بنالیا۔

دل کو بھی اپنے ساتھ ملانے کی ہلاکھ کو شش کی ہنر دل کے توکلن ہی نہیں تھے۔ جو کچھ سنتا آخر تھک بار کر اس نے دل کو اتار کے گتہ میں قید کر کے ضد کا تالا لگا دیا اور دل بے چارہ رونا مار گیا۔



اور سیکھنے آیا کو ساتھ ملا کر جھٹ پٹ شین دار سی
دعوت کا انتظام بھی کرنا تھا۔

کھانا بلاشبہ بہت لذیذ تھا۔ سب نے خوب دلدی۔
سوائے حمزہ کے سب کچھ دیا ہو گیا تھا۔ جیسا وہ چاہ رہا
تھا۔ پر اس دن نہ ہول نہ آج ہو تھا۔ وہ مضطرب ہو کر
اٹھ بیٹھا۔ مگر جس کی صورت نہیں آ رہا تھا۔

وہ لوہر لوہر دیکھ کر کوئی مصروفیت ڈھونڈنے لگا۔
درو دیوار سے ہوئی اس کی نظریں بند کے عین سامنے
تھی وال پینٹنگ پر روک نہیں۔ یہ پلے نے آج ہی
بھجوا لی تھی۔ خوب صورت گلاب کی پتیوں کے بیچ
پھول کی رسم لکھی تھی۔

اُن کی اپنی دلچسپیوں کو بھلا دیں
دل سے کدورتوں کے قہر نکال دیں
اور نظریں

جو بولی ہیں لفظ فیروں نے
انہیں بھلا دیں
اگر تم پہل نہیں کرتے تو چلو
بہم ہی قدم پر چلوں
کہ محبتوں میں
ان کی بات نہیں چلتی

ایک بار دوبارہ تمہیں یاد پھرنا بارہ غیر ارادی طور پر
اس نظم کو پڑھ کر گیا۔ "محبتوں میں ان کی بات نہیں
چلتی۔" دماغ میں اس جملے کی تکرار نے اسے بے گل
کر دیا۔ "تازہ ہوا میں سانس لینے کے لیے وہ لان کی طرف
چلا آیا۔ مگر ویدور کی میز میزوں پر بیٹھی منک کو دیکھ کر
تھک گیا۔"

حمزہ کی طرف انگریز اس کی پشت تھی مگر وہ بے
خوابی سے اسے دیکھ گیا۔ وہ آہستہ آہستہ رو رہی
تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے آنسوؤں میں شدت آتی
چلی گئی۔ پیچھے کھڑے حمزہ کو اس کا ہر آنسو اپنے دل پر
گر آ محسوس ہو رہا تھا۔

حمزہ چپکے سے اس کے قریب آ بیٹھا۔ یوں اچانک اسے
ساتھ دیکھ کر وہ سہم گئی۔ کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا

وہ سر ہاتھوں میں پکڑے بیٹھا تھا۔
"آپ کا سر بالکل ٹکے پر مشتمل دیکھ کر وہ مضطرب
ہو گئی۔ مگر حمزہ خلی خلی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔
پلے کی طرح اس کا خیال رکھنے لگی تھی۔ اس کے لیے
فکر مند ہوئی منک کے سارے انداز و اطوار پر اسے
جیسے ہو گئے تھے۔ جیسے وہ چاہتا تھا۔"

اس رات کے بعد اس نے منک کی آنکھوں میں
آنسو نہیں دیکھے تھے اور نہ ہی ہاتھ میں کتاب۔
اگلی صبح وہ ایک دم پہلے والی منک بن کر اس کے
سامنے تکی تھی۔ منک اس کا پہلے سے بوجھ کر خیال
رکھتی تھی۔ مگر کیا کہہ دے کہ اس کا دل مطمئن ہی
نہیں ہو رہا تھا۔ اسے اس کا ہر انداز پسینہ لگتا تھا۔ منک
کی محبت سے لبریز دل اس سے معافی مانگنا چاہتا تھا۔ جبکہ
پاسی انا منک سے معافی مانگنا چاہتی تھی۔ محبت اور
ان کی جنگ نے اسے بے حال کر رکھا تھا۔

"تپ کی جائے ٹھنڈی ہو گئی ہے لورڈاؤں؟"
"ضرورت نہیں۔" دانستہ اس کی طرف دیکھنے
سے گریز کرتا۔ وہ بے رخی سے کہہ کر واش دوم کی
طرف بڑھ گیا۔
"میری خطا اتنی بڑی تو نہیں حمزہ کہ آپ معاف بھی
نہ کر سکیں۔" وہ غمزدہ اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔



حمزہ طویل مناس خالص کرنا بیڑہ دروازہ دیا۔
بہت تھکا ہوا تھا۔ چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی۔
بیانا تھا ابھی کچھ دیر میں منک بن کے چائے کی پیالی
مناسے حاضر ہوگی۔

آج جب وہ سارا دن مناسٹ پر گزار کر تھکا ہوا مگر
واپس آیا تو ایک سربراہ اس کا منظر تھا۔ طلحہ اپنی سسر
کے ہمراہ آیا ہوا تھا۔ اسے چند دنوں تک واپس لینڈا
بیانا تھا۔ حمزہ سے تو تقریباً روزی باہر ملاقات ہو جاتی
تھی۔ پر آج وہ لورڈ سونیا بطور خاص منک سے ملنے آئے
تھے۔

منک نے انہیں بہت اصرار سے ڈنر پر روک لیا تھا

شہادت سے اس کی ناک کی پختک دہائی جب بھی اس پر ہار آتا تھا۔ وہ ایسا ہی کرتا تھا۔

”حنزو! میں بھی جان گئی ہوں، مہمانہ مدوی بہترین چل ہے ہر شوق اعتدال میں اچھا لگتا ہے۔ آئندہ کبھی میں آپ کو شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔“ اس کی گلیوں میں پور پور بھینکتی مسک نے اعتراف کیا۔ ”محبوبوں میں انا کی بات نہیں چلتی میں بھی سمجھ گیا ہوں۔“ حنزو نے بھی تسلیم کیا اور مسکراتی نظر مسک پر ڈال کر گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔ جہاں خوب صورت زندگی ان کی جھپک رہی تھی۔

تھوڑی سی تکلیف اٹھا کر دونوں نے وہ سبق سیکھ لیے تھے جو زندگی کا سطر سل بنانے کے لیے ضروری تھے۔ اپنی اپنی جگہ دونوں ہی سرشار تھے۔



خواتین ڈائجسٹ

ایک ماہ کی سیریاں، ناول، کہانیوں کا مجموعہ



دیکھ کر زندگی

قیمت 300/- روپے

مکتبہ شریف

مکتبہ مدران ڈائجسٹ: 37 - دروازہ انارکلی - ٹول فرم 32739021

شاید سواری گھر حنزو نے لٹی میں سر ہلاتے ہوئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا اور دوسرے ہاتھ سے نرمی سے اس کے آنسو جھینے لگا۔

اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیسے مسک کو منائے۔ آؤ میرے سامھی ذرا سڑکوں پر ٹھہر لیں سواری تو ہے بے شک مگر انکار نہ کرنا سواری سے ہولے ہولے ٹھہرتی مسک کو اپنی مثال اوڑھاتے ہوئے اس نے بے ساختہ شعر رچھا۔

اس کی اس اچانک کلیا پات پر مسک انگشت بدندان روٹھ گئی۔ مسک بھری کی روش پر ٹھہرتے ہوئے خاموشی ان کے ساتھ ساتھ تھی۔ ٹیٹ ٹک پانچ کر حنزو کو خیال آیا وہ جہاں اسے لے جاتا چلا رہا تھا۔ ٹھہرتے ٹھہرتے وہاں تک پہنچنے میں کافی دیر ہو جائے گی۔ اسی لیے گاڑی ٹھہر لایا۔ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے مسک جہاں اس کے مزاج کی تبدیلی پر حیران تھی۔ وہاں خوشی بھی بہت زیادہ تھی۔ جیسے بھی کسی حنزو کی ناراضی تو دور ہوئی۔

”لب میں بھی تب کو ناراض نہیں ہونے دیں گی۔“ کن کنکھوں سے چوری چوری اسے دیکھتے اس نے دل کی دل میں عزم کیا۔ اس کی چوری پکڑ کر حنزو کھل کر مسکرایا۔ وہ جھینپ کر کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔

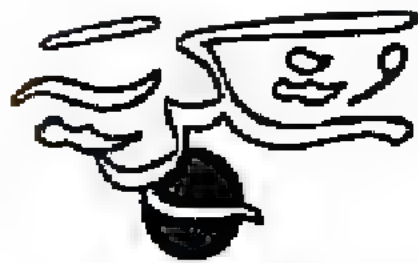
نجانے مسک کو کیا ہوا اس کے کندھے سے سر نکا کر زار و قطار رونے لگی۔ حنزو نے بھی غصے میں روکا کہ وہ اپنا سارا غبار نکال کر لگی پھینکی ہو جائے۔

دیکھو مجھے ڈر لگتا ہے غصے سے تمہارے تم مجھ سے قحط ہو بھی تو اظہار نہ کرنا وہ بھینکی تو از میں ہوئی تو حنزو نے جھٹ کان پکڑ لیے۔ وہ روتے روتے یکدم خنس دی۔

”حنزو یہ سب۔“ اس نے پھینکی سیٹ پر رکھی بہت ساری نئی کتابوں کی طرف اشارہ کر کے مجھے کہنا چاہا مگر حنزو نے روک دیا۔

”میری مسک کتابوں کے بغیر اور سواری ہے اور میں اپنی مسک کو قطعاً“ اور حنزو نہیں دیکھ سکتا۔“ پیار بھری غمری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے حنزو نے انگشت

عقیدہ مجیدک



غیب کھول دے۔ کوثر نے دھڑکتے دل سے اپنے رب کو پکارا اور مہمالوں کے پاس جا کر بیٹھنا مناسب سمجھا اور حنا کو جلد شکر یہ کو لے آنے کی ہدایت دے کر چلی گئیں۔

شکر یہ کے غیب پر نہ جانے ایسا کون سا تین رنگ دکھاتا جس کی چلائی ابھی تک نہیں مل رہی تھی۔ شکر یہ کی دو تھوٹی بچھیں نورین اور حرا کے رشتے اچانک آگئے اور اللہ کے کرم سے وہ اپنے گھر کی ہو گئیں۔ بس شکر یہ نہ جانے کیوں پیچھے رہ گئی۔ جب کہ وہ اپنے گھر کی سب سے باری بچی تھی۔ شکر یہ کا اصل نام نورین تھا مگر حور سے "شکر یہ" کا نام اس کے اچھے کاموں سے پڑ گیا۔ گھر کے ہر فرد کا کلمہ دلہوں پر مسکراہٹ بکھیرتے گزرتی۔ اگر بھائی کی کوئی چیز کم ہوتی ہے تو اس بچہ مندوں میں بڑھو دیتی۔ بسن کی لیس پر اس کی پسند کے مطابق کڑھائی کر دیتی۔ ماں کے ہر حکم پر سر جھٹکالیا۔ یہاں تک کہ محلے میں کسی پڑوسن کو پیسہ مل گیا ضرورت پڑتی تو شکر یہ اپنی جیب خرچ سے اس کی مدد کر دیتی۔ اس کے اچھے کام کرنے پر ہر کوئی اس کو شکر یہ شکر یہ ہی کہتا تو شکر یہ جیسا لفظ اس کی ذات سے چپک سا گیا اور اس کا اصل نام کھو گیا مگر شکر یہ کے سارے اچھے کام رفت کے ساتھ ساتھ دھندلے ہونے لگے۔ جب اس کے بھائیوں اور بہنوں کی شلوایاں ہو گئیں پھر شکر یہ کاں جو ان سب کے لیے غیر ضروری سا ہو گیا۔ اس کی وجہ سے وہ وقت پر اپنے گھر سے رخصت نہ ہو سکی۔ ہر کوئی شکر یہ کو نصب حنی کر تا اپنی اسکرین پر توجہ دے۔ ترج کل بن لڑکیوں کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے جن کی اسکرین اچھی اور فریش ہو یا پھر

"شکر یہ بچی! اتنا اب تک تیار نہیں ہوئیں۔ وہ آگ کلن دیر سے آکر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مزید ان کو انتظار کرنا اچھا نہیں لگتا۔" کوثر نے کمرے میں آکر فکر مندی سے اپنی بچی کو جتا یا۔

وہ لپ اسٹک کے کئی شیڈ باری باری اپنے ہونٹوں پر اتار دیتی تھی اور لب اس کے ہونٹوں پر عجیب نما سا سرخ رنگ ظاہر ہونے لگا جیسے اس نے کسی کا تازہ خون پی کر اچھل دیا ہو۔ وہاں کی اچانک آمد پر گھر ہی گئی اور دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ چھپا کر ہاتھ روہ کی طرف لپکی۔ کوثر اپنی بچی کی حرکت پر پریشان سی ہو گئیں۔

"آفسیہ لڑکی بھی نہ!۔"

وہ ہاتھ روہ میں تیزی سے اپنے ہونٹوں کو پالتا ہے دگر نے لگی۔ جیسے سچ میں اس نے کوئی انسانی خون پیا ہو اور وہ یہ راز چھپا رہی ہو۔ لپ اسٹک کے سرخ جیسے صاف کرتے ہوئے اس نے اپنے چہرے کا بطور جائزہ لیا کہ کیا وہ بد صورت ہے یا پھر ان تمام رشتہ دیکھنے والوں کی نظریں کمزور تھیں۔ جنہیں وہ پسند نہ آسکی۔ آئینے سے ترویج کر دی۔ وہ ہر لحاظ سے ایک خوش شکل خوش مزاج لڑکی تھی۔ پھر کی کہاں وہ گئی؟ اس نے سوچتے سوچتے آئینے سے پوچھا جہاں سے جواب آتا نا ممکن تھا۔

"شکر یہ۔ جلدی باہر تو یا پھر میں اندر آؤں۔"

کوثر نے لب کی بار غفلت سے کہا۔

"جی۔ جی۔ بس وہ منشد۔" اس نے کانپتے ہونٹوں سے جواب دیا۔ ماں کی آواز پر وہ سسم سی گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"اللہ۔ اس دفعہ میری مدد کرنا۔ میری بچی کا



کپڑے ملاؤں پہنوں لکش فر فر لو لویا پھر معصوم بن کر
رشتہ دیکھنے والوں کا چنگل بھا کر دل جیت لو وہ سب کی
باتوں پر سر ملا دیتی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ وہ اب
خود بھی شادی سے لاپرواہی ہو گئی تھی۔ اس کا دل
شادی کے لیے بچہ سا گیا۔

پھر شکرہ اپنے ہر آنے والے رشتے پر خود ہی انکار
کرنے لگی۔ کوثر بیٹی کی حالت پر پریشان رہنے لگیں۔
شکرہ کو بہتری نصیب نہیں کرتی رہتیں مگر اس پر کوئی
اثر نہ ہوا۔ اثر ہوا تو اس کی وجہ اس کی چھوٹی بہن حنا
تھی۔

وہ رات اس کی آنسوؤں میں گزری۔ وہ سو رہی تھی
جب اسے اچانک اپنے کمرے میں آہٹ سنائی دی
اس کی چھوٹی بہن حنا اس کا زیور نکال کر برس میں
ڈال رہی تھی۔ شکرہ کے توجہ سے ہاتھ پاؤں کھنڈے

ہو گئے اس نے لائٹ تن کر دی۔ حنا یوں اچانک بہن
کو سامنے دیکھ کھراسی گئی۔ شکرہ نے زور کا طمانچہ
لے دے مارا وہ زمین پر جا گری اور پھوٹ پھوٹ کر
رولنے لگی۔ اس کا بیگ زمین پر گر گیا۔ زیور اور نقدی
— جو اس نے اپنی ماں کی الماری سے نکالا تھا وہ بھی
شکرہ کی آنکھوں کے سامنے تھا۔

"تپ۔ تپ کیا کر رہی تھیں حنا؟" شکرہ نے زمین
پر موجود چیزوں کو دیکھتے حیرانی سے پوچھا۔
"تپ سب تپ کی وجہ سے ہوا ہے۔" وہ بولتے
روتے ٹھسے سے بولے۔

"بھری وجہ سے؟" شکرہ کو اس کی بات پر جھٹکا سا
لگا۔

"ہی۔ تپ کی وجہ سے۔ تپ نے تو شادی نہ
کرنے کی ضد لگا رکھی ہے۔ مگر اس میں میرا کیا قصور
ہے جو جو اوکے کلی بار رشتہ بھیجے پر بھی ہمیں انتظار
کرنے کے لیے کہہ دیا جاتا ہے۔ ہی۔ اب اسے
بھائیوں کو صرف تپ کی زندگی کی فکر کھاتے جارہی
ہے۔ میری کسی کو کوئی فکر نہیں ہے۔ تپ نے
میرے لیے کوئی راستہ نہیں چھوڑا ہے۔" حنا نے رو

د کر اپنے دل کے اندر دلی باتیں اس کے منہ پر دے
دیں۔

چپ چاپ اپنے بستر پر جا بیٹھی۔ شاید اس نے
اپنا قصور مان لیا تھا۔ اسے اپنی چھوٹی بہن حنا کا سوچنا

چاہیے تھا۔ مگر ابھی بھی درخس ہوئی تھی۔ اس لیے اگلی صبح ہی اس نے ماں کو کہا کہ وہ شادی کے لیے تیار ہے۔

نورین اور حرا نے تو یہاں تک اسے کہہ دیا۔ کہ اب اسے کسی سے بھی آنکھیں بند کر کے شادی کر لینی چاہیے۔ جیسے شادی نہ ہو۔ قہقہے ہونے لگی ہو۔ وہ دن رات اللہ سے مہر کی دعا مانگنے لگی۔ آخر یہ نصیب۔ آسمان پر جوڑے۔ یہ سب دھونگ جب یا پھر حقیقت آئے۔ کیا وہ بھی دہسن کے روپ میں ہر لڑکی کی طرح اپنے گھر سے رخصت ہوگی۔ یا پھر اس کا جنازہ ہی اٹھایا جائے گا۔ وہ اللہ سے سوال

پوچھتی "آنسو اس کے چہرے کو بھگوتے رہتے اور پھر اپنے نصیب پر رو لینے کے بعد جو سکون کی خیند اسے ملتی۔ اس کے اچھے دنوں میں بھی اسے نصیب نہیں ہوا تھا۔

رشتہ دیکھنے والے آتے اور پھر یوں جلتے۔ جیسے وہ بھی شکر یہ کہ گھر نہیں گئے۔ رشتے والی ماں بھی پریشان سی ہو گئی کہ کسی نے تعویذ کر کے شکر یہ کے لیے رشتے تو نہیں روک دیے۔ کوثر بیٹی کے نصیب پر ہچکچاہٹ کر رہی رہتیں مگر حنا کا رویہ بالکل نہیں بدلا اس کا صرف ایک مقصد تھا کہ شکر یہ جلد از جلد اس گھر سے ہٹ جائے اس دن وہ سالن بنانے کے بعد ماں کے کمرے تک پہنچی تھی۔ جب کوثر کی آواز پر اس کے قدم ہلکے گئے۔

"پدینہ۔ یہ کس لیے ہیں ماں سے بات کر رہی ہو؟ کوثر نے غصے سے حنا کو دیکھا جو اپنی ماں سے اپنی شادی کی بات کرتے آئی تھی۔

"شادی میرا حق ہے اور مجھے جواد سے ہی شادی کرنی ہے۔ اگر آپ نے میری شادی نہیں کی۔ تو میں لڑکی بھی ایشلی قد ماٹھالیوں کی۔"

کوثر نے حنا کی جرات پر اسے زور کے طعنے مارے۔ "جیسے میری۔ اپنے لہا کی عزت کا خیال نہیں آیا۔ کم غریب۔ بھائیوں، بہنوں کی محبت بھول

گئی۔ جو ایسا کہہ رہی ہے۔" کوثر نے روتے روتے اسے جھنجھوڑا۔ جس پر جواد کی محبت کا ایسا بھوت چڑھا ہوا تھا کہ وہ اپنی ماں کا رعب بھی بھول گئی۔

"آپ سب کو میری فکر ہے۔ آپ لوگوں کو آپ کی زندگی کی فکر ہے۔ اس کا دل نہ ٹوٹ جائے۔ اگر میری بھی شادی ہو گئی تو نورین اور حرا کے وقت تو کسی نے بھی کیا کا نہ سوچا۔ پھر میری دلہہ کیوں۔ میری بھی شادی کر دیں۔ اب انہیں کوئی پسند نہیں کر دے۔ کیا یہ سچ نہیں۔ آپ نہیں چاہتیں کہ جلد از جلد ماں کا بوجھ آپ کے اور آپ کے بیٹوں کے کندھوں سے اتر جائے۔ حنا کی تو آواز بڑھنے لگی۔ شاید اسے بھی دکھ تھا کہ کیوں شکر یہ کا نصیب ان سب میں ایسا تھا۔

کوثر بھی خاموش ہو گئیں۔ شکر یہ کے بھی آنسو بہنے لگے۔ کاش اس کی ماں ایک بار تو کہہ جاتی۔ کہ "وہ بوجھ نہیں۔ وہ ماں کی سب سے پیاری بیٹی ہے۔" مگر اس کے کان ترستے نہ گئے۔

حنانے اپنی شادی کے حوالے سے مدھمک دینا ڈاں کہ اگر اس سہلی کے آخر تک اس کی جواد سے شادی نہ ہوئی تو وہ کچھ بھی کر کرے گی۔ اس مادے شکر یہ نے فیصلہ کر لیا کہ وہ ماں اور بھائیوں سے خود بات کر کے بہت جلد حنا کو رخصت کر دے گی۔

شکر یہ نے حنا کو کئی بار مطمئن کیا مگر حنا کا رویہ بدل نہ سکا۔ شکر یہ اس کی محبت کا وہ پتھر تھا جسے پھلانے کے لیے اگر تیز زب کا استعمال بھی اسے کرنا پڑتا تو وہ پیچھے نہ ہوتی۔ محبت چیز ہی ایسی ہے جو اپنوں کو ہرا دیتی ہے۔ حنا اس کی وہ بہن تھی جو اس پر اپنی جان تک لٹانے سے گریز نہیں کرتی تھی۔ آج وہی بہن اس کے مرنے کی دعا نہیں مانگتی نظر آتی۔ شکر یہ کے پاس اپنا کوئی نہیں بچا تھا۔ اس کا کہی تھا۔ تو صرف اللہ تھا۔

اللہ جس کو وہ اپنی ہر تکلیف پر پکارتی۔ تو وہ اسے لہا کی صورت میں سکون لواز دیتا۔

وہ حنا کے کئی بار تواروہنے پر بھی واٹش روم سے باہر نہ نکلی سکی۔ اسے ار تھا کہ آج پھر لوگ اس کا دل توڑ جائیں گے۔

اس نے حنا کے لیے فیصلہ کر لیا تھا مگر وہ اپنے فیصلے پر قائم نہ رہ سکی۔ اس کے اندر کا وہ اس پر حاوی ہو گیا تھا۔ وہ واٹش روم لاک کر کے روتے روتے اللہ کو پکارنے لگی کہ معاشرے نے اسے کیسے بوجھ سمجھ لیا۔ حتیٰ کہ اس کے والدین۔ اس کی پیاری بہنیں۔ بھائی اس کے نہ رہے۔ ظلم تھا اس کے ساتھ۔ اور اس ظلم کا احتجاج وہ اللہ کے سوا کسی اور سے کر بھی نہیں سکتی تھی۔ وہ بستر پر تنک واٹش روم میں مدنی رہی۔ اور حنا روزانہ ملتی باکھن ہو کر رہ گئی۔

رات کا وقت تھا۔ بستر پر لیٹی اپنی حرکت پر شرمندہ تھی کہ حنا سے اس کے پاس آئی۔
"تاپ۔ یہ۔۔۔ تب نے اچھا نہیں کیا۔۔۔ وہ لوگ سرے سرے آپ کو دیکھنے کے لیے آئے تھے اور تب نے ان کی بے عزتی کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ آخر تب نے خود کو کیوں واٹش روم میں لاک کر لیا جبکہ آپ نے شاوی کا فیصلہ کر لیا تھا۔" حنا نے لفظ چبا چبا کر وہ پوچھی وہ خاموش نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔ سچ میں اپنی اس حرکت پر وہ خود بھی بہت حیران تھی کہ وہ کیوں اب لوگوں سے ڈرنے لگی ہے۔

حنا بس کی خاموشی پر تب کی گئی اور۔ سچ کر بولی۔
"مجھے یقین ہو گیا ہے کہ تب مجھے خوش رکھنا چاہتی ہیں چاہیں آپ مجھ سے اور میری محبت سے جھلس ہیں۔ اس لیے مجھ سے بس یہ الزام لگایا۔
"نہیں۔۔۔ نہیں حنا ایسا کچھ نہیں۔ میں کہیں تمہیں خوش نہیں دیکھنا چاہتی۔ میں تو اس بات پر مطمئن ہوں کہ جو لو جیسا اچھا ہو گا تمہارا شکریہ ہے میں خود تمہاری شاوی کے لیے ابا اور بھائیوں سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔"

"بس آپ! رہنے دیں۔ اپنے جھوٹے

وعدے تب آپ کے پاس ایک اچھا موقع تو آیا تھا۔ پھر کیوں واٹش روم میں بیٹھی رہ گئیں۔ حنا نے ٹیکس نظروں سے وجہ جاننے کی کوشش کی۔

"نہیں۔۔۔ میں۔۔۔ خود نہیں جانتی۔ کسے کہ اس سے بات مکمل نہ ہو سکی۔ اس کے چہرے کا رنگ پیلا رہ گیا کہ کہیں اس کی چھوٹی بہن نہ جان لے کہ باہر لوگوں کے اٹکار کرنے پر اس۔۔۔ کھل میں ڈر بیٹھ گیا کہیں وہ ایک بار پھر زندہ حنا کی جائے۔

"آپ! کہیں آپ کسی سے محبت تو نہیں کرتیں۔ یا پھر آپ کو محبت میں دھوکا ملا ہے۔" حنا نے سوچتے سوچتے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
"نہیں۔۔۔ ایسا کچھ نہیں۔" وہ گھبراہٹ سے کہتی۔ اس کی آنکھوں میں نمی تھمے لگی۔

"ایسا نہیں ہے۔ تو پھر۔۔۔ آنسو کس بات پر؟ حنا نے مزید اسے تکلیف دینے سے بچنے کی کوشش کی۔

"آنسو اس لیے کہ مجھ سے سات سال چھوٹی میری بہن میں وہ تمیز نہ رہی جو برسوں پہلے اس میں موجود تھی۔"

حنا کا چہرہ لال ہو گیا۔ بس کے آنسوؤں پر وہ جب کر کے کمرے سے باہر نکل گئی اور کئی گھنٹوں تک سوچتی رہ گئی کہ قصور ج میں شکریہ کا نہیں۔ قصور صرف اس کی قسمت کا ہے۔ جو وہ ملعون کے لیے رہ گئی ہے۔

ایک ہفتہ گزرا تھا کہ وہ لوگ پھر ان کے گھر آئے۔ اب کی بار وہ شکریہ کو دیکھنے کے لیے نہیں۔ بلکہ تمکینی کی رسم کرنے آئے تھے۔ کوڑے پاؤں زمین پر نہیں ٹک رہے تھے کہ یہ کیسا معجزہ ہو گیا کہ اتنے اچھے گھر لانے سے حور یہ کے لیے عزت سے رشتہ اٹھ گیا ہے۔

وہ خود یہ سن کر حیران تھی کہ ان لوگوں نے اس دن کی حرکت کے باوجود رشتہ جوڑنا چاہا۔ حنا کا رویہ۔

کدوائی تھیں۔ تمہیں یاد ہو گا۔ تم نے اپنی کپڑی کسی کو ضرورت پڑنے پر دے دی تھی۔ وہ میں ہوں۔
 حوریہ! اس دن اگر تم میری مدد نہ کرتی۔ تو شاید میری زندگی کا کوئی مقصد پورا نہ ہوتا اور نہ ہی میں لندن جا کر اپنے فائدہ مول پر کھڑا ہوتا۔ یہ ساری دولت تمہاری اس پھلتی سی مدد کی وجہ سے میرے پاس آئی۔ میں نے خالصہ بتول سے تمہاری بہت تعریفیں سنی تھیں۔ میرا دل چاہنے لگا کہ میں تمہیں دیکھوں۔ تم سے بات کر دوں۔ اور تمہیں سوچتے سوچتے کب مجھے تم سے محبت ہو گئی۔ میں نہیں جانتا۔ خالصہ بتول اللہ کو پاری ہو گئیں۔ پھر رحیم کے دلچسپی میں نے تمہارا حال دریافت کیا۔ اور یوں اللہ کے کرم سے تم میرے سامنے پیش ہو۔

فرید نے پھر — اپنے کوٹ کی جیب سے ایک سفید پھول نکال لیا اور پیار سے دیتے ہوئے اپنی محبت کا اعتراف کیا۔

”حوریہ! میں نے تمہیں بہت چاہا ہے اور اللہ سے یہ دعا کرتا ہوں کہ تمہیں کبھی مجھ سے کوئی شکایت نہ ہو۔“

اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ شکر یہ کہ اللہ نے اتنا پیار خفہ دے دیا تھا کہ شاید ہی اس کو کوئی شکوکہ کرتی۔ اس کے ہونٹوں پر یہ سوچ کر مسکراہٹ بکھر گئی کہ اس کا اللہ چاہتا ہے کہ شکر یہ صرف اپنے اللہ کا شکر ادا کرتی رہے جیسا کہ فرید کا ہاتھ تھامتے ہوئے۔
 اللہ کا شکر لیا کر رہی تھی کہ اس کی اندھیری راتوں کو روشن کرنے کا جو تحفہ اس نے دے دیا ہے۔ وہ اسے جان سے پیارا ہے۔ اور پیارا ہی رہے گا۔



بھی بدل گیا۔ اور وہ شکر یہ کے ساتھ شاپنگ میں مصروف ہو گئی۔ شکر یہ کو یہ سب خواب جیسا لگ رہا تھا۔ اس کا دل اندر سے اور تازہ کہیں کوئی اس سے یہ لمحہ دھین نہ لے۔ اور ایک لمحہ کے بعد شکر یہ ولسن کے روپ میں فرید کی زندگی میں شامل ہو گئی۔

شادی کی پہلی رات وہ فرید کا انتظار بے صبری سے کر رہی تھی۔ وہ اس فرشتے کو دیکھنا چاہتی تھی کہ جس نے اسے اپنی زندگی میں شامل کر لیا تھا شادی پر سب اسے سمجھا رہے تھے۔ کہ فرید ایسا نیک شریف لڑکا قسمت سے ملتا ہے۔ اسے ہمیشہ فرید کا خیال رکھنا ہو گا۔ اس نے دل میں سوچ لیا تھا کہ وہ کبھی بھی فرید کا دل نہیں دکھائے گی۔ وہ شاعر وادی بن کر ہمیشہ اس کی خدمت کرے گی۔

اچانک دروازے پر آہٹ ہوئی۔ اس نے جھٹ سے اپنی نظریں جھکا لیں۔ فرید شکر یہ کو دیکھتے ہوئے اس کے پاس بیڈ پر آ بیٹھا۔

شکر یہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا ہے مگر زبان ساتھ نہیں دے پاری تھی۔ اس سے پہلے شکر یہ ہمت کر لی۔ فرید نے ایک تپتی آنکھیں اس کی انگلی میں پسادی۔ اور ہمارا ہوتا ہی چلا گیا۔

”حوریہ! تمہارا بہت شکر یہ جو تم نے میرے رشتے کو قبول کر لیا۔ جب میرے گھر والوں کو تم نے انکار کر دیا تو میں سوچنے لگا کہ میں تمہیں کیسے بتاؤں کہ پچھلے پانچ سال سے میں تمہارے حقیقی سوچ رہا تھا۔ تم جانتا چاہتی ہو۔ کہ میں تمہیں کیوں سوچتا تھا۔ تمہیں خالصہ بتول یاد ہوں گی۔ جو تمہارے محلے میں پہلے رہتی تھیں۔“ فرید نے پیار سے اس سے پوچھا۔
 ”خالصہ بتول۔۔۔ جی۔۔۔ جی۔ خالصہ بتول۔“ اس نے یک دم سوچتے جو لب دیا۔ اور فرید کو حیرانی سے دیکھنے لگی۔

”خالصہ بتول میرے دوست رحیم کی امی ہیں۔ جو اس وقت کیٹیاں ڈال کر اپنی لور لاسوں کی بچت

نبی اللہ ﷺ

تعلیق

مادرِ مرتضیٰ بیگم کی اگلی بیٹی ہے۔ فاروق کے ساتھ یونیورسٹی میں پڑھتی ہے۔ خانیہ بیگم اس کا اپنی سہیلیوں سے زیادہ ملنا جلتا پسند نہیں کرتیں۔ اس کے علاوہ بھی اس پر بہت ساری بدچالیاں لگاتی ہیں جبکہ مادرِ خود اعتماد اور ان کی لڑکی ہے۔ خانیہ بیگم اکثر اس سے ناراض رہتی ہیں۔ البتہ ابھی اس کی عمر تین سال ہے۔

فاروق اپنی شہینہ خانیہ کے بیٹے تفاق یرمائی سے منسوب ہے۔ دو سال پہلے یہ نسبت آفاق کی پسند سے بھرائی گئی تھی مگر اب وہ فاروق سے قطعی لا تعلق ہے۔ فاروق کی والدہ منورہ نسیم اپنی بہن شہینہ یرمائی سے ملنے کراچی جاتی ہیں۔ تفاق ان سے ایسے پورٹ لینے نہیں جاتا۔ مجبوراً ”مہاشا کو جانا پڑتا ہے۔ وہ تفاق کی بدتمیزی پر فخر کر رہی ہیں۔

منورہ شہینہ لور نیو کے بھائی رضا حیدر کے دوست ہیں۔ تیمور حیدر لور عزت حیدر۔ تیمور حیدر بزرگس میں ہے اور بہت حد شان دار برساتانی کا مالک ہے۔ ولیدہ ضمن اس کا بیسٹ فرینڈ ہے۔ اس سے حیثیت میں کم ہے مگر دونوں کے درمیان اسٹینس جائل نہیں ہے۔ نیو کے بیٹے سے فاروق کی بہن منہ پائی ہوئی ہے۔

عزت اپنی آنکھوں سے یونیورسٹی میں ہم رحما کا ہونے دیکھ کر اپنے حواس گھوٹی ہے۔ ولیدہ اسے دیکھ کر اس کی جانب پکارتا ہے اور اسے سنبھال کر تیمور کو فون کرتا ہے۔ تیمور اسے اسپتال لے جاتا ہے۔ عزت کے ساتھ یہ حادثاتی ملاقات ولیدہ کو ایک خوشگوار حصار میں باندھ لیتی ہے۔ عزت بھی ولیدہ کے بارے میں سوچنے لگتی ہے اور اسے محبتیں لفظوں میں ولیدہ سے اپنی کیفیت کا اظہار بھی کر دیتی ہے مگر ولیدہ انجان بن جاتا ہے۔

تفاق فون کر کے فاروق سے شادی کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ فاروق مست روئی ہے۔ شہینہ اور اشتیاق یرمائی کو غم ہوتا ہے تو انہیں سخت صدمہ ہوتا ہے۔ شہینہ کی طبیعت بگڑنے لگتی ہے۔



www.paksociety.com

www.paksociety.com



استیاق پردانی تعلق سے مدد رہے تھا ہو کر اس سے بات چیت بند کر دیتے ہیں۔ اتفاقاً مجبور ہو کر شادی پر رضی ہو جاتا ہے سفارہ دل سے خوش نہیں ہوا پاتی۔ عزت تیمور کے مہمانوں سے ولید کا تہنیت کر اسے فون کرتی ہے مگر ولید اس کی خوشامدائی نہیں کرتا۔ رضا حیدر تیمور کو فارہ کی شادی کے سلسلے میں قیصل آباد بھیجتے ہیں۔ فارہ اپنی تاریخ میں ماورا کو بعد اسرارہ کو کرتی ہے۔ ماورا غایت پر حکم کی بارہا رضی کے باوجود عمل جاتی ہے۔ وہاں تیمور اور ماورا کی ملاقات ہو جاتی ہے۔ عزت اپنے دل کی کیفیت ساشا سے بیان کر دیتی ہے۔ ماورا اپنی کل کو بتاتی ہے کہ وہ رضا حیدر کے بیٹے تیمور حیدر سے ملی ہے۔ بالکل دل میں خود رہ جاتی ہیں۔

شادی میں تیمور حیدر ماورا کے قریب تہ کی کافی خوش کرنا ہے مگر ماورا کا سخت نود کھو رہا ہے۔ ہر ماورا سے ناکام کرتا۔ تیمور ماورا سے رضا حیدر کو ملواتا ہے۔ رضا حیدر اسے دیکھ کر چونک جاتے ہیں مگر ماورا خود کو شش کہہ دیتے ہیں۔ فارہ کی ہی شادی میں عزت کی ملاقات پیام مرزا کے بیٹے سولس مرزا سے ہوتی ہے۔ وہ سخت ہزار ہوتی ہے جبکہ سولس خوب دہپس لیتا ہے۔

تفان تو مٹی رات کو غائب ہو جاتا ہے۔ فارہ پریشان ہوتی ہے۔ وہ صبح آکر پتا ہے کہ اس کے دوست کے ساتھ کوئی ایمر جنسی ہو گئی تھی۔ اس نے اس کے آرام کا خیال کرتے ہوئے وہ بغیر ہائے چاہ کیا تھا۔ مگر ماورا اس کی بات پہ یقین نہیں کرتی۔ تیمور فارہ کے ذریعے ماورا کو اپنے آپ میں ایک شاندار بیسکج پر جاب کی پیشکش کرنا ہے جسے ماورا اکل میل حجت کرنے کے بعد قبول کر لیتی ہے۔

۱۳

تیمور بن قریب

"تیمور بن قریب سے عزت۔ مرزا سوا گلبدین اور میں اس کے حق میں بالکل بھی نہیں ہوں۔" ولید نے اپنے تاثرات پر شکل کنٹرول کرتے ہوئے اسے سمجھانے کی بات سنی کی۔

"یعنی کہ تم میرے حق میں نہیں ہو۔؟" عزت اپنے حنون کی حنون خیزی سے شکل ولید بولتا "چپ ہو گیا۔"

"ہاں ولید۔ اتنے میرے حق میں ہوا نہیں ہو۔؟" اس کا حنون منہ زوری کا اظہار تھا۔

"ولید۔ اتنے چپ کیوں ہو۔" وہ چیخ اٹھی۔

"کیونکہ یہ سوال فضول ہے۔" ولید کی مختصر سی چپ لٹی۔

"اچھا۔ پھر بھی تم جواب دہ۔ تم میرے حق میں ہوا نہیں ہو۔" اس کے سوال اور نظموں کا مرکز ولید رحمان کا چہرہ تھا اور سوال کی شدت اور جواب کی طلب میں ہرگز رتے بل کے حساب سے اضافہ ہو رہا تھا۔

"عزت! میں یہ سب نہیں چاہتا۔" ولید نے ہلکا سا طریقہ اختیار کیا۔

"یعنی کہ تم مجھے نہیں چاہتے۔" اس نے اس کی بات سے جواب اخذ کیا جو ولید کو تذبذب میں ڈال گیا۔

"عزت! میں نہیں۔" ولید نے سیدھے سوال کر دی اسے۔ "ولید کے لہجے میں جھنجھلاہٹ کا عنصر تھا۔"

"کیونکہ تم اپنے سیدھے جواب دے رہے ہو۔ جبکہ میں ایک سیدھا سا جواب مانگ رہی ہوں۔ تم میرے

حق میں ہوا نہیں ہو؟ ہاں یا ناں بس ایک جواب۔" عزت کے مزاج میں اس کی پرانی ہنسنہری کارنگ نمودار آئی۔ اور ولید رحمان اپنے مزاج کی موج میں جاتا رہا۔

"نہیں۔ میں تمہارے پاس بن کے حق میں نہیں ہوں۔ ہرگز نہیں۔"

ولید کا سر اٹھی میں ہلا اور عزت کی پوری دنیا ہی اٹھی میں مل گئی۔

اس کے چہرے پہ اک سرسٹھی سلیہ سالار یا اور دل کے اندر اک طوفانی اہل سا اٹھا جسے وہ بڑی مشکل مگر بڑی

ماہنامہ شعلہ اگست 2014

امت سے رہا گئی۔
جنٹن جھاگ کی طرح بیٹھ گیا اور جسم ٹھنڈا بن گیا۔ برک کی ہانڈ
اور زبان منہ میں ایسے ساکت ہو گئی تھی جیسے بے جان ہو اور وہ اسی۔۔۔ طبعاً اسٹھے اپیل۔۔۔ بخ جسم ایر
ساکت ہوئی زبان کے ساتھ انجائیگ کندھے۔ ڈالتے ہوئے اپنا ننگا ٹھنڈ کھڑی ہوئی اور پوخی اس کے قدم ایک پہل
کے لیے غیر متوازن سے ہوئے مگر اس نے یکدم کر سی کہ پشت پر ہاتھ رکھتے ہوئے کر سی کا سارا لے لیا۔
”عزت۔۔۔! میری بات سنو۔“ ولید اسے پوچھتا ہے دیکھ کر ٹھکانا۔ کیونکہ اسے عزت سے ایسے رد عمل کی
توقع نہیں تھی کہ وہ یوں بغیر کچھ کے اسٹھ کھڑی ہوگی۔۔۔ اور چل رہے گی۔
”عزت۔۔۔!“ جب وہ اس کے پیارے پر بھی نہ رکی تو ولید نے یکدم بے اختیار اس کی کلائی پکڑ لی اور عزت
کے واپسی کے لیے اسٹھے قدم بھی یکدم برداشت کیے۔
”میرا ہاتھ چھو لو۔“ عزت کا لہجہ حدیں کی اجنبیت لیے ہوئے تھا۔ اس نے اضطرابی طور پر ہاتھ پکڑ لیا
تھا، گھبرا کر چھوڑ دیا۔

کبھی لڑکوں کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا، حالانکہ آج تک یونیورسٹی اور کالج میں رہتے ہوئے ہزاروں ہاتھ اس سے ملتی تھیں۔ لے لوہے کی پینڈی کے نام پر آگے بڑھے لیکن اس نے بھی کسی کو لٹ ہی نہیں کرواتا۔ اس چیز کا کوئی ٹولس لیا تھا۔

لیکن اب چنانکہ لیڈر رحمان کی چاہ میں مبتلا ہو کر وہ عزت۔ عزت ہی نہیں رہی۔
خود اپنی ہی نظروں میں گر گئی تھی۔

کیونکہ وہ اس سے محبت اور محبت کے جنون میں اپنے مقام سے بہت نیچے آگئی تھی اور وہ سب اظہار کر ڈالتے جن کے بارے میں وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی۔
لیکن پھر بھی حاصل کیا اور اسے؟ نفی!

اور اب اس نفی کے بعد اس کے دل میں دکھ کے سوا اور کچھ نہیں تھا۔ اور یہی دکھ تمام راستے اسے رلاتے ہوئے گھرا لیا۔ کیونکہ دکھ دینے والا خود لیڈر رحمان تھا، اس کی محبت اور جذبات کی قدر نہیں کر سکا، بلکہ اس نے پرواہی نہیں کی اور یہی چیز عزت کو مار گئی۔

لیکن گھر پہنچے ہی وہ ایک بار پھر فٹکی۔

اور انکے دہم میں مولس مرزا برادران تھا۔

"عزت۔" رضا حیدر اسے دیکھ کر پارے۔

مگر عزت کوئی بھی جواب دے بغیر میزبوں کی طرف بڑھ گئی کیونکہ وہ ایسی حالت اور کیفیت میں ہی نہیں تھی کہ کسی کا اس وقت سامنا کر پائی۔ اس لیے نظروں سے اوجھل رہ کر بھرم ہی دکھ لیا جاتا تو بہتر تھا۔ رضا حیدر نہیں جانتے تھے کہ وہ کس محل میں ہے۔

جبکہ مولس مرزا اس کی آنکھوں کی سرخی ایک نقش میں ہی پہچان گیا۔ جس کو محسوس کر کے اس سے وہاں بیٹھنا

بھی محال ہو گیا اس لیے وہ بہت جلد رضا حیدر سے دعا سلام اور اللہ والی کلمات ادا کرنے کے بعد وہاں سے رخصت ہو گیا۔ مگر عزت حیدر کی بکھری بکھری حالت اس کے ذہن سے محو نہیں ہو سکی۔

شاید اس لیے کہ وہ ایسے تجربات سے بار بار گزر چکا تھا۔ اسی لیے وہ عزت کی ایسی کیفیت اور ایسی حالت کو سینکڑوں میں ہی سمجھ گیا مگر لب اصل وجہ سمجھنا پائی تھی۔!

اور آج صافہ بیگم اور بی بی گل کو لے کر قبرستان تھی۔

اور علی مرتضیٰ کی قبر۔ خاک کے عافیہ بیگم نے اپنے بچوں سالوں کے تمام دکھ ایک ساتھ ہی رو دیے۔ جن کو سمیٹے سمیٹے اور اور بی بی گل کا کان ہو گئی۔

اور پھر وہ ایسی میں بمشکل انہیں اپنے ساتھ لے کر گھر آئی۔

"امی۔۔۔ ایہ ٹیبلٹ کھا لیں۔۔۔ سرور ٹھیک ہو جائے گا۔" ماورائے عشا کی نماز کے بعد انہیں میڈیسن دی اور انہیں بیڈ پر لٹانے کے بعد خود ان کے کمرے کا دروازہ بند کر کے باہر نکل آئی اور تھکے تھکے قدموں سے چلتی پھرتی باؤنڈ کے صوفے پر آ بیٹھی۔

چند لمبے لمبے صوفے کی پشت سے سر نکالنے کے بعد اس نے اک گہری سانس کھینچی اور قریب ہی صوفے پر رکھا بیوت اٹھا کر بی بی گل کو لے کر آیا۔ کوئی ڈرامہ آ رہا تھا۔

اپریل شعلہ اگست 2014 2014

"میں تم سے محبت کرتا ہوں سچ۔! "ہیرو ٹھیک ہلا رہا تھا۔
 "تم مجھے تمہاری محبت کی کوئی ضرورت نہیں ہے سو رہا! "ہیرو ٹھیک کی بے اعتباری اور بے مددگی کی کھل کی تھی۔
 "سچ۔ محبت سے نہ مت بھیسو۔ محبت کی ضرورت تو ہر انسان کو ہے۔ انسان کو ضرور ہے محبت کے بغیر۔
 ہیرو اپنے نانا ہلا کر اٹھا رہا تھا۔

"تمہاری محبت کے بغیر میں اوجھری ہوں تو اوجھری ہی ٹھیک ہوں۔" ہیرو ٹھیک ہلا رہی نہیں رہی تھی۔
 "آخر تم خفا کیوں ہو۔؟ تم اپنے دل کی بات کہو ناں۔ میں تمہاری حیرات مٹانے کو تیار ہوں۔ جو تم کو کسی
 میں دے کر دے گا۔ تمہاری ہر خواہش چاہت پوری کر دیں گا۔ تم ایک بار کہو تو سہی۔"
 وہ بار بار اصرار کر رہا تھا اور بلورالے نا کواری اور جھنجھلاہٹ سے بے اختیار دھمکتے کنٹینر میں پرے ہٹ گیا۔
 "تو نہ محبت۔ نام نہاد محبت۔" وہ منہ ہی منہ میں ہنسنے لگی۔

"اور سب اس کو دھتکار رہی ہو۔ محبت کو؟" لی گلی حشاک نماز سے فاسد ہو کر تسبیح پڑھ رہی تھی اپنے
 کمرے میں جا رہی تھیں جب لی گلی لائونج سے سٹائی رہتی لی گلی کی آواز میں کہہ رہی تھی اوجھری آگئیں گی کیونکہ انہیں
 یقین تھا کہ لی گلی لائونج میں ملواری ہوگی۔

"محبت کو نہیں۔ محبت کے ذرائع کو دھتکار رہی ہوں۔ جو محبت کے نام پر ہر دوسرے آدمی کا مشغلہ بن
 چکا ہے۔" بلورالے لہجے میں آگ عجیب سی چمک رہی تھی۔ بلورالے ہی چمک رہے تھے انداز میں لی گلی کی طرف متوجہ ہوئی۔
 "یہ ذرا سہ تو تم خود بھی کر رہی ہو۔" لی گلی بڑی صاف گوئی سے کہتی پچھل سا بیڑ سے آکر اس کے برابر ہی
 صوفیہ بیٹھ گئیں۔

"آپ سے یہ کس نے کہہ دیا کہ میں۔۔۔ ایسے ذرائع کر رہی ہوں؟" بلورالے لی گلی کی بات سے بہت بری طرح لگی۔
 "کہنے کی کیا ضرورت ہے۔ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہی ہوں۔" لی گلی گلی لی گلی سے کہہ رہی تھیں۔
 "آپ نے نہ کچھ ہی تو نہیں پہلی گلی۔" لی گلی نے اسے کہا کہ آپ کی بلورالے کوئی ذرا سہ نہیں کر لی ہے جو

بھی کر لی ہے۔ صاف سامنے کرتی ہے۔" اس نے ٹھک کے جواب دیا۔

"پھر بھی تیور حیدر تم سے محبت کر رہا ہے؟" اس نے حیرانی ہوئی۔
 "وہ مجھ سے محبت نہیں کر رہا۔ بلکہ اپنے آپ کو دھتکار رہا ہے۔ ایسا دھتکارو آج کل ہر لڑکا لڑکی اپنے
 آپ کو دے رہے ہیں۔ جتنے بھی ہیں کہ اس معاشرے میں محبت کا دور ٹپک رہا ہے۔ پھر بھی محبت۔ محبت
 کی روٹ لگائے پھر رہے ہیں۔ محبت آپ کے ہزار طرح کے چو پھلوں سے ظاہر نہیں ہوتی بلکہ محبت تو انسان کے
 کسی ایک عمل یا کسی ایک کیفیت سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس کے لیے اپنے مقام اپنے مرتبے اور اپنی امانت کے
 تحت سے نیچے آنا اور لفظوں کے ہر پھیر سے انکار کرنا ضروری نہیں ہوتا۔ محبت نے محسوس ہونا ہوتا کسی بھی
 عمل کسی بھی کیفیت اور کسی بھی انکار کے بغیر ہی محسوس ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ شرط لازم ہے کہ محبت سچی ہو۔
 کھوت کا ترکہ نہ ہو۔"

بلورالے ہر چیز کے بارے میں اپنا ہی ایک فلسفہ ہوتا تھا اور لی گلی اس کے اس فلسفے پر ہمیشہ ہی مسکراتی ہی کیونکہ
 کبھی کبھی بلورالے کی باتیں سن کر انہیں بھی لگتا کہ ان کے سامنے بھی ایسی گلی ہی بیٹھی ہے کبھی بڑی معصوم اور
 کبھی بڑی جہاد پرست۔

"دیکھو میرا بچہ۔ تمہاری باتوں سے مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تم تیور حیدر کی محبت کو محسوس کر چکے ہو۔ اور
 محبت کو کبھی بھی محسوس نہ کرنے والا۔ جب اسے اپنے آپ میں محسوس کرنے لگتا ہے تو اسے اسی طرح

لی مغل کا بھی اپنا ہی اک فلسفہ زندگی تھا جس میں ماوراء اکثر ملن کے فلسفے اور ہدایات سے اختلاف کر جاتی۔

لیا گیا ہے۔ ممکنہ حالات اور جذبات سے پہلے ہی آگاہ کر رہی تھیں۔ اور اجمالاً انہیں۔

اور اس کے تفسیر کی محفل اس سے بھی زیادہ مسکرائیں۔

لی گل کا کچھ پتا نہیں چل رہا تھا کہ وہ نعت کے حق میں تو ایسا ہی تھا۔ تیور جیہڑ کے حق میں...؟ ہونسا!

ہندوؤں کی سلطنت کا پڑشاہ ہو یا بہت ہی امیر کبیر آدمی کوئی کسی جھگڑی میں رہنے والا غریب ہو یا دور دور پر گھرے ہو فقیر۔ مرغ، چارے کا بک، برتن اور دیگر چیزیں کے لیے اس کا استعمال ہے۔

یہ جو کسی کا علاج نہیں کرنا چاہتے۔ مگر مرض (مرض) کو منت سماجت بھی کرنا پڑ جاتی ہے۔ جیسے کہ نیور

مقامِ مرتجے اور انا سے بچے کیوں آیا۔؟ یہ کیوں کیا؟ کیوں کیا۔؟ لیکن یہ وہ

ہلک کر پلٹ گئیں۔

”میں نے تمہیں محبت اور نفرت کی اینٹیں سمجھائی ہیں۔ تاکہ تم منجھل جاؤ۔ اور کوئی اور راستہ اختیار کر

پہلے شعلہ اگست 2014 206

"گھر سے راستہ خود اس نے بچھایا ہے میرے سامنے۔" اس کا ہر الزام تیمور حیدر کے سر تھا۔
 "وہ تو پلیس بھی بچھائے گا۔ پھر کیا کرو گی؟" لی گل کا سوال بدستہ تھا۔
 "وہی کرو گی جو میں کرنا چاہتی ہوں۔" اس کا لہجہ اٹل اور دہا تھا۔
 "محبت سے کھیل رہی ہے تو۔ اور محبت سے کھیلنا آگے کھینچنے کے برابر ہے۔" انہوں نے ہلکے سمجھایا

"جانتی ہوں۔! وہی ہشدرہری۔"
 "اللہ بدایت دے تجھے۔ میری تو یہی دعا ہے۔" وہ کہہ کر ہر گل تنیں لہو اور انے تھلا کر قریب پڑا۔ موت
 استہلال فیصے اٹھا کر دوسری گویا۔
 "میں کھیلوں گی اور ضرور کھیلوں گی۔ اور اب تو چوری طرح سے کھیلوں گی۔ تاکہ اسے بھی پتا چلے کہ اس کا
 علاج کون ہے۔"
 وہ فیصے سے ہڑپاتی ہوئی اٹھ کر اپنے بیڈ روم میں آگئی۔!



رات کا ایک بج تھا جب اس کے سیل فون پر اک بے چین سی رنگ بجی۔ لیکن وہ نظریہ اڑکیے لاپرواہی پڑی
 مگر فون کرنے والے نے مستقل مزاجی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بار "دو بار" تین بار "اور پھر کئی بار" سی کل
 کرنے کا سلسلہ جاری رکھا اور اس نے تنگ آکر سیل فون تک کر کے بڑے اچھال دیا۔
 "ہونہ۔! اب نہیں ولید رحمان۔! اب نہیں۔! لا وقت گزر چکا اب۔! عزت نے دلت نہیں کر
 تھلاتے ہوئے کہا اور کوئی تبدیلی کر لی گئی۔

لیکن سیل فون تک کر دینے کے بعد بھی اسے ساری رات یہی احساس ہوتا رہا کہ وہ ساری رات ہی اس کا نمبر
 زانی کر رہا۔ اور اسی احساس کے تحت وہ ٹھیک طرح سے سو بھی نہیں پائی اور صبح چھ بجے ہی اٹھ کر اپنے بیڈ روم

سے باہر نکل گئی۔
 "عزت۔! کہاں جا رہی ہو چٹا؟" رابعہ بیگم نماز پڑھ کے باہر نکلیں تو عزت کو گیٹ کی طرف جانے ہوئے
 دیکھا۔

"جاگنگ کے لیے جا رہی ہوں بہت سستی ہو رہی ہے کچھ دنوں سے۔" اس نے ذرا کی ذرا پلٹ کر جواب دیا
 اور وہ بارہم قدم گیٹ کی طرف بڑھا دیے۔
 "تیمور بھی کچھ دیر پہلے ہی نکلا ہے۔" انہوں نے پیچھے سے آواز دی اور عزت سی ان سنی کرتی گیٹ کو اس کر
 کے روڈ۔ آگئی۔

جاگنگ ایریا ان کے گھر سے زیادہ دور نہیں تھا اس لیے عزت اکثر پیدل ہی اس ایریا تک آجاتی اور یہی حال
 تیمور کا بھی تھا۔ وہ بھی پیدل ہی آتا اور نہ بہت سے لوگ ایسے بھی تھے جو زیادہ دور سے آتے اور اپنی گاڑیوں یا
 بائیک پر آتے تھے اور لڑکیاں تو اکثر سائیکل پر آتیں۔

"عزت۔! وہ جاگنگ ٹریک پہ بھاگتے بھاگتے کالی دور آنکلی نمی جیسا ہے پیچھے سے تیمور کی آواز سنائی دی۔
 اور اس نے بمشکل رک کر پیچھے پلٹ کے دیکھا۔

"جی بھائی۔؟" وہ بھی اتنے میں قریب آچکا تھا۔
 "اتنا آگے کیوں جا رہی ہو۔؟" وہ اپنی میں دیر ہو جائے گی۔؟ "وہ قریب آکر رک
 "میں جتنا بھی آگے چلی جاؤں۔۔۔ مجھے واپسی میں دیر نہیں لگتی۔ فوراً پلٹ آتی ہوں۔" عزت کا لہجہ عجیب
 سا ہو گیا جسے تیمور اپنی سبکدوشی میں سمجھ نہیں سکا۔
 "اچھا۔۔۔ یعنی اگر بہت فاصلہ ہو تو تم۔؟" تیمور مسکرایا۔
 "ہاں۔۔۔ اور فاصلہ لوگ اکثر بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔" وہ بھی جواباً مسکرایا۔
 "صبح صبح تمہاری ایسی عجیب و غریب اور الجھی الجھی باتیں میری سمجھ سے بالآخر ہیں اس لیے پلیز کوئی اچھی
 سی بات کرو اور واپسی کی راہ لو۔" تیمور نے اسے ہلکی سے گھورا۔
 "صبح صبح میری باتیں تو الجھی الجھی سی ہیں لیکن خلاف معمول آپ کا سوڈ بہت فریش نظر آ رہا ہے۔ اس
 فریش نیس کا ریزن۔؟" عزت نے اس کے ساتھ ساتھ واپسی کے لیے قدم بڑھائے۔
 "انسان کی فریش نیس کا ریزن اس کے دل کی خوشی کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟" تیمور بہت ریلیکس اور مطمئن
 نظر آ رہا تھا۔
 "اور آپ کے دل کی خوشی کا نام۔؟" وہ دونوں بس بھائی جانگ رنگ پر بہت آہستہ رفتار سے بھاگ رہے
 تھے۔

"تیمور امر تھیں۔؟" تیمور کو بھلا چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔
 "اور امر تھیں۔۔۔ وہی جو فارہ کی۔" عزت چونکی۔
 "ہاں۔۔۔ ابوی۔۔۔" تیمور نے اس کی مشکل آسان کی۔
 "کوئی بات چلی۔؟" عزت کو تجسس ہوا۔
 "ہاں۔۔۔" تیمور اس کے سوال پر تقصیر کا کرہ نہ کرنا اور عزت اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
 "بہت نیس چلی۔۔۔ وہ فیصل آباد سے چلی اور کراچی آگئی۔" وہ خامسا لطف اندوز ہو رہا تھا۔
 "وائٹ۔۔۔ کراچی۔۔۔ مگر کیسے؟ کب۔؟" عزت کی حیرانی اور تجسس بڑھ گیا۔
 "بس کسی کو قریب لانے کے لیے یا کسی کے قریب جانے کے لیے طر میں ٹکن ہوئی چاہیے۔ فاصلے طر خود

ہی سمٹ جاتے ہیں۔" تیمور کو اپنے کارنامے پر فخر ہو رہا تھا۔
 "لیکن بھائی کیسے۔؟" وہ جانتا چاہتی تھی۔
 "وہ ہماری کمپنی کی ڈیرا انڈیا کی سیٹ پر آئی ہے۔ میں نے اسے آنر کی تھی۔" پالا ستر اس نے بتا دی۔
 "اچھا۔۔۔ اتنی سلسلہ ہے؟ ایسے ہے تو بہت خوب صورت۔ بہت اسٹرائٹ سی لڑکی ہے۔" عزت کو ذرا
 سے ملاقات اچھی طرح یاد تھی۔

"بس ایک چیز تو ہے جو ہمیں لڑی۔" تیمور جانتا تھا کہ وہ کتنی اسٹرائٹ ہے اسی لیے ذرا آدھ بھر کے بولا۔
 "یہ صرف پسندیدگی ہے یا محبت۔؟" عزت نے بھی وہی سوال کیا جس کا سامنا تیمور پہلے بھی کئی بار کر چکا تھا۔
 "بات پسندیدگی سے ہی شروع ہوتی ہے لیکن پھر رفتہ رفتہ یہی پسندیدگی محبت اور طلب کی حدود سے بھی آگے
 نکل جاتی ہے اور میرے جیسے دل کے ہاتھوں مجبور ہو جانے والے لوگ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔" تیمور نے وضاحت
 ہی کچھ اس انداز میں دی تھی کہ عزت ساری پوچھ لپٹ سمجھ گئی۔
 "تیمور۔۔۔ تو یہ معاملہ ہے؟" وہ ذرا پر سوچ سے لہجے میں بولی۔

"وہیے اس کا رپانس کیا ہے آپ کے اس معاملے کے حوالے سے۔؟" عزت کو لید کا خیال آتے ہی باورا کے رپانس کا بھی خیال آگیا۔

"نہ بہت اچھا ہے۔ اور نہ ہی بہت برا۔" تیمور کو لگی لپٹی ہر کھنے کی عادت نہیں تھی۔
 "کیوں۔؟ ایسا کیوں ہے؟ کیا کمی ہے آپ میں؟ اسے تو خوش ہونا چاہیے کہ تیمور حیدر اسے چاہتا ہے۔؟"
 عزت آخر ایک سن بھی فوراً ہی بل میں بھائی کی محبت کا ایل لٹھا تھا۔
 "وہ اتنی عام سی بھی نہیں ہے کہ اس کی ہول سی بات پر ہی خوش ہو جائے۔" تیمور فرمایا۔
 "بھائی۔؟" عزت غلطی سے بول کر اس کی لور تیمور نے مسکراتے ہوئے ذرا ٹھہر کر عزت کے کندھے کے گرد ہاتھ لگا دیا۔
 "اگر وہ اتنی عام سی بھی نہیں ہے تو اس کی ہول سی بات پر ہی خوش ہو جائے گا۔" تیمور نے اس کی لور میں سے لے لی۔
 "پس جاب کر رہی ہے میری دسترس میں اور میری نظروں کے سامنے ہے۔ وہ نہ بھول جائے گی کہ میں کتنی بے سکوئی بھی میرا بس نہیں چلا تھا کہ میں کیا کروں۔؟ مگر اب۔۔۔ اب سب کچھ ٹھیک ہے۔ رفتہ رفتہ سب میٹ ہو جائے گا۔"

تیمور نے اسے تسلی دی تھی اور عزت چپ کی چپ رہ گئی۔
 "تو کیا بھائی کو بھی ان کے دل نے ویسے ہی مجبور کیا۔ جیسے مجھے کیا۔ ویدو فنان میری ذات سے انکاری۔ اور باورا مرتضیٰ ان کی ذات سے انکاری۔ ان اللہ یہ کیسی آلائش ہے۔؟" عزت کا دل کھپ گیا اور اس نے بے ساختہ تیمور کی ہلکی خوشی کے لیے دعا کی۔
 "عزت۔۔۔! اگر کے قریب پہنچ کر اس نے عزت کو متوجہ کیا۔"

"جی۔؟" وہ چونکی۔
 "کہاں گم ہو گئی ہو۔؟"
 "نہیں۔۔۔ انہیں بھی نہیں۔" اس نے نفی میں سر ہلایا۔
 "کیا بات ہے کہ آپ میٹ سی لگ رہی ہیں۔؟ کوئی براہم تو نہیں ہے؟"
 بلا آخر تیمور کو محسوس ہوئی گیا۔
 "تو براہم۔ انہیں قتل ہو گیا۔" وہ آہستگی سے کہتی تیمور کے کندھے سے الگ ہو کر میٹ کی طرف بڑھی۔

"عزت۔۔۔! تیمور نے اسے پھر سے قتل کر دیا۔"
 "اگر بھائی۔۔۔ آپ کہیں پریشان ہو رہے ہیں۔؟ میں رات میں جاگتی رہی ہوں اس لیے اب طبیعت کچھ ایسی ہو رہی ہے۔" وہ سستی سے بول۔
 "رات میں کیوں جاگتی رہی ہو۔؟" اس نے اگلا نکتہ انشایا۔
 "ایک فریڈ پریشان تھی اس کے ساتھ چھٹ ہوئی رہی۔" عزت نے الٹا سیدھا بھلا گھڑ کے اسے ٹالنے کی کوشش کی۔

"آریو شیور۔۔۔ کیا بات ہے یا کچھ لو۔؟" وہ اسے سر تپا گھری نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
 "ہیں۔ شیور۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا اور تیمور اس کے سر ہلانے پر چپ ہو گیا۔
 "اؤکے جلف۔ ناشاکو۔ اور یہ رات رات بھر جاگنا نہ کرو صحت خراب ہوئی ہے۔"

اس نے جاتے جاتے اسے ہدایت دی اور عزت پلٹ کر اندر آگئی اور اس کے پیچھے تیمور بھی آگیا۔

"یے آئی کم این سب؟" دروازے پر ہلکی سی دستک کے بعد ماورا مرتضیٰ کی آواز ابھری تھی اور اپنے لپ ٹاپ پر بڑی تیمور حیدر اس کی آواز پر چونک کر متوجہ ہوا۔

"طیس کم ان۔" وہ اجازت دے کر وہاں سے لپ ٹاپ کی طرف مڑا۔ اور اپنی ایک ضروری فائل کلوڑ کر لے گیا۔ اسے میں ماورا اس کی نکیل کے قریب آچکی تھی۔

"پلیز سٹ ڈاؤن۔" تیمور نے اس کی طرف دیکھے بغیر اسے مقابل کر رہی تھی۔ ہٹھنے کا اشارہ کیا۔

"تھینک یو۔" ماورا فائل نکیل پر رکھتے ہوئے خود کر رہی تھی۔

جبکہ تیمور اپنے کام میں مصروف تھا اور ماورا اسے بڑی دیکھ کر کافی لاپرواہی سے لوہرادھر دیکھنے لگی۔ اس کے آفس کی سٹنگ۔ مگر کسی نیشن۔ دیوالی۔ گئی۔ ہٹھکڑ۔ پچھانا ہوا مارٹن فرش۔ گھاس والی مگر شل نکیل۔ فائلز اور لپ ٹاپ۔ اور لپ ٹاپ کے کی بورڈ پر متحرک اس کے مضبوط ہاتھ اور ہاتھوں سے بڑھتے بڑھتے اس کی نظر تیمور حیدر کے خوب صورت اور وجہ چہرے پر جا گھس گئی۔ وہ اپنے کام اور اپنے حسیان میں پورے اشماک سے مصروف تھا۔

اور اس کی اسی مصروفیت نے اور اگو بھی آنا دکر ڈالا تھا۔ وہ مگر فکریں سے اس کا چاتر لینے لگی۔ تو تیمور بھی محسوس کر گیا۔ جب یو واکس اس کی سمت بٹا اور ماورا اپنی محو مت پر گزرا گئی۔

"ایسا مس اور امرتضیٰ۔ فریائیج۔" تیمور اس کے گزرنے پر خاصا لطف اندوز ہوا مگر اپنی مسکراہٹ دبا گیا یہاں تک کہ لہجے کو بھی شبہ نہیں ہونے دیا۔

"آپ نے بلایا تھا ماما۔" ماورا نے اسے یاد دلایا کہ وہ اس کے بلائے پر آئی ہے۔

"اوہاں۔" وہ دراصل میں چاہ رہا تھا کہ آپ خود ایک ہارڈویئر کا ورک کریں۔ اور ورک کے ساتھ جو بھی ڈسکشن چاہتی ہیں وہ کریں۔ کیونکہ اس طرح فون پر یا آن لائن سمجھانے سے کچھ نہیں ہوگا آپ ابھی نئی ہیں اس لیے اپنے ورک اور کوئٹیز سے مٹا مٹ ضروری ہے آپ کے لیے۔"

تیمور مکمل طور پر پاس کے روپ میں تھا اور انداز کے ساتھ ساتھ لہجہ بھی ویسا ہی تھا۔ پروفیشنل۔

"ارے۔" لیکن توڑے کھٹے بعد۔ کیونکہ فی الحال میری نکیل پر بھی کام اور حور اپنا ہے۔ مجھے آج ایک ڈیرمائن

کھلیٹ کرنا تھا۔" ماورا نے دو ٹوک انداز میں وقت مانگا۔

"ٹھیک ہے آپ کھلیٹ کر لیں تب تک میں بھی فارغ ہو جاتا ہوں۔" تیمور نے اثبات میں مہلایا اور حور اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"یہ وہ فائل ہے جس پر کل کام کیا تھا۔" ماورا جاتے جاتے اسے چند سیکل دے گئی جن کو دیکھتے ہوئے تیمور کو وقت گزرنے کا احساس ہی نہیں ہوا تھا۔

"سب! گاڑی تیار ہے۔ اور مس اور ابھی آپ کا انتظار کر رہی ہیں۔" چوونکی آواز پر تیمور بڑی طرہ پر ہٹا۔

"اوہاں! گڈ ڈیز۔" ٹھنڈے گزر گیا؟" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے تیزی سے فائل سمیٹ کر اٹھا اور اپنا موبائل اور دیگر چیزیں لے کر آفس سے باہر نکل آیا۔

اور جیسے ہی آفس چھٹنگ سے نکل کر بیٹھ آیا اور اگو گاڑی کے پاس انتظار کرتے دیکھ کر قدم ٹھٹک سے گئے۔ وہ سبلی پنک ٹکر کے سٹ میں ملبوس چہرے کے گرد ابھی طرح وہ پٹے کا بالہ بنائے بلیک گلاسز لٹائے گھڑی اس

لے آئے تھے اور لکھنؤ میں آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے اسے متوجہ کیا تھا۔
 "آج مس سحرش نہیں آئیں؟" پوچھا اس نے اس کے برابر گاڑی کی بیک سیٹ پر بیٹھے ہوئے جان بوجھ کر یہ ذکر
 جہیز اتھا کہ تھوڑی دیر پہلے والے احساس کا اثر زائل ہو جاتا۔
 "نہن کے دور اسپتال میں ایڈمٹ ہیں اس لیے دس دن کی جھٹی ہے۔" تیمور بھی سنبھل چکا تھا۔
 "اور فاروقی صاحب؟" کیا سوال سوچا۔

"وہ آل ریڈی ٹیکسٹری میں ہی ہیں۔" تیمور سمجھ گیا تھا کہ وہ خاموشی کے اس تسلسل کو قائم نہیں ہونے دے
 رہی یا رمار خود ہی ظلم ڈالنے کی کوشش کر رہی ہے۔
 "اور پھر؟" تیمور نے اگلا سوال خود ہی کر دیا اور پلور انھک مٹی کیونکہ وہ اس کے "اور کچھ" کا مقسم سامعہ سمجھ
 گئی تھی۔
 "میں ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں۔" پلور اکب سے اسے کہنا چاہتی تھی مگر اسے موقع ہی نہیں مل رہا تھا کہ
 وہ اس سے بات کر پاتی۔

"تیمور؟" تیمور کو اچھا لگا کہ وہ میریس ہے یا یونہی بات سے بات نکالنے کی غرض سے کہہ رہی ہے۔
 "ہاں۔" اس نے اقل ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہوں کیونکہ یہ میرے گھر کی ضرورت ہے، کچن کی طرف سے
 گاڑی کی سولت تو ہے مگر ایک ڈرائیونگ میرے گھر کے باہر میرے انتظار میں کھڑا رہے مجھے پسند نہیں ہے۔
 ملازم بھی آخر انسان ہی ہوتے ہیں اس لیے ستر ہے کہ میں یہ کام خود سیکھ لوں اور سب کو تسلی بخش دلاں۔ آپ
 کو بھی پورے ڈرائیونگ کو بھی۔" پلور کو بات کرنے کے لیے ایک اچھا ٹاپک میرا گیا تھا۔
 "آپ کو میری یا میرے ڈرائیونگ کی فکر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملازم آخر انسان ہی ہوتے ہیں پلور
 انسان اپنے کام کے لیے جیتے ہیں ایک ڈرائیونگ اگر آپ کے گھر کے باہر آپ کے انتظار میں کھڑا رہتا ہے تو
 یہ اس کا احسان نہیں ہے بلکہ وہ اس کے لئے رہنے کا بھی معاوضہ لیتا ہے۔ اور یہ کھڑا رہنا ہی اس کا کام ہے۔"
 تیمور نے کہا تو وہ چند ثانیہ کے لیے دب سی ہو گئی تھی۔

"یعنی مجھے ڈرائیونگ نہیں سیکھنی چاہیے؟" وہ جان بوجھ کر اس کی بات کو الٹے رخ پر لے گئی تھی۔
 "میں نے یہ تو نہیں کہا؟" تیمور ہنوز مسکرا رہا تھا۔
 "وہاں تو کچھ ایسے ہی دے رہے ہیں؟" پلور کا انداز سنجیدگی سے ہوئے تھا۔

"میں نے سنا تھا کہ لڑکیاں وہاں سے قائل ہو جاتی ہیں اس لیے۔" وہ حط اٹھایا تھا کچھ لڑکیوں کے تجربے
 اور مشاہدے کی بنا پر سب کو ایک جیسا سمجھ لینا بہت بڑی بے وقوفی ہے کیونکہ اکثر تجربات غلط ثابت ہو جاتے
 ہیں۔" پلور اس کے لیے میں استہزاء سے سارنگ تھا۔
 "آپ کے معاملے میں تو کچھ زیادہ ہی غلط ثابت ہو رہے ہیں۔" وہ جواباً آہستگی سے بولا مگر پلور اس کی یہ خود
 کلامی یا تسانی سن چکی تھی۔

"بہرحال جو میں نے بات کی وہ تو وہی کی وہی رہ گئی۔" پلور نے پھر سے یاد دلایا۔
 "اوکے۔" آپ ڈرائیونگ سیکھنا چاہتی ہیں تو تھیک سہس میں آپ کا کسی اچھے ڈرائیونگ سینٹر میں ایڈمٹیشن
 کروادوں گا آپ ایک دو دن میں جوائن کر لیتے گا۔
 تیمور کو بھلا کیا یہ اہل علم تھا اس نے فوراً "ہاں بھئی تھی۔"

”ہو وہ حکیم! اگر ایک بات بتائیں، جب آپ ڈرائیونگ سیکھ جائیں گی تو سب سے پہلے ڈرائیو پر کس کو لے کر جائیں گی؟“

تیسویں صفحہ پر چھپا تھا اور گاڑی کی گلاس دھندلے سے باہر دیکھتے ہوئے اس نے پتے پر چلنے سے گریہ ہو کر تیسویں صفحہ پر کے چھپنے لگا۔ تھیں گے اور زرا توقف سے جواب سے نوازا۔

آپ کو! انتہائی سکون سے کہا آیا یہ لفظ تیور کو نیدم ٹھنکا گیا تھا اس نے فوراً اور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا مگر باتیں یہ تھا کہ دونوں ہی ایک دوسرے کی آنکھوں کے تیور نہیں بھانپ سکے تھے کیونکہ آنکھوں پہ کاسز کا ہوا تھا۔

”بھئی! تیمور کو پتا نہیں عجب ساگاتھا کہ یقین نہیں آیا۔ عمر بھر بھی دل میں ایک جگہ ہی خوشی ہے۔“

”ابو آپ کہہ گئے تھے میں دیکھا جا رہی ہوں کہ آپ کے ساتھ اس طرح کا آدمی کی ایک بیٹھ پہ بیٹھ کر سفر کرنا بھلا لکھا ہے یا آگے فرسٹ بیٹھ پہ بیٹھ کر؟“

اور باتوں باتوں میں ہی کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی اور تیمور اپنے نعل کڑا لیا تھا میں سنبھل جانے کی تیاری کر رہا تھا۔

”یہ سفر تو ہم ابھی کر سکتے ہیں۔ اس ڈرائیونگ میٹھ میں چا سکتا ہوں۔ اور آپ۔۔۔“

”لیکن یہ میری کاپیائی کا دن نہیں ہے۔ میری کاپیائی کا دن وہ ہو گا جب میں ڈرائیونگ سیکھوں گی۔ اور گاڑی کو واؤں پہ چھوڑ دوں گی۔ مگر آپ کو ساتھ لے کر کیونکہ میری ہر کاپیائی میں باب آپ کا ہاتھ ہے۔ اور جس کام میں آپ کا ہاتھ میرے ساتھ ہے اس کام میں آپ کا ساتھ بھی تو میرے ساتھ ہو گا۔ چاہیے نا؟“ پلورا اسرار اس کے ساتھ کھلی بھی لیکن تیمور بچوں کی طرح اس کے دامن میں لگیا تھا۔

”سب! گاڑی فیکٹری کے بارنگس ایریا میں رک چکی تھی اور ادرائے اسے مخاطب کرتے ہوئے چونکا رہا تھا۔
”ہوں! آئیے۔“ وہ کہہ کر گاڑی سے اتر گیا اور پھر دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے فیکٹری کے اندر آگئے جہاں
ظاہر قیاساً صاحب پہلے سے ہی ان کے انتظار میں کھڑے تھے۔

”ولیم! کیا بات ہے؟ تم دو تین روزے سے مست پریشان سے نظر آ رہے ہو؟“

جیسے ہی دو تیار ہونے کے بعد ناشتا کرنے کے لیے بیٹھا زید و بیگم نے اپنی تشویش کا اظہار کر دیا۔ دو پچھٹے دو تین روز سے اسے لوٹ کر ہی نہیں۔

”نہیں مہر کسی کوئی بات نہیں ہے، بس ملکی حالات کی کشیدگی کے باعث ہر فیملی میں بہت سے کرائسٹس چل رہے ہیں، ایسی وجہ سے ہمارا ذہن بھی پتھر ایسا ہی کشیدہ ہو جاتا ہے۔“ ولید نے بہت اچھے طریقے سے بات سمجھائی۔

”عقلی حالت میں تشدد کی کے باعث۔ یا ذال جذبات کی کشیدگی کے باعث؟“ زبیرہ بیگم کا سوال بہت گہرا تھا۔
 ”یہ سب اس کی عقل پر اتھرا ہوا ہوا ہے۔“
 ”آپ سے یہ کس نے کہا؟“ اس نے پھر بھی پوچھا۔

”تمہاری ہن کل کتاب سی آنکھوں نے۔ روزہ چلتا ہے کہ رات کو تارے گتے ہو۔ سوتے نہیں ہو۔“ زبیرہ
 بیگم اس کی کیفیت جان کر رہی تھیں۔

”جس آدمی کے پاس کرنے کو کچھ نہیں ہو، وہ رات کو تارے ہی گنتا ہے۔“
 زبیرہ ہلکی سی سنجائی سے کہہ کر ناشتے کی طرف متوجہ ہوا تھا جبکہ زبیرہ بیگم کی دلچسپی اور تشویش میں اور اضافہ ہو گیا
 تھا۔

”کیوں؟“ تمہارے پاس کچھ کرنے کو کیوں نہیں ہے۔ دن بھر کام کرتے ہو، بلکہ رات رات بھر کام میں جڑی
 رہتے ہو، تھک جاتے ہو پھر بھی تمہیں نیند نہیں آتی اور تم سوتے نہیں ہو۔“
 ”تلف امی۔! آپ سے کس نے کہا کہ میں سوتا نہیں ہوں۔؟“ زبیرہ ان کی فکر مند یاد دہ کرنے کی غرض سے

موڈ بدل کر بولا۔
 ”تمہاری آنکھوں کی سرفی کہتی ہے کہ تم سوتے نہیں ہو، وہ بھی اپنی بات یہ ہند تھیں میری آنکھوں کی سرفی
 غلط کہتی ہے، کیونکہ میں سوتا ہوں، لیکن بس تھوڑی دیر۔ نیند پوری نہیں ہوتی اس لیے یہ کم بخت چڑھا کر دیتی
 ہیں۔“ زبیرہ نے اپنی آنکھوں کو کوسا۔

”وہ کھو، زبیرہ! اولی بات ہے تو صاف صاف بتاؤ۔ اس سے چھپانا ٹھیک نہیں ہوتا۔“ انہوں نے سمجھانے کی
 کوشش کی تھی۔

”ہوش لڑوں کو بتانا بھی ٹھیک نہیں ہوتا۔ کیونکہ پھر رتہ جھکوں کی یہی سرفی ماؤں کی آنکھوں کو گھیر لیتی
 ہے۔ اور پھر ماؤں کی نیند پوری نہیں ہوتی۔“ زبیرہ بڑے سکون اور بڑے پیار سے کہتا جائے گا کہ آپ واپس رکھ کر اٹھ
 کر آہوں۔

”زبیرہ! یہ پسلیاں کیوں بھجوا رہے ہو تم۔؟“ اور ناشتا بھی ٹھیک سے نہیں کیا تم نے۔“ زبیرہ بیگم نے پرسی تو
 مٹی تھیں وہ صرف چائے پی کر ہی ہٹھ گیا تھا۔

”بھوک نہیں ہے رات کو کھانا کھاؤں گا گھر آکر۔“ اور پھر نارے گلوں گلوں کے۔
 وہ ان کو ٹالنے کے لیے اور بھلانے کے لیے کہتا ہوا ان کی پیشانی پر دم کران کے ہاتھ کو تھپکا ہوا اپنا ہچکے لے کر
 میز سے گھرے گل گیا تھا۔



”زبیرہ رحمان کہاں ہے آج کل؟“ عین پورشی کے گیٹ سے اٹکتے ہوئے ساشا کو بے ساختہ زبیرہ کا خیال آیا۔

”جان بخش دی اس کی۔“ عزت کا انداز لا پڑا ساتھ۔

”جان بخش دی اس کی؟ کیا مطلب۔؟“ ساشا کو گاڑی کی طرف پوچھتے ہوئے جھجکا۔

”مطلب۔ آزاد کرنا اسے۔“ اس کی بوی ہائیڈراپورولی عروج پر تھی۔

”مگر کیوں عزت۔؟“ اچانک یہ سب کیوں۔؟“ ساشا گاڑی کا لاگ کھولنا بھی بھول گئی۔ کیونکہ وہ میرے ساتھ
 چلتا نہیں چاہتا تھا اور میں اسے زبردستی سمیٹ رہی تھی۔

”مگر عزت! وہ ایک اچھا آدمی تھا۔ ساشا پہلے زبیرہ کی ذات سے اختلاف ہی کرتی آدمی تھی مگر جب اسے اس
 قادی کی شادی میں دیکھا اسے بھی وہ بہت اچھا لگا تھا اور عزت کے ساتھ اس کی جوڑی پسند آئی تھی۔

”لیکن مجھے اتنا اچھا آدمی نہیں چاہیے جو اپنی ذات اپنی چار اور اپنے دل کے لیے بھی کچھ نہ کر سکے۔ عزت
 نے اسے سربھجکا۔“

"کیا کرنا چاہیے تھا اسے۔؟" ساشا کو حیرت ہوئی۔
 "مجھ سے اظہار کرنا چاہیے تھا، مجھے پروپوز کرنا چاہیے تھا، اسے میری محبت کی قدر کرنی چاہیے تھی اسے"
 "تو تم اس نے کچھ بھی نہیں کیا، وہ ڈر رہا ہے دنیا داری اور جو دنیا داری سے ڈرتے ہیں بدل داری بھی نہیں
 کر پاتے۔" عزت نے آگ آگ لفظ جاکر ادا کیا۔

وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر اندر بیٹھنے لگی تھی کہ اچانک ہی اسے ایک مردانہ توازن مل گیا۔
 "عزت۔! آپ میرے ساتھ چلیں گی پلیز۔؟" عزت نے یکدم گردن موڑ کر دیکھا اور سامنے کھڑے مولنس
 مرزا اور کچھ کراس کے بلنگی گھومتی ہوئی سوئی ایکسوم ہی ایک ہی لفظ پر رک گئی تھی۔
 "ہی زیادہ دیر نہیں سوچ کے بعد آپ کو ذرا پکڑوں گا۔" مولنس مرزا اس وقت کافی زیادہ شرافت کے
 لیے اسے پیش کھڑا نظر آ رہا تھا۔

جبکہ عزت کو اچھی طرح علم تھا کہ وہ اتنا بھی شریف نہیں ہے، اسی لیے وہ اسے انکار کرنے کی بجائے تھی کہ اس کا
 سیل فون بچا تھا اور جیسے ہی سیل فون پر جھنگا تو ولید رحمان کے نمبر پر نظر پڑی اس کے اعصاب تن گئے اور اس
 شخص چند سیکنڈ سوچنے کے بعد ایک نظر ساشا کو دیکھا اور ایک نظر اپنے سیل فون پر۔ اور پھر وہ سری نظر مولنس مرزا پر
 ڈالنے ہوئے وہ انہی قدموں پر پلٹ گئی تھی۔ وہ بھی مولنس مرزا کی سمت۔
 "اے کے ساشا! تم گھر جاؤ۔ تم سے بعد میں بات ہوگی۔" عزت ہنسی بھر والی سے کہتی مولنس مرزا کے ساتھ چل
 دی تھی لیکن ساشا جن قدموں پر کھڑی تھی انہی پر جوں کی توں کھڑی رہ گئی۔ اور ان کی گاڑی رنٹائے سے پاس سے
 گزرتی گئی تھی۔

"ہیلو مس ساشا!" کسی نے اسے پکارا تھا۔
 "ہیوں۔" ساشا نے غائب جانی سے جوں کہا۔
 "ہم ولید رحمان۔" اس نے اپنا تعارف کر دیا اور ساشا یکدم کرنٹ کھا کے رہ گئی۔
 "ولید رحمان۔؟" اس نے پلٹ کر ولید کی طرف دیکھا اور زیر لب کہنے لگا کہ اس کا نام میرا تھا۔
 "آپ۔ آپ یہاں۔؟" ساشا کو اپنے تاثرات کنٹرول کرنا مشکل ہو گیا تھا۔
 "جی ہاں اصل مجھے عزت سے ملنا تھا۔ میں کافی دیر سے ان کے سیل پر ٹرائی کر رہا ہوں مگر کبھی کل ریسیو ہی
 نہیں ہوتی کبھی ملتی ہی نہیں۔" وہ بانیگ سے نیچے اتر آیا تھا۔
 "لیکن وہ تو چلی گئی۔" ساشا کو بتاتے ہوئے بہت عجیب سا محسوس ہوا۔
 "کیونکہ ولید رحمان کے چہرے۔ صاف کھٹا تھا کہ اسے ڈھونڈتے ہوئے بڑی مشکلوں سے یہاں تک آیا ہے۔
 "کہاں چلی گئی؟" ولید کے چہرے کا رنگ پیکا پڑ گیا۔

"مولنس مرزا کے ساتھ۔" ساشا کے منہ سے نکلے ہوئے اس جملے نے ولید رحمان کو یکدم دھجیوں میں بکھر
 کے دکھایا تھا اور اس کے پرچھے اڑ گئے تھے۔
 "مولنس مرزا کے ساتھ۔؟" اب کی بار اس نے زیر لب دہرایا تھا لیکن اسے اپنی یہ دھم سی توازن بھی کسی
 گھر پائل میں سے آئی سٹائی دی۔

اور اسے یوں لگا تھا کہ جیسے کچھ عرصہ پہلے یونیورسٹی کے اسی پارکنگ ایریا میں وہ نے والا پمپاسٹ کنج ایکسپار
 پھر پاسٹ ہو گیا تھا اور اس کا نشانہ صرف ولید رحمان بنا تھا۔
 اور اس کے دل و دماغ کی حصول میں تقسیم ہو گئے تھے۔

شاید اس لیے بھی کہ عزت حیدر نے جہاں سے یہ سلسلہ شروع کیا تھا وہیں یہ سلسلہ ختم کر گئی تھی۔ اور ولید

وہاں کے پاس ازیتہ کے سوا کچھ بھی نہیں رہ گیا تھا۔
ساشا خاموشی سے گاڑی لے کر چلی گئی اور وہیں کھڑا دکھائی دیا۔

مارا اپنے کام میں مصروف تھی جب اس کے فون پر تل ہوئی۔ سوبائس ٹکڑی کر کے کھا تو فارہ کا نمبر نظر آیا۔

ہیلو! اس نے زور دیر کے لیے کام کا سلسلہ ترک کرتے ہوئے کل دیو کر لیا۔

”مختصر یہ اور امر قسطنطنیہ ہیں کیا؟“ فارہ نے جل کر پوچھی تھی۔

”گزر گئی ہوئی تو کب کو بھی اطلاع پہنچ گئی ہوئی۔“ مارا نے بھی بڑے مزے سے جواب دیا تھا۔

”لیکن اب میرا خیال ہے کہ میرے ہاتھوں گزر رہی جائے گی۔“ فارہ نے دانت چکچکائے تھے۔

”وجہ؟“ اور اساتذہ ساتھ اپنا کام بھی کر رہی تھی کیونکہ اسے تیمور کے آئے تک یہ کام فہم کرنا تھا۔

”وجہ تم مجھ سے پوچھ رہی ہو۔“ ایک سی شوگر میں رہتے ہوئے بندہ اس طرح غائب ہوتا ہے کہ ایک دوسرے

کی شکل دیکھنا بھی نصیب نہ ہو؟ کیا اس لیے دعا میں مانتی تھیں میں نے؟“

”او کے یا راد کے اکل منڈے ہے۔ کل ملتے ہیں۔“ اور مارا نے اسے تسلی دی۔

”تج کیوں نہیں؟“ فارہ پھر ہوئی۔

”تج تھوڑی مصروفیت ہے۔ اس کے بعد ڈرائیو تک سفر جانا ہے۔“ تج میرا سلاؤن ہے۔“

”ارے واہ! ہم ڈرائیو تک سیکھ رہی ہوں۔“ فارہ کو سن کر خوش ہوئی تھی۔

”ہاں۔ اور ابھی پور بھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔“ مارا کا لہجہ بدلا۔

”او کے۔ پھر ٹھیک ہے۔ تم سیکھو اور کل لازمی جانا ہے۔“ فارہ نے بات ہی بدل دی۔

”او کے۔ اللہ حافظ۔“ مارا نے بھی فون رکھ دیا۔

اور جیسے ہی بندہ اسی سیدھی ہوئی فاروقی صاحب کے ساتھ اندر داخل ہوتے رضا حیدر کو دیکھ کر ٹھک گئی اور

یہی حال رضا حیدر کا بھی ہوا اور اسے دیکھ کر یہی طرح جوئے لگے اور لن کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا ہو گیا۔

”السلام علیکم سر!“ مارا نے بڑے اعتماد سے پل کی تھی۔

لیکن رضا حیدر کی طرف سے جواب نہ ملا۔

”سر! یہ ظاہری ہی چیز مانو ہیں اور امر قسطنطنیہ۔ فیصل آباد سے آئی ہیں۔“

فاروقی صاحب نے تعارف کرا دیا تھا جبکہ رضا حیدر لب بچھے کھڑے سر ہٹا کر انہیں پلٹ گئے اور لن کا رخ غائب

تیمور حیدر کے کمرے کی طرف تھا۔

”تیمور!“ من کی آواز خاصی بلند تھی۔

یہ ایک دم دردناک کھول کر اندر آ گئے تھے جبکہ تیمور ان کی ایسی بلند گواہ اور ایسے تیمور دیکھ کر اپنی جگہ سے

ایک دم کھڑا ہو گیا تھا۔

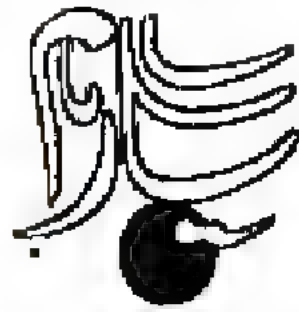
”جی! بابا جان! خیریت۔“ اس کے لہجے میں احترام اور تشویش دونوں کی آمیزش تھی۔

”تو تم اس لڑکی کو فیصل آباد سے یہاں اٹھا لائے۔“ مدد بے لہجے میں فرمائے تھے۔

(بلقیس آئینہ شامی میں ملاحظہ فرمائیں)

215 | اگست 2014 |

سمیرا سمجد



امرد کی پیدائش کے وقت اعتلاقی طور پر رونما ہونے والے چند ناکوار اور نقصان دہ واقعات کے سبب وہ اپنے خاندان میں "منکوس" مشہور ہو جاتی ہے۔ اس کے باپ، امی اور بہن بہنوں میں بھائی، انبہا اور علی اسے اکثر "منکوس" کا یہی نظریہ رکھتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کی سگنی بھی ان ہی الفاظوں کی وجہ سے ٹوٹ جاتی ہے۔ اپنی خواست کے منشا سے من کر امرد خود بھی ناکارہ ہو کر رہتی رہتی ہے۔

پورے گھر میں صرف والد ہی اس کی دل چاہی کرتے ہیں اور کھردرائیوں کی باتوں کو لغو قرار دیتے ہوئے امرد کو بھی ان پر کان دھرنے سے منع کرتے ہیں۔ امرد کی اپنے والد سے خوب نفرت ہے۔ وہ خوارانہ ان کے ساتھ پنجاب لاہور کی میں گزارتی ہے۔ جہاں وہ لاہور میں تھے والد اسے سمجھاتے ہیں کہ تم پر عوامی پردہ حیاں اور لوہہ اسکا لڑ شپ لے کر یا ہر گنگ پیل جاتا۔ امرد اپنے باپ بہن بھائیوں کی طرح پر عوامی نہیں کمزور ہے۔ گھر والوں کی بات پر وہ غائب کرنے کے لیے جدوجہد شروع کر دیتی ہے۔ مگر پھر بھی بہت اچھے بہرہ حاصل نہیں کیا جاتی۔ وہی دوران اس کی شادی کا سلسلہ چلتا ہے مگر چند روز کئی دنوں کی وجہ ان دنوں کے بیوہ ہو جاتے ہیں اس کی شادی رہ جاتی ہے اور اس کی شوکت پر منہ لگ جاتا ہے۔ امرد دل پر رشتہ ہو کر خیمہ کی گونیاں کھا کر خود کشی کی کوشش کرتی ہے۔ تاہم بچ جاتی ہے۔ اس واقعہ کے بعد امرد کی زندگی مزید بدلتی ہو جاتی ہے۔ وہ مختلف چھوٹے ٹک لکچ و بیورو سٹیوں کے ہزاروں قنہ کن اسکا لڑ شپ فارم بھرتی ہے مگر ہر جگہ سے انکار ہوتا رہتا ہے۔ بالآخر ماہر سٹریٹو سٹی سے اسے اسکا لڑ شپ مل جاتا ہے جو اس پر بیورو سٹی کی طلباء سوسائٹی اپنے ذاتی فائدے سے ملتی ہے جس کی رو سے امرد کو تیس فیصد لڑا کرنا ہوتا ہے باقی ستر فیصد بری والی ان کی طرف سے ہوگی۔ اس کے علاوہ لڑائی میزبانی کے

مکمل ناول





بعد امرت کو اپنی رہائش اور اخراجات کا خود بندوبست کرنا ہو گا۔ یہ سب باتیں اسے برطانیہ پہنچنے کے بعد رات میں بتائی گئیں۔ رات کو امرت کے لیے پیسے اکٹھے کر کے اسے برطانیہ بھجوا دیے ہیں۔ سبلی اسے خود اسپتال ہوتے پر کرنا ہو گا۔ خدرا، شن، بیٹی اور اولیٰ کو اس کی رہائش کی ملاقات ہوتی ہے۔

امرت پڑھنے کے ساتھ ساتھ ایک کافی شاپ میں جاب کرنے لگتی ہے اور لیڈی ممبر کے گھر اس کی رہائش کا بندوبست بھی ہو جاتا ہے۔ لیڈی ممبر نے اونا ر خاتون میں ساتھیوں نے۔ سنل کاک بھی اپنے پاس مل لیا۔ گھر میں مختلف بچوں کو اولاد کی طرح رکھا ہے۔ ان میں ایک عالیان مارگریٹ جو آج ہے۔ وہیں سارا صبا دیر اور امین ادا سے اس کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جاب کے دوران وہ ایک کے ساتھ مل کر کڑا کو مٹھی علم بنانے لگتی ہے۔

اسی دوران امرت کے پاپا جن کی اعظم مارکیٹ میں ٹالین کی دکان ہوتی ہے، آگ لگ جاتی ہے جس سے ان کا بیس بچیس لاکھ کا نقصان ہو جاتا ہے۔ انہیں ایک اد جاتا ہے۔ امرت انہیں سلی دیتی ہے اور ڈاکو مٹھی علم سے ملنے والے پیسے ان کے اکاؤنٹ میں ترانسفر کر دیتی ہے۔ اس کے علاوہ لیڈی ممبر بھی اسے ایک چیک دیتی ہیں۔ امرت وہ رقم بھی پاکستان بھجوا دیتی ہے۔ امرت کے والد بہت خوش ہوتے ہیں۔ امرت اپنی کمرے کی کھڑکی میں کھڑی ہوتی ہے جب عالیان مارگریٹ کسی اسپاٹزمین کی طرح اس کی کھڑکی میں جھانکتا ہے۔ امرت کی چیخ مچ جاتی ہے۔

۲ دوسری قینطرب

اس کی رہائش گاہ کے گرد باغیوں کی طرح کد بچتا رہا تھا۔ امرت نے سر کو زرا اور اس کے کر کے کہا۔
"تم کیا کر رہے ہو۔ چو یہاں سے۔"

اس کی آواز بڑھ کر اسے دیکھنے لگا۔ جیسے برہوں کے دیس کی کمالی سنتے بچے سر اٹھا کر آسمان کی طرف دیکھنے لگتے ہیں کہ کیا کوئی پری ان کے سروں کے اوپر اڑتی جلدی چھڑی تھما رہی ہے۔ اگر نہیں تو یہاں نہیں آکر ہوں تو وہ نظر کیوں نہیں آتی۔ اچھا تو وہ نظر آگئی۔

وہ بچے کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ وہ کھڑکی سے سر نکالے اس پر تھا ہوری تھی۔

"پاگل ہو گیا؟" آواز کو وہ سارا کھ کر دھلائی۔
"پاگل ہوں میں۔" لیکن وہ ڈیڑھ گھنٹے سے ابھو کو اچکا کر مسکراہٹ دیا کر اس نے سر ہلایا۔

"اچھا تو یہ تمہارا گھر ہے۔" اپنی دانست میں وہ اسے چڑا رہی تھی تو پھر سیدھے راستے اندر آکر دکھائی۔

"اچھا!" عالیان نے سینے پر ہاتھ باندھ لیے اور اس کے اگلے حکم کا انتظار کرنے لگا۔

"تم یہاں سے؟" امرت وہ قدم پیچھے ہٹی۔
"تم یہاں سے؟" کھڑکی کی چو گھٹ بکڑے وہ کرنے کے قریب ہوا پھر اس نے جلدی سے منبیا طلی سے کھڑکی کو تھام لیا۔

جنگل، بیابانوں میں اندھیرے کے بستر میں ملتی نیند سوئے سب ہی جگنو اس کی آنکھوں میں ایک ایک کر کے جا گئے تھے۔
"یہ میرا گھر ہے۔"

"یہ میرا گھر ہے امرت!" مسکراہٹ دیا وہ بچے کو گیا۔ کسی جنگل لنگور کی طرح جسے وہ اپنا گرو مانا ہو گا۔ امرت نے بے طرح حیران ہو کر جیسے خود کو ہوش میں لانا چاہا۔ اسے یہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ ابھی ابھی جو اس نے دیکھا وہ سچ تھا۔ حقیقت تھا خواب نہیں تھا۔ اس کا یونی فیلو ایسے اس کے کمرے کی کھڑکی میں آکر اسے یہ بتا گیا تھا کہ یہ اس کا گھر ہے۔ اس نے جلدی سے آگے بڑھ کر کھڑکی سے سر باہر نکالا۔ وہ ڈرا اور دوسری کھڑکی کی طرف لپک رہا تھا اور بار بار کھڑکی دیکھ رہا تھا۔ آخر وہ کیا کر رہا تھا اسے تو مٹی رات کے وقت

"یونیورسٹی کو فخر ہے اس پر اور مجھے اس پر۔ بزنس کے نئے رجحانات اور طریقوں پر اس نے جو سائنسٹ لکھی تھی کسے یونیورسٹی نے کتابچے کی صورت میں چھاپ کر لا بھری میں رکھا ہے۔"

ملوحنائے آگے بڑھ کر لیڈی مہر کو گلے سے لگایا اور سالگرہ دینے لگی۔ امرہ بھی آگے بڑھی۔ عالمیان نے جلدی سے کیک چھاپایا۔

"یہ بچا ہوا کیک میں ساتھ لے جاؤں؟"

"اتنے سے کیک میں بھی تمہاری جان ہے۔"

لیڈی مہر مت خوش تھیں۔

"نہیں نہ۔ کیک میں جان نہیں رہی تب۔"

آپ کو معلوم ہے لوگ آپ کے گھر کو یونیورسٹی میں کیا کہتے ہیں؟

"کیا کہتے ہیں؟"

"شٹل کاک۔" کیا معصوم انسان تھا؟ وہ کیسے جی اگل رہا تھا۔

"کون کتنا ہے میرے وائٹ پلوس کو شٹل کاک؟"

عالمیان نے امرہ کی طرف دیکھا۔

"میں نہیں کہتی۔ یونیورسٹی میں پہلے سے ہی یہ شٹل کاک کے نام سے مشہور تھا۔ میں نہیں کہتی۔" امرہ گھبرا گئی۔ یہ مٹی بیٹا تو یوں کیسے بول رہا تھا۔

"عالمیان! آج رات ہمیں رہنا چاہو۔" وہ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں لیے بیٹھی تھیں۔ عالمیان ہنسنے لگا۔

"آپ مجھے رہنے کے لیے کہہ رہی ہیں؟"

"نہیک ہے جاؤ بھرب۔"

وہ اپنا بیک اٹھا کر کھڑکی کی طرف لپکا۔ امرہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ یہ کیا طریقہ ہے آنے اور جانے کا۔

"آج میں دو روزے کے راستے پر چلا جاتا ہوں۔"

عالمیان لیڈی مہر سے مل کر کمرے سے باہر آگیا۔

"کیا اور لا ہے؟" امرہ پوری قوت سے چلائی۔

اس نے جھرمجھری لے کر ڈرنے کی لوٹاری کی لور کلن میں انگلی گھمائی لگا بھر سر کو جھکا کر کلن کو صاف کرنے کا عمل کیا۔ امرہ کو کافی برا لگا۔ اس نے اپنے ہینڈی نیبل پر رکھا ایک عدد سونا میگزین اٹھا لیا اور اسے دے مارنے کے لیے ہاتھ بلند کیا عالمیان کو برا لگا۔ وہ سنجیدگی سے کمرے ہو کر اسے دیکھنے لگا۔

"کیا وہ کھڑکی میں کھڑی جوسٹ ہے لور کیا وہ نیچے کھڑا رہا ہے؟" ستاروں بھری رات نے وقت کے کلن میں سرگوشی کر کے پوچھا۔ وقت نے کندھے لپکائے اور مسکرا کر کہا "انتظار کرو۔"

امردہ میگزین اسے دے مار دی وہ تیزی سے گھڑی دوسری طرف چلا گیا۔ اس نے تقریباً "خود کو آدھا کھڑکی سے باہر نکال کر اسے دھونڈنا چاہا لیکن اسے نظر نہیں آیا۔

کچھ ہی دیر میں اسے گھر کے اندر سے شور کی آوازیں آنے لگیں۔ رات کے اس وقت اس طرح کی آوازیں کتنا عجیب تھیں۔ خالص کر لیڈی مہر کی آواز۔ ک۔ ک۔ ک۔ سے باہر آئی تو ملوحنائے بھی اپنے کمرے سے اگل کر آچکی تھیں۔ "کیا ہو رہا ہے؟"

"ویدی کا بیٹا کیا ہے۔ انہیں سالگرہ دینے کے لیے۔"

"کب آیا ہے؟"

"ابھی۔ آؤ اندر چلیں۔" ملوحنائے اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور دونوں لیڈی مہر کے کمرے میں چلی گئیں۔

اور۔ اور لیڈی مہر کے بیڈ پر بیٹھا عالمیان انہیں منا ساہوم بیک بیک کھلا رہا تھا۔ کمرے کی کھڑکی کھلی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ایسے مصروف تھے جیسے دنیا میں اکیلے وہ انسان ہی موجود ہوں۔ امرہ دیکھتی ہی رہ گئی۔

"میرا بیٹا بھی تمہاری یونیورسٹی میں ہی پڑھتا ہے۔"

لیڈی مہر نے اسے ایک بار تھاپا تھا۔

اوسے نامس کے ہاتھ سے بنی گرل ایٹ ونڈو "جیس
لگ رہی۔ بس تم ذرا غصے میں ہو۔ نامس کی گرل تو
مسکراتی ہے۔" بیک کو سنبھالتا دونوں ٹانگوں کی تکی
بجاتا اور چلا گیا۔

"بندو۔!" اتنے پیارے اسپاٹڈر میں کو امر
بندو کہہ کر بیڑہانے لگی۔ اس کا دریا لیکھہ جن میں
رکھ تکی۔ اس کا کوئی موڈ نہیں تھا رات کے اس وقت
کیک کھانے کا ملین وہ غلیان کے اس طرے آنے
کے بارے میں نہ چاہتے ہوئے بھی رات گئے تک
سو جی رہی۔

یہ اس کا گھر ہے۔ یعنی غلیان بھی لیڈی سر کا وہ
بچے سے جسے اسموں نے بالا ہے۔ غلیان سے مل کر
اسے کبھی یہ مکان نہیں ہوا کہ وہ بھی کسی ایسے ادارے
میں رہا ہے جہاں بے شمار اور ناجائز بچے پرورش پاتے
ہیں۔ اس کے انداز و اطوار ایسے تھے کہ لگتا تھا کہ وہ
کسی بڑے خاندان کا چشمہ چرخ ہے۔

امرد کو عجیب سا آگاہ کیا یہاں ہر وہ سراغ غصہ ایسا
ہی ہے۔ ظہیر خاندان کے پرورش پالنے والے۔ ناجائز۔

اس کا نام غلیان تھا۔ اس کی ماں کا مارگریٹ تھا
یہ سب کیا چکر تھا۔ شاید لیڈی مرے اس کا نام
غلیان رکھا ہو۔ اسے اور دکھائی ہو اور نہ شاید وہ چڑ
"آئن" یا ہر میں ہو تا لیڈی مرے سب ہی بچوں سے
بست یاد کر لی تھیں اور بچے ان سے تو ایک بچہ ان
کے لیے اپنا نام تبدیل ہی سکتا ہے۔ ان کے بال بچے
بھی تھوڑی بست اور بولنے لیتے تھے۔ تو غلیان کسی
کی ناجائز اولاد ہے۔ اسے والدین کے نام پر صرف
ملی۔ اسی لیے اس کا سر نیمہ مارگریٹ ہے۔

غلیان اس کا اچھا دوست بنتا جا رہا تھا اس کے
بارے میں ایسی معلومات ہونے پر وہ اس کے لیے
انسوس محسوس کر رہی تھی۔
صرف انسوس۔ اور کچھ نہیں۔

کھلی کھڑکی سے لٹنڈی ہوا اندر آ رہی تھی۔ امر
اس وائٹ ہاؤس میں روزنامہ است اچھا لگ رہا تھا اس کا

"تمہارا کمر اس طرف ہے؟"

"کیوں؟"

"مجھے اس کی کھڑکی دیکھنی ہے؟"

"کیوں؟"

"اتنے کیوں؟ مجھے دیکھنا ہے کہ اوپر سے نیچے کدرا
میں کیا لگ رہا تھا۔"

"جیسے سامنے سے کھڑے لگ رہے ہو۔"

"کیسا لگ رہا ہوں؟"

"اف۔!" امر کو خاموش ہونا پڑا۔

اور کھلے دروازے سے اندر جھانک کر اس نے خود
اپنی اندازہ کر لیا کہ یہ اس کا کمر ہے۔

"تم لیڈی مرے کے بیٹے ہو؟"

"بالکل!" وہ کھڑکی میں سے سر باہر نکال کر قہیک
اس طرف دیکھ رہا تھا جہاں کچھ دیر پہلے وہ خود کھڑا تھا۔

"لیکن ان کا نام تو مارگریٹ نہیں ہے۔"

ایک دم سے غلیان کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔
اس نے جلدی سے اپنی پشت سے بیک اتار اور جو چٹا

منا ایک سیٹ کیا تھا وہ نکال کر امر کے آگے پک
"یہ میں نے بیک کیا ہے۔"

"تم لگ ہو۔"

"اوکے! میں چلا۔" اس نے ایک دم ایسے ہاتھ
چھوڑ دیے جیسے وحیان نہ دینے پر گر گیا ہو۔ امر

نیچ رہی کھڑکی کی طرف لپکی "نیچے جھانکا پچھ سے
تجولتاہ زمین پر چھلانگ لگا چکا تھا۔ امر نے سر

کھڑکی سے باہر نکال لیا۔
"تدبائے کے لیے تھینکس۔ اب تم سو

چاؤ۔"

دونوں ہاتھوں کو منہ کے دائیں بائیں رکھ کر ذرا
سہا ہوا۔

تدبائے کون کہہ رہا تھا اسے "امرد تو اس بندو کے
تو اسے دیکھ رہی تھی۔ غصے سے اس نے کھڑکی بند

کر لی تھی۔
"میں نہیں جانتا کہ میں وہاں سے یہاں کھڑا کیا
تک ہوں لیکن یہاں سے تم کھڑکی سے جھانکتے

اس کی زندگی میں کلی النکحہ واقعات ہو رہے تھے۔
 اچھے تھے یا برے تھے لیکن اس کے لیے نئے تھے۔ وہ
 کمزری میں آکر کھڑی ہو گئی اور غیر ارادی طور پر اس
 طرف دیکھنے لگی جسے علیان کھڑا تھا۔ وہ بہت خوب
 صورت اور زندگی سے بھرپور تھا۔ جس فریج انداز
 سے وہ خفا ہوتا تھا تو اس کا ٹیڈ مارک تھا۔
 قرآنہیوں کو سیکھنا چاہیے۔ خفا کیسے ہوا جاتا ہے۔
 لیکن امر یہ نہیں سوچ رہی تھی کہ وہ کتنا خوب
 صورت اور زندگی سے بھرپور ہے یا پونہ سوٹی اس کے
 کھٹے کو کتنا ہی شکل میں لاتی ہے۔ وہ تو اس کے
 باجائز ہونے کے بارے میں سوچ رہی ہے۔ کیا
 قدر کر رہی ہے۔

اگلے سارا دن ڈور پتل بھتی رہی۔ لیڈی مہر کے لیے ان کے بچوں کی طرف سے دنیا بھر سے تحائف آتے رہے۔ ان کا وقت لون کالز سننے ہوئے گزرا۔ اور تو اور سب اپنے اپنے گھر۔ اپنی اپنی جگہ ٹیکہ رکھے بیٹھے تھے اور اسٹاکس پر لائیو لیڈی مہر کو سامنے بٹھائے ٹیکہ کٹ رہے تھے۔ اور لیڈی مہر ٹیکہ کٹ رہی تھیں۔ ہر ایک گھنٹے بعد کوئی نہ کوئی قن بلاش ہو جاتا۔ کم سے کم دس ٹیکہ کٹے۔ امرت کے پیش تھے ٹیکہ کھا کھا کر وہ تھک چکی تھی۔ تحائف کا لگاؤ بھر لگ چکا تھا کہ اسے لیڈی مہر پر رشک آنے لگا تھا۔ کیسی اولاد ملی تھی انہیں۔ جو ان کی نہیں تھی بلکہ ان کی اپنی اولاد سے زیادہ ان کی تھی۔ جن میں قوم و نسل مذہب و روایات کا فرق تھا۔ فرق نہیں تھا تو ایک محبت میں فرق نہیں تھا لیڈی مہر نے انہیں محبت دی تھی تو وہ بھی پنجوس نہیں تھے۔

انشاء جی کی خوبصورت تحریریں،

آفت طاعت، مضبوط جلد، خوبصورت گروپش



張子厚

450/-	مغربی	آرٹھ کرڈی لائبریری
450/-	مغربی	دلیا گولیا ہے
450/-	مغربی	ایسی ایلو کے خاقانہ میں
275/-	مغربی	چنے ہر تھیں کو چنے
225/-	مغربی	گولی گولی بکریاں
225/-	مغربی	غلام محمد
225/-	مغربی	نہدی کی آری کتاب
300/-	مغربی	اس ہستی کے کہ ہے میں
225/-	مغربی	چاند نگر
225/-	مغربی	دل ریش
200/-	مغربی	ادھا کٹوں
120/-	مغربی	لاکوں کا شہر
400/-	مغربی	ہائیں ہائیں جی کی
400/-	مغربی	آپ سے کیا ہوا

مکتبہ عمران ڈائجسٹ
37، اردو بازار، کراچی

رات تک جب آخری تحفہ بھی آچکا تو لن سب نے آتش دان کے پاس بیٹھ کر وہ تحائف کھولے۔ اتنے بیش قیمت تحائف تھے کہ امردہ کی آنکھیں خیر ہو رہی تھیں۔ لیڈی میرا ایک تحفے کو کھولتیں تھیں کتنی ہی دیر چھوٹی برتیس سا بنے ہوئے تھیں سے لگاتیں اور انہی آنکھوں پر رکھ لیتیں۔ وہ تحائف بڑا شبہ بہت قیمتی تھے کیونکہ انہیں محبت سے خرید آگیا تھا۔ بے اولاد ہو کر بھی ایک خاتون نے اہلہ اولوں سے زیادہ خوش پائی تھی۔ اور یہ صرف اسی لیے ممکن ہوا تھا کہ انہوں نے انسانیت کی معراج کو پھولیا تھا۔ انہوں نے رنکس و نسل کو مٹا کر لن سب کے گلے سے لگایا تھا۔

وہ ایک ایک تحفے کو کھولتیں اور اسے بیچنے والے کے بارے میں انہیں بتا جاتیں۔

"دیکھو ذرا امور گن کو۔ اتنی مہنگی گھڑی مجھے بھیج دی۔ مجھے اس کی ضرورت نہ تھی۔ یہ اسے سب میں ہر کھوں کی تو ناراض ہو جائے گی۔ ہر سال مجھے پہلے سے ہنگ تحفہ دتی ہے۔ ہارٹ ٹائم چاہ کر رہی ہے۔ جب گھر آیا کرتی تھی تو میرے پاس میں کلن کے ساتھ اپنا پایاں کلن جوڑ کر سویا کرتی تھی اور اگر کسی سوتے میں اس کا سر کھسک جاتا تو اٹھ کر پھر سے میرے کلن سے کلن ملا کر سو جاتی تھی۔ جاتے اسے کیا خط تھا۔ کتنی تھی رات میں خوابوں میں جو کچھ بھی آپ سنتی تھی۔ میں بھی وہ سننا چاہتی ہوں۔ اور اگلے دن اٹھ کر مجھے بتایا کرتی تھی کہ رات مجھے کسے والے سارے خواب اس نے بھی سنے ہیں۔" ساتھ ساتھ لیڈی میرا بھی آنکھوں کی نمی صاف کرتی رہیں۔

یہ باتیں سن کر جان کر تو امردہ کو لگ رہا تھا اس نے ملک نہیں بدلا۔ دنیا ہی بدل گئی ہے۔ کیا دنیا میں لیڈی مر جیسے اور بھی لوگ ہیں۔

"یہ ڈنٹس لے خود بنایا ہے۔" انہوں نے لکڑی کے نفیس تختے کو لن سب کے سامنے کیا۔ تختے پر ایک تصویر کھدی تھی جس میں ایک عورت کرسی پر بیٹھی ہے اس کے سر پر فرشتوں کا ہل چمک رہا ہے اور وہ سنے اس فرشتہ صفت خاتون کے سامنے بیٹھے اسے

محبت بھری نظروں سے دیکھ رہے ہیں۔ "یہ دیکھو کیا بنا والا ڈنٹس نے مجھے۔ آج کل جرمنی میں ہوتا ہے۔ اپنا پرنس گر رہا ہے اور ایک این جی اور بھی چلا رہا ہے۔ یہ بارہ سال کا تھا جب ایک رات میرے پاس وہاں رات کے کسی پہر اپنے ستر سے نکل کر میرے ہیڈ کے قریب آکر کھڑا ہو گیا۔ نچالے کب تک کھڑا رہا۔ جب اچانک میری آنکھ کھلی تو میں نے دیکھا کہ یہ میرے پاس کھڑا مجھے منگلی ہاتھ دے دینا رہا ہے۔ کیا مجھ سے لیا کہ کوئی عورت اس کو زمین پر ایسی خوش قسمت ہوگی جسے اس کی اولاد اور لڑکیوں کو ایسے اچھے اچھے کر محبت سے دیکھتی ہو۔"

بہت دیر تک لیڈی میرا سب کی باتیں کرتی رہیں۔ پھر امردہ انہیں لن کے کمرے میں لے آئی۔ بیڈ سائڈ ٹیبل پر ایک چھوٹی سی تصویر فریم میں رکھی تھی وہ پہلے وہاں موجود نہیں تھی۔

"یہ عالیان نے دی ہے۔ عید کا تصویر کو ہاتھ میں لے کر اسے یونٹوں سے لگائے لگیں۔ تصویر ہاتھ سے ہٹائی گئی تھی جس میں عالیان نے اپنے خیال کو دکھایا تھا کہ وہ لیڈی میرا کو لونچوان اور خوب صورت لیسے دیکھنا چاہتا ہے۔"

"بہت پیار کرتا ہے مجھ سے۔" انہوں نے امردہ کو پاس بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ انہوں نے اپنے سب بچوں کے بارے میں بتایا تھا۔ اب وہ اس کے بارے میں کیوں نہ بتاتیں۔

"اٹھارہ سال کا ہونے کے بعد جب یہ ادارے سے نکلا تو میں اسے گھر لے آئی۔ یہ میرے دو سرے سب بچوں میں سب سے چھوٹا تھا اور بچپن میں بہت رویا کرنا تھا۔ جب یہ ایک دن اور ایک رات میرے پاس رہ کر جاتا تو مجھے بتایا جاتا کہ وہ واپسی پر بہت شرمیل ہو جاتا ہے۔ روتا ہے رات رات بھر سو تا نہیں کھانا نہیں کھاتا۔ پھر میں جا کر اسے مل کر آئی لیکن اسے گھرنہ بلاتی۔ پھر یہ بڑا ہو گیا تو میں نے سوچا اب اسے اپنے پاس رکھوں گی۔ وہ گھر آگیا اور بہت خوش تھا بلکہ خوشی سے روتا رہا۔ کئی کئی گھنٹے گھر کی دیواروں کو

علی نہیں اپنائی تھی۔ اور تو اور اگر وہ سو رہے ہوتے اور دادا انہیں اٹھانے کی کوشش کرتے کہ بہت سوئے تو لال اور دلولی دادا سے لڑے لگتیں کہ کیوں اٹھایا جا رہا ہے انہیں۔ بچے ہیں۔ سوتے رہا جائے۔

”یہ بچے ہیں۔ دن کے دن رہے ہیں۔ کام والوں نے اپنے دن کا تو حارثی کمالیا ہے۔ اس عمر میں میں نے اپنے گھر کی ذمہ داری اٹھال تھی۔“ دادا کہتے۔

”بیوقوف اور تھ۔“ لال برہمن جانتی تھی۔
 ”اے اچھے وقت تھے۔ میرے لہائی تھے سو جوتے لگاتے تھے اگر میری آنکھ اڑان بھر کے بعد کھلتی تھی۔ مسجد کے امام صاحب نے بچوں کو جلدی اٹھانے کی عادت ڈالنے کے لیے لڑکوں بھڑکنے کی ذمہ داری ہادی بادی سب پر لگائی تھی۔ سمجھ دار لوگ تھے اس زمانے کے۔ حکمت سے تربیت کرتے تھے۔ میری ماں محمود پر روٹیاں لگاتی تو میرا باپ مجھے محمود کے پاس بٹھارتے کہتا تھے بھی بتا جلتا جا ہے کہ تیری ماں تیسے چھلے کر حیرے لیے رطی پکا رہی ہے۔ میرے ابا بانی کے نہانے کی باتیں میری ماں مجھ سے بھولتی۔ کتنی تمہارے لیے محنت مشقت کر کے آتا ہے۔ اس کی دھول علی صاف کرنے کی مشقت تم کرو۔ اگر ہمارے ماں باپ ہمارے چاؤ چوٹے ہی کرتے رہتے تو وقت کی کتنی نے ہمیں نہیں کر رکھا ہوتا اور ہم چلنے سے پہلے گرنے جیسے ہو جاتے۔“

”نہیں بس۔“ دلولی کو ہمیشہ دادا کا لپکھرا لگتا۔
 دادا کے اس لپکھری سمجھ اب امرجہ کو آ رہی تھی۔
 ”پھر کیا ہوا۔؟“ امرجہ کو بہت دلچسپی ہو رہی تھی اس قصے میں۔

”مجھے اتنا تو یقین تھا کہ وہ محفوظ ہو گا لیکن کبھی بھی مجھے بہت ڈر لگتا۔ فون بٹنا تو میرا دل سمجھتا تھا۔ میرے کان ڈور تیل کی گواڑ پر لگے رہتے لیکن پورا سال بیت گیا۔ اس کی کوئی خبر نہ ملی۔ ایک رات میں سو رہی تھی تو کسی نے میرا لٹا اٹھا کر پلاٹم کے

کمروں کو دیکھا رہتا آتش دہان کے قریب بیٹھا اور گھٹا رہتا اور پھر رات رات بھر بیوی پر ایکشن فٹیں دیکھا رہتا۔ میں نے سوچا نہانیا گھر کا ماحول ملتا ہے شاید اس لیے لیکن کتنی ہلکے گزر گئے اس کے معمولات میں تبدیلی نہ ہوئی دن بھر ہر کھینک۔ رات کو فلم اور ریڈیو کیمرز میں نے انتظار کیا کہ شاید وہ خود کو بدل لے۔ وہ بڑا ہو چکا تھا اب اسے سمجھ داری کا مٹا ہو کرنا چاہیے تھا۔ زندگی میں آگے بڑھنا چاہیے تھا لیکن وہ مجھے یابوس کر رہا تھا۔ ایک دن جب شدید برف باری ہو رہی تھی میں نے اس کے چند گرم کپڑے بیگ میں رکھے اور اسے چند پائیز ڈوے کر گھر کے دروازے کے باہر کیا اور اس سے کہنا۔

”انسان دین جاتا تو آجاتا۔ اپنے گھر کو میں تمہیں برباد کرنے نہیں چاہوں گی۔“

”پھر؟“ امرجہ کو بے تحاشا حیرت ہوئی۔ لیڈی مر اتنی سختی سے کام لیتی رہی تھیں۔

”تو ر ایک سال مجھے اس کی کوئی خبر نہیں ملی۔ یہ تو میں جانتی تھی کہ وہ بہت خدی ہے۔ غصہ بھی بہت آتا ہے اسے لیکن مجھے یہ نہیں معلوم تھا کہ وہ ایسے مجھ سے ناراض ہو جائے گا۔ مجھے دکھ ہوا کہ شاید میں نے اس کے ساتھ زیادہ ہی سختی سے کام لیا۔ لیکن میں کیا کر سکتی۔ میرے گھر کا آرام و آسائش اسے برباد کر رہا تھا۔ میں اپنے گھر کو آگ لگا سکتی تھی لیکن عالیان کو ایسے کام ہوتے نہیں دیکھ سکتی تھی۔“

لیڈی مہر کے بیٹے کے قریب کاؤچ پر بیٹھے امرجہ تھوڑی دیر کو چپ سی ہو گئی۔ اس کے دونوں بھائی لگا تار تار ہوتے رہتے تھے اسکول دکان میں لیکن کبھی انہیں رانٹ کے علاوہ کچھ نہیں کہا گیا تھا۔ بابا ان کا بیب خرچ بند کر دیتے تو لال چپکے چپکے انہیں پیسے دیتی رہتیں۔ درندہ داری۔ آئے دن باقی سے نئی موٹر سائیکل بدلتے۔ رات دن ایک چلا تے رات گئے گھر آتے۔ اور نہیں تو کھپوٹا موبائل کے ساتھ مصروف رہتے اور لال بابا کے سامنے یہ سب کرتے۔ لیکن کبھی انہیں ٹھیک کرنے کے لیے کوئی حکمت

گوڑا چاہرے ساتھ چلنے کے لیے کھد
 "میں سائیکل پر نہیں جاؤں گی۔"
 "کیوں۔ ابھی ابھی ڈرائی ہو سائیکل پر بیٹھنے سے؟"

"جیسے تم چلاتی ہو کوئی بھی بیٹھ کے لیے ڈر سکتا
 ہے۔ یونیورسٹی تک ٹھیک ہے۔ کبھی غور جانا ہے تو
 سہوے پالیں۔"

"ٹھیک ہے۔" دلوں بس سے Phalt Lane
 آگئیں۔ موسم بدل گیا تھا تو دیرالانگ ٹیوڈ چنے لگی
 تھی۔ جست جینز جیسے جنگل میں شہر کے کنارے کے لیے
 جاری ہو۔ بالوں کے نت نئے اسٹائل بنائے ہوئے
 وہ اپنی آنکھوں کو ایسے چمکدار کر چلاتی جیسے کسی خفیہ
 ایجنسی کی لیجنٹ ہو۔ امرد کو اس کے ساتھ چلنے
 ہوئے ایسا احساس ہوتا جیسے وہ اس کی بلاڈی گارڈ ہے فور
 کوئی امرد کو کسی بھی طرح کا نقصان نہیں پہنچا سکتا۔
 دہلی ہی دل میں خواہش کرتی کہ کاش وہ بھی پورا جیسی
 ہو جائے۔

اس نے پورا سے پوچھا نہیں۔ خود سے ہی سوچ لیا
 کہ وہ خریداری کرنے جا رہی ہے۔ کپڑوں کی، لیکن
 گیلری پہنچ کر اسے اندازہ ہوا کہ شاید وہاں یہاں اپنے
 کسی کمرنگ کے لیے مواد اکٹھا کرنے کو ہے یا اپنے
 بلاگ کے لیے کچھ تصویریں لینے۔ جس پارک جی
 سے وہ لمبومات کا جائزہ لے رہی تھی وہ عام انداز نہیں
 تھا۔ وہی لیجنٹ کا مائنداز۔

"تمہارا یہاں چوری کرنے کا ارادہ تو نہیں ہے؟"
 کوڑا کو آہستہ رکھ کر امرد نے پوچھا۔
 "تم میرے بارے میں ایسے بھی سوچ سکتے ہو؟"
 لیجنٹ نے اسے گھورا۔

"نہ۔ تم اسی قسم کی قسمیں دیکھتی ہو نا!"

"مطلب جو فلموں میں دیکھتی ہوں، وہی سب
 کرنے بھی لگوں۔ مجھے یقین دلاؤ کہ پاکستان میں
 سب تمہارے جیسے نہیں ہیں؟"

امرد نے منہ پھلایا اور ایسا انداز اپنا لیا کہ اب
 دیر اسے کوئی بات نہیں کرے گی۔ شام تک۔

پہلو سے ایک بر ایک موسم جی جلا کر میرے آگے
 کیا۔ وہ عالیان تھا۔ وہ کڑی کے راستے میرے
 کمرے میں مجھے سربراہ بننے آیا تھا۔
 "گوڈ تو یہ روایت اب تک قائم ہے۔"

"ہاں! میڈی سر مسکرائے لگیں۔ لیکن اب کچھ
 ایسے کہ میں اپنا کمر بدل لیتی ہوں۔ وہ ایک ایک
 کڑی پھلانگتا جھانکا آتا ہے۔ اس رات اس نے
 مائچسٹر نیورسٹی کا اسٹوڈنٹ کلرڈ میرے آگے رکھا۔
 میں انسان بن چکا ہوں۔" اس نے فخر سے مجھے

بتایا۔

"یونیورسٹی نے اسے اسکا رشب دیا تھا۔" میڈی سر
 نے اپنی آنکھوں کی نمی صاف کی۔ "اس نے مجھے
 مایوس نہیں کیا تھا۔ جب میں نے ان سب بچوں کو گود
 لیا تھا اس وقت میں نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ میں
 انہیں بہترین انسان بنائوں گی۔ مجھے کوئی بھی راستہ اپنانا
 پڑے ورنہ نہیں کروں گی۔ ایک عورت کی گود میں
 جب بچہ آتا ہے تو اس پر ہمیں اور وہیں ہنسی بڑی ذمہ
 داری عائد ہوتی ہے۔ ایک ایسا فرض جس میں عظمت
 کی گنجائش نہیں ہے۔ جب ایک انسان کو پرورش
 کے لیے تربیت کے لیے ایک دوسرا انسان بوجھا جاتا
 ہے تو جیسے کل انسانیت کی لگامیں اس کے ہاتھ میں
 دے دی جاتی ہیں کہ اسے انہیں بناد کہ کل انسانیت
 کے لیے وہاں بن جائے یا وہ بندہ بھر جو اپنے آگے اور
 پیچھے اور دائیں اور بائیں خیر کی روشنی بکھیرا چلا جائے
 ۔۔۔ سارے انسان خیر ہوتے ہیں امرد۔ بس ان کی
 پرورش کے جو گواہ ہوتے ہیں وہ انہیں کچھ کا کچھ
 بنادیتے ہیں۔ یہ سب بھول ہوتے ہیں بس ہم ہی
 انہیں توڑ کر مسل کر اپنی مرضی کے کچڑ میں پھینک
 دیتے ہیں۔"

~ ~ ~

دیرا کو Phalt Lane پر واقع گیلری تک
 کاسٹاپروم جانا تھا۔ پلٹے اس نے امرد کے لیے پارک کی
 نوٹس لگائی بل دے کر مخصوص روی انداز میں

جب وہ جی بھر کر گیلری دیکھ چکی تو ویرا کے پاس
آئی۔ وہ ایک وکٹوریئن شوکیس کے سامنے گھڑی پٹیل
سے لفظ پراکچہ باری تھی۔
”اب یہ کیا کر رہی ہو؟“

”اپنے لیے ڈریس باری ہوں۔“ اپنے کلم میں
مصروف ہوئی۔

وہ ایک وکٹوریئن فرائگ کا اسکیج باری تھی۔ جس
کے بازو گھنٹی تک تھے اور آگے جلی گئی ہوئی تھی جو
کلائی پر ہڈی لائی ساخت میں بند ہو جاتی تھی۔
فرائگ تین چار مختلف رنگ کے کپڑوں سے بنی تھی۔
لیکن اس کلپراٹم کلر بلا جیلا تھا اور جاہلا اس پر سفید جلی
کے پارے لہریے دے کر چھوڑے گئے تھے۔ اس کا
گھیرا تھا کہ اس مرد کے پانچ شلو اور سوٹ آرام سے بن
سکتے تھے۔

امرد نے ویرا کی پسند کی دلا دی۔ بلاشبہ وہ ایک
بے حد نفیس فرائگ تھی اور اس کی خاص بات یہ تھی۔
کہ اسے دیکھنے سے ہی ایک شان کا احساس ہوتا تھا۔
محترمی اور اعلیٰ نفق کا۔ وہ اپنا کلم عمل کر چکی تو وہ
دو دن باہر آگئے۔ اس مرد کے پاس مزید دو گھنٹے تھے پھر
اسے اپنی جاب پر جانا تھا۔

”کیا ہے؟“ ویرا نے اسکی اس کے آگے کیا۔

”زبردست۔۔۔ پر اس کا کردی کیا؟“

”بہت سی خاص دن پہنوں گی۔“

”اپنی شادی پر۔۔۔؟“

”اس سے بھی خاص دن۔۔۔“

”شادی سے بڑھ کر خاص دن اور کیا ہو سکتا ہے
۔۔۔ کلوریکشن پر۔۔۔؟“

”میرے نزدیک شادی سے بھی زیادہ ایک اور دن
بہت زیادہ خاص ہوتا ہے کسی لڑکی کے لیے۔ جب
اسے لگتا ہے کہ اسے دو زندگیاں کے ٹریکس کو ایک کر
دینا چاہیے۔ جب وہ یہ فیصلہ کرتی ہے کہ اسے اپنی
زندگی میں کسی اور ایک اپنے ہی جیسے بے حد اہم اور
انکاوتے انسان کو شامل کرنا ہے۔ یعنی وہ وقت جب وہ
لوگ بالآخر یہ طے کر لیتے ہیں کہ ان میں بادشاہ کون ہے

بلکہ رات تک۔

”اپنا یہ منہ کیسے ہی بھلائے رکھنا لیکن کھولنا مت“
میں یہاں مخصوص طرز کا ایک لباس ڈھونڈنے آئی
ہوں۔ جب وہ مل جائے گا تو بالائی کی تفصیل بھی بتا دوں
گی۔ تم چاہو تو ایک سے گیلری کو دیکھ سکتی ہو۔ خاص ہو
کمر میں تمہیں ڈھونڈ لوں گی۔“ ویرا چوٹی کی رفتار سے
ایک ایک شوکیس کے آگے سے مرکب پیش۔ وہ
”نوابی“ تہذیب کے نئے سیشن میں تھی۔

نہ صرف انچسٹر بلکہ پورے برطانیہ میں ”نئی گیلری
آف سٹیم ہاؤسز“ اپنی انفرادیت میں یکساں حیثیت کی
مالک گیلری ہے۔ گیلری میں ہزاروں سے زائد آئٹم
رکھتی ہے۔ لیٹ 1780 سے اب تک کے فیشن کے
محوانہ ’زینتہ‘ ہیکلہ کپڑے ’جوتے‘ زیورات اور ایسی
عناصر امریکا جہیز میں بڑے پیمانے پر کاسٹوم ہاؤس میں
فرمائش کے لیے رکھے گئے ہیں۔ یعنی یہ ہاؤس ایسی
سب چیزوں کا جدید طرز سے سجا بھاب گھر ہے۔ ظاہر
ہے جو دیکھنے سے محض رکھنے سے خاص طور پر 1780-
1880-1980 کے عرصے دیکھنے سے محض رکھنے
ہیں۔ یقین نہیں آتا کہ کبھی یورپ میں بھی خواہمیں
نے دستا لے پئے تھے۔ اس کارف کے استعمال کو لباس
کی طرح ضروری سمجھا جاتا تھا۔ ایسے گھیراؤ لباس پہنے
جاتے تھے کہ اصل جسامت کے پارے میں اندازہ
نہیں لگایا جاسکتا تھا۔ تو پھر ایسے پارے بلوسات سے
انہوں نے کیونکر اپنی جان بچا لی۔؟ ترک کیوں کر
سکے؟

تغییر وقت کی روح ہے۔ اور بلاشبہ آئندہ اوقات
گزر جانے والے وقت سے بدتر ہوتا ہے۔ ہوتا
رہے گا۔ ایسا ہی فرمایا گیا ہے۔

لن بلوسات نے اس مرد کو مبسوت کر دیا۔ وہ بے حد
نفاست سے سلائی کیے گئے تھے۔ انہیں پہننے سے زیادہ
دیکھتے رہنے کو دل چاہتا۔ موی پٹے جو انہیں پہنے
گھڑے تھے۔ سانس لینے لگتے اور دیکھنے والوں کو اپنے
ساتھ وقت کے تغیر کے سفر پر جانے پر مجبور کر دیتے۔
۔۔۔ اس مرد نے لن کے ساتھ وقت کا سفر کیا۔

اور ملکہ کوں۔ "آخری فقرہ دہرانے پہلے لب کا کونا
واپسوں میں لے کر شرارت سے چھوڑتے ہوئے کہا۔
"جب کوئی تمہیں پروپوز کرے گا اس دن؟"
وہ اہل کھوں کر رہی۔ "میں میں نے تھوڑی
سی تبدیلی کر دی ہے۔ جس دن میں اسے پروپوز
کر دوں گی۔ اس دن۔ جس دن تم مجھے اس سے
اس نے اس کی طرف اشارہ کیا۔ دیکھو، سمجھ لیتا میں
مگر کہ سر کر آتی ہوں۔"

امرد کو اس کا اظہار اچھا لگا۔ وہ جانتی تھی اسے
پروپوز کیا نہیں جائے گا بلکہ یہ اہم کلام وہ خود کرنا پسند
کرے گی۔ ایک فراک امرد کو بھی بہت پسند تھی۔
وہ جگہ گلابی رنگ کی تھی جس پر بگے غلے مسخ
پہلے پردوں دلیلی غلیوں کو ایسے بنایا گیا تھا جسے وہ ایک
دوسرے کے آگے پیچھے بھاتی مدد ملی شرارتیں کرتی
تھیں کوئی حد کرتی ہوں۔

امرد اس فراک کو اپنے سب سے خاص دن اپنی
شادی کے دن زیب تن کرنے کی خواہش کو اپنے اندر
پیدا ہونے سے نہ روک سکی۔ یہ خواہش ایسا تھا اس
کے اندر جاگ اُڑ رہا اس نے بھی اپنی شادی کے بارے
میں کچھ بھی نہیں سوچا تھا اس نے تو بھی اس شخص
کے بارے میں نہیں سوچا تھا جسے کسی تو اس کی زندگی
میں آتا تھا۔ اس کی منگنی ہوئی تو بھی اسے کوئی رنجش
پیدا نہیں ہوئی تھی کہ وہ کون شخص ہے۔ اسے صرف
اپنے حلقے کے باخول سے اپنے اس پاس کے ماحول سے
ٹھٹھکی میں دلچسپی تھی۔ جی کہ اس کی شادی بھی ملے ہو
تھی تب بھی اس نے یہ معلوم کرنے کی کوشش
نہیں کی کہ وہ کون ہے کیسا ہے۔

اس نے کئی بار اس بارے میں سوچا کہ ایک دلوا
کے بللہ وہ کیوں ہوتی سب سے لائق رہتی ہے۔
ان کے ساتھ عشق کیوں نہیں بنا پائی۔ اس کی
دوستیں دور دور سے دوستیں ہی کیوں رہتی ہیں وہ ان
کے اور قریب کیوں نہیں جا پائی؟

اس نے دلوا کو یہ سب بتایا تو وہ خاموش سے ہر
گھنٹے اس وقت تو نہیں لیکن کتنے والے دنوں میں دلوا

نے اسے بتایا کہ وہ ایسا اس لیے کرتی ہے کیونکہ تن
تک سب نے اسے تکلیف دی ہے۔ اسے سب
انسان ایک جیسے لگتے ہیں صرف تکلیف دینے والے
۔ اندر کے اس وہم اور خوف کی وجہ سے اسے کوئی
اتحاد اچھا لگتا ہی نہیں کہ وہ اس کی ذات میں دلچسپی لے
اس سے انتظار ہے کارنگا ہو جائے۔

وہ اور وہ Plait Fashions پارک آگے
مینڈوجیز اور کوک بن کے ہاتھ میں تھی۔ چلتے چلتے
ایک دم سے وہ راجپوتی اور ساتھ ہی وہ سی این میں ٹھل
دی۔ پھر تیزی سے ہائل سپرین کی طرح ڈاکر حطائیک
لگا کر سکینٹنگ کرتے ایک سپر ہوب ہوائے کو گردن
سے جالیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر لڑائیوں مونسوں اور
گالیوں کی بو چھاڑ کر دی۔ پھر اس نے اس لڑکے کو کسی
پلی کے بلوٹز کی طرح اٹھایا اور جمیل کے ٹھنڈے
پانی میں اچھا لایا۔ سٹو آپ کی تواضع آئی اور کنارے پر
لٹری دیر الٹگی اس بلوٹز کی طرف لہرا کر اسے
مزید انقلابات نواز دی۔

وہ اس کے غصے اور انٹلی ہراسنے کی رفتار کو دیکھ کر امرد
انداز میں لگا سکتی تھی کہ وہ سی زبان میں اس وقت کیا فشر کیا
جا رہا تھا۔ بلوٹز سے پانی میں ڈکی لگائی اور تیزی سے
ہاتھ چار بار تھوڑے سے کنارے سے ٹکل کر بھاگ گیا۔
"کیا کیا تھا اس پہاڑی بکرے نے؟" امرد کو اس
کے بھاگنے کے انداز پر بہت ہنسی آئی۔

"میری کمر پر چکی بھر کر گیا تھا۔"
"تم نے کیسے اس پر تشدد کیا۔ اسے لٹھڑے پانی
میں پھینک دیا۔ کوئی مسئلہ ہو گیا تو وہ پولیس لے
آتا تو؟"

"پولیس لے آئے یا فوج میں تیار ہوں۔ ایک
بار اسکول گرائونڈ میں میرے ایک کا اس فیلو نے مجھے
ہراساں کیا تھا۔ میں دس سال کی تھی اس وقت۔ وہ
ایک لوفراور گند لڑکا تھا اور اسکول کی ہر کنوڑ لڑکی اس
سے ڈرتی تھی۔ اگلے دن خوف سے میں اسکول نہیں
گئی۔ میرے پاپا کو میرے اسکول نہ جانے کی وجہ معلوم
ہوئی تو انہوں نے مجھے گھر کے باہر پہاڑ کی طرح جمی

برف میں گریفن تکھدا دیا۔ میرے ہاتھ پر ایک بھی گرم کپڑا نہیں تھا۔ میں چیخنے اور چلانے لگی، خاموشی سے میرے پاس بیٹھے رہے۔ جب میں ہانکل مرلے کے قریب ہو گئی تو انہوں نے مجھ سے پوچھا کہ برف کے اس اجیر میں رہنے رہنا بھاری ہے یا اسکول سے چھٹی کر لینا۔ بھی ہم ٹھلو فول اور برولی کی بنا پر۔ مجھ سے ہار بار بھی ایک سوال پوچھتے رہے۔ میرے ہونٹ غلے بڑھ گئے۔ اور میری جان نکلنے میں کچھ ہی وقت رہ گیا تو انہوں نے کہا کہ اگر تم نے ہائی ہانڈ زندگی بھی ایسے بڑول میں کر گزائی ہے تو خود کو اسی برف میں دفن رہنے دو۔ مر جاؤ اسی اجیر میں۔ بڑولوں کو مر ہی جانا چاہیے۔

امرد دھند پر اکی شکل دیکھ رہی تھی۔
"دس کی ٹھنڈ اور برف کے بارے میں جانتی ہو؟"

"ہاں۔۔۔!" امرد نے ساتھ زور زور سے سر بھی ہلایا۔
"کیا؟"

"ٹھنڈ ٹھنڈ ہوتی ہے۔ برف برف ہوتی ہے۔ کیا جواب دیتا تھا اس نے۔
"ٹھنڈ ٹھنڈ نہیں ہوتی، برف برف نہیں ہوتی۔ امرد۔۔۔ موت ہوتی ہے۔۔۔ سفید موت۔۔۔ سڑیوں میں پانی پھینکو تو وہ وہاں ٹھنڈا میں ہی جم جائے۔۔۔ تمہارے گرم ٹکلیں گے لوگ وہاں جاتے ہی مرلے سے گتے ہیں، ویسے تمہاری خطا کے بارے میں معلومات اتنی کم کیوں ہے؟"

"میں جانتی ہوں، دس کہیں ہے۔"

"دس میں کیا کیا ہے؟ یہ جانتی ہو؟"

"پاکستان میں کیا کیا ہے تم جانتی ہو؟"

"پاکستان میں کیا کیا نہیں ہے۔ میں یہ بھی جانتی ہوں۔ تم کیا چاہتی ہو میں نیا سے ہلت شروع کروں یا عید اقدار سے۔ کو تو میں کونہ کے بارے میں بھی بہت کچھ جانتی ہوں۔ میں نہیں تمہارے ان چند شہروں کے نام بھی جانتی ہوں، ہو زیر زمین پٹرول کے

دیرا رکھتے ہیں لیکن جن کے بارے میں خود پاکستانی نہیں جانتے۔ کیونکہ انہوں نے کبھی جاننے کی کوشش ہی نہیں کی۔۔۔ صرف ان رپورٹوں کو لے لیتے ہیں جو انہیں ہم ٹھلو غیر ملکی بنا کر دیتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ پاکستان ان خود خیزوں کو استعمال میں لا کر ترقی کرے۔ یا ایسا تب کریں گے جب انہیں یقین ہو جائے گا کہ ان در خیزوں کے نکلنے ہی انہیں ان کے ٹھیکے مل جائیں گے یا ان پر ان کا قبضہ ہو سکے گا۔۔۔ ہمارے دس میں ایک بات کہی جاتی ہے کہ پاکستانی اس وقت سیلوٹ کے چالے کے لائق تھے جب وہ ہندو متالی سے پاکستانی بنے تھے۔ اور تب جب وہ ایک انہی طاقت بنے تھے۔ اور بس۔۔۔ پاکستانیوں نے یہ سیلوٹ دوبارہ نہیں ملے۔"

امرد جانتی تھی کہ ٹھیک کہہ رہی ہے۔ خود امرد کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ پاکستان انہی طاقت کس میں ٹپکتا۔

"تم نے اس کے ساتھ کچھ لڑاؤ ہی کر دیا۔" امرد کو اسے پرانے موضوع پر واپس لانا زیادہ مزید دیرا کے سامنے شرمندہ نہیں ہو سکتی تھی۔ اگر وہ پاکستان کو لے کر کوئی عام سماجی سوال پوچھ سکتی تو اسے اس کا بھی جواب نہ آتا تو۔ تو برا ہوتا۔ کم سے کم ایک پاکستانی کو تو پاکستان کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے۔
"زیادہ نہیں بلکہ ہانکل ٹھیک کیا۔ ٹھنڈے پانی نے اس کی اندر کے گندے کپڑے کو بھگو بھگو کر پگھل ڈالا ہو گا۔"

"تم بہت بھلور ہو رہی۔"

"اگر مجھے ایسے برف میں دھلانا نہ جانا تو میں کبھی

انہی بھلور نہ ہوتی۔"

ایک لمحے کے لیے امرد ہانکل خاموش ہی ہو گئی۔ ایک دیر انہی جسے بھلور دھلایا گیا تھا۔ ایک امرد جسے مسلسل مسل رلا دیا گیا تھا۔ وہ دونوں انسان نہیں لڑکیاں۔ لیکن ان میں سے ایک کئی گنا مضبوط اور کئی قدم آگے تھی اور دوسری کئی گنا کمزور اور بہت پیچھے تھی۔ دونوں انسان ہی تھیں، پھر بھی برابر نہیں

تھیں۔
 "تو تمہارے فلور تمہاری طاقت ہیں؟" امردہ کو
 اس پر رشک آ رہا تھا۔

"میرے استاد ہیں۔ انہوں نے اپنی طاقت
 مجھے نہیں دی بلکہ میرے اندر کی طاقت کو میرے اندر
 بیدار کیا ہے۔ جب ایک باب اپنی بیٹی کے اندر اس
 طاقت کو بیدار کرتا ہے تو وہ زندگی کے ہر بڑے میدان
 میں فتح جیتنے کے لیے اپنی بیٹی کو تیار کر لیتا ہے۔ اور
 یہ پلور صرف ایک باب اپنی بیٹی کو دے سکتا ہے۔
 انہوں نے مجھے سکھایا کہ بڑی اور بہادری دونوں کا
 تعلق داروغہ ہے جس سے نہیں۔ اگر داروغہ کو غرور
 ہٹا لیا جائے تو جسم پر گزڑ پوک نہیں بنتا۔ وہ کہتے
 ہیں نا کوئی آپ کو انگلی ہرا کر دھمکائے آپ اسے مٹا
 مار کر خاموش کر دے۔"

"تمہیں کوئی بھی رد عمل میں نقصان پہنچا سکتا
 ہے۔"

"ہاں ایسا ہو سکتا ہے تو کیا نقصان کے خوف سے
 میں بڑی بی بی رہوں خاموش رہوں۔ ایسا میں نہیں
 کر سکتی۔ ویسے تمہیں تمہارے پیارے کیا سکھایا ہے
 امردہ؟"

ایک گہرا سلیہ امردہ کے چہرے پر سے ہو کر گزرا
 ۔ بیلارٹ گئے گھر آتے تھے انہیں دنیا میں ایک سی
 چیز کی فکر رہتی تھی، اپنی کارٹ شاپ کی۔ وہاں
 رہتے چھوٹے بچے ہر کارٹ کی بیگمات کے گھر
 وقت پر ڈیلیوری کی۔ حتیٰ کہ شاپ پر نیوز ہو جانے
 والے آخری سیور تک کی بھی۔ یہ نیوز فورم میں ایک
 دن صبح وہ دن کے سامنے اپنی دین کے لیے نکلے لی تو
 انہوں نے پوچھا۔

"کتنے بچے ہمیشہ ہوتے ہیں تمہاری اسکول سے؟"
 "میں اسکول نہیں کالج جاتی ہوں بس۔" تاکہ کرنا
 دین میں آکر بیٹھ گئی اور بمشکل اپنے رونے پر قابو
 پا سکی۔ جس باب کو یہ تک معلوم نہیں تھا کہ اس کی
 بیٹی اسکول نہیں کالج جاتی ہے۔ وہاں اس کی تکلیفوں
 کے بارے میں ایسے جان سکتا تھا۔ جس باب کی بیات

ویرا پوچھ رہی تھی وہاں اس کے لیے واوا بنے تھے
 "میں بارہ سال کی تھی اور بیٹی طرح سے رو رہی
 تھی۔ میرے واوا مجھے ایک بہت بڑے پارک میں لے
 گئے وہ سال کے گرم ترین دنوں میں سے ایک دن
 تھا۔ کیا تم گرم ترین دنوں کا مطلب پہانتی ہو؟" امردہ
 نے رک کر پوچھا۔

"ہاں! کیا گرم کہ انسان کی موت واقع ہو سکتی
 ہے۔" ویرا سب پہانتی تھی۔

"ہاں یہ وہی دن تھے۔ پارک میں لے جا کر
 میرے واوا نے مجھے وہ مرنے پر غور دکھائے جو گرمی
 سے مر چکے تھے۔ مجھے ایک درخت کے نیچے لے کر
 بیٹھ گئے اور انہوں نے مجھے پر غور کو دیکھتے رہنے کے
 لیے کہا اور میرے دیکھتے ہی دیکھتے ایک چڑیا گرمی کی
 تاب نہ لا کر مر گئی۔ میرے واوا مجھے اس کے قریب
 لے گئے اور مجھ سے پوچھا۔

"امردہ! مرنے سے پہلے کیا تم نے اس چڑیا کو
 دیکھا۔" آہ و بکا، شکوے شکایتیں کرتے دکھائے۔
 گرمی نے اسے اتنی تکلیف دی۔ کیا اس کی میٹھی
 چوں چوں بھدی آواز میں بدلتا۔ بلکہ یہ بے چاری تو
 خاموش ہو گئی پھر تو یہ معصوم سی چڑیا انسانوں سے بڑھ
 کر ہو گئی۔"

واوا نے چند چھوٹے ٹکڑے اٹھا کر پرندوں کو مارے۔
 وہ خاموشی سے پھر سے اڑ گئے۔ انہوں نے اپنی جگہ
 بدل لی لیکن واوا نہیں کیا۔ نہ روئے نہ چلائے۔ پھر
 انہوں نے مجھے بتایا کہ کائنات کی اپنی تخلیق مشرقات
 برعکس اور دوسرے جانور بھی انسان کی طرح آواز کا
 نہیں کرتے۔ انسان کی طرح روتے چلاتے نہیں
 واوا نہیں چلاتے۔ لیکن کائنات کی اس نعمت و اعلیٰ
 تخلیق انسان یہ کام بہت شوق سے کرتا ہے، ایسے گا
 بھارتا ہے سینہ گولی کرتا ہے جیسے کائنات کے رب نے
 ظلم کے دکھوں کے سب ہی پہاڑ اس پر توڑ ڈالے ہیں۔
 ایک اکیلا دی تکلیف اٹھا رہا ہے۔ یہ نہیں دیکھا
 کہ یہ دکھ یہ تکلیف اسے کتنا فائدہ دے رہی ہیں۔
 اس کی استغاثہ سے کیا کیا کچھ سکھا رہی ہے۔ بس وہ

روئے چلا جاتا ہے۔
 "تو تمہارے دادا کے پاس ساری مشقی حکمت ہے؟"
 پھولے نہیں سمائے تھے۔
 "بڑے اچھے لوگ ہیں امردا یہ سب تو۔" کہت
 خوش ہوئے۔

"ہاں جی! سستی ہذاں اچھے۔" وہ قہقہہ لگا کر۔
 اس نے دادا کو آکس لینڈ کی وہ خاتون بھی دکھائیں
 جو وہ کم ستر سال کی عمر میں، ماشرو کر رہی تھیں اور
 یونیورسٹی کے ہائی اسٹوڈنٹس اور اپنی کلاس کے
 موفیوز سے یہ درخواست کر لی ہائی جانی تھیں کہ ان
 کی عمر کو ہائے طاق رکھ کر انہیں بھی دوسرے
 اسٹوڈنٹس کی طرح عام اسٹوڈنٹ سمجھا جائے انہیں
 کوئی رعایت نہ دی جائے۔ وہ اس وقت بھی برلن
 جاتی تھیں۔ جب لاہور میں کوئی دن سے یہ کہتا تھا
 کہ وہ چھپا آٹھ کتابوں پر مشتمل سیٹ کو ان کے ہاسٹل
 روم تک چھوڑ آتا ہے۔ یونیورسٹی اسٹاف کو ان سے
 بہت توقعات تھیں اور سب کا ماننا تھا کہ وہ ضرور دنیا بھر
 میں، فیسٹریونیورسٹی کا نام روشن کریں گی اور کالونکیشن
 اسے بریقہٴ دنیا بھر کا میڈیا سسر جہل کی شاندار
 کامیابی کو کورنگن تا فرس تجھے گا۔
 "دادا! آپ بھی آجائیں۔ یہاں چھوٹا موٹا کوئی
 کورس ہی کر لیں۔"

"اس عمر میں میں کیا کروں گا کورس کر کے۔"
 "یہی سوال میں نے بھی سسر جہل سے پوچھا تھا کہ
 اس عمر میں آئج کو کنفل کر اس میں کس گراؤد بھر
 اس میں ڈگری لے کر وہ کیا کریں گی تو انہوں نے کہا۔"
 عمر۔ کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اصل چیز زندگی ہوتی ہے
 ۔ اور میرے وجود میں زندگی ایسے ہی لاڈلی ہے جیسے
 کسی لومبولو کے جسم میں۔ تو جب زندگی کا معنی
 ایک سے "زندہ رہنا" تو میں کسی شاندار مقصد کو لے
 کر زندہ کیوں نہ رہوں۔ اس سے پہلے میرا مقصد
 میرے بچوں میرے خاندان کی پرورش اور دیکھ بھال
 تھا جب میں اس سے غافل ہوئی تو میں نے ایک نیا
 مقصد اپنایا۔ اس میں عمر کو بھر نفع نقصان کی قربانی
 نہیں ہے۔ یہ تو مقصد کو پالنے کی بات ہے جو میں پال
 رہی ہوں۔"

"نہیں۔۔۔ ان کے پاس صبر اور علم ہے تو وہ اسل
 وہ ایک اچھے استاد ہے ہیں اور میں ایک بری شاگرد
 ۔ ہم اپنے استاد کو ہاں باکام کر دیتے ہیں جب ہم اس
 کی سنتے ہیں لیکن ہانتے نہیں۔ ہر دن ہر رات وہ مجھے
 ایسی ہی باتیں سناتے لیکن میں نے تو اپنے وجود کو جیسے
 پتھر کا بنا لیا تھا۔ قطرو قطرو سوچہ پوچھ کی کوئی بھی چونکا اس
 پراثر نہیں کر رہی تھی۔ لب تم سب کو دیکھتی ہوں تو
 خیال آتا ہے کہ اپنی زندگی کن اندھیوں میں گزارتی
 رہی ہوں۔ ذرا سی است کرتی تو ان اندھیوں سے نکل
 سکتی تھی۔"

"کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ ماضی میں؟ کچھ بہت
 برا؟"
 "تم سنو گی تو فوسو گی۔"

"میں ہنسنا چاہتی ہوں۔" اس نے سنجیدگی سے
 کہا۔
 "لیکن جانتے جانتے میں مد پڑھتی گی۔" اس نے
 بھی سنجیدگی سے ہی کہا۔
 "جسٹیل میں ہاتھیں ایسے سکون سے تیر رہی تھیں
 جس سکون سے انسان کھواٹے کھی پڑتا ہے۔"

"Slape is God send"

گورو اس کی قائل بھی تھی۔ دادا ہر دن اس سے
 بات کر کے اسے دیکھ کر ہی سوتے تھے۔ اس نے
 صوبائیل لے لیا تھا اور جلتے پھرتے ہر اوقات میں دادا
 سے اسکا تپ پر بات کر لیا کرتی انہیں دیکھ لیا کرتی
 صوبائیل کے ذریعے ہی اس نے دادا کو اپنی کلاس اپنی
 کلاس فیلو اور یونیورسٹی دکھائی تھی۔ کلاس میں سر
 کے آنے سے پہلے اس کی کلاس فیلو نے ہاتھ لہرا کر
 یک زبان ہو کر کہا تھا۔
 "ہیلو گرینڈا! گورو گرینڈا! اتنے خوش ہوئے تھے کہ

"لوہ۔۔۔ سلو حنائے۔۔۔ فون آیا تھا اس کا میک
ہٹانے کی ترکیب پوچھ رہی تھی مجھ سے۔"
"آخر یہ برطانوی لوگوں کو گھر میں بے تکلف کرنے کا
جنون کیوں ہے؟"

"سلو حنائے سہل ہے۔" اس نے اعطاعت گزار
بچوں کی طرح ایسے کہا کہ اسے برائے لگے۔

امرد نے اس کے لائے گلدستے میں سے جو کسی
بلخ سے توڑے لگتے تھے سفید، نیلے، سرخ پھول چن
لیے اور پیلے پھول اسے واپس کر دیے۔ وہ سالیہ اسے
دیکھنے لگا۔ دونوں لب پونہور شی کی محراب کے پیچھے
کھڑے تھے سامنے آگسٹورڈ روڈ والے دروازے کی۔

"یہ واپس کیوں کیے؟" خلیان کو برا لگا۔

"پیلے پھول کسی کو نہیں دیتے۔ یہ ناپسندیدگی اور
نفرت کی علامت ہوتے ہیں۔ ہم سب ان سے بے لگتے ہیں۔
نہ سسی ایسے دشمن بھی نہیں ہیں کہ مجھے میری سالگرہ
کے دن یہ پھول دینے چاہیں لوں۔"

"نفرت ناپسندیدگی کی علامت یہ پھول؟" پھر پور
سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا۔

"ہاں بالکل!" وہ بھی مکمل سنجیدگی سے جواب دے
رہی تھی۔

"تم سے کس نے کہا یہ امرد؟"

"کیا مطلب ہے تمہارا کہ کس نے کہا؟"
پونہور شی کی تاریخی محراب کے نیچے ایک نئی کلاس لگی
تھی۔

"تم سے یہ کس نے کہا کہ یہ نفرت اور ناپسندیدگی
کی علامت ہیں؟"

"سب کو معلوم ہے یہ۔" اس نے ایسے کندھے
اچکائے جیسے اسے یہ جہاز ہی ہو کہ کتنی عجیب تھیں اتنی سی

بات نہیں معلوم۔ الفوس۔ ویسے تم بڑے ماسٹر
مانند بننے ہو۔

"سب کون؟"

"کاف۔ یہ ساری دنیا۔ سب۔ اور کون۔"

ایک دم سے امرد کے تاثرات میں فیس اور کوفت

کا گراں بڑھنے لگا۔ پھر پورے دل سے قہقہہ لگایا۔

دوا اسے سالگرہ ویش کر رہے تھے۔ جب وہ کچن
میں سلو حنائے کے ساتھ بٹاشا بنا رہی تھی۔ اس نے
موبائل اسٹینڈ میں موبائل ٹکا دیا تھا اور کام کرتے
ساتھ ان سے باتیں کر رہی تھی۔ سلو حنائے سنا تو
اسے گلے سے لگایا اور کیک بنانے کا وعدہ کیا۔ دیر
نے فی الحال ایک سرخ رنگ کا رین اس کی کلائی پر
باندھ دیا اور ایک اپلی کلائی میں کہ دونوں کو یاد رہے کہ
ایک نے گھٹ لیتا ہے اور دوسرے نے دیتا ہے۔ اس
اولن نے بھی جیسے لپٹا علامتی چپ کا روڑہ توڑا اور اسے
جاپانی گیت گا کر پیش کیا۔ نشست گاہ میں کسی پھولوں کی
کی طرح ہل ہل کر گیت گاتی وہ لہن نین خواتین کو
حیران کر رہی تھی۔ لیڈی میرا سے ٹھوڑی تلی ہاتھ
رکھ کر کھینچتی رہیں۔ جب وہ گا چکی تو لیڈی میرا سے پوزور
سہا کر کھلا۔

"مجھے امید تھی کہ تمہارے اندر بھی کوئی نہ کوئی کھلا
ضوء موجود ہے۔ رات کو مجھے تم چند ایسے ہی گیت
سنا۔"

امرد کے ہاتھ پر کس کر کے اس نے اولن پھر سے رانی
اس نے اولن میں کئی جو سال میں ایک ہر مشکل سے کوئی غیر
ضروری بات کیا کرتی تھی۔ لیڈی میرا سے رات کے آخر
کے اہتمام کا امرد سے وعدہ کیا۔

اور پونہور شی میں رنگ پر تھے پھول لے کھلی اس کا
خاطر تھا۔ وہ اپنی کلاسز لے چکی تھی اور اپنے لپٹا پارٹنر
کی صدارت سے آگے تھی کہ خلیان ایک دم سے اس
کے آگے آگیا۔ شاید وہ جانتا ہوا تھا تھا۔

"یہ لو۔ وقت تمہیں زندہ رکھے۔"

"وقت مجھے زندہ رکھے۔" وہ ذرا نہ سمجھی۔

"تمہاری سالگرہ ہے نا آج تو تمہیں دعا دے دیا
ہوں جسے وقت زندہ رکھتا ہے اس کی عمر ہزاروں
سال۔ کئی صدیاں ہوئی ہے۔"

"مسکراتے گی۔" خلیان کس نے بتایا؟

"میں نے خود کو خود ہی بتایا۔" اسے لگا اس کی
تعریف کی گئی ہے۔

"میری سالگرہ کا کس نے بتایا بالکل۔"

قدرت کو ناخوش کرنے کے لیے لکھا ہے قدرت کو بیچ کرنے کے لیے لکھا ہے۔"

امجد حقیقتاً "چپ ہو چکی تھی۔ اس کی ساری زندگی پہلے پھول کو قدرت کی علامت سمجھتے گزر جاتی۔ اگر اسے یہ سب نہ بتایا جا رہا ہو تو آخر اس نے آج تک یہ بات خود کیوں نہ سوچی۔ وارغ تو اس کے پاس بھی تھا۔

"میرا ذاتی خیال ہے کہ پھولوں کے دو تاجروں کے کاروباری حصہ کا نتیجہ ہے یہ سب۔ ایک تاجر کے پاس۔۔۔ پہلے پھول ہوں گے اور وہ کاروبار میں بہت ترقی کر رہا ہو گا۔ اس کے پہلے پھولوں کا باغ حیرت سے پھل پھول رہا ہو گا۔ دوسرے کے کسی دوسرے رنگ کے ہوں گے چلو سرخ رنگ۔ اب سرخ پھول کے مالک نے یہ سوچا ہو گا کہ پھول کو کسی ایسے جذبے کے ساتھ جوڑ دیا جائے کہ راتوں رات اس کی مانگ میں اضافہ ہو جائے اور اپنے کاروباری حلیف کے پھولوں کو کسی ایسے جذبے سے شلک کر دیا جائے کہ لوگ اسے لینا ہی پسند نہ کریں۔ اور پھر اس نے یہ کیا اور وہ ایسا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دیکھو! تم نے کیسے میرے ہاتھ میں میرے پھول واہیں کر دیے۔ وہی پھول جو مجسم شاہکار ہیں۔"

امجد نے اس کے ہاتھ سے پھول واہیں لے لیے۔ اور تیزی سے بس کی طرف بھاگی جس میں بیٹھ کر اسے جانتا تھا۔ علیان اس سے چند قدم دور تھا۔

"یہ بات تمہیں کس نے بتائی ہے علیان؟" بس کی کھڑکی سے سر نکال کر اس نے پھولوں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا۔

"میرا لے۔" علیان نے تیز آواز میں کہا۔ بس دھڑکی گئی تھی لیکن وہ وہیں کھڑا بس کی گزرگاہ کو دیکھتا رہا۔

رات کے ڈنر کا اہتمام ٹھیک ٹھاک تھا۔ دادا کو تن لائن دیکھ کر بس نے سادھنا کا ہاتھ ایک کٹ لیا تھا۔ لیڈی مہر نے اسے برتنورشی کی تصویر ولا کر اس بیگ دیا تھا۔ سادھنا نے باریک سی پانچب اور این اٹن لے

"تم اتنی سلی ہو امجد۔ یا تم ان لوگوں کی باتوں پر دھیان دیتی رہی ہو جو قدرت اور انسان کے موبد ہیں جو بیٹ قدرت کے قوانین میں سمجھتے ہیں اور پورے دلی سے ان قوانین میں رد بدل کرتے چاہتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایک پھول بھی خود نہیں بنا سکتے لیکن اسی پھول کو نا پسندیدہ "قلبی قدرت ضرور بنا سکتے ہیں۔ یہ علامت آخر کیا چیز ہوتی ہے؟ یہ پھول ہے امجد! صرف پھول۔ اگر یہ اس سے زیادہ کچھ اور بھی ہے تو وہ یہ کہ یہ اپنے وجود میں کامل ہے۔ یہ خود کو خود ہی مکمل کرتا ہے۔ اس کا کھتا ہوا رنگ دیکھو! کتنا کامل ہے۔ یہ اپنے رنگ میں نہ کہیں کہیں زیادہ۔ ایک جیسا۔ اس کی ہتھکڑیاں کتنی نرم اور ملائم ہیں کتنی حاذب نظر۔ کوئی ملاوٹ نہیں ان میں دنیا کی بہترین ٹیکسٹریوں میں بننے والا ریشم بھی اس جتنا ملائم نہیں ہو گا جتنا یہ زمین کے وجود سے نکل کر ہوا ہے۔ دیکھو قدرت کی کاملیت۔۔۔ دلو! قدرت کو تعریف کرو قدرت کی۔۔۔ ان تمام اسے نا پسندیدہ علامتیں دے رہی ہو تم نے اس کی خوب صورتی پر غور نہیں کیا اور اسے نا پسندیدہ جان لیا۔ سر اٹھا کر آسمان کو دیکھو! اگر ساری دنیا اس آسمان کو کوئی حصول اور بکو اس علامت قرار دے دے گی تو تم اسے بھی برا ماننے لگو گی۔ دیکھو مسند ریشمی جھیلیں مسند سفید پھاڑ کتنے کامل ہیں۔ اگر انہیں بھی علامتیں دے دو گی تم انہیں تو کیا قدرت کرنے لگو گی ان سے۔ اپنی تخلیق میں یہ پھول کسی سے کم نہیں۔ کائنات کی کسی بھی شے سے۔"

یہ اپنے مقام پر بدستور ہے۔ اس کے سر پر تاج ہے۔ اس کی تخلیق کامل ہے کہ تمہاری تخلیق جیسی ہوتی ہے۔ پانی بھی تمہو سے ہی ہو۔ یہ کسی بھی طرح کا نہیں اس میں کوئی کمی نہیں۔ کی ہے تو ان جانوروں میں جن میں یہ لتور پیدا ہوتا ہے۔ کوئی پھول کوئی رنگ قدرت کی بنائی کوئی چیز قابل قدرت نہیں ہوتی۔ یہ کبھی لوگوں کی باتیں ہیں۔ تم وہ سبق کیوں بڑھ رہی ہو جو دنیا کے مخلوق ان لوگوں نے غائب مافی میں لکھا ہے۔ قدرت کے خلاف جا کر لکھا ہے۔

کا جواب نہیں تھا کہ وہ مسلمان ہے اور مسلمان ایسا نہیں سوچتے اس کا جواب اس کی دہائی اس کی ماں اور خاندان کے پانی لوگوں کے پاس تھا وہی بتا سکتے تھے کہ قرآن وحدث میں تو لیا کہ نہیں لکھا پھر وہ کہیں سے یکے یکے کر رہے سب کہتے اور کہتے ہیں اور یہ سب کرتے ہوئے کیا وہ بھول جاتے ہیں کہ ایک بنان کے کے ایک ایک لفظ کا حساب کتاب بھی ہو گا۔ جو کہا ہو گا اس کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ وہ کون سا جواب گھڑ کر دیں گے۔ یہی کہہ کم حق اور انجان تھے اور ان کے جواب کو درست نہیں مانا جائے گا کیونکہ جو کلام پاک پڑھتا ہے وہ نہ کم عقل ہو سکتا ہے نہ ہی انجان رہتا ہے۔ اگر وہ ٹھیک ٹھیک پڑھتا ہے تو۔



”کیا مسئلہ ہے آپ کا؟“ انصافی ڈاکٹر۔
 ”میں فریشر فلو کا شکار ہوں۔“ نیا اسٹوڈنٹ۔
 ”لہذا۔۔۔ لیکن اس کا کوئی علاج نہیں ہے۔ پر سکون رہیں۔۔۔ وقت اس فلو کو مارل کر دے گا۔“
 وقت نے اس فلو کو مارل کر دیا تھا اور کمبویش سب نئے آلے والوں میں سے اس کے اثرات زائل ہو چکے تھے۔ وہ یکم ویک کے بعد انہیں گاہے بگاہے یہ اصطلاح اپنے سینئرز اور پروفیسرز سے سننے کو ملی۔ کبھی ”فلو“ اور زیادہ تر ”غذا“۔۔۔ یونیورسٹی میں نئے آنے والے اسٹوڈنٹس کو مائچسٹر ہولی اور شمر کا جو بخار چڑھتا ہے اسے فریشر فلو کہا جاتا ہے۔ اس فلو کے حامل فریشرز بہت بوتے ہیں۔ ایک جہ سے سب جلن لینا چاہتے ہیں۔ رات رات بھر جاتے ہیں۔ بہت کھاتے ہیں۔ بلاوجہ ہی یونی اور شمر میں گھومتے پھرتے رہتے ہیں۔ مائچسٹر ہائٹ لائف سے ایسے لطف اندوز ہوتے ہیں جیسے پڑھنے نہیں سیاحت کر لے گھر سے نکلے ہیں۔

شروع شروع میں جب مائچسٹر ہولی کا ایک چکر لگایا کرتی اور بلاوجہ ہی مختلف ڈپارٹمنٹس میں گھومتی پھرتی تو دائم وغیرہ کا گروپ اسے بہت تنبیہ کی سے کہا

”اتھ سے بی ایک بھولی ہی گڑا جو اس کی ماں نے اس کے بیگ میں ایک درجن سے زیادہ رکھ دی تھیں کہ یونیورسٹی میں اسے جو چاہا لے آئیں وہی چاہئے ایک اس نے لیڈی مہر کوئی۔“

امرد نے اس گڑا کو یونیورسٹی بیگ کی اوپری سلاپر لگا لیا۔ سب کو معلوم ہونا چاہیے تاکہ این اون اسے پسند کرتی ہے۔

اس نے اپنے گھر میں کبھی سالگرہ نہیں کی تھی۔ کیونکہ اسے اپنے دنیا میں آنے کی کوئی خوشی نہیں تھی۔ بلکہ اسے یہ سوچ کر ہی کوفت ہوتی تھی کہ وہ تاج کے دن پیدا ہوئی تھی۔ ایک ایسی تاریخ جسے راوی سال میں کتنی ہی بار دہرائی تھیں کہ اس دن یہ ہوئی تو یہ یہ ہوا۔ اس نے ساوہنا کو ایک ہمارے ایسے ہی یہ سب بتایا تو وہ حیرت سے اس کا منہ دیکھنے لگی۔

”لیکن تم تو مسلمان ہو امرد اور مسلمانوں میں تو یہ سب باتیں نہیں ہوتیں۔“

امرد اسے کیا بتائی کہ لب مسلمانوں میں بھی کیا کیا ہونے لگا ہے۔

”ہاں بھلے میں ایک مسلمان خاندان آباد تھا۔ مجید بھائی تھے۔ اسکول میں رہتے تھے اور اپنا نیشنل سینٹر بھی چلاتے تھے ان کی بیٹی شادی ہوئی تو انہیں نوکری سے نکال دیا گیا۔ پھر اسی مہینے ان کے نیشنل سینٹر میں آف ٹنگ گئی اور پھر چند ہی دنوں بعد ان کے مکان کی پھٹ کر گئی۔ سب نے کہا۔ ”بسو بہن قدم ہے“ لیکن ان کی مائا اور وہ ان کے سے بٹے رہے۔ کہتے جو ہوتا ہے اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔۔۔ تین سال پر اب ان کے ساتھ ایسا ہی کچھ ہونا رہا لیکن انہوں نے کبھی ایک بار بھی لوگوں کی باتوں پر کان نہیں دھرے کہ یہ سب ان کی شادی کے بعد ان کی بیوی کے قدموں سے ہوا ہے وہ سب سے یہی کہتے کہ ہمارے مذہب نے ہمیں ایسا کہنے اور سوچنے سے منع کیا ہے۔“

ساوہنا آتش دان کے قریب بیٹھی آریان کے موزے بن رہی تھی اور بہت مدلل انداز سے اسے سب بتا رہی تھی۔ اس کے پاس ساوہنا کے اس سوال

تھی۔ یعنی اچھی طرح کام کر لے کے لیے اسے معمول سے زیادہ محنت کرنے کی ضرورت تھی۔

اساٹمنٹ مکمل کرنے اور جمع کروانے کے اس دورانے میں یونی کے ہر اسٹوڈنٹ کو دیکھ کر لیا گیا کہ اس بے چارے کا کچھ کھو گیا ہے اور وہ پوری جان لگا کر اسے تلاش کر رہا ہے یا ایک وٹلی پتھر ان کے سر پر لنگ رہا کسی بھی وقت گر سکتا ہے۔ ان دنوں اگر کوئی فضول کہیں ہانستا کہیں نظر آجاتا تو اس پر جی بھر کر دھک آتا کیونکہ وہ قتل لائق فائق اسٹوڈنٹس اپنی اسٹمنٹ مکمل کر چکا ہوتا ہے اسے دیکھ کر یہ عہد کیا جاتا کہ اگلے سمسٹر تک ہم بھی خود کو اسے ہی لائق فائق بنالیں گے کہ وہ سرے نہیں دیکھ کر دھک دیا کریں گے۔ اور یہ عہد پھر اگلے سمسٹر بھی کیے جاتے۔

امرد کو ہر حال میں اپنی کارکردگی بہتر کرنی تھی اسے انگلش لٹریچر اور لسانیات میں ماسٹر کرنا مشکل لگ رہا تھا بلکہ بہت مشکل لیکن وہ اپنے ہائی کلاس فیوز کو دیکھتی تو سوچتی کہ یہ بھی تو تنہی سے پڑھ ہی رہے ہیں نا۔ تو اسے بھی پڑھنا تھا۔ کیسے بھی کر کے پچتر فیصد تو اسے ہر حال میں پہلے سمسٹر میں لینے ہی تھے۔ یونی میں اس کی پہلی کلاس تھی سربراہرٹ لے کلاس میں آکر اپنا تعارف کروایا اور ان سب کے سامنے ہاتھ سے بنے کارڈ رکھ دیے۔

کارڈ پر پیل رنگ کے تھے جس پر پہلے رنگ سے UOM فرسٹ سمسٹر فرسٹ ڈے فرسٹ کلاس لکھا تھا اور کونے میں سربراہرٹ کے دستخط تھے۔

”اس پر آپ سب اپنا نام اپنا تعارف لکھیں اور یہ بھی لکھیں کہ آپ سول فیصد میں سے کتنے فیصد کو چیلنج کرتے ہیں۔ اسی چیلنج پر اپنا مولو بھی لکھیں اور کارڈز مجھوا لیں گے۔“

سب نے کارڈز لکھے اور پھر باری باری سربراہرٹ نے کارڈز پڑھنے شروع کیے۔ جس کا کارڈ پڑھتے وہ کھڑا ہو جاتا اور ہاتھ ہلا کر سب کو ہائے کرتا۔

”یہ عملی کس نے لکھا ہے۔“
امرد نے گردن جھکا کر ایک نظر کلاس پر ڈال دیا۔

”تموڑا وقت کے گالیگن ٹھیک ہو جاؤ گی۔ یونی بھائی نہیں جا رہی۔ وہ سب ہیں تھکے پاس آرام سے ایک ایک پروڈیوسر اسٹوڈنٹ ڈیپارٹمنٹ گارڈن لا بھیری میوزیم گھوم پھر کر دیکھ لیتا۔ اپنے اس فلو کو تموڑا کم کرنے کی کوشش کرو۔“

اتنی سنجیدگی سے کی گئی اس نصیحت کے باوجود وہ ہنستے میں دوبارہ تو ضروری یونی میوزیم جاتا۔ فاسٹ فوٹ متا تو وہ سرے ڈیپارٹمنٹس اور پبلشنگ دیکھتی رہتی۔ لیکن لب چو نک اس فلو کے اثرات زائل ہو چکے تھے اب تو اپنے ڈیپارٹمنٹ تک ہی چلی جاتی تھی تو بڑی بات لگتی تھی۔

جب جب اسے اسٹمنٹ ملتی اس کی جان پر ہن جاتی۔ اسے لگتا اس سے اسٹمنٹ نہیں ہوگی اور اسے یونی سے نکل دیا جائے گا۔ فی الحال ابھی تک نکالا تو نہیں گیا تھا لیکن وہ اس نکالنے کے بارے میں سوچتی ضرور رہتی تھی۔ ایسے وقت میں پڑھائی ایک اور دھابن جاتی جو ہرپ کر جانے کے لیے تیار نظر آتی۔ پہلا سمسٹر اپنے اختتام کے قریب تھا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں کتب اور رٹلا کوک نظر آتی۔ لا بھیری کی طرف آمد و رفت ایسے تھی جیسے وہاں بے ہوائے اسٹمنٹ مل رہے ہیں۔ ایک دوسرے کی شکل دیکھتے ہی پہلا سوال کیا جاتا۔

”اسٹمنٹ مکمل ہو گئی؟“

زیادہ لڑکے نہ میں سرہانے نظر آتے۔

”سوال کتنے فیصد ہو گئی؟“

امرد کی کل پانچ سو اسٹمنٹس تھیں۔ چار پر وہ کام مکمل کر چکی تھی پانچویں پر کام مکمل ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ جو جون ملین کی لوسٹ ہیڈ لائنز کے کردار ’مائیکل‘ رائفل اور شیطان کے مجسمے پر مشتمل تھا۔ جون ملین کے گرد ابدوں کو پڑھ لیتا کسی ممبر کے سے کم نہیں تھا۔ کہیں ان کے تجربے لکھا۔ جسے اچھی طرح اس Epic Poem کی ہی سمجھ نہیں آتی تھی وہ اچھی طرح اس پر کام کیسے کر سکتی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریڈیو مائیل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پر یو ہر پوسٹ کے ساتھ
- ✧ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریج
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریج
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرنگ نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

وہاں اسے تو کوئی اسٹوڈنٹ عرب سے نظر نہیں آ رہا تھا۔ کھڑی ہو گئی۔

"یہ اردو ہوگی مرزا؟" احمد نے کارڈ کی اشارہ کیا۔ سر رابرٹ نے کارڈ کا رخ اس کی طرف کیا کہ وہ پہچان لے۔

"جی یہ میرا ہی کارڈ ہے۔"

"لیکن مجھے اردو پڑھنی نہیں آتی۔" سر رابرٹ نے مسکرا کر فری سے کہا۔

"آپ نے ہی تو کہا ہے مرزا یہ ہمارا پہلا تعارف ہے اور میری ملوری زبان میرا پہلا تعارف ہے۔" احمد۔
مجھے اردو کا استعمال ہی کرنا چاہیے تھا۔ سر۔
سر رابرٹ متاثر نظر آنے لگے۔

"یہ کارڈ یہاں آکر پڑھ کر سنا دیں۔ میں محذرت چاہتا ہوں میں فریج اور انٹلین جانتا ہوں۔ اردو نہیں۔"

وہ سر رابرٹ سے تھوڑا سا فاصلہ رکھ کر کھڑی ہو گئی۔ وہ اپنے قوی لباس شلوار قمیض میں ملبوس تھی۔ وہ اردو پاکستانی لڑکیوں کے کارڈز سر رابرٹ پر رکھ چکے تھے اور انہوں نے انگلیش میں ہی کارڈز لکھے تھے۔ دلوانے اس سے وعدہ لیا تھا کہ اپنی نئی کلاسز میں وہ اپنے تعارف پہلے اردو میں کروائے گی پھر ترجمہ کر کے انہیں انگلیش میں اپنے کے کا مطلب بتائے گی۔ دلوانے اسے بار بار یہی کہا تھا کہ زندگی میں سب کرنا۔ لیکن اپنی زبان کو "مرے فیسر" لالے کی کستانی نہ کرنا۔
وہ کارڈ پڑھنے لگی۔

"میں احمد ہوں۔ میرا ملک پاکستان ہے جس کے تاریخی شہر لاہور کی میں رہائشی ہوں، مجھے ناچسٹر یونیورسٹی پاکستان اسٹوڈنٹ سوسائٹی نے اسکا رشبہ کر سلی تعلیم حاصل کرنے کا موقع دیا ہے۔ ناچسٹر یونیورسٹی میں پہلی غیر ملکی درسگاہ ہے میں نے یہاں آکر پڑھنے کے بارے میں بھی نہیں سوچا تھا۔ میری پہلی کلاس دو ٹیم ویک تھی جنہاں مجھے سکھایا گیا کہ مجھے اپنے کام خود کرنے ہیں۔" پڑھ کر وہ مسکرائے گی۔

"ویل! آپ نے خود کو کتنے فیصد کاچیلنج دیا ہے؟"

"سیوٹی ٹائیڈ کا سر۔"

جتنے بھی کارڈز میں نے اب تک پڑھے ہیں۔ انہوں نے خود کو سو فیصد کا دیا ہے، آپ نے خود کو سیوٹی ٹائیڈ کا کیوں دیا ہے؟"

"یہ سب بہت ذہین ہوں گے۔ مجھے ذہین ہونے میں تھوڑا وقت لگے گا۔" اس نے ہنسی معصومیت سے کہا اور ماری کھاس دل کھل کر اس کی معصومیت پر ہنسی۔

"آپ ذہین ہونے میں وقت کیوں لے رہی ہیں؟" سر رابرٹ نے اپنی ہنسی کو چھپاتے ہوئے پوچھا۔
"میری بے وقوفی جانے میں وقت لے رہی ہے مرزا۔"

اس بار کھاس کے قہقہے فلک شکستہ تھے۔
"مجھے لگتا ہے آپ مجھے بہت جھک کرنے والی ہیں۔ مجھے ہر سیشن میں ہی کوئی نہ کوئی ایسا ضرور ملتا ہے۔"

"کیسا سر؟"

"جس کی بے وقوفی جانے میں وقت لیتی ہے۔" ہنسی کے فوائد کا ایک اور نمونہ۔ وہ اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گئی۔

"آپ نے اپنا سونوٹو نہیں بنایا۔"

وہ اپنی سیٹ پر کھڑی ہو گئی۔ اس کا اٹھنا بڑھتا ہی جا رہا تھا۔ "پاکستان کے بانی کہتے ہیں کام۔ کام۔ کام۔ میرا بھی یہی مولو ہے سر۔" نظروں کے کیا انداز تھا احمد کل۔

"آپ کسی اور کاموں کو اپنا رہی ہیں۔ آپ کو اپنی سوچ کو اجاگر کرنا چاہیے گی آپ کو یہاں سکھایا جائے گا۔"

"مرزا میں نے خود سے زیادہ عقل مند شخص کاموں کو اپنا لیا ہے۔ اس پر عمل کر کے میں سب سیکھ جاؤں گی جو مجھے یہاں سکھایا جائے گا۔"

"آپ کا پہلا تعارف مجھے اچھا لگا۔" احمد۔
سر رابرٹ کے اس جملے کو سن کر اسے ایسا لگا جیسے اس نے کوئی ہنسی مسم سر کر لی ہو۔ ٹھیک ہے اسے

میں آئے اور وہ اٹھ کر بیٹھ جاتی لیپ ٹاپ پر اپنی اسائنمنٹ چیک کرتی۔ کیا اس نے خواب میں آئے ہیں اگر ان کو اسائنمنٹ میں شامل کیا ہے۔ اگر کیا ہے تو ٹھیک کیا ہے نا۔ اگر نہیں کیا تو کیا کرے کیا نہ۔

وہ اپنے بیڈ پر کھم کرتے کرتے سو جاتی۔ آنکھ کھلتی تو کچن میں جا کر کٹی پٹائی تاکہ ٹینڈ نہ آئے اور پھر سے آ کر کام کرنے لگتی۔

جس رات اس نے سارا کام بمشکل مکمل کیا اس سے اگلا دن اسائنمنٹ جمع کروانے کا آخری دن تھا۔ وہ اپنی اسائنمنٹ پہلے ہی جمع کروا چکی تھی اس لیے کچن پر ہی سو رہی تھی۔ اسے وہاں سے بولی جانا تھا۔

ٹینڈ سے پوچھ کر اس نے اپنی آنکھوں کو مسلتے وہ بس سے بولی کے لیے اُٹھی۔ بس میں بیٹھی اونٹنی لگی اور ایک اسٹاپ آگے چلی گئی۔ وہاں اتر کر پیچھے بھاگتے وہ بولی آئی۔ بھاگتے ہوئے بولی پارک کی اور فائل جمع کروانے کے لیے ڈیڈ سٹٹ کی طرف بڑھی۔ ہر ایک کو جلدی تھی کہ اس کی اسائنمنٹ جمع ہو جائے۔ ایک دم سے وہ جمل کی تہل بد گئی۔ اس کی فائل کہاں تھی جو گھر سے لے کر نکلی تھی۔ وہ اپنی افرا تفری میں تھی کہ اس نے اپنے بل بھی ٹھیک سے برش نہیں کیے تھے لیکن اسے یاد تھا کہ وہ موٹی فائل کو گھر سے لے کر نکال تھی۔ پوری بولی اس کی آنکھوں کے سامنے کھوٹنے لگی۔ وہ کئی راتوں سے نہیں سوئی تھی۔ آنکھوں کے نیچے گہرے حلقے بن چکے تھے۔ سر میں ہلکا سا درد رہنے لگا تھا اور آنکھوں کی پتلیاں کسی ایک چیز کو زور سے دہرے دیکھتے رہنے کے بعد جھٹکنے لگتی تھیں۔ اس کا دلخ برف سا ہو گیا۔ وہ جہاں کھڑی تھی وہاں سے اس نے دور داری تک نظرس ڈرائیں۔ فائل کہاں کہیں تھی۔ آنکھوں کو مسلتے سر کو تھامتے وہ ایک جگہ بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کہ فائل کے ساتھ کیا ہوا۔ وہ کہاں تھی۔ سارا دن کو ٹون کیا۔ اس نے اس کا گھر۔ پورا گھر دیکھ لیا لیکن فائل نہیں ملی۔ حتیٰ کہ وہ گھر سے بس اسٹاپ کے راستے تک بھی دیکھ نکلی۔

دورے کی گھبراہٹ کی ضرورت نہیں تھی اپنی سوچ کو قابو میں کر سکتی تھی۔ سر رابرٹ نے اس کی تعریف کی۔ اسے بہت اچھا لگا کہ اسے سراہا گیا ہے۔ تو کانٹیں گیل۔ اگر کبھی وہ دانی میں اور دلول جاتی تو سر رابرٹ بہت معذرت خواہانہ عرض کرتے۔

”امرد! کیا آپ اپنی بات کو انگلش میں دہرا دیں گی؟“

امرد سر رابرٹ کی اسی غیبت کی بہت قدر کرتی تھی کہ اگر وہ اپنی زبان کی عزت کرتے ہیں تو اس کی زبان کی بھی کرتے ہیں۔ دنیا میں وہ قومیں بے مثال ترقی حاصل کرتی ہیں جو اپنی قوی زبان کا واسن ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتیں پھر وہ عرش ہو یا فرش ہر جگہ ان کے نام کے جھنڈے کڑے ہوتے ہیں۔

سر رابرٹ نے وہ سب کارواں منجھل کر اپنے پاس محفوظ کر لیے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ اپنے ہر نئے اسٹوڈنٹ کو ایسے کارڈ کی شکل میں اپنے پاس منجھل کر رکھ لیتے ہیں اور جب وہ بوڑھے ہو کر رٹائرڈ ہو جائیں گے تو وہ ان کارڈز کو نکال نکال کر اپنے ہر اسٹوڈنٹ کو یاد کیا کریں گے۔

اپنی سی بات سن کر امرد کی آنکھیں نم ہو گئیں۔ اس نے جیسے بیٹھے سر رابرٹ کو جو بمشکل پینٹیشن سٹل کے آگے تھے مڑوڑھا ہوتے اور بولی سے رٹائرڈ ہوتے دیکھ لیا اور اپنی ڈگری کو ہاتھ میں لیے خود کو بولی سے رخصت ہوئے تھی۔

”کلف۔ کتنے جذباتی لوگ ہیں نا ہم۔ ہاں لیکن کچھ بھی ہے بہت اچھے لوگ ہیں ہم۔ سو اور ٹھوس نہیں ہیں نرم اور پر جوش ہیں۔“

پیل کلاس کے پہلے وعدے کو امرد کو ہر صورت پورا کرنا تھا۔ خود کو پینٹیشن کا چیلنج دے چکی تھی اسے ہر حال میں اس چیلنج میں کامیاب ہونا تھا۔ یہ حالی اور پھر طلبہ اسے لکھا تھا کہ ایک دو بوشن ہو چکی ہے۔ ہر وقت اس کے جانے میں مار کو اور جلتی کھوٹے رہتے۔

کتنبوں کے بڑے بڑے پیر اگر ان اس کے خوابوں

235 2014

یونیورسٹی کے پبلک ڈیپارٹمنٹ کے اس کو کون الفاظ میں دیکھ گیا تھا۔ وائس چانسلر نے خود سے دعا کیا تھا کہ وہ مثالی کامیابی حاصل کرے گی لیکن وہ کیا کر رہی تھی۔ اس نے مثالی منت نہیں کی تھی۔ اس نے کامیابی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اسے اپنے آپ پر غصہ آ رہا تھا۔ اس کی بری علامتیں اب تک اس کے ساتھ تھیں۔

”تم پھولی پھولی ہونے لگی ہو ایسے مدتی کیوں؟“
”یہ پھولی بات ہے“ اس نے مدتی مدتی کھالی آنکھوں کو دکھایا۔

”یونیورسٹی میں تمہیں بھول گئی ہو اچھا نکل“
اس نے ہلکی سی سڑک یا اس کی آواز زبردستی تھی۔ اس لیے وہ کم سے کم بولنا چاہتی تھی۔ علیان اسے ڈیپارٹمنٹ سے باہر لے گیا اور سبزے پر لے کر بیٹھ گیا۔

”تمہاری فائل مل جائے گی امرد! پر مجھے تمہارے رونے پر دکھ ہو رہا ہے۔ تم اتنی کم ہمت ہو؟“

”ہاں میں بہت کم ہمت ہوں۔ میرے تم لوگوں جیسے مضبوط اصحاب نہیں ہیں۔“

”لوہر تمہیں غر بھی ہے کہ تم ایسی ہو۔ میں یونیورسٹی آفس جا رہا ہوں تم بیٹیں جیسو۔ اگر کسی اسٹوڈنٹ کو وہ فائل ملی ہوگی تو اس نے آفس میں جمع کروادی ہوگی۔“

”کوئی اسٹوڈنٹ میرے ساتھ ایسی فائل کیوں کرے گا بھلا؟“

”کیونکہ وہ فائل اس کے کسی کام کی نہیں ہوگی اور اس کی تم سے کوئی ذاتی دشمنی نہیں ہوگی۔“ کہہ کر علیان چلا گیا۔

اسے یقین تھا کہ فائل بس میں رہ گئی ہے اور بھلا ٹرانسپورٹ میں نہ جانے ولنگا چیرس بھی کبھی کسی کو ملی ہیں۔ اس نے دھواں دھار آواز کیے بغیر دل لگا کر رونا شروع کر دیا۔

علیان واپس آچکا تھا اور اس کے سر پر کھڑا خاموشی

ٹپ ٹپ آنسو اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔ اسے لگتا تھا کہ اس کی تعلیم پر اس کی اپنی نحوست کا سایہ پڑا ہے۔ وہ بیٹھے بیٹھے دکانوں ہی ہو گئی۔ آنکھوں کے آگے اس نے ہاتھ رکھ لیا کہ کوئی اسے دیکھ نہ سکے۔ بہت دلوں بعد اس کا حال اس بارے کو جی چلا رہا تھا۔ اگر وہ ساتھ ساتھ جا بے کر رہی ہوتی تو اب تک اسائنمنٹ مکمل کر کے دے چکی ہوتی۔ زندگی اتنی مشکل ہو گئی تھی کہ اسے ٹھیک سے کھانا کھانے کا بھی وقت نہیں ملتا تھا۔ اسے ایسی زندگی کی عادت نہیں تھی۔ اس لیے بھی وہ تو اذن نہیں رکھ پا رہی تھی اور دوسرے اس میں بائیک پر بیٹھ کر کھانا کھانے کو لگے دن پر تالقی رہتی تھی۔ وہ چند گھنٹے اسائنمنٹ پر کام کرتی اور یہ سوچ کر کہ ڈیڈ لائن کے ختم ہونے میں ابھی دن ہیں اس کے دن پر کام چھوڑ دیتی۔ کرتے کرتے وہ ڈیڈ لائن کے آخری گھنٹوں تک آ جاتی۔

وہ اپنی سستی کوٹے کر دینے لگی کہ اگر وہ بھی بقی سب کی طرح دن رات ایک کر کے کسی بھی طرح کم سے کم دن پہلے اپنی اسائنمنٹ جمع کروا دیتی تو افزائش میں یہ سب نہ ہوتا۔ اٹھ کر اس نے اس راستے کو بھی دیکھ لیا تھا جس پر سے چل کر وہ آئی تھی۔ اپنے آنسوؤں کو صاف کر کے وہ علیان کے ڈیپارٹمنٹ آ جاتی۔

”کیا ہوا امرد؟“ اس کی شکل دیکھتے ہی وہ حیران سا ہو گیا۔

”میری اسائنمنٹ نہیں مل رہی شاید میں بس میں بھول آئی ہوں۔“
”تو تم مدتی مدتی ہو؟“

اس کے پھر سے آنسو نکل آئے۔ ”میں ٹیل ہو جاؤں گی نا۔ میں ٹیل ہونا نہیں چاہتی علیان۔“
وہ خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ”کس نے کہا تم ٹیل ہو جاؤ گی۔“

وہ آنسوؤں کے دیے کو اپنی آنکھوں کے پیچھے دھکیلتے کی کوشش کرنے لگی۔ وہ اسے کیا بتائی کہ

ہوں۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔
وہ اٹھ کر پاس جا رہی تھی۔
"میں کوٹھے کھٹے میں آتا ہوں، امردہ!" عالیان نے
پچھے سے گواہی دی۔

وہ دائم کے پاس گئی۔ اس نے اسے ٹرانسپورٹ
کے آفس جانے کے لیے کہا۔ ظاہر ہے۔ دائم تو جانے
سے رہا۔ اسے ہی جانا تھا۔ اس میں تو اتنی ہمت نہیں
تھی کہ یونیورسٹی کے مین گیٹ تک چلی جاتی۔
"اگر ٹرانسپورٹ کے آفس سے بھی نہ ملے گی؟" اس
خیال کو سوچ سوچ کر وہ روتی تھی لیکن اپنی جگہ سے
اٹھ نہیں رہی تھی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ مین گیٹ سے بس اسٹاپ کی
طرف جا رہی تھی تو اسے عالیان کی آواز سنائی دی۔ وہ
رک کر اسے دیکھنے لگی۔ وہ چیزی سے سائیکل چلاتا
اس کے پاس آ رہا تھا۔ یہی طرح سے ہنس رہا تھا۔
"یہ لولہ کی۔" اس نے قائل اس کے آگے کی۔
قائل کو ہاتھ میں لے کر بھی امردہ کو جیسے نہیں
فہم نہیں آیا۔

"کہاں سے ملی؟"
"ٹرانسپورٹ کے آفس سے۔" اگلی بار قائل پر اپنا
ٹائم فون نمبر اور ایڈریس ضرور لکھا۔ اگر تم نے
پہلے سے ہی لکھا ہو تو تمہیں اب تک یہ مل چکی
ہوتی۔ "تیز سائیکل چلا لے کی وجہ سے اس کو سانس
پھولتا ہوا تھا۔

امردہ اسے دیکھنے لگی۔ دائم کی طرح اس نے اسے
نہیں کہا تھا کہ وہ جائے اور اپنا کام خود کرے۔ وہ گیا
اور اس نے اس کا کام کر دیا۔
اس کا شکریہ ادا کر کے وہ قائل جمع کر دے چلی گئی۔
اس نے محسوس کیا کہ اس کا انداز ٹھیک نہیں تھا
عالیان سے بات کرنے کا۔

جب ہم بارے ہوئے تو کئی یا ایس ہوتے ہیں تو
ہم لہجے بد مزاج کیوں ہو جاتے ہیں۔ ہمارا سارا
اخلاق کھل رخصت ہو جاتا ہے۔ ہم دوتے ہیں تو
ہم اپنی سب ہشتے ہوؤں کو رلاتا کیوں چاہتے ہیں۔

سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"میں ٹرانسپورٹ آفس جا رہا ہوں۔ مجھے یقین
ہے وہاں سے ضرور تمہاری فائل مل جائے گی۔"
امردہ نے عالیان کو ایسے دکھا جیسے کہ وہی ہو
پاگل ہونا تھا۔

"اگر تم بس میں ہی بھولی ہو ضرور مل جائے گی۔
میرا یقین کرنا۔"

"وہ کیوں میری فائل سنبھال کر رکھیں گے؟"
"یہ یونیورسٹی بس ہے امردہ! اور یہ گھبرا چکے ہیں جیسی
یونیورسٹی رکھتا ہے۔ اکثر اسٹوڈنٹس تمہاری طرح اپنی
ہمت ہی جیسے سب دیر "ترام لور بسوں میں بھول
جاتے ہیں۔" کہنے پر یونیورسٹ اور سنبھالیں بھی۔ ان
کی چیزیں ان تک پہنچ جاتی ہیں اکثر۔"
"میں نہیں جانتی کہ ایسا ہوتا ہو گا۔"

"ہاں! ایسا تب نہیں ہوتا جب ہم ان چیزوں کو
دھونڈنے کی کوشش نہیں کرتے۔ کم ہو جانے والی
چیزیں ہمیشہ کہی رہتی ہیں۔ جب تک انہیں دھونڈنے
کی کوشش نہ کی جائے۔" راستہ بتا رہی تھی۔
نہیں ہے جہاں تم کچھ بس میں بھول جاؤ تو وہ تمہیں
دہلیس نہ ملے۔"

"تمہیں اتنے تحفے میرے ملک کا ذکر نہیں کرنا
چاہیے۔" امردہ نے قائل کے کم ہو جانے کا غصہ اس
پر اتارا۔

"میں نے تحفے ذکر نہیں کیا۔ میں حقیقت بتا رہا
ہوں۔"

"مجھے نہیں جانتی کوئی حقیقت؟"
"ہر لوگ کچھ حقیقتیں جاننے کی کوشش نہیں
کرتے وہ انہیں بدلنے کی اہلیت بھی نہیں رکھتے۔"
"ٹھیک ہے۔ ساری اہلیت تم لوگوں کے پاس ہی
ہے۔ ہم سب ناکارہ ہی ہیں۔ رہنے دو ہمیں ناکارہ
ہی۔"

"میں نے کوئی ایسی بات نہیں کی کہ تم ایسے ناراض
ہو۔"

"تم ایسی باتیں بھی نہیں کر رہے کہ میں خوش

دیکھا۔ "بھئی کبھی تم سے زیادہ بے وقوفی کر جاتی ہوں۔"

"میں حد سے زیادہ بے وقوف ہوں۔"
"یہ کوئی قابلِ اعتراض نہیں ہے۔" ماں اور بیٹا دونوں ایک ہی بات کہتے تھے۔
"جانتی ہوں۔"

"میں آگئی۔" ویرا نے نشست جگہ میں اتر چلا کر کہہ دیا اصل خود کو دیکھا کر کہا۔ اس نے ہلکے گلابی رنگ کی غراک پہنی تھی۔ اپنے لیے ہالوں و ٹیل کی صورت پر ماحول کا میک اپ کیا تھا اور خود کو اور پیارا بنایا تھا۔

"اسے کسی گلاب نہ لے جائے۔" لیڈی مرنے لگی۔

"معلوم ہے مجھے تو بے بھی یہ گلاب میز پر نہیں ہے۔"

"تو تم بھی نہیں ہو۔"

"سب ہی جاتے ہیں۔ ایک یہ امرہ ہی نہیں جاتی۔" ویرا کسی قدر چڑھ گئی۔

"جائے گی کبھی نہیں۔ اس کے باپ دلاوی کی روایات نہیں مٹیں۔"

"تو برا کی کیا ہے اس میں؟"

"مجھے اس بحث میں نہیں پڑنا ویرا۔ تم جاؤ، لہم دیکھو اور گھرواؤ۔"

لب ویرا کا یہ پہلے سے ارادہ تھا کہ صرف شرارت کر رہی تھی۔ اسے گلاب لے لیں۔ اس نے منی سینٹر میں واقع دی پرٹ ورک کو کئی بار باہر سے دیکھا تھا لیکن کبھی اندر نہیں گئی تھی۔ لیڈی مرنے کے استوائ میں کی پسندیدہ جگہوں میں سے ایک جگہ تھی۔ یہاں مختلف گینگے "بار" گلاب "ریسٹورنٹ" جم پور اپنی طرز میں لکھا ایک سینما موجود تھا۔ ویرا اسی سینما میں اسے لہم دکھانے لاری تھی۔ دی پرٹ ورک ایک چھوٹا سا بھٹل شہر لکھا "رنگا رنگ" چل چل پھل لہو مختلف ملکوں کے افراد کی بھڑے سماں سورا۔ "ہم سے ہے نہ کہ" کا مہو لگتا ہوا۔

اساتذہ متعلق جمع کروانے کے بعد امرہ عالیان کو اصرار کرتی رہی لیکن وہ اسے نہیں ملا۔ وہ جاچکا تھا۔ اس کا حکم ہو گیا تو اسے اپنے دھبے پر افسوس ہوا۔ اس کی فائنل نہ تھی تو وہ ایسے ہی بد اخلاقی کا مظاہرہ کرتی رہتی؟
"یہ کمزور اعصاب کے مالک ہونے کی نشانی ہے۔" اور بلاشبہ یہ کوئی اچھی نشانی نہیں ہے۔

"عالیان سے ملاقات ہوتی ہے تمہاری؟" لیڈی مرنے پوچھ رہی تھیں۔ سب آتش و لہجہ کے پاس بیٹھے تھے۔ ویرا اسے اپنے ساتھ دی پرٹ ورک لے کر چاری تھی۔ وہ تیار ہو کر چٹھی لگی۔ ویرا تو تیار ہو رہی تھی۔

"جی ہاں ہے۔"

"لاست ہے تمہارا۔ سب سے اچھا دوست نا۔"

"میرا بہا اچھا دوست بنتا ہے۔"

"ہاں۔ نہیں۔"

"تو کہہ رہا تھا تم اس کی دوست ہو۔ سب سے اچھی دوست۔"

امرد سوچنے لگی کہ کیا وہ اس کا سب سے اچھا دوست ہے۔

"تمہارے بابا کیسے ہیں؟ ان کی شاپ جیٹ ہوئی؟"

"جی۔ وہ جلد ہی آپ کا قرض واپس۔"

"بدمعہ ہو۔ قرض کی بات کون کر رہا ہے۔ تمہیں لگتا ہے میں نے اس کے قبضہ سے پیسا کا تم سے پوچھا ہے۔ مجھے لگتا ہے مجھے خاموش ہو جانا چاہیے۔"

امردہ شرمندہ سی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ چینل تبدیل کر کے انہوں نے چارلہ چھان کی مادی ہنگامی اور ایسے دیکھنے لگیں جیسے اسکول سے چھٹی نہ کروائے جانے پر بچے غصہ ہو کر والدین کو دیکھتے ہیں۔

"اگر آپ ایسے ہی غصہ ہیں تو میں ویرا کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

انہوں نے بھولے منہ سے اسے ناراضی سے

تھمارے ہی لپٹا ہوا ہٹ کا ہے ہاتھوں کی پٹی بنانا ہے۔"

تو ان سارے معاملات میں دیر اس کی ایک اچھی استدھائی اور وہ خود بھی دیر اسے متاثر ہی رہتی تھی۔ چلتے چلتے دیر ایک ٹھنڈے کے سامنے رکھے ایک بچے سے کارٹون کے پاس کھڑی ہو گئی جو زبان باہر نکال کر آنے والوں کو جڑا رہا تھا۔ اس جن جیسی ہی دیر اچھی زبان نکال کر اس کے ساتھ کھڑی ہو گئی۔

"ٹھیک ہی ہمارے۔" (بھری تصویر بنانا۔)

امرد نے بے طبعی دیکھتے اس کی تصویریں بنائیں۔ پھر دیر اسے ٹھیک دیکھتے ہی امرد کو کھڑے ہونے کے لیے کہا۔

امرد نے خود کو دیر اسے بہت جانا جانا لیکن اس نے اسے اس جن کے ساتھ کھڑا کر دیا تو زبان باہر نکالنے کو کہا۔ وہاں انہیں یہ سب کرتے کوئی نہیں دیکھ رہا تھا۔ لیکن امرد کو لگتا تھا۔ سب اسے ہی دیکھ رہے ہیں۔ سب اپنے آپ میں مگن تھے دیکھنے کا وہاں جہاں نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ ایک سرسری نظر ڈال لیتے۔ اسی جن کے پاس کھڑے ہو کر دیر اسے وہ انگلیوں کو زبان کے نیچے دے کر سنی بھائی 'سر سے اوپر ہاتھ لے جا کر تالی بھائی لہو رہا نہیں ہاتھ کو ہونٹوں کے کنارے رکھ کر کہہ دیا۔" کی ہن ہنس جیسی آواز بڑے شوق اور خواہش جنگلی امرد اسے نکالی۔

"یہ کیا کر رہی ہو؟"

"یہ پرنٹ ورک میں آنے کا اعلان ہے۔ میں یہاں ایسے ہی انٹری دیتی ہوں۔" وہ ایسے انٹری دے سکتی تھی اور دیر اچھی نہ۔

"تم جنگلی ہو۔"

"بھئی کسی دوسری جنگلی نہ کہتا۔ ہم لوہے کی زندگی سے جیسے زندگی کے کر سکتے ہیں زندگی کا سوچ ہم میں سے ہو کر رہیں کو چمک دیکھتا ہے ہم موت کی طرف میں دفن سر بننے اہکا ہوں کے تھپتھپاتے ہیں۔ یہ صرف ہم ہی کر سکتے ہیں۔ ہم جنگلی کیسے ہوئے۔"

امرد چلتے تو لگتا باہر کوئی اور دنیا ہے ہی نہیں۔ باہر آتے تو لگتا دنیا تو ساری اندر تھی۔ پہلے دیر اسے لے کر گھومتی رہی۔

"یہ جو وہ گورے سامنے کھڑے ہیں انہیں دیکھ کر بتاؤ کس قومیت کے ہیں؟ دیر اسے وہ گورے جیسے لڑکوں کی طرف اشارہ کرتے اس سے پوچھا یوں میں بھی اکثر پوچھتی رہتی تھی۔

"وہ لوہے انگریز ہیں۔" اس بار اسے یقین تھا اس کا جواب ٹھیک ہو گا۔

دیر اسے فقہ لگایا۔ "وہ لوہے انگریز کیسے ہوئے؟"

"کیونکہ وہ لوہے گورے ہیں اور۔" وہ ایک اور وجہ دھونڈتی رہی تھی کہ دیر اس کا ایک اور بلند بانگ فقہ جھجک کر گزر گئی کی شہنشاہ۔

"ایک امریکی ہے اور وہ سراسر انڈیا۔ تم پھر سے غلط ہو۔"

"تمہیں کیسے پتا؟"

"جنا چل جاتا ہے۔ تمہیں لگتا تو معلوم ہے نا انڈیا کے کتے ہیں؟"

امرد نے ہل میں سر ہلایا جبکہ وہ نہیں جانتی تھی۔ وہ اسے کیا بتائی کہ اس کے یہاں سب گورے رنگ والوں کو انگریز ہی جانتا اور کہا جاتا ہے۔ اب محلے سے وہ کینیڈا کا ہوا یا فرانس کا یا انڈیا میں نہ کر لے یہ انداز تو ہو چکا تھا کہ وہی قومیت کا حوصلہ دے کر کالی بات کی جاتی ہے۔ بلکہ بات ہی قومیت سے شروع کی جاتی ہے۔

"ملاں امریکی کا کافی سینگ۔"

"ملاں علی کی ملاں شاپ۔"

"ملاں جرمین سر کا پچھو۔"

اسے کوفت ہوتی تھی جب اس شخص کا ہم ہند میں لیا جاتا اور قومیت پہلے دیر اسے کلاس ٹیوٹر کا ذکر کرتی تو ان کی قومیت سے شروع کرتی اور دیر اسے دیر اس کو کوئی بات چینی ہوتی تو نہ کہتی۔

"ملاں جس کے بل لے رہے ہیں۔ پتا سا ہمارا۔ جس کی گھڑی بنز آگئیں ہیں۔ مشکل سا نام ہے۔"

”ہم یونہی بوند پانی سے جیسے زمین وادی کے کر شل ہیں۔“

امرد نے زیر لب اس قوت بخش جملے کو دہرایا اور وہ کھل کر مسکراتے لگی۔

ویرا کی باتیں ایسی ہی ہوتی تھیں۔ ان میں سے احساس کمتری جھلکتی تھی نہ ہی مایوسی۔ وہ کچھ اس انداز سے چلتی پھرتی مسکراتی اور باتیں کرتی تھی جیسے دنیا اس کے مستقبل کے لیے تیار کھڑی ہے اور اگر یہ دنیا اسے خوش آمدید کہنے پر آمادہ نہیں ہے تو وہ سر حال اس کی پروا کرنے والی نہیں ہے۔ کیونکہ وہ اپنی انگلی دنیا تخلیق کرنے کا وصف جانتی تھی۔

پرنٹ ورک کا ایک راؤنڈ لینے کے بعد وہ اسے پارٹ راک کیفے لے آئی۔ جس کی بیرونی دیوار کے باہر ایک پیاسا گٹار لٹکا جس پر سفید روشتیوں سے جھنگا رہا تھا۔ ”کیفے ہے؟“

ویرا ہنسن بڑھ گئی۔ ”ہاں کیفے بھی ہے اندر۔“ اور بھی بہت کچھ ہے۔ تمہارے بھی پارٹ راک نہیں گھنٹیں۔“

”میں اس کا نام پہلی بار سن رہی ہوں۔“

”تمہارے ملک میں نہیں ہے یہ۔“

”یہ کیا ہر ملک میں ہے۔“

”دنیا کا کون سا ایسا بد نصیب ملک ہو گا جو پارٹ

راک سے محروم ہو گا۔“

”ہے کیا اس میں؟“

”آجوا اندر۔“ ویرا اسے اپنے ساتھ لے آئی۔

دیواروں پر چابچا گٹار لٹک رہے تھے کچھ پرانے

فیشن کے کاؤ بوائے بیٹ بھی دیواروں پر آویڑے تھے۔

کیفے کی سجاوٹ دیکھنے لائی تھی۔ اندر جاتے ہی اسے

کئی جلنے پھلنے یونیورسٹی کے چہرے نظر آئے۔ پھر

اسے اپنی یونی کے اسٹوڈنٹس کا ہجوم نظر آیا۔ ان

سارے کھیلوں اور پارڈز میں اسٹوڈنٹس کو رعایتی قیمت

پر ڈرنکس اور کھانے ملتے ہیں۔

ویرا اسے بار ٹینڈر کے پاس بٹھا کر ضروری کام کا

کمرہ کھلی گئی۔ جاتے جاتے وہ اس کے لیے ایک۔

کونٹ ڈرنک کا آرڈر دے گئی تھی۔ بار ٹینڈر نے اسے

ڈرنک دے دی اور ٹاک ٹیل بناتے لگا۔ اس کے

دونوں ہاتھوں پر کمینوں سے اوپر تک نیو کھدے

تھے۔ دائیں ہاتھ پر گھنٹی بھانڈیوں میں سے ایک خوشنوار

بھینٹا دانت ٹکڑے آنکھیں چمکائے شکار پر جست

لگنے کی تیاری کر رہا تھا اور دائیں ہاتھ پر وہی بھینٹا اپنے

شکار کی گردن پر بوسے فرما رہا تھا۔

”اس کا شکار ایک انسل کھوپڑی تھا۔“

امرد نے گراہیت سے اپنی نظریں پھیر کر ٹاک

ٹیل بناتے اس نے ترچھی نظروں سے امرد کو دیکھا

اور زیر لب ہنسنے لگا۔

”تمہیں یہ پسند آیا؟“ اس نے پھیلنے کی طرف

اشارہ کیا۔

امرد نے منہ پھلایا۔ ”بالکل نہیں ڈھرنک رہے

ہیں۔“

اپنی سلیٹ گولی کی شاہد اسے توقع نہیں تھی۔ اس

نے خود کو کام میں مصروف کرنا چاہا اور زیر لب دہونے

لگا۔

دلچسپ دس منٹ بعد ڈی جے نے ٹل والیوم میں

ڈسک بیلے کی۔ پہلے سرب ہلکا ہلکا میوزک بج رہا تھا۔

باہر شام گہری ہو رہی تھی۔ پارٹ راک کے کونے

کھدووں میں سے پتو واؤ کرنا ہجوم ڈی جے کے آگے

جمع ہونے لگا۔ ڈسکو لائٹس تیزی سے حرکت کرنے

لگیں۔ امرد نے گھبرا گئی۔ اس نے آس پاس دیکھا۔

اندازہ کر سکتی تھی کہ اصل میں یہ کون سی جگہ ہے۔

میز چھایاں اتر کر اور دو تین راہ داریاں پار کر کے یہاں

تک آئی تھی۔

وہ جلدی سے انٹری لوور اپنی دانت میں راہ داریاں

پار کر کے میز چھایاں اتر کر بار سے باہر آگئی۔ لیکن وہ

وہ اصل پارٹ راک کے ہی ایک دوسرے حصے میں آ

گئی تھی جہاں جوا کھیلا جا رہا تھا اور جہاں جوئے کی ہڑی

بڑی بیشن رکھی تھیں۔ وہ اور حواس باختہ سی ہو گئی۔

وازا کو اگر یہ سب معلوم ہو جائے تو اسے لینے خود اپنے

آجائیں۔ وہ واپس اس جگہ آئی جہاں ویرا اسے ہجوم

کرتی تھی۔ لیکن ویرا ابھی تک نہیں آئی تھی۔

علاقہ کوئی جگہ نہیں تھی۔ بدلو کے جھبکے تھے جو دم گھوٹ رہے تھے۔

دروانہ دھڑ سے بند ہوا۔ پھر فوری لاکھ ہوا اور چلا کر اس نے حواس جاہر کا راستہ دکھانے لایا تھا کہ۔
"اب یہاں کئی بھٹی لپے آئیں گے تمہاری گردن دوپٹے۔"

لار اوپر ڈی جے نے انسانی خود ساختہ چیزوں کے ساتھ ایک دوسرے میوزک کو ملے کر کے چلایا۔ فل ویوم سے۔ ہارٹ راک کیلئے کا کلب بار اپنے حریف پر آگیا۔ امرتہ کی جی اس جلیج میں دب گئی۔
اگر کوئی اس وقت اس کی شکل دیکھ لیتا تو جان جاتا کہ موت سے بھی زیادہ ہوشیار ناک اگر کوئی چیز گرتی وہ اس وقت اس کی شکل پر چھائے خوف کے علاقہ کوئی اور نہیں تھی۔ اندھیرے کا رونا اس کی آنکھوں میں گھٹا چلا گیا۔ اسے نظر آتا تھا کہ گیتا میز سٹی کی آواز اس کے دونوں کانوں سے سر کے اندر گھسی کر رہی تھی۔ انداز سے گونجنے لگی۔ وہ جہاں کی تھی وہ تھی۔

جس کھوپڑی کو پارٹینڈر کے باند پر بنے بھیلے نے منہ میں دوپٹے رکھا تھا۔ وہ وہی کھوپڑی بن گئی۔ عرصہ شکار کی گئی۔ شکار ہو چکی۔

اس نے سر کو ہٹا دیا۔ اسے کچھ نظر کیوں نہیں آ رہا تھا۔ دماغ سوچ کیوں نہیں رہا تھا۔ اس نے سر کو مسلسل دو تین منٹ کے لیے۔ اسے وحشت لاؤ وحشت لاؤ نظر آنے لگا تھا۔ سر کو جھکے دینے سے اس کے سر میں نہیں سی اٹھی اور وہ دوبارہ اسارا لے کر بیٹھے ڈاکٹر کی ہوئی بوٹوں کے ڈھیر پر بیٹھ گئی۔ ٹھنڈ میں بھی وہ پیٹے سے بھیک چکی تھی۔ سانی سی دیر میں ہی۔

اس کا ہاتھ کر اس بیک پر آگیا۔ اس کا بیک اس کے ساتھ تھا۔ اس کے پاس فون تھا۔ اس نے کانپتے ہاتھوں سے فون لگا لگا۔

وہ دیر آؤ فون کرنے لگی۔ بیل جاری تھی۔ بیل جاتی رہی۔ لیکن اس نے فون نہیں اٹھایا۔ اس نے مسیج لکھنے کی کوشش کی۔ لیکن اس کی انگلیوں کی کمپکا ہٹ نے اسے ایسا نہیں کرنے کی راہ ملنا کہ

"میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" پارٹینڈر نے بہت شرافت سے مسکرا کر امرتہ سے پوچھا۔

"مجھے پتا ہے کس طرف سے جانا ہے؟"
"فرنٹ ڈور تو بند ہو چکا ہے، ہمیں بیک ڈور سے جانا ہو گا۔"

"بیک ڈور کہاں ہے؟" اسے کیا معلوم تھا کہ ان ہارٹ راک میں کیا اصول و ضوابط تھے آنے جانے کے اور کہاں ان کے بیک ڈور رز تھے۔

ہاتھوں کو تیزی سے بچا کر اس نے اسے چلایا کہ پچھلا دروازہ کس طرف ہے۔ امرتہ کو من بھیلے کھدے ہاتھوں کی حرکات کی قطعاً سمجھ نہیں آئی۔
ڈی جے سائڈ بیل چکا تھا اس نے ہاتھوں کے چمکھانے کی آوازوں کو ملان بپ ہپ میوزک کے ساتھ کس کر کے فل ویوم کر دیا تھا۔
امرتہ کے رنگ تیزی سے بدلنے لگے۔ تیزی سے ناک ٹیل بناتے۔

"We Love to Serve" کی ٹی شرٹ پہنے اس نے امرتہ کی طرف دیکھا۔

"آؤ میرے ساتھ۔" اس نے خود سے ہی کہا۔ امرتہ کو اسے پہلی نظر میں ہی پسند کی تھی لیکن اس کے ساتھ جانے سے خود کو روک نہ سکی۔ وہی ہے کامیابی سے وہ میوزک بجا رہا تھا جو سب کو جانوروں کی طرح ہٹکھانے پر مجبور کر دیتا تھا۔

وہ آگے چلے لگا۔ وہ اس کے ساتھ تھوڑا فاصلہ رکھ کر پیچھے چلے گئی۔ تین چار رکھ داریاں چل کر وہ تین بدیر بڑھیاں اتر کر اس نے ایک دروازہ کھول کر کہا۔
"یہ ہے بیک ڈور تم یہاں سے جا سکتی ہو۔"

"شکریہ۔" وہ تیزی سے آگے بڑھی اور دروازے کے بار ہو گئی۔

لیکن وہ تو وہ تو جاہر کا راستہ ہی نہیں تھا۔ فوری شاک کے زیر اثر آنے سے پہلے اس نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹا سا کم روشنی والا کمرہ ہے جو مختلف چیزوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ اس کے پیروں کے پاس بہت سی خالی بوتلیں پڑی تھیں اور وہیں وہ قدم کھڑے ہونے کے

فون نہیں کرنا چاہتی تھی۔ پولیس کو تو ہرگز نہیں۔ ان کے علاوہ اس کے پاس صرف چند لوہے سرے لوگوں کے نمبرز تھے۔ وہ اپنی فون بک چیک کرنے لگی اور عالمیان پر اگر رک گئی۔

وہ ایک کلب کے کسی بے خانے میں بند کر دی گئی تھی اور خول سے کانپ رہی تھی۔ فون کل کے غن کو نہیں کرنے کے لیے اس نے اپنے جسم کی ہر تھراہٹ کو قابو میں کیا۔

”ہیلو عالمیان۔ میں۔ امرد۔ مجھے کسی نے یہاں بند کر دیا ہے۔“ اپنے رونے پر قابو پاتے اس نے ہستہ ہستہ لگا کر حملہ کھل کیا۔

”ٹھیک ہے“ تم ابھی وہیں رہو بے بی۔ کونے میں خفیہ ہو تمہاری کمرش کے جیسے ڈاکار بھی ہے۔ تم اسے لے سکتی ہو۔ پولیس کو فون کرنے کی حماقت ہرگز نہ کرنا۔ ورنہ تمہاری بیٹی بچی بھی لہن کے ہاتھ نہیں آئے گی۔“

امرد کے ہاتھ سے فون گر گیا اور اس کی ہتھوڑی ٹکل کر دوڑ جا گری۔ عالمیان کے فون پر۔ باریک اعصاب فم زدینے والی خوف کی لہر نے اس کے وجود کا احاطہ کیا۔ اب اس کے پاس ایک ہی حل تھا کہ وہ پولیس کو فون کرے۔ عالمیان ڈیر اور وہ لڑکا کون تھے۔ اس سوال کے بارے میں سوچتے ہی اس کی جان پیروں کی انگلیوں میں آئے لگتی تھی۔ دیر اسے بہانے سے لالی تھی پر کیوں۔ ایسے اسے بند کرنے کے لیے۔ وہ اس کے ساتھ کیا کرنا چاہتے تھے اور عالمیان۔ یہ سب کیا تھا۔

سبکیا تے ہاتھوں سے اس نے ہتھوڑی کو فون میں ڈالا اور فون ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئی۔ اگر پولیس آئے گی۔ اس کلب میں سے اسے برآمد کرے گی تو یہ خبر اخبارات تک بھی جائے گی۔ یونیورسٹی کے ایک ایک اسٹوڈنٹ کو معلوم ہو جائے گا۔ وہ تماشائین جائے گی۔ فون کو ہاتھ میں پکڑ کر گھنٹوں کو جوڑ کر وہ رونے لگی۔ ماہیگر میں پہلی بار پوری شدت سے۔ دہائی رہی۔ دہائی رہی۔ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی

چاہا نہیں تھا کہ وہ پولیس کو فون کرے اور بعد کا سوچ کر اور رہی تھی۔ ایسے پولیس میں۔ کسی کلب میں بند کیے جانے پر۔ اپنی کم عقلی پر۔ اتنی اور پولیس میں پڑھنے والی لب تک باہر جانے کے۔ امرد نے کے راستے ہی ٹھیک سے یاد نہیں کر سکی۔

گھر سے باہر نکلنے کے لیے صرف وہ جوتے ہی ضروری نہیں ہوتے جو پہن کر باہر جایا جاتا ہے۔ وہ ہوش مند اور پھرتی بھی ضروری ہوتی ہے جو کرنے نہ دے۔ چوٹ تو ہرگز نہ لگنے دے۔ اس اسٹور میں ہیلی پڈر اسے پاگل کیے دے رہی تھی۔ ڈی جے کے میوزک بے کر نے پر وہ اتنا گھبرا گئی تھی اس نے اس گھبراہٹ پر قابو کیوں نہ لیا۔ ایسا بھی ہوتا ہے کیا کہ پولیس میں تعلیم کی غرض سے تیار لڑکی ایسے گھبرا لگی اور بو کھلائی پھرتی۔

”اے خدا امیری یاد کر کسی کو بھیج میرے لیے۔“

خدا دعا کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ اکو فون کر رہی تھی کہ ایک دم سے دروازہ کھلا۔ اور سامنے خدا کی بھیجی بند کھڑی تھی۔ ”عالمیان“

”امرد۔“ اس نے ابھی۔ کما ہی تھا کہ دروازہ کھلا کر اسے پیچھے ہٹاتی تیزی سے بھاگ کر اوپر تکی۔ کاؤنٹر کے پیچھے گھڑے مسکراتے ہوئے اس منکوس انسان کو اس نے تیزی سے جلتے ہوئے دیکھا۔ وہ لوگوں کے ساتھ ٹکرائی گرتی پڑی ہارٹ داک سے باہر نکلی۔

”امرد! بات سنو۔“ عالمیان تیزی سے اس کے پیچھے بھاگتا ہوا تھا تھا۔ اسے آوازیں دے رہا تھا۔ لیکن وہ کی نہیں سیکھ رہی تھی۔

”گملاں جاری ہو امیری بات سنو۔“

اس نے ایک دم سے لپک کر اس کا ہانڈ تھام لیا۔ امرد پر جیسے کسی نے جتا ہوا تھیل بانڈیل دیا۔ اس نے اپنے ہانڈ کو جھٹکے سے اس سے پھنسا کر اس کے منہ پر ایک ٹھٹھروے مارا۔ ”وی برنٹ ورک کی مصروف ترین ریلوے گزیر کھڑے ہو کر“ کم سے کم پچاس یونیورسٹی اسٹوڈنٹس کو گولہ بتا کر تم غنوں نے مل کر مجھ سے جو گھنیا لڑائی کیا ہے یہ اس کے لیے۔“

”کیا کہنا چاہتے ہو مجھ سے اب؟“ نہ چلائی۔
 ”کارل تھا۔ تمہیں کیسے پتا اس میرا دوست بھی
 ہے اور دشمن بھی۔ نہ جانتا ہے تم میری داستان۔
 اسٹوڈنٹ ہارل میں نہ بھی تھا۔ مجھے یہ نہیں معلوم کہ
 اس نے تمہیں بند کیوں کیا۔“ لیکن میں میرے پاس
 آیا اور میرا فون مانگا اور وہ منٹ بعد اس نے مجھے بتایا کہ
 اس نے تمہیں اسٹور میں لاک کیا ہے۔ اس سے
 تفصیل جانے لایمیر میں جلدی سے تمہارے پاس آیا
 کیونکہ میں جانتا تھا تم کتنی جلدی پریشان ہو جاتی ہو۔
 اس سب میں میرا قصور کہاں ہے امرد؟“

امرد کے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ ”تم لوگ
 کس قدر ظالم ہو۔ کس طرح کی شرارتیں کرتے
 ہو۔ کیسے تمہوں میں مذاق بنا کر دکھا دیتے ہو۔ جان
 لکل لیتے ہو۔ یہ سب ایسے کرتے رہا نہیں
 جہ جگمگے۔“

”میں ظالم نہیں ہوں امرد۔ تم مجھے ایک اور
 تھپڑ مار سکتی ہو، لیکن تم ایسے رو نہیں۔ میں کارل
 سے نپٹ لوں گا۔“

امرد نے بیک سے چلی لکل کر دو دانہ کھولا اور
 تھیل کی پشت سے آنکھیں ملک کر لی اندر دلی مٹی۔
 علیان باہری کھڑا نہ کیا۔ جب تھیک لائے بعد
 امرد کے کمرے کی بجلی کل ہوئی تو ان چلا گیا۔ کھل
 کے پاس جا رہا تھا اسے ایک گونسلار نے۔

بارت راگ کہنے کے ڈانٹنگ فلٹر جب میڈک
 اپنے عروج پر تھا اور سب اس کرتے کرتے پاگل سے
 ہو رہے تھے۔ اس وقت جا کر اس نے کارل ہائی لڑکے
 کے منہ پر زور وار کھوسا مارا۔ ”لاکھڑا کر کر اور ہٹتے
 ہوئے اٹھ کھڑا ہو گیا۔“

”اس نے میرے ڈیڑھ کو برا کہا تھا۔“ کارل نے
 اپنے نیوکی طرف اشارہ کیا۔
 ”اس سے دور رہنا کارل۔“ علیان کی آنکھیں اور
 سرخ ہو گئیں۔

اس نے تھپڑ کی طرف اشارہ کیا اور اسے گھورتی
 تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ سڑک پر آکر اسے لیے جیسی
 دیکھنے لگی۔ لمبے سے اس کا فون کھل رہا تھا۔ دکھ سے
 اس کی آنکھیں دھواں دھواں ہو رہی تھیں۔ ”ویرا“
 علیان کی کلاس فیلو تھی اور وہ تیسرا بھی لن کا کوئی کلاس
 فیلو ہو گا سے نہیں معلوم تھا کہ یہ سب کیوں کیا گیا۔
 اسے یہ معلوم تھا کہ اس کے ساتھ کر دیا گیا۔ بس یہ
 اس نے ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھنے ہی لگی تھی
 کہ علیان نے اپنے پیر کو ٹیکسی کے دروازے میں
 پھنسا لیا۔

”میری بات سن کر جاؤ امرد!“ اس نے جھل سے
 کہا اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔
 امرد نے منہ پھیر لیا اور سختی سے اس کے پیر کو
 پیرے کر کے دروازہ بند کر دیا اور ڈرائیور کو چلنے کے لیے
 کہا۔

”گھر پہنچی تو علیان پہلے سے ہی دروازے پر موجود
 تھا۔“

”میری بات سن لو امرد۔ شور مت کرنا۔ ملا نہیں
 گی تو انہیں دکھ ہو گا۔“
 ”ہاں ہو گا دکھ انہیں کہ لن کے بیٹے نے کیا شان
 وار حرکت کی ہے۔“

”انہیں دکھ ہو گا کہ تم نے مجھے تھپڑ مارا۔ ساری
 دنیا بھی گولہ بین کر آجائے گی توں کبھی یہ نہیں مانیں گی
 کہ میں نے کچھ برا کیا ہے۔“

”چھوٹا حوصلہ جو ٹک رہے ہو پھر لن کی آنکھوں
 میں۔“ اسے برے درحکایتی اندر جالے لگی۔ ”لن
 میں سے کسی کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی تھی۔“
 ”نسان زندگی میں اس وقت لڑا کہ تکلیف اٹھانا
 ہے جب حقیقت جانے بغیر خود کو اندھا کر لیتا ہے۔
 اور اپنے اس اندھے پن کا علاج بھی نہیں کر دیتا
 چاہتا۔“

علیان اپنے چوڑے مضبوط جسم سے اس کا راستہ
 روکے کھڑا تھا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ ”ایک لمبے
 مریے تک ایسے کھڑا ہو سکتا ہے۔“

"تمہاری گول فریڈ ہے۔" وہ مسکرا رہا تھا۔
 "میں سب میں ختم کرتا ہوں۔ بس بہت ہول۔"
 "کیا ختم کرتے ہو۔"

"جو کچھ بھی سلاہوں سے ہمارے درمیان چلتا آ رہا ہے۔ ہمیں یہ بچکانہ کھیل پسند نہ کرنا چاہیے۔"
 "ایک دم سے تمہارا مودا کیسے بدل گیا۔" اس لڑکی کے لیے۔

"وہ میری دوست ہے۔"

"وہ شیں تو تمہاری اور بھی بہت ہیں۔ یہ کون سی دوست ہے جس کے لیے تم نے مجھے گھونسا مارا ہے۔"

"وہ مشرق سے آئی ہے۔ اسے ہمارے یہاں کے ماحول کی عادت نہیں ہے۔ وہ ڈر جاتی ہے۔"
 "عمدوائے اسٹوڈنٹ ہاٹل میں اسے ڈرتے ہیں۔" بھی دیکھا تھا۔ کمال کا ڈرتی ہے وہ۔ بہت مڑا آتا ہے اسے ڈرانے میں۔ جب میں روانہ ہند کر رہا تھا تو اس کی شکل دیکھنے لائق تھی۔ ویسے تم کب سے مشرق کو بھجے گئے ہو؟"

اسے وہیں چھوڑ کر علیان واپس کچن میں گیا۔ کچن کا ہیڈ تھا۔ احمد کے پیچھے گھر تک جا گئے۔ وہ اس نے اپنے سینئر کو فون کرتے ہمارا تھا کہ وہ ضیوی کلہ سے جا رہا ہے۔ ایک دو گھنٹے میں واپس آجائے گا۔ کمال بھی اسی سینٹر میں رہا تھا۔ جس میں علیان نے پرورد شہبازی کی سجاوٹ بھی تھی اور دوتھے دشمن بھی۔ ایچہ کمال نے کی تھی۔ اس نے سینٹر میں موجود ایک دو سرے لڑکے کے سوتے میں ہاتھ پاؤں باندھ دیے تھے اور منہ پر کپڑا لپیٹ دیا تھا۔ لڑکا بے ہوش ہو گیا تھا۔ جب اس سلسلے کی تفتیش کی گئی تو کمال نے معصومیت سے ہاتھ علیان کی طرف اٹھا کر کہا۔

"اس نے میں نے خواہ اسے یہ کرتے دیکھا تھا۔"
 علیان اس کا منہ دیکھتا رہا۔ گولور سڑک کے طور پر اسے پورا ایک مین ایک وقت کا کھانا لٹا رہا۔

پھر علیان نے کمال کے ذمے جولا اندری ہوا کرتی

تھی۔ اس میں کافی کام کاڑھا مگلول سیادی اور بیل گم چھا کر ڈال دی۔ مشین سے نکلنے کے بعد کپڑے ناقابل استعمال کی عملی شکل اختیار کر چکے تھے۔ اسے مزید کچھ بھی کرنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی تھی۔ سب جلنے تھے کمال، ہر وقت بیل کھلایا کرتا ہے۔

علیان نے یہ بدلہ ٹھیک آٹھ ماہ بعد لیا تھا۔ وہ کمال کے پاس جسے پورا ایک ہفتہ باستر کے نشین پر سولے کی سڑائی مچی گیا اور اسے کمال

"حساب برابر ہو گیا کمال۔"

کمال نے پوری باتیں لٹل کر کمال کے ہاتھ لگے۔

"تو یہ حساب برابر ہو گیا؟" وہ ہر چھ سات مینے بعد ایک دو سرے کو کھینچ کر ایک دو سرے کی ماگ میں رہے۔ اسکول سے کالج لور کالج سے یونیورسٹی یہ سلسلہ نوٹ نوٹ کر جاتا رہا۔

علیان نے اس کا بریک اپ کروا دیا تھا۔ ایٹش سے مختلف طاقتوں کے دوران وہ اسے جتا رہتا کہ کمال کبھی کبھی اتنا جنفل ہو جاتا ہے کہ اپنے کپڑے تک پہنچا لیتا ہے۔ صابن کھانے لگتا ہے۔ شیمپو پیچے لگتا ہے۔ اپنے سارے جوتوں کو بند پر بچھا لیتا ہے۔ نور ان پر سوتا ہے اور تو لور پھند اڈال کر کم سے کم پانچ منٹ تک لٹکا رہتا ہے کہتا ہے موت کا مڑا لے رہا ہوں۔

لش کی شکل دیکھنے لائق ہوتی۔ وہ جانتی تھی علیان اور کمال ایک ہی جگہ رہے ہیں تو اب علیان سے زیادہ بستر کمال کو اور کون جان سکتا ہے بھلا۔ وہ کیسا جنونی ہے یہ علیان سے زیادہ کون جان سکتا ہے۔

دونوں میں بریک اپ ہو گیا۔

"وہ مجھے واقعی اچھی لگتی تھی۔" کمال نے اس کے روم میں آکر صرف اتنا کمال۔ وہ خوفناک حد تک سنجیدہ تھا۔

"تمہیں سارہ بھی اچھی لگتی تھی۔" علیان نے کندھے اچکا گئے۔ ویسے کیا تم چاہتے ہو کہ میں ایٹش کے پاس جاؤں اور اس سے یہ کہوں کہ جو میں نے کمال

سب جھوٹ تھا۔

"ایک اچھا کھلاڑی کبھی ایسی ناش للطی نہیں کرے گا۔۔۔ تبھی منت اور درخواست نہیں کرے گا۔ وہ صرف توجہ سے اپنا کھیل کھیلے گا۔"

"اگر تم میری درخواست خالص سمجھو اور کھد تو میں لٹس کے پاس جا سکتا ہوں۔"

نہیں نے کہا: ایک اچھا کھلاڑی کبھی منت نہیں کرتا۔

وہ کمرے کی چوکت سے لپک نکلائے کھڑا تھا۔۔۔ ہنسنے لگے۔ اس کی ایک اہم فائل لے اڑا تھا جو اس نے کئی مہینوں کی انتھک محنت کے بعد تیار کی تھی۔ بزنس مشاورت کو لے کر یہ ایک چھوٹی سی کتاب تھی۔ جس کے لیے اس نے پبلشر سے بھی بات کر لی تھی۔ یہ کام اس نے بہت چھپا کر کیا تھا۔ لیکن مکمل اپنے مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا۔ اس نے پہلے کمرے سے اس کی فائل غائب کی۔ پھر لپ ٹاپ کا پاس ورڈ توڑ کر کمپیوٹر کو کھول دیا اور اس میں وائرس چھوڑ دیا کہ لپ ٹاپ ٹھیک ہونے کے بعد بھی اس کی مرنے والی فائلوں کو وری کو رن نہ کیا جاسکے۔

ایک بڑا کھلاڑی ہونے کی حیثیت سے عالمیان نے اس کی کافی منت کی کہ وہ اسے اس کی فائل دے دے۔ لیکن اس نے نہیں دی۔ بدلے میں اسے لٹس کو بھڑکانا پڑا۔۔۔ جاتا تھا۔ کامل لٹس کو بہت پسند کرتا ہے اور اس کے ساتھ فیوچر پلاننگ کر رہا ہے۔ اس نے لٹس کے دل میں اسے لے کر کال کچھو ڈال دیا تھا۔ اس سے بھی بڑھ کر اس نے یہ کیا کہ اپنے قیمتی وقت میں سے وقت نکال کر لٹس کو نوٹا شروع کر دیا۔ ایک جنرلی کے مقابلے میں اسے عالمیان جیسا لائق فائق لڑکا نہیں اچھا لگا۔ ایک ہی ہفتے میں دس چھوڑا ہار لڑا۔ کڑوں الگ ہو گئے اور ظاہر ہے کامل جانتا تھا یہ سب کیوں ہوا۔ کس نے کیا۔

کامل کمرے سے چلا گیا اور ٹھیک پانچ منٹ بعد واپس آیا اور کہا۔

"وہ اپنے کمرے کی کھڑکی سے باہر دیکھو۔"

عالمیان نے اس کے ہاتھ کے اشارے کی سمت دیکھا۔ Withworth پارک۔ (اسٹوڈنس کی رہائش گاہ) کے گراؤنڈ میں کوئی چیز جل رہی تھی۔ آگ کے قطرے اٹھ رہے تھے اس میں سے۔

"عالمیان کی مستقبل قریب میں آنے والی کتاب تھی جو اب آگ کے حوالے تھی۔"

عالمیان نے لب تلخی سے بھینچ لیا۔

"پہلے میں اس مسئلے کو اپنے نام سے چھپوانے کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ لیکن ابھی کھڑے کھڑے میں نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ چند ہزار پونڈ کا نقصان کچھ زیادہ تو نہیں۔" کامل کہہ کر چلا گیا۔

کامل بیٹھ اسے جی چوٹ دے کر جاتا تھا۔ اس کا بڑا نقصان کرتا تھا۔۔۔ دونوں ضدی تھے اور وہ لپٹی باز نہیں آ رہے تھے۔ لیکن لب عالمیان سب ختم کر گیا تھا۔ وہ اپنے منہ سے کہہ گیا تھا کہ اسے اب یہ کھیل اور نہیں کھیلنا۔ ماضی میں یہ سب کرتے اس نے بھی آگے کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ کامل کا ہریک اپ کروانے بھی نہیں۔ لیکن اب وہ خوف زدہ ہو گیا تھا۔ کیسے لکھوں میں اس نے امرتہ کو لاک کر رکھا تھا۔ اسے کوئی بڑا نقصان نہیں پہنچا سکتا تھا۔ لیکن کیا مظلوم کسی چھوٹے نقصان کسی معمولی شرارت میں ہی بڑا نقصان چھپا ہو۔

کامل چھپ کر دار کیا کرتا تھا۔ بظاہر ایسے ظاہر کرتا جیسے سب ٹھیک ہے اور وہ کچھلی چوٹ بھول چکا ہے۔ لیکن پھر نئی چوٹ دے کر وہ ایسے مسکراتا جیسے کہ رہا ہو۔

"مزید گی کا اصل مزا اسی کھیل میں ہے۔ اور جس چیز میں مزا ہے۔ اسے چھوڑنے کو کس کا دل چاہتا ہے۔"

صبح ویرانے اس کے کمرے میں آئے ہی اس کا لوف کھینچ کر اٹھا اور چونک کر رہ گئی۔

"تمہارا تھرمدی رہی ہو۔"

مجھے وہاں دیکھ لیتا "کارل نے دھوکے سے مجھے اسٹور میں بند کر دیا۔"

"تیرا میڈک نے تمہارے کالوں کے بروے ہلا ڈالے ہوں گے اتھارڈی عقل کے نہیں۔ تم قتل کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھیں۔"

وہ برا ٹھیک کہہ رہی تھی۔ وہ قتل کا مظاہرہ بھی کر سکتی تھی۔

"میں نے عالیان کو تھپڑ مارا۔" اصل بات تو اس نے اب کی تھی۔

وہ اپنے 12 ہونٹا کر اسے دیکھا جو بیڈ پر خال کے ڈھیر میں پٹی بیٹھی تھی۔

"عالیان! کھل سے اٹھیا۔"

"میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔"

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

"تمہیں اس سے کیا؟" اس نے پھر سے نم آنکھیں رگڑیں۔

"دونا تمہیں ہر مسئلے کا حل لگتا ہے۔" وہ اٹھنے سے ہولی۔

"میں نے تم سے صرف مذاق کیا تھا اور تمہیں ہارٹ راک کے اس جھے میں لے جا کر بیٹھا دیا تھا۔"

وہ نہ میرا راز صرف تمہیں ہارٹ راک کو اندر سے دکھانے کا تھا۔ میں صرف تھوڑی سی دیر کے لیے وہاں سے غائب ہوئی تھی۔ وہاں بہت سے اگلے پونیورسٹی فیلو تھے۔ ایسی کوئی گھبراہٹ کی بات تو نہیں تھی۔ میں واپس آئی تو تمہیں وہاں نہیں تھیں۔

"میں تمہیں فون کر رہی تھی۔"

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

میں نے اسے فون کیا مگر اسے لے لور فون کا بل لے لیا۔

امرد نے اسے مکمل نظر انداز کیا اور بڑا سسکول
کی طرف چلے گئی۔

"مجھے افسوس ہے کہ میں تمہیں زیادہ دیر تک
اسٹور میں نہیں رکھ سکتی تھی ڈر تھا کہ تم پولیس کو فون
کر دلا گئی۔"

امرد کو افسوس ہوا اسے کر لینا چاہیے تھا۔
"وہیے تم کر بھی لیتیں تو تم کبھی یہ ثابت نہیں
کر سکتی تھیں کہ میں تمہیں وہاں تک لے گیا تھا بلکہ
ہانا میں تم پر یہ الزام ثابت کر سکتا تھا کہ تم چوری کی
غرض سے وہاں لگیں اور انجیلے میں لاگ ہو گئیں۔"
ایک دم۔۔۔ نہیں سے نکل کر عالیہا نے اسے
اپہنچ چکیا۔ کامل مسکرا رہا تھا کھسک گیا۔

"کامل کیا کہہ رہا تھا تم سے؟"
"میں نے سننا مناسب نہیں سمجھا۔"
"وہ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا" بے فکر
رہو۔ وہ تھوڑا شرارتی ہے۔ یوں کا کوئی اسٹوڈنٹ
کبھی کوئی ایسی حرکت نہیں کرے گا کہ اسے یونی سے نکال
دیا جائے اس کا مسئلہ مجھ سے تھا۔ تم سے نہیں۔"
"مجھے اس کے بارے میں بات نہیں کرنی۔ میں
نے آج تک کبھی کسی کو ایسے ہٹ نہیں کیا۔" ہمت
کر کے اس نے جلدی سے کہہ دیا۔

"مطلب وہ خوش نصیب صرف میں ہی ہوں۔"
"میں تم سے شرمندہ ہوں۔"

عالیہا نے اس کی سرخی مائل آنکھوں کی طرف
دیکھا۔ وہ جب جب ان آنکھوں کی طرف دیکھتا تھا۔
اسے لگتا تھا کہ جیسے بس ابھی ان میں سے آنسوؤں کا
دیریا نکلے گا اور سب بھگ بھگ جائے گا۔
"تم شرمندہ نظر تو نہیں آرہی۔"

"کسے نظر آیا جاتا ہے شرمندہ؟" یعنی معافی بھی وہ
مانگنے آئی تھی اور غصہ بھی وہی کر رہی تھی۔
"ہاں۔ ایسے تو نہیں جیسے تم ہو۔"

"نہیگ ہے میں جا رہی ہوں۔" وہ معافی مانگنے آئی
تھی تو بدلے میں یہ سننے لگی تھی کہ "کوئی بات نہیں"
غلا خسی ہو جاتی ہے۔ غلطی انسان سے ہی ہوتی ہے۔

و غیرہ وغیرہ۔ لیکن وہ تو۔۔۔
"تم اتنی جلدی جلدی مداخلت کیوں کرتی ہو؟"
و خاموش رہی۔

"اچھا شو۔۔۔ لو ہر شے دیکھو، تمہیں سوری کرنے کی
ضرورت ہی نہیں رہے گی۔"

و اسے دیکھنے لگی۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں،
منہ میں کچھ بوڑھنے لگا۔ پھر آنکھیں کھولیں، پین پر
پھونک ساری اور پین کو جادو کی چھڑی کی طرح مکمل مکمل
کھٹا دیا۔

"یہ کیا ہے؟"

"جلو۔۔۔ لب پھر سے سب پہلے جیسا ہو گیا ہے۔
میں نے وقت پر اپنا جادو چلا دیا ہے۔ اس نے کل کی
رات کو ہمارے زندگی میں سے نکل دیا ہے۔ لب سب
ٹھیک ہے سب ٹھیک ہی رہے گا۔"

امرد کو خسی آئی۔ "تم سب اتنے عجیب و غریب
کیوں ہو؟"

"اور تم اتنی سمجھ دار کیوں ہو؟" اس نے ہاتھ میں
پکڑے جلو کے چین کو اپنی ناک پر رکھتے ہوئے پوچھا۔
"ہم سب یادام کھاتے ہیں بلکہ ہم سب سمجھ دار"
"حق مند" سہی والے انسان ہیں۔" کیا اتر اہٹ تھی
امرد کی۔

"ہم سب بلیاں اور چوہے کھاتے ہیں" اسی لیے
اتنے عجیب و غریب ہیں۔"

"ہاں! چوہے۔۔۔ ترخ۔" امرد اپنی اتر اہٹ جھٹ
بھول گئی۔ عالیہا نے خواہش کی کہ کاش اس کے ہاتھ
میں پکڑا چین واقعی جلو کا ہوتا وہ اس کے "ترخ" کو
میں روک لیتا۔ امرد کو قہر نہ کہتا۔ پھر اس کی ناک کو
پکڑ کر بائیں بائیں کرتا۔ کاش یہ جادو اسے آسکتا۔
"پھر سے کرنا۔"

"کیا۔"

"وہی جولی چوہے کے ہمارے کیا تھا۔"
"لف! تم سب پاگل ہو۔" کہتے امرد جانے لگی۔
"تم نے کبھی کسی کو چھینچ کیا ہے؟" وہ بھاگ کر اس
کے پیچھے تیا۔

ہانگ تھا۔
 "علی ان کا چاہ کا پین آخر کام کیوں نہیں کرتا۔"
 "یہ سونٹنگ سائیکلنگ وغیرہ مجھے نہیں آتی"
 تم کچھ پور کرو۔"

"یعنی آسٹن سارا؟" اس سے چڑا ہوا تھا۔
 "جو مجھے آتا ہو پور میں کر سکیں۔"

"یہاں قریب ہی Dog Bowl ہے۔"
 "مجھے نہیں کرنا کچھ ڈوگ بول کے ساتھ۔"
 "یہاں ڈوگ بول نہیں ہیں ایک گیند ہے بول ہے"
 تمہیں گیند سے بولوں کو کرانا ہوگا۔ تم تین بار
 ریکش کر سکتی ہو پھر تمہیں گیند سے ساری بولوں کو
 گراانا ہوگا۔ ویسے میں نے لائف میں اتنا آسان چیلنج
 کسی کو نہیں دیا۔ تم شوق سے ہوتے۔"

امرد سوچنے لگی۔ "ٹھیک ہے میں تیار ہوں۔"
 شوق والے سب کر سکتے ہیں۔"
 "میری ٹائیکر کو ساتھ لاؤ گی۔"
 "بالکل ضرور۔"

"ٹھیک ذرا۔ پہلے یہ بتاؤ کن دلوں میں تیار ہوتی
 ہے۔ یزنا کیا میں اس کے لاچار ہونے کے؟"
 "ہمیشہ چاقو چوڑھ رہتی ہے۔"
 "اسے ضروری کام کب کب ہوتے ہیں۔"
 "میرے لیے ہمیشہ فائدہ رہتی ہے۔"
 "تم دونوں میں کپٹ فائٹ کب کب ہوتی ہے۔"
 "ہم میں بہت اچھی ذہنی آہنگی ہے۔ ایک اچھی
 لڑکی ہے۔"
 "وہ کب تک بڑی بن جائے گی۔"
 "نہ۔"

"اچھا۔ اچھا۔ آجاناؤں۔"
 لیکن بدیر اس کے ساتھ نہیں آسکی۔ اسے نوز بہر
 کے آفس جانا تھا۔ لیکن اس نے امرد کو بڑی درگاہ کر
 یہ سمجھا دیا تھا کہ گیند کو کس طرح سے ہاتھ میں پکڑنا
 ہے اور کیسے ٹھیک سے پھینکانا ہے۔

Dog Bowl میں بونڈو شی اسٹوڈنٹس کا
 کافی رش تھا۔ امرد نے اپنی پریکٹس شروع کی۔ اس

"نہیں۔" "وہ رک گئی۔"
 "میں نہیں کریں؟" "تھکوا کو لہا کر رہا تھا بدقت
 امرد نے آنکھیں سکیڑ کر اسے دیکھا کیا چاہتے
 ہو؟"

"Do or Die"
 "اب یہ کون سا نیا اگل بن ہے۔"
 "ہم سب دست کرتے ہیں۔ سارا ماچسز کرنا
 ہے۔"
 "سب کریک ہو گیا۔"

"کریک؟" "وہی تم چاہو تو میں تمہیں کوئی آسان سا
 ٹھیک دے سکتا ہوں۔ سونٹنگ، رنگ،
 سائیکلنگ کچھ بھی پور خلج بھی۔" "امرد خاموش
 سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔ "ویسے تم بیٹ ایسا
 باتیں کرتے ہو؟"

"اچھی ہیں تاہم باتیں۔ ویسے تم ڈر رہی ہو؟"

"تم بے وقوف ہو۔" "امرد استغناء سے ہنس۔"
 "تم خوف نہ ہو۔" "وہ بھی استغناء سے ہی ہنس۔"
 "پہلے اپنا علاج کرواؤ۔"
 "ڈر کا کوئی علاج نہیں۔"
 "میں لوٹ ہانگ حرکتیں نہیں کرتی۔"
 "ایسے لوگ خوف کو کلی نامور دے دیتے ہیں۔"
 "تم بہت زیادہ ٹھکی ہو۔" "وہ چلنے لگی مطلب جاؤ۔"
 "وہ سہول کو ہزار دے دیتے ہیں؟" "وہ اس کے ساتھ
 چلنے کا مطلب نہیں۔"
 "تو خدا یا! تم لوگ۔ تمہاری تیز مرچ بھی
 زیادہ۔"

"نہیں جلدی غصہ آجانا ہے۔"
 "خدا کے لیے بس کرنا۔"
 "وہ دوسرے دینے پر آجاتے ہیں۔"
 "کیا چیلنج ہے تمہارا؟"

"وہ جلدی پھیل جاتے ہیں۔" "امرد کا تعجب بلند

بھنویں تن گئیں۔
 "پھر سب جھوٹ گئے گئے ہے۔" کالی آنکھیں
 جنگ کرنے لگیں۔

"تم ایک بار پھر کرو۔"
 "پھر بارے دل لے بھالے بیاتے ہیں۔"
 "تم نے ضرور چھینک کی ہے۔"
 "پھر وہ قاتل قاتل چلاتے ہیں۔"

"تم۔"
 "میں۔"
 "تم۔"

"میں دھڑا ہوں۔ مجھے جیت چلنے والے کہا جاتا
 ہے۔"

"تم نے میرا نقصان کر دیا۔ مجھے یقین تھا تم ہار جاؤ
 گی پھر میں تمہیں سزا دوں گا۔" کتار حم طس انسان تھا۔ وہ
 اسے سزا دینے کے چکر میں تھا۔

"کیسی سزا؟"
 "میں تمہیں باتیں سناتا ہوں۔"

"باتیں۔ یہ کیسی سزا ہے؟"

"سزا سننے والے کے لیے ہوتی ہے بونے والے
 کے لیے نہیں۔ تمہیں سب سننا پڑتا ہے۔ وہ دامن
 اکھاڑے کے قے ہوتے یا اسکول کے دغوں کی
 سزا نہیں۔ دغہ شاپنگ کی فضول تھیلے ہوتی یا
 سب ویز میں گئے والے سیپوں کی عجیب و غریب
 حرکتیں۔ بولنے والے کا جب تک جی چاہے گا وہ
 بولے گا۔ سارا دن رات۔ اگلا طبقہ اگلی
 رات۔ سننے والے کو سننا ہوگا۔ بولنے والے پر کم
 ہی قسمت اتنی صبر ہوتی ہے تاکہ اسے ایسا سننے والا
 کوئی ملے؟"

"تمی دیر تک بولتے رہنے والا باگلی ہی ہوگا۔"
 "مجھے ہونا تھا نا پاگل۔" اس کا شاید راتے میں بڑا
 نقصان ہو چکا تھا۔

"اس سب کو چھوٹا۔ یعنی اب مجھے تمہیں چیلنج
 دینا ہے۔ کوئی سزا ہے نہ۔"
 "ہاں۔ ایسا کرو مجھے کہہ دو کہ میں ابھی یہاں

نے کبھی یہ کھیل نہیں کھیلا تھا۔ گیند اسے ضرورت
 سے زیادہ دلتی تھی۔ دیر انہیک کہتی ہے۔ ایک انسان
 میں اتنی طاقت ہونی چاہیے کہ وہ ایک عام وزن کے
 انسان کو اٹھا کر پھینک سکے اور اس سے گیند نہیں
 اٹھائی جا رہی تھی پاکستان میں انہیں ایک صوفہ یا ایسی
 ہی کوئی عام سی چیز اور سے اوپر کر لی پڑ جاتی تو وہ زمین
 لوگ مل کر یہ سب کرتے اور پھر ایسے ہانپے لگتے جیسے
 کسی باگلی کو تھپتھپتے رہے اور۔

پہلی کوشش میں اس کی گیند ایک بھی بوتل نہیں
 گرا سکی فور بوتلوں سے دور زمین کے درمیان میں ہی
 کنارے پر جا کر رک گئی۔ دوسری کوشش میں اس
 نے کامیابی سے دو بوتلیں گرا لیں اور تیسری میں پھر
 سے ایک بھی نہیں۔

"یہ تمہاری آخری کوشش ہے۔" عالیان نے
 ہنسی کو چھپا کر کہا۔

امرد نے اس کی ہنسی دیکھ لی تھی اور وہ پڑ گئی۔ اس
 بار اس نے گیند کو ایسے پکڑا جسے میدان جنگ میں سپر
 سٹار باڈی مات یا ہاتھ کے تحت تلوار کو بلند کرنا ہے
 اور پوری قوت سے وار کرتا ہے۔ امرد نے مکمل قوت
 سے اپنی پوری قوت سے گیند کو پھینکا۔

لور پھر وہ ایسے چلائی کہ اس پاس موجود بہت
 سارے لوگ اس کی طرف دیکھنے لگے۔ بھلے سے
 دیکھتے رہیں۔ وہ چلائی ہی رہی۔ ساری بو تلیں پت
 اوچکی تھی۔ شش لڑکی امرد جیت چکی تھی۔

"تم نے تو کہا تھا تم نے یہ کھیل پہلے کبھی نہیں
 کھیلا؟"

"بے شک یہ پہلی بار ہے۔"

"تم نے کسی بروڈیشنل کی طرح گیند چھینک لی۔ پہلے
 تم مجھے دکھانے کے لیے گیند کو ایوں لڑکھرائی رہی
 ہوگا۔"

"قسمت ساتھ ہو تو کوئی باڈی مات نہیں ہوتی۔"
 اس نے ایسے کہا جسے اس نے لیٹاؤر دلائل کپ کی ٹرائی
 بیٹلی ہو۔

"تم جھوٹ بول رہی ہو۔" بھوری آنکھوں کی

"اب تیار کر دیجیے کیوں مٹ رہے ہو پاکستان میں میری دوست نے بھی ایک بار ایسے ہی کیا تھا۔ میں نے سو سو ایک گیل گپے کھائے اور میں جیت گئی۔ بدلے میں میں نے اسے بس لٹا دی کہا کہ اسے صرف پانچ منٹ تک اسٹوڈیو کی کار چلانی ہے۔"

"میں میں کیا مشکل تھا۔ یہ تو بہت آسان ہے۔ تم نے اسے آسان بنک دیا۔"

"نہ کھر چلانا نہیں جانتی تھی۔"

"آپ۔ لو۔ ڈائریکٹس ملل کی کار تھی؟"

"یہ تم لڑکے کاہ کے ہم پر ڈال پونچنے کیوں بیٹھ جاتے ہو۔ ایک کار تھی۔ بس۔ ایک کار۔"

"یہ تم لڑکیوں کا لڑکوں کے ملازم پر دھریں کیوں نہیں جانتیں۔ اپنی کار سے بھر؟"

"میں صرف چار منٹ کار چلا سکی۔ اس کا پانچ مینٹ کا دور کشاپ میں رہی اور اس پر پورے پچاس ہزار گیل۔ اور۔ بس۔"

"بس۔؟" عائیان نے ایسے پر چھا جیسے کہ رہا اور اسے سب پر بھی ایسے بس کہہ رہی ہو۔

"ہاں۔ اور۔ اور۔ میرا ادا ادا لن کے گھر بند۔ بس۔"

"تمہارا ادا ادا بند۔" اس نے گردن کو بٹکا سا فم دے کر نہیں کو ہونٹوں کے پیچھے روک کر پوچھا اگر اسے بے تحاشا نہیں تو ہی تھی تو اسے کھل کر نہیں لیتا چاہیے تھا کیونکہ وہ ہمیشہ طرح سے ناکام ہوئے نظر آ رہا تھا اپنی انہی کو قابو میں رکھنے میں اس نے امرد سے اپنا رخ پھیر لیا اب اس کو شش میں تھا کہ وہ اتنی بری طرح سے نہ خستے کہ امرد براہن جاسے۔ لیکن ملاری کو شش بکا رہی۔ اس نے سر کو اٹھایا پھر سر کے کھٹے آسمان کو دیکھا جس کے پیچھے وہ دلوں کھڑے تھے اور خود کو بے قابو ہو جانے لگا۔

وہ ایک خوبصورت انسان تھا۔ خستے ہوئے اچھا لگتا تھا جیسے سب لگا کر رہے ہیں۔ لیکن ایسے بے قابو ہو کر خستے وہ ایک عام نارمل انسان نہیں لگتا تھا۔

"گھنٹوں کے بل جھک جاؤں"

"آپتی معمولی سزا۔ میں کیوں کہوں یہ تم سب۔"

"یہ معمولی نہیں ہے۔ ہرگز نہیں۔ ایسے نہ کہو۔" اس جیتی پھرتی طرح گھرایا جس کی جوہری نے بہت کم قیمت لگادی ہو۔

امرد گہری سوج میں ملی "تم ایک پلٹے تک اپنی کلاسز انیڈ نہیں کرو گے"

"تم جانتی ہو میں آج رات ہی خود کشی کر لوں۔؟"

"تو تم مرنا چاہتے ہو۔؟"

"میں مرناؤں گا اپنی کلاسز نہیں چھوٹوں گا۔ کچھ اور کہو۔"

وہ دلوں Dog Bowl سے باہر آپکے تھے اور سڑک کے کنارے چل رہے تھے۔

"تم سسز ایگزٹرز نہیں دے گے؟"

"یعنی تم ہر صورت کی جانتی ہو کہ میں خود کشی کر لوں۔"

"میں نے تمہارا پیچ پورا کیا۔ تمہیں بھی کھانا چاہیے۔"

"کہا تو ہے کر لوں گا خود کشی۔ اس سے بچھ کر اور کیا ہو گا۔؟"

دلوں میں روڈ پر آپکے تھے اور سڑک کے کنارے چل رہے تھے سڑک پر کلر رش تھا۔ لڑکے پونڈو شی اسٹوڈیو میں کاہی اجڑ رہے تھے۔

"اچھا کچھ اور کہو۔"

امرد نے سڑک کی طرف دیکھا جہاں وہ کھڑے تھے اس سے چند قدم آگے زہیر اکرا سنگ بھی جو کافی طویل تھی۔ وہ دلوں بھی اٹھا رہے تھے ہونے کا انتظار کر رہے تھے۔

"تمہیں بہت شوق ہے تابندہ کی طرح چھلا نکلیں نگانے کا۔ تو تمہیں اس ٹراسنگ کو ہاتھوں کے بل تھامنا پڑے گا کہ اس کرتا ہے۔"

"پہلی فرصت میں اپنے صلیح کا علاج کراؤ امرد۔ یہ کہہ کر رہا تھا جس کا اپنا علاج ہوئے دلا تھا۔"

امرد کو گا۔ ملائی گندا ہے۔ یہ بھی قلابازی نہیں کھائے گا کیونکہ اس نے مذاق میں کہا تھا۔ اصل میں اسے چیز مریخ سالے سے لے کر سورے کی چند پٹنیں کھانا چاہتی تھی۔ اور وہ جانتی تھی یہ ایک پلیٹ سے زیادہ کھانا نہیں کئے گا۔ اسے اپنی زبان کو لٹائی دے جانے لگی۔ لیکن یہ قلابازی لگا رہا تھا۔ اسے ایسا کر کے سڑک پر سے گزرتے یونیورسٹی اسٹوڈنٹس نے بھی دیکھ لیا۔ اتنا جبرن نہیں تھے۔ کیونکہ اتنی بڑی یونیورسٹی اس طرح کے اٹنے پٹنے اسٹوڈنٹس سے بھری ہوتی تھی۔

پھول بادل کی زمین سے پھوٹا ہے۔
محبت کے سائے میں دو امپا بنا ہے۔
انسان دو حالتوں میں اپنی جون بدل لیتا ہے۔
ایک کرب کی حالت میں۔ دوسری محبت کی حالت میں۔

اور سڑک کے اس پار کھڑا علیان کرب کی حالت میں تو ہرگز نہیں تھا۔ اس کی جون بدل چکی تھی۔ اور یہ کام سڑک کے اس پار مشرق سے آئی۔ ٹی وی کا حیرت سے دیکھتی لڑکی نے کیا تھا۔ ماچسٹر کے کھلے آسمان تلے۔ دونوں اس اور اس پار کھڑے تھے۔
فاصلہ تھا۔ کم تھا۔ زیادہ بھی ہو سکتا تھا۔



"Keep Calm and love Fridays"
(پر سکون رہیں اور جمعوں سے محبت کریں) اور یورپین جمعوں سے اتنا پار کرتے ہیں کہ کھانا ریستورنٹس 'بولڈ' کافی شاپس اور ایسی ہی دوسری جگہوں کے نام اوپلی گاڈ اس فرائیڈے' وی لو فرائیڈینے یا ڈائل فاڈ فرائیڈے' جیسے رکھتے۔ اور اوپلی لو اوڈ فرائیڈے جیسے بھی۔

تو اوپلی گاڈ ناؤ کل ڈیز آر فرائیڈیز لیں میرے خدا یا لب سب دن جنت کے دن ہیں) کا موسم شروع تھا۔ موسم جس کا سارا سال انتظار کیا جا رہا تھا۔ موسم جسے مسکراہٹوں کا طوفان کا خوشیوں کا اور محبتوں کا موسم

امرد نے ہاتھ باندھ لیے اور اسے گھورنے لگی۔ لیکن کرسی پر اسے درجہ کی سی آنکھیں رکھنے والا بھی یہ نہیں دیکھ رہا تھا کہ کالی چلیوں والا وہ آنکھیں اسے تھا ہو کر گھور رہی ہیں۔ وہی آنکھیں جنہیں قریب سے دیکھتے وہ اپنی رات سے بہت دور چلا گیا تھا۔
وہ صرف علیان نہیں رہا تھا۔

بہتے بہتے وہ چند قدم آگے چلا جاتا بھی چند قدم پیچھے اپنی آنکھوں کی کمی کو صاف کرتا اور امرد کو دیکھ کر کہتا۔

"اور بس۔ تمہارا واقعہ بند۔"

اس نے ایسا دو تین بار کیا۔ امرد شرمندہ سی ہو کر اس پاس دیکھنے لگی۔ اس میں اتنی کوئی پنشن کی بات نہیں تھی۔ اس کے کھلے بال ہلکی ہوا سے اڑ رہے تھے۔ اس نے مجھ سے ہاتھ کی لٹوں کو پیشانی سے پیچھے کیا اور پیش سے ہاتھوں میں ہاتھ چلانے لگی۔
خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی اسے لگ رہا تھا کہ وہ اس کی بے عزتی کر رہا ہے جیسے پاکلوں کی طرح جس رہا ہے۔ رونے کے لیے ہر وقت تیار رہنے والا امرد نے ایک اور بار رونے کی تیاری کر لی۔

کچھ ہی دیر میں جب بمشکل علیان خود پر چھو پڑا تو اس نے امرد کے فیسے رونے پر تکان چل رہا تھا اور اس وقت امرد تیزی سے اس کے آگے الگ سے چلنے لگی۔

"امرد۔" علیان اس کے پیچھے لگا لیکن وہ جیسے ہوا کے گھوڑے پر سوار تھی۔ تیز تیز چلتی ہی جا رہی تھی۔ سمجھ گیا کہ وہ ایسے کہیں جا رہی ہے۔
"امرد! اوھر مجھے دیکھو۔ میں تمہارا پیچھے چلیں گے۔"

امرد کو اپنے پیچھے تیز چلانے کی توانائی اس نے رک کر ڈراما پلیٹ کر دی تھی۔ اٹھا رہا تھا۔ ٹریک رک چکی تھی۔ سڑک کو پار کرنے والے سڑک پار کر رہے تھے اور ان میں بزنس اسکول کا اسٹوڈنٹ علیان مارگرٹ ہاتھوں کو سڑک پر ٹکانے کی تیاری کر رہا تھا۔

کہا جاتا ہے۔ تحائف کا۔ سیاحت کا۔ اور کنشیں کا بھی۔

دنیا بھر کے رنگ برنگے پرندوں سے آباد ماچسز خالی ہوئے گا۔ باد و صبر سے تھوڑی سی تک کے لیے یونی بند تھی وہ وہ درک پارک ہل اسٹوڈنٹس کی رہائش (Oak) ہاؤس اور اس پاس کی دوسری اسٹوڈنٹس کی رہائش گاہیں خالی ہونے لگیں اور برطانیہ کے Stereotype موسم نے اپنے رنگ ڈھنگ دکھانے شروع کر دیے۔

دوسرے فصول سے آئے اسٹوڈنٹس اپنے گھروں کو چلے گئے۔ دوسرے ملکوں سے آئے کچھ ماچسز میں جلب کی وجہ سے وہ گئے کچھ اپنے دوستوں کے ساتھ ان کے گھروں کو چلے گئے اور کچھ دوسرے ملکوں کی سیاحت کی تیاری کرنے لگے۔ پکڈل اسٹیٹ سے یونیورسٹی کمپس تک آتے والی مفت بس سروس بند کرنے لگی۔ امرت نے آکسفورڈ روڈ کو سنسٹا ہوتے دیکھا جہاں پر صبح اسٹوڈنٹس کا ہجوم تیزی سے حرکت کرتا نظر آیا کرتا تھا۔ امرت ایک دم سے سب کو مرس کرنے لگی تھی جنہیں وہ جانتی تھی اور جنہیں وہ نہیں جانتی تھی سب کو۔ اتنے ہزاروں اسٹوڈنٹس کے ہم غنیمت۔ اسے نہیں معلوم تھا کہ وہ اس ماحول سے اتنی وابستہ ہو چکی ہے کہ اس ماحول کے بدلے جانے سے ایسے لوہاں ہو جائے گی۔ آکسفورڈ روڈ کو ایسے خالی دیکھ کر اسے ہولی پڑے۔ وہ اتنی جذباتی ہے۔ اسے اب معلوم ہو رہا تھا۔ یونی بند ہوتے ہی اسٹوڈنٹس بازاروں کی طرف بھاگے۔ ڈیموں و صیر خریداری کرتے۔

اس کے اسٹور میں سپرسل کی تیاری تقریباً مکمل ہو چکی تھی۔ اب ایک پورا مہینہ وہ دن رات کام کر سکتی تھی ان کی ٹی گفٹ اجرت بھی برعکس تھی۔ وہ اتنے دنوں میں زیادہ سے زیادہ دنوں کے لیے کالی پونڈز کما سکتے تھے اور امرت یہ پونڈز کمانا چاہتی تھی۔ شاید انم و غیمو کا گروپ یورپ کی سیاحت کے لیے جارہا تھا۔ اور عالیان بھی۔ اسے حیرت تھی کہ

وہ دوسرے ملکوں میں اتنی آسانی سے گھومنے پھرنے کے لیے کیسے جاسکتے ہیں پاکستان میں تو لوگ ایسے دوسرے فصول میں نہیں جاتے۔ انم نے اسے بھی چلنے کے لیے کہا تھا لیکن اس نے انکار کر دیا تھا اسے ایک ایک پونڈ جمع کرنا تھا۔

"تم غلط سمجھ رہی ہو اتنے پیسے نہیں آتے جتنے تم سمجھ رہی ہو۔ ہم ٹرین یا بس سے جائیں گے ہم نے خاص ڈسکاؤنٹس پاس کیے ہیں جن سے ہمارے بہت کم پیسے خرچ ہوں گے ہم کسی لکڑی ہوٹل میں نہیں رہیں گے بلکہ ہوٹلوں میں رہیں گے یا بہت کم قیمت والے ہوٹلوں میں۔" شرا نے اسے حائل کیا۔

"میں پھر بھی نہیں جاسکتی مجھے ایک ایک پونڈ بچانا ہے۔"

"ٹھیک ہے۔ تم وہ ایمل بھی معقول ہے۔" انم نے سوچنا شروع کیا جس کے پھر فرانس۔ کیا کوئی ایمل ہوئے ہیں جو چروں کو اتنا آرام دین کہ گئے ہی نہ ہوں۔ انم نے پس کر آتھ دس میل چلتے رہیں گے۔ چلنے سے پہلے رات کو عالیان اس کے اسٹور آیا۔

"میں مل رہی ہوں دو تے نہیں۔"

"ہو توں کی دکان میں کام تو کرتی ہو نا۔"

"میں سیکرٹن نہیں ہوں۔ تم سیکرٹن کے پاس جاؤ۔"

"مجھے ایسا کیوں لگ رہا ہے کہ تم نے صبح سے اب کم از کم سے دس کپ کڑی کافی کے پیے ہیں۔ زیادہ بھی ہو سکتے ہیں۔"

"کافی کڑی ہی ہوتی ہے۔" کلوشن روکھے کمپیوٹر کے ساتھ وہ مصروف تھی اور ایسے ظاہر کر رہی تھی جیسے اتنے بڑے اسٹور کا کام انہی ہی کرتی ہے۔

"کافی اس وقت کڑی ہوتی ہے جب وہ زبان کو بھی کڑوا کر دے۔"

"شاید تم سیاحت کر کے واپس آؤ تو ایسی کم عقی کی باتیں کرنا چھوڑو۔" شرا نے دوسری سرزمینوں کا پانی پینے سے لور فضا میں سانس لینے سے بہت سی مافی بیماریاں ٹھیک ہو جاتی ہیں۔"

ہو کہ خدا کے لیے جلتا میرا مظلوم کھانا۔
 "ٹھیک ہے۔ میں جا رہا ہوں۔ لیکن "فرمودہ
 ہے تم مجھے فون کر کے بتا سکتی ہو۔ ہمیں صبح لگتا
 ہے تم ہمارے لگنے سے ایک منٹ پہلے بھی بتا سکتی
 ہو۔"

"ٹھیک ہے۔ میرا فون ہوا تو میں ایک منٹ پہلے
 فون کر دلاں گی۔"
 "ہاں ہاں۔"

دس بارہ ہوتے صرف دیکھ کر قہقہہ ہونے لگتا مزید
 استغور میں گزار کر وہ چلا گیا۔ امرجہ کی آنکھیں نم
 ہو گئیں۔ ویرا اور این اون بھی جا چکی تھیں جتنے اس
 کے دوست تھے لور جن جن سے اس کی ہائے پہلو تھی
 سب پاری باری جا چکے تھے۔ وہ بھی جانا چاہتی تھی
 بلکہ وہی تو جانا چاہتی تھی۔ وہ جس نے کبھی یہ نہیں
 سنا تھا کہ وہ بھی پاکستان کے چند شہروں کے علاوہ کہیں
 اور محوم پھر سکے گی اس کو تو جانا چاہیے تھا۔ ویرا این
 اون اور ایسے ہی دس دس لوگ کھینچنے کھینچنے ملک محوم پھر
 چکے تھے یہ لوگ سارا سال کام کرتے اور ان دنوں میں
 سیاحت کے لیے کل کھڑے ہوتے۔ اس نے بھی کام
 کر کے پیسے اکٹھے کیے تھے لیکن وہ پیسے وہ ان کو دلہن
 کرنے کے لیے جمع کر رہی تھی۔ اگر پلائی دکان میں
 آگ نہ لگتی اور اس نے اپنے پیسے دلاؤ گوند دے دیے
 ہوتے تو وہ بھی ویرا کے ساتھ نقل و حرکت ہوتی۔ اس کی
 آنکھیں نم تھیں اس لیے کیونکہ زندگی شاید اسے چند
 مواقع دے دے گی دس دس ملکوں کی سیاحت کے
 لیکن وہ اسے یہ سب درست شاید نہیں دے سکے گی۔
 خیر دل کو مضبوط کرتے اور کام کر رہی اور ہنستے
 میں ایک بار یونور شی تک پیدل چلتی ضرور جاتی۔
 خوش آئند بات یہ تھی کہ تھوڑی سی ضرورت سے سب پہلے
 جیسا ہونے والا تھا۔ یونی کھنٹے ہی ایگزٹرز شروع تھے
 اس لیے سب نیو ایئر کے بعد لٹا شروع ہو جائیں گے۔
 یونور شی کے ہزاروں استغور تھیں کو کبھی یہ خبر نہیں
 ہو سکتی تھی کہ لہور کی رہنے والی۔ دادا کی کور میں

"الگ ہے تم پر کام کا بہت بوجھ ہے امرجہ۔" اس
 نے انداز کو افسوس بتایا۔

"میں مضبوط اعصاب کی مالک ہوں۔" امرجہ نے
 انداز کو مضبوط بتایا۔

"لیکن تمہاری شکل کچھ اور ہی کہہ رہی ہے اگر تم
 کمزور میں سوئیاں چلا جانا ہوں فرانس نہیں۔ بلکہ اگر
 تم کمزور میں جانا ہی نہیں۔ میرا خیال ہے میرے
 جانے سے پہلے ہی تم مجھے بہت مس کر لے گئی
 ہو۔"

"مجھے انتظار رہے گا یہ دیکھنے کے لیے سوئیاں
 فرانس کی ہوا اس نے تم پر سے پاگل پن کے اثرات
 کچھ کم کیے اور پڑھا ہے۔"

"میں میرا انتظار نہیں رہے گا۔" اس نے چند
 قدم آگے بڑھ کر جوتوں کے ٹیک کی طرف دیکھتے ہوئے
 خود کو لا پرواہ ظاہر کرتے ہوئے پوچھا۔

امردہ خاموشی سے اپنا کام کر رہی۔
 "تو میں جا رہا ہوں۔" اس نے کہا تو لیکن "جلنے
 کے لیے اپنی جگہ سے ہلا نہیں۔"

"مگر اس نے ایک سیلزمین کو متوجہ کیا۔
 "نہیں ایسے جوتے چاہئیں جنہیں پس کر یہ او
 نہیں سیلزمین کی بند کریں۔"

عالیان نے چونک کر امرجہ کی طرف دیکھا
 شرارت سے مسکرا رہی تھی۔

"یہ جوتوں کی دکان ہے بیک ٹوری بوجھ فلم کا سیٹ
 نہیں۔ یہاں کچھ الٹنٹو نے والا نہیں ملتا۔" مگر پر
 کام کا کل بوجھ لگتا تھا۔

"تمہارے اس سیلزمین نے بھی کڑی کٹالی ہے
 اور اس کپ سے زیادہ پی ہے۔" منہ بسور آعالیان چلا
 گیا۔ سچ منٹ بعد وہ پھر سے اس کے پاس موجود تھا۔
 "میں نے کچھ پیسے جمع کیے ہیں تم مجھ سے ادھار
 لے سکتی ہو اور ان کی واپسی کی کوئی جلدی نہیں۔
 جب تمہاری شادی ہو جائے گی تو ہم حساب ٹھیک
 کر لیں گے۔"

امردہ نے اپنے سر پر ایسے باجو رکھ لیا جیسے کہہ رہی

شہر ہونے والا میلہ سو سے زائد اسٹالز کے ساتھ شہر میں سج چکا تھا جہاں راتیں جھجک کرتی تھیں اور دن قہقاریاں بھرتے تھے۔ جہاں رکھی سیل کی جیس گد گدی کرتی تھیں کہ آخر مجھے اٹھا کر اپنے نرم گرم گھروں میں کیوں نہیں لے جاتے۔ زیادہ تر تکی نہیں ہیں ہم۔

کام کی زیادتی نے اسے تھکا ڈالا تھا۔ مل بناتے بناتے اس کی انگلیاں ٹوٹنے لگی تھیں۔ ہر گھر کو کافی کے ساتھ بھٹ بھٹا کر لگتی تھی۔ گھر جا کر چہرے کھٹے سولی پر پھر سے کام پر آجاتی۔ دلو اسے بات نہ ممکن ہو گئی تھی۔

”کتنی کمزور ہو گئی ہو شرم“ دلو اسے کافی دلوں بعد بات ہوئی تو وہ لو اس ہو گئے۔

”تمہیں تمہارے باپ کو دکھانا ہوں تمہاری یہ حالت۔“ دلو اسے تم کتنے کتنے روز کام کرتی ہو۔ جتنے میرے تمہاں اتنی محنت کر کے کمادی ہو اس سے زیادہ میرے لوگ اپنی فضول خرچیوں میں اڑا دیتے ہیں۔ وہ کاموں میں آتی ہیں گھر تمہاری ماں سے کہا کہ ایک گھر کا روپیہ میرے بھائی کیلین میں بنا دیکر گھر کے کام ہی کئے ہوتے ہیں امرد۔! جہاں تم رہتی ہو وہاں بھی تو لوگ کام والیوں کے بغیر رہتے ہی ہیں اور وہ کھو کھو کھتے کامیاب تر رہتے ہیں۔ ہم سے تو بحیثیت قوم آگے ہی ہیں۔“

وہ خاموشی سے دلو کو سختی کی کہتی۔
”اگلے دن بابا کا قانون آیا“ چھوڑ دو جلیب میں جیسے کر کے نہیں پیسے بیچ دلوں گا۔ اب حالات پہلے سے بہتر ہیں۔“

”نہیں بابا! مجھے علات نہیں ہے۔ اس لیے تھک جاتی ہوں“ جب عادت ہو جائے گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔“

”تمہیں کوئی خاندان نہیں پانا کہ تم ایک ایک روپے کے لیے ایسے پریشان ہو۔“

”مجھے خود کو پانا ہے بابا۔ مجھے خود کو مضبوط کرنا ہے۔ میں اب تک مضبوط نہیں ہو سکی تو اس میں

گھسٹوں سر رکھ کر بولنے والی ان سب کو کتنا یاد کر رہی ہے۔ وہ یونیورسٹی پر گرنے والی ہرل کو گھورتی ہے۔ لور مسکرانے کی سعی کرتی ہے۔ وہ اولڈ کیسپس کی یونیورسٹی آدک کے پاس آکر کھڑی ہو جاتی ہے اور آتی جاتی ٹریفک کو دیکھتی ہے۔ اس کے منہ سے بھاپ نکلتی ہے اور آنکھیں سیلی سیلی کی ہو جاتی ہیں۔ وہ دوا کو مائیسٹر میں پھیل ہرل دکھاتی ہے۔ مسکرانے کی کوشش کرتی ہے۔ ان سے باتوں میں دل بھلائی ہے۔

”تم ملی جاتی ہو میری بچی۔ جتنے پیسے تمہارے پاس تھے۔ میرے تو تبائیں گے وقت نہیں آئے گا۔“
”میں اگلے سال مل جی جاؤں گی۔ اگلے سال تک تو میں یہیں ہوں گا۔“ اس نے داد سے کہا اور خود کو بھی تسلیم کر لی۔

”ذمگی نے جتنے بھولے اپنی پانسوں میں تمام رکھے ہیں وہ سب وقت کے اشارے سے چلتے ہیں۔ ان میں بھولنے کے لیے وقت کے اشارے کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔“

لور کہا جاتا ہے کہ
کہ کیا پادری چیز ہے کرسمس کینڈل
نہیں کرتی شور و غوغا...
لیکن نرمی سے خود کو بچھا دے کرتی ہے
بے غرضی سے۔ یہ ختم ہوا مل جاتی ہے
اور یہ بھی تو کہا جاتا ہے کہ جب کرسمس آتا ہے تو
گھر کی یاد ستاتی ہے حتیٰ کہ آپ گھر میں ہی ہوتے ہیں۔

سارا ماچھڑ۔ اور سارا برطانیہ۔ لور سارے کا سارا یورپ کرسمس فلو کا شکار ہو چکا تھا کوئی چھینکتا ہوا نظر نہیں آتا تھا لیکن مسکراتا ہوا ضرور آتا تھا۔ شہر میں کرسمس مارکیٹ میں اونچے ستون پر بہت بڑے سے سائنا کلاز کو بٹھایا گیا تھا جو لیٹین ریڈیو پر مسکراہٹ سب پر بچھا دے کرتا تھا۔ کرسمس کے بڑے میلوں میں

ماہنامہ شعلہ اگست 2014

میرا قصور ہے۔ آپ کا ہے۔ ہمارے نظام کا ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔ میرے جیسی بہت سی لڑکیاں مجھ سے زیادہ سخت کام کر رہی ہیں۔ میری توجہ اب بہت آسان ہے۔ آپ جلدو تھکی اور دانیہ کی طرف توجہ دیں۔ میرا دل چاہتا ہے وہ سروں کی طرح نہ بھی زندگی میں آگے بڑھیں۔ محنت کریں اور کامیاب ہوں۔

پاپا نے اس کے اکاؤنٹ میں تھوڑے پیسے ٹرانسفر کر دیے جنہیں اس نے ہاتھ بھی نہیں لگایا۔ زندگی میں ملنے والے اسی آرام و آسائش نے اسے ایسا بنا دیا تھا۔ ریڈی میڈ کھانا کھانے کو مانتا رہے تو خود کھانا پکانے کی رحمت کوئی بھی نہیں کرتا۔

ایک بار وہ ڈپرک کے ساتھ Dranson گئی تھی ان دونوں کی مٹائی ڈاکو منتری کو لے کر ان کی ایک نمائندے سے ملاقات ملے تھی۔ ملاقات کے بعد جب نما سجدہ چلا گیا اور مل گیا تو ڈپرک نے وہ بٹرسے کہا کہ وہ اس مل کو آفس میں بھجوا رہے۔ مل کے نیچے ڈپرک نے سائمن کو دے دیے تھے۔

ڈپرک نے لگ "میرے پاپا کے آفس۔" مل اپنی دور ان کے آفس جائے گا۔ تھوڑے سے پیسے ہیں۔ میں بے کردی ہوں۔"

"میرے پاپا کا آفس ہیں اسی ریٹورنٹ میں ہے Dranson کے قیصرے سے دار ہیں۔"

"تمہارے پاپا یہاں کے تیسرے سے دار ہیں تو وہ ٹر جمیں مل کے لے جاتا ہے؟"

"نن لیکٹ مجھے زنتی سے ملے کیا گیا ہے کہ میں یہاں نہ کیا کروں۔ میں یہاں تب آتا ہوں جب بالکل خالی جیب ہو چکا ہوتا ہوں۔ کبھی کبھار زیادہ نہیں مل پر میں سائمن کو دیتا ہوں اور جب میرے پاس پیسے ہوتے ہیں میں یہاں آکر پے کر جاتا ہوں۔ اتنی سی رعایت مجھے مل جاتی ہے۔"

"تم کہہ رہے ہو یہ تمہارے پاپا کا ریٹورنٹ ہے پھر بھی تمہارے ساتھ یہ سب۔"

"میرے تار امریکا سے یہاں کام کے لیے آئے تھے دس سال تک انہوں نے گاڑیوں کی ایک فیکٹری کی مشینوں کی صفائی کا کام کیا ہے ان کے جسم سے مستقل کیمیکل کی بو آتے تھی ان کا کہنا ہے کہ ان دس سال میں انہوں نے اپنی سگریٹ پیٹنے کی خواہش کو دبائے رکھا اور ایک سگریٹ کی ذریعہ جب انہیں تھکنے میں ملی تو انہوں نے اسے جلا دیا کہ اگر انہوں نے وہاں لی لی لی تو دس سالوں میں کھائے کئے سارے پوٹو ڈر دھو میں کی تندر ہو جائیں گے جس کے تار کا ایسا ماضی رہا ہو اس کے بیٹے پر یہ سوٹ نہیں کرتا کہ وہ پچھتر جیسی بڑی بولی میں بڑھے بھی اور پاپ کی نکالی پر ایسے پیش بھی کرے اسکول کی چھٹیوں میں انہیں نے اسی ریٹورنٹ میں کام کیا ہے ایک بار میں نے فیس میں اشرف کے ایک ورکر کو دھکا دے دیا تھا مجھے اسی وقت جاب سے نکال دیا گیا تھا اب میں ڈاکو منتریز بنا کر اپنا خرچ نکالتا ہوں۔"

"آخر وہ بدین اپنی اولاد کے لیے ہی کھاتے ہیں۔" "ہاں تو میں اتنا بڑا ہو گیا ہوں جس بہت کھلی ان کی نکالی ٹگر سارے والدین صرف اولاد کا ہی سوچتے رہیں گے تو انسانیت کا کون سوچے گا۔"

"انسانیت کا؟" ایک ہزار ایک اور سوال امرت کے ذہن میں اس بات کو سن کر بننے لگے تھے۔ "ہاں۔ اگر وہ لوگ ساری زندگی کما کما کر صرف اپنی اولاد کا ہی سوچتے رہیں گے تو کون انسانیت کے بارے میں کون سوچے گا۔ ہمیں اپنی زندگی کے دائرے اتنے محدود نہیں کر لینے چاہئیں کہ ہماری ساری زندگی کا حاصل صرف چند افراد کو ہی قائم رہے۔"

امرت ڈپرک کے اس جواب کو ابھی طرح سے سمجھ چکی تھی اسی لیے اگلا سوال نہیں کر سکی۔ وہ لہجہ ہو چکی تھی۔

کرشمس سے ایک دن پہلے وہ سادھنا کے ساتھ کرشمس مارکیٹ گئی اور دونوں نے لیڈی مہر کی بتائی لاجپت سنگھ خریداری کی انہوں نے اپنے سب بچوں

کے لیے مخالف منگوائے تھے۔ سڑک کے بدلے ملنے میں سوداگر کی شادی بھی تھی کچھ اس سلسلے کی خریداری بھی کی۔

سلوٹھ کو کھڑے چھوڑ کر اپنی بیوی اپنی اور اگر لولہ کیسپس کی توڑک کے نیچے کھڑی ہو گئی۔ موسم کے تیور صبح سے ہی بدل رہے تھے تیز ہوا چل رہی تھی اور بی بی سی نیوز نے برف باری کی خبر دی تھی وہ محراب کی دیوار کے ساتھ ٹک کر کھڑی دھندلے آسمان کو دیکھ رہی تھی۔ دھند بڑھتی ہی جا رہی تھی اور کچھ دور آگے کی چیزیں نظر نہیں آ رہی تھیں۔ اسے یہ سب اچھا لگ رہا تھا۔ اسے برف باری کا انتظار تھا اس کے پاس ایک گھنٹہ تھا پھر اسے واپس اپنی جگہ پر جانا تھا اپنی بیوی کے آگے برف باری کو ہوتے دیکھنا چاہتی تھی ہوا اور تیز ہو گئی دھند اور بڑھنے لگی ندی کے گالے مل کے باری کی طرح غری سے نشن پر برسے لگے۔ ہوا اور تیز ہو گئی، امرد نے اپنے سرخ دستوں والے ہاتھوں کو پھیلا لیا۔ برف باری بلاشبہ وہ منظر ہے جو پہلی بار دیکھنے والوں کو مستانہ سا کر دیتا ہے سفید پھول برف بنے امرد سے شرارتیں کرنے لگے تو نہیں ملے وہ جتنی ہو رہی تھی دور دھند میں اس نے دیکھا کہ کبلی آ رہا ہے وہ عالیان تھا قریب آیا اور دور ہو آچلا گیا۔

وہ عالیان نہیں تھا۔

بریلیے ریشٹوں کو پیچھے اپنے سرخ دستوں پر اتارتے وہ جہاں کی جہاں کھڑی نہ گئی۔

”اسے عالیان آتا اور جانا کیوں نظر آیا تھا؟“

گرم کوٹ کے اندر اس کے وجود نے سم کر جھری لی۔

دھند کو جیر تا پھر کوئی آ رہا تھا آکسفورڈ روڈ کو بھاگ کر پار کرنا ہوا بیوی کی طرف بڑھتا ہوا امرد محراب کی دیوار کے ساتھ سمٹ سی گئی۔ برف باری میں تیزی آگئی تھی۔ اس کے سرخ دستانے خم ہو رہے تھے۔ برف کی پھوار کو دیکھتے اس کی آنکھیں کھلیں تھک رہی تھیں اور یہ کہن اس کی طرف آ رہا تھا اس کے ہاتھ میں نیلے پیلے سفید پھول تھے۔ پھول بہت زیادہ تھے لیکن پر

برف گر کر جھری تھی۔ وہ بار بار انہیں جھاڑ رہا تھا۔ اس نے گردن کو خم کر امرد کو دیکھا اور اپنا کراہ کر مسکرایا۔

تیز ہوا کا جھونکا آیا اور اس شیعہ کو اڑا کر لے گیا۔ امرد نے سم کر آس پاس دیکھا ٹرک نہ ہونے کے برابر تھی اکا دکا لوگ بیٹھے بس اور امرد نے وہاں سے تیز تیز پیدل چٹا شروع کر دیا۔ اس کا دل خوف سے سم رہا تھا۔ وہ اور تیز چلنے لگی اور پھر وہ بھاگنے لگی۔ آکسفورڈ روڈ پر بیوی کو اپنے پیچھے چھوڑ کر۔ خوف اس کے وجود میں سرایت کر رہا تھا۔

عالیان اس کے واپس بائیں آگے پیچھے ہر جگہ تھا۔ وہ سامنے سے اس کی طرف آ رہا تھا۔ وہ پیچھے سے اسے پکار رہا تھا۔

یہ سب کیا تھا۔ یہ سب ٹھیک نہیں تھا۔

اسے اپنے تعاقب میں عالیان نہیں چاہیے تھا۔ برف پر بھاگتے بھاگتے وہ پھسل کر گر گئی۔ یہ عالیان کون تھا جس نے اسے گرا دیا تھا۔ لٹھڑی ہانگ سے درو کی لہر پھولی۔ اٹھ کر اس نے اپنے کپڑے جھاڑے۔ گردن سے اپنے منظر کو کھول کر اس نے ناچھی طرح جھٹکا اور گردن کے گرد لیٹ لیا۔ برف اس کے وجود میں اتارتی اسے لٹھڑا کر رہی تھی۔

اور اسے تکلیف ہو رہی تھی۔

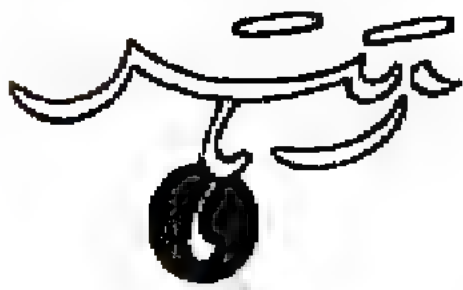
سفیدے کے ماحول میں سرخ کوٹ اور سرخ منظر میں وہ خزاں میں کھلی اس گلی کی مانند تھی جو بدوقت کھلنے پر آبدیدہ ہو جاتی ہے۔

بیوی کو اپنے پیچھے چھوڑتے وہ آہستہ آہستہ چلی جا رہی تھی۔ ندی کے گالے ابھی بھی گر رہے تھے۔ اس کے کھلے ہاتھوں میں ایک رہے تھے۔ وہ برف باری کو دیکھنے لگی تھی لیکن اس نے یہ کیسی برف باری دیکھی تھی۔ جس نے اس کے اندر کی ہماروں کو ختم کر ڈالا تھا۔ مارا سبز سفیدے میں بدلتا جا رہا تھا۔

”لوہ خزاں کتنی چھی خوب صورت کیوں نہ ہو وہ ہمار کو نگل لے تو صورت ہوتی ہے۔“

(بالی آئینہ ماہان شاعرانہ)

قِرۃ العینِ حُرُمِ ہاشمی



مکروقت کی سب سے بڑی غولی یا خالی یہ ہے کہ وہ
سدا ایک سانس میں رہتا ہے۔ اور اسی دھوپ پھلوں
جیسے موسموں سے اپنے لوز پرستے رشتوں کی پہچان
ہوتی ہے۔

کچھ مہینے گزرتے تو نزہت نے اپنے رنگ و ہنسنگ
دیکھنا شروع کر دیے۔ وہ حد سے زیادہ خود سرا اور ضدی
لوگ تھے۔ کام کے معاملے میں انتہائی ست اور لڑبڑ۔
شوہر مکمل طور پر اس کی نظمی میں تھا۔ اسی لیے آتے
کسی لوز کاٹہ ڈرتا اور نہ خوف تھا۔

محبت لٹاتے سانس مسرت اسے خدا واسطے کا پیر
تھا۔ خاص کر اپنی خالہ یعنی سانس رشیدہ بیگم سے۔
کیونکہ سارے گھر میں مکمل اجارہ داری ان کی تھی۔
جو نزہت کے لیے ناقابل برداشت تھی۔



فاتر زور اس آگے ہو کر دروازے سے جھانکتا اور
دلو کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر بھاگ جاتا۔ چار
سالہ گول مثل خوبصورت سے فاتر میں رشیدہ بیگم
یعنی دلو کی جان تھی۔ اس سے ایک سال پہلے نارضا
لود دلو سالہ کرنا بھی رشیدہ بیگم کے بہت لڑنے لے تھے۔
مگر فاتر پہلا بچہ ہونے کی وجہ سے ان کے زیادہ قریب
رہا تھا۔

کچھ نزہت کا بھی یہ پہلا تجربہ تھا۔ سو وہ بھولی بھولی
باتوں پہ گھبرا جاتی تھی اور فاتر کو اپنی سانس کو تھماتی۔
بے سہما لے اور سلاتے رشیدہ بیگم بھی نہیں نکلتی
تھیں۔ احمد بشیر اکثر اپنی مذبح محترمہ کی پوتے کے لیے
یہ وارفتگی دیکھ کر خفس پڑتے تھے۔ اور مذاق ہی مذاق
میں کئی بار انہیں منع بھی کرتے تھے۔ بے رشیدہ بیگم
ایک کمان سے من کر دے سرے کمان سے نکلی دیتی

تھیں۔ مگر کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے نا کہ اناری مذاق
میں کبھی باتیں حقیقت کا لباہ اور نہ کر دے جانے
آکھڑی ہوتی ہیں۔ اور ہم سوچتے رہ جاتے ہیں کہ اکثر
باتوں کا ”سچ“ ہو جاتا کتنا تکلیف دہ بھی ہوتا ہے!

رشیدہ بیگم کو اپنے ایف۔ اے پاس انکوتہ بیٹے
ریاض کے لیے اپنی بہن کی نازگندام سی آنکھوں
پاس بیٹھی نزہت پسند آئی تھی۔ ان دنوں علیحدہ آٹا
مدراج تھیں۔ اس لیے نزہت کا آٹھ چھ مہینے پاس
ہونا رشیدہ بیگم کے لیے بہت بڑی بات تھی۔ سونے پہ
ساکہ نزہت خوبصورت بھی بہت تھی اور ناز و خرد اس
سے بھی بڑھ کر تھا۔

رشیدہ بیگم بہت چٹو اور مالن کے ساتھ نزہت کو بیاہ
کر لائی تھیں۔ کئی مہینے تک اس کے ناز و خرد اٹھائے
کہ اس پاس لود لٹنے لگانے والوں نے اعتراضات
شروع کر دیے تھے کہ رشیدہ بیگم نے اپنی بہو کا داغ
ساتویں آسمان پر پہنچا دیا ہے۔ رشیدہ بیگم سختیں اور
خس کے چل دیتیں۔ ان کو اپنے چھوٹے سے گھر کا
سکون اور اطمینان بہت عزیز تھا۔

دواؤں سے بھانک کر دلہن جانے لگا تو رشید بیگم بے اختیار ہو کر ہاتھ اس کی طرف پھیلاتے ہوئے محبت سے پکڑیں۔

فائزر رک گیا اور خوفزدہ نظروں سے دلوں کے پھلے جانڈس کو دیکھنے لگا اور ایک نظر اپنے پیچھے بھی ڈال لیتا۔
”کیس ای نہ آجائیں۔“

”وہ دلوں ای کیس ہیں کہ آپ گندی ہو۔ آپ اچھی نہیں ہو۔ میں نہیں آؤں گا آپ کے پاس۔ دلوں گندی ہیں۔“

فائزر نے رستے دہائے طوطے کی طرح ہل کا سکھایا سبق سنایا۔ پورے چھری سے دلوں بھاگ گیا۔

رشید بیگم کے ہاتھ بے دم ہو کر ان کی گود میں آکر رہے۔ ان کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ان کی محبت اور مہارست گایہ جیلہ ملا تھا آج انہیں۔ زہت نے اپنے اندر کا اندر ان بچوں میں اتارنا شروع کر دیا تھا۔ اس کے ذرا اور غول کی وجہ سے وہ اپنی ماں کی ہر بات ماننے پر مجبور تھے۔

”میں تمہیں پہلے ہی سمجھاتا تھا۔ مجھے وقت کے نیور نظر آتے تھے۔ مگر تم۔“

احمد بشیر کے افسردہ سی بیٹھی اپنی شریک حیات کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”انگور بچوں کو ہمارے خلاف سکھا کر ہم سے الگ کر کے کیا حاصل کرنا چاہتی ہے۔ اب تو میں نے اس کے کسی معاملے میں بولنا ہی نہیں چاہتا۔ میں اسے چلو اور دلوں سے اسے بیاہ کر لائی تھی کہ ایک تو میرا اپنا خون ہے اور وہ میرا پڑھی لکھی ہے، کچھ نہ کچھ تو سمجھدار ہوگی کہ ہماری آنے والی کھلیں سنوار دے گی۔“

رشید بیگم نے اسروگی سے گہری سانس لی۔

”اسے اپنے آنکھوں پاس ہونے کا انداز تم ہے کہ مجھے چٹل کر دیتی ہے۔ میری ہریات کی انہی اڑائی ہے۔ کیا ج میں تعلیم ہندے کو بھولنے، بڑے کا احترام بھلا دیتی ہے۔ اس میں لگا غور و فکر بھرتی ہے کہ وہ

رشید بیگم اسے پیار اور محبت سے کچھ بھی سمجھاتیں تو اس کے برعکس کرتی۔ جان کر ان کو نیچ کرتی۔ ہر چیز میں نقص نکالتی، اعتراضات کرتی اور اب تو اکثر زبان درازی کرنے لگی تھی۔

زہت کے یہ رنگ، دھنگ اور تیور کچھ کر رشید بیگم صدمے سے تنگ سی رہ گئیں۔ ان کا رشتہ خالہ، بھانجی کا بھی تھا۔ اس کے بانی خود زہت ان سے سخت چڑھ سکتی تھی۔

کیوں؟ اس کیوں کا جواب ان کے پاس نہیں تھا۔ مگر وقت کے پاس ہر سوال کا جواب ہوتا ہے۔ مگر افسوس کہ ”وقت“ پہ نہیں ہوتا۔!!

وقت اپنی مخصوص رفتار سے گزرتا رہا۔ اس گھر کے آئین میں بچوں کی تقلاریاں گونجتی لگیں۔ رشید بیگم نے تینوں بچوں کی بار مہرست کا بہت خیال رکھا۔ بیڈ پہ بٹھا بٹھا کر ہر چیز پیش کی۔ حالانکہ اب ان کی محنت دن بدن گرتی جا رہی تھی۔ مگر پوتے بیٹوں کی محبت میں وہ سب بھلا کر ”پھر سے جت چال“ نہیں۔ اسی لیے تینوں بچے ایک طرح سے رانگی کی گھنٹی بنی رہے تھے۔

مگر اب پچھلے کچھ عرصے سے گھر میں عجیب صورتحال پیدا ہو گئی تھی۔ زہت کو اپنے بچوں کی صورت میں ایک اور غفلت گیا تھا۔ جہاں پہ بہت آسانی کے ساتھ اپنی ساس رشید بیگم کو شکست دے سکتی تھی۔

مخصوص بچے اپنی ماں کی سیاست میں شامل ہونے لگے تھے۔ ان کی ہاں جوڑ ہر فن کی رنگوں میں قلم و قسط کر کے اتار رہی تھی اس کا پھل بھی اس نے کھانا تھا۔ وہ یہ بھول چکی تھی۔ مگر ”وقت“ کچھ نہیں بھولتا اور نہ ”بھولنے“ دیتا ہے۔!!

”فائزر! میرا اندر آ جا۔ دلوں کی جان!!“

پہنچی بار بھی جب فائزر کمرے کے اندر کھنکھنے

”جہاں، مختار، عورت نے میرے بچے بھی بگاڑ دیے ہیں۔ ہاں نہیں کب جان چھنے گی اس عذاب سے۔“

مونا طحی سے اور نفرت سے بڑھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

دروازے کے اس طرف بیٹھی مہل، بیمار کنوڑ اور باواں عورت بہت حسرت اور بے چارگی سے اس منظر کو دیکھ رہی تھی۔

کچھ ہی دیر بعد اسی غور و ملاحظہ سے زمین پہ پڑتی لوگوں کو عداوت کی نظر سے دیکھتی تھی، فرق صرف اتنا ہے کہ آج وہ خود اس جگہ پہ کھڑی ہوئی تھی جہاں کبھی اس کی ساس رشیدہ بیگم کھڑی تھیں۔

اپنے زمانے کی آنکھیں پاس، خوبصورت نازک اندام، شوہر کے دل پہ دلچ کر کے دلی ساس مسرکی اگوتی اور چھٹی ہوئی زہمت آج کے زمانے کے مسلح سے جا ملی اور مختار کھلائی گئی۔ اس کے چلے اور اندے چلیے کی وجہ سے کوئی اس کے پاس نہیں آتا تھا۔

خفا کہ وہ بیٹے بھی نہیں جن پہ اسے بہت مہن تھا۔ کبھی اس کے بیٹے اپنے بچپن سے اپنے گھر کے بزرگوں کے ساتھ ٹاروا سلوک دیکھ رہے تھے۔ اسی لیے آج جب مہن کی ماں اس اسٹیج پہ پہنچی اور ان کی بیویوں نے وہی سلوک ان کی ماں کے ساتھ کیا تو انہیں کچھ الگ یا برا محسوس نہیں ہوا۔

فرق صرف اتنا ہے کہ رشیدہ بیگم کے دکھ سکھ ہٹے والا ان کا ساس بھی بوز شریک حیات زندہ تھا۔ جبکہ اپنے ضمیر کی عدالت میں روز کوڑے کھالے دلی زہمت کو اپنے شوہر کی وفات کے بعد یہ سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا تھا۔

آپ ”وقت“ کو جو لاگے ”وقت“ آپ کو وہی لوٹائے گا۔ سو سمیٹ۔

کاش ہر عورت اپنے بچوں کو نفرت کا زہر پلانے سے پہلے سوچ لے کہ کل کو یہ زہر اس کا خسیب بھی بن سکتا ہے۔

اجہالی اور بڑائی کی قیڑا بھول جاتا ہے۔

اس سے بہتر تو میں کسی مہن پر لڑکی کو اپنی بیوی بنا لیتی۔ کم از کم میری طس کی ان بڑھ عورت کو رشتوں کا احترام تو ہو ماناں۔ رشتہ بناتا تو جانتی ہاں۔

رشیدہ بیگم نے اپنی چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں پونچھیں۔ دونوں میاں بیوی گزرتی رات کے پلو میں لو اس بوز غمگین سے بیٹھے تھے۔ عمر کی نقدی تیزی سے ختم ہونے کو تھی۔ اور وقت کا پیسہ تیزی سے گھومتا منظر منظر بدل رہا تھا۔

بڑے سے گھر کے خوبصورت سالان میں دنوں بچے اوھر سے اوھر بھاگ رہے تھے۔

باغ میں رنگ رنگ کے پھول تھے جن پہ شمع رنگ کی تیلیاں اٹتی، مہن کی خوبصورتی کو بڑھا رہی تھیں۔

رامس نے ایک تیلی ہاتھ میں پکڑی اور خوشی سے چہنچہا ہوا داد داد بکا رہا اندر کی طرف بھنگا۔ داد کا کمرہ بانی گھر سے ہٹ کر تھا۔ جہاں ہر وقت اکیلی پڑی وہ کسی کی آہٹ کی منتظر رہتی تھیں۔

سات سالہ رامس اور چار سالہ طحی سب سے نظر بچا کر کبھی کبھار مہن کے پاس چلے جاتے تھے۔ مگر ایسا بہت کم ہی ہوا کرتا تھا۔

ابھی رامس نے داد کے کمرے کا دروازہ کھولا ہی تھا کہ کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر غصے سے روکا۔

”رامس! میں نے منع کیا تھا میں کہ یہاں نہیں آنا ہے۔ آپ کی داد بیمار ہیں۔ چراغیم لگ جائیں گے آپ کو۔ چلو مہن سے۔“

مونا رامس کا بازو پکڑے اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے کر جاری تھی۔ جبکہ رامس مسلسل شور مچا رہا تھا۔

”مہن! مجھے داد کے پاس جانا ہے۔ انہیں تنگی دکھانی ہے۔ مہن! میں ابھی وہاں آجوں گا۔ پلیز مہن!“

رامس منت کرتے کرتے آخر میں روٹنے لگا مونا اسے کھینچتے ہوئے وہاں سے لے گئی۔

چاند تالاب میں جب رقص کیا کرتا ہے
میری آنکھوں میں ترا عکس ہوا کرتا ہے

جن دلوں تجھ کو میسر نہیں ہوتی فرصت
اُن دلوں عجز میں بہت عجز رہا کرتا ہے

ایسے ناتریبے مرے دل پہ محبت کی دمی
جیسے تجھے میں کوئی رپ جلا کرتا ہے

یہ ترا حسن ہمیشہ یوں ہی شاداب رہے
جا بڑے واسطے ددویں دُعا کرتا ہے

اے مری پہلی محبت اے میرے پہلے جوں
دل تمہیں آج ہمیشہ کو رہا کرتا ہے

میں تیرے ترکِ تعلق پہ بھی حیران نہیں
دشتِ غربت میں کوئی کتنی وفا کرتا ہے

میشم علی آغا

جیٹیں عشق میں آسودینے والے
مجھے بھیٹر میں راستہ دینے والے

کرم جبرِ حالات کا ہے یہ درد
بڑے با وفا تھے وفا دینے والے

اب اک کسے خود ہی دلا دینے ہیں
مجھے ددِ دل کی دوا دینے والے

بشرِ تمنا میں کیسے نہ کرتا خطا میں
سنہل کے سناؤ جزا دینے والے

مروں اور درد پر تو بد ظن نہ ہونا
مجھے اپنے دسے اُٹھا دینے والے

مری زندگی ہی تو میرا مرغن ہے
مجھے نہ ہر دسے دسے دلا دینے والے

خدا اور ترکِ ہے ناب تو بہ !
سلامت رہیں مشورہ دینے والے

خدا بدہ بکوی

پندرہ شوال اگست 2014 260



کالا بیض

میرا جہرہ آئینہ ہے
 آئینے پر داغ جو ہوتے
 لہو کی برکھاسے میں دھوتا
 اپنے اندر جھانک کے دیکھو
 دل کے پتھر میں کالک کی کتلی پر تیں جی
 ہوئی ہیں
 جن سے ہر قطرہ سحر منظر کجلا سا گیا
 دیا سوکھ گئے ہیں شرم کے مارے
 کوٹھے پر سے کالک کون اتارے
 شکیب جلالی

کبھی کہیں تو یہ حالت بھی کی محبت نے
 ٹڈھال کر دیا مجھ کو تری محبت نے

تری یہ پہل محبت ہے تجھ کو کیا معلوم
 گھلا دیا مجھے اس آخری محبت نے

وہ بول بھی جبر سے مرما کا چاند بھی لیکن
 اسے اُجال دیا اور بھی محبت نے

یہ تم جو میرے لیے خواب چھوڑ آئی ہو
 تمہیں جگایا تو ہوا مری محبت نے

میں جس کو پہلے پہل دل لگی سمجھتا تھا
 مجھے تو مار دیا اس نئی محبت نے

محبت اور عبادت میں فرق تو ہے ناں
 سو چین لی ہے تری دوستی محبت نے

انوار منٹو

شعاع اگست 2014 261



مجبوری

ایک شرابی ریلوے بنگ آفس پر ایک شخص کو اپنے کندھے پر سوار کیے پینچا اور ٹکٹ بیچنے والے سے کہا۔

”مجھے ریڑھی کا ایک ٹکٹ دے دو۔“ ٹکٹ بیچنے والے نے حیرت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔
”اس شخص کا ٹکٹ نہیں لوگے ہو تمہارے کندھوں پر سوار ہے؟“

”یہ شخص۔“ شرابی نے جواب دیا۔ ”یہ تو میرا بچہ ہے اور ابھی اس کی عمر چھ سال سے زیادہ نہیں ہوئی ہے۔“

”چھ سال سے کم عمر کا بچہ ہے؟“ ٹکٹ بیچنے والے نے کہا۔

”کیوں بے وقوف بناتے ہو یہ شخص بوجھ لیا ہے اس کا وزن کم سے کم ستر کلو ہو گا اور اس کی بارشیں کسی سال میں بھی تین انچ سے کم نہیں ہے پھر بھی تم اسے بچہ کہہ رہے ہو؟“

شرابی نے کندھے پر سوار شخص کو فٹن پر دے پٹا اور آنکھیں نکال کر بولا۔

”کندھے اچھالنے تم سے پہلے ہی کہا تھا اسی دائرہ میں منڈھو لاؤ اب مجبوراً مجھے تمہارا بھی ٹکٹ لے کر پڑے گا۔“

فاکر سہیل۔ بھرنون

تکلف برطرف

گھر کی مالکین نئی متوقع ملازمہ کو یہ احساس دلانے کی کوشش کر رہی تھیں کہ ان کے یہاں ملازمت کرنا اس کے لیے بہت آسان ہو گا اور اس گھر میں وہ خوش رہے گی۔

”کے ٹی۔ اپنے گھر کی بہت سی خوبیاں گنوانے کے بعد مالکین نے کہا۔“

”اور یہاں بچے بھی نہیں ہیں جو تمہیں جک کر رہے۔“

”ارے یتیم سادہ! بچوں سے میں بالکل جگ نہیں ہوتی، آپ میری وجہ سے خولہ خولہ میلی پلاننگ کا تکلف مت کیجئے گا۔“

متوقع ملازمہ نے بے تکلفی سے جواب دیا۔

السا نور۔ ہزارہ

پیشگی اطلاع

ایک دولت مند شخص نے قیمتی بار اپنی سیکرٹری کو دیکھ کر تنہا پیش کیا اور ایک پارک میں سیر کا پروگرام بنایا۔ جب وہ سیکرٹری کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے محووم رہا تھا تو اچانک وہاں اس کی بیوی آ پہنچی اور دونوں کو ایک ساتھ دیکھ کر غصے میں وہاں پہنچی گئی۔ گھر پہنچ کر اس نے مقامی اخبار کے ایڈیٹر کو فون کیا۔

”کل کے اخبار میں میرے شوہر کی موت کی خبر شائع فرمادیں۔“

”ان کا انتقال کب ہوا؟“ ایڈیٹر نے اظہار غم کرتے ہوئے پوچھا۔

”آج شام کو ہو گا۔“ بیوی نے جواب دیا۔

کو کب سنیں۔ رولینڈی

رفقاری گھنٹہ

ایک نئے ٹرانک سارا جنٹ نے اپنی کار گرونگ دکھاتے ہوئے ایک تیز رفتار کار سوار کو روک رکھا۔
”جناب! میرا قصور کیا ہے؟“ کار ڈرائیور نے حیرت سے پوچھا۔

ملازم! "نہیں جناب والا میں نے سچ بولنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔"

نیاں بہتری یہ ہے کہ اپنا منہ بند رکھو اور لوگوں کو سمجھنے دو کہ تم بے وقوف ہو۔ یہ نسبت اس کے کہ اپنا منہ کھولو اور لوگوں کے شہادت ختم کرو۔"

نیاں "تمہارا بھائی اکثر مجھ سے رقم ادھار لیتا رہتا ہے مگر آج تک اس نے ایک روپیہ بھی واپس نہیں کیا۔"

"ہاں! وہ بچپن سے ہی بچت کر لے گا مادی ہے۔"

ایمن سکندر۔ شاہراہ فیصل

احساس

"آج میں چھتری لے جاتا ہوں بھول گیا۔" پرو فیسر صاحب نے گھر واپس آ کر اپنی بیگم کو بتایا۔

"پھر کب کو کب پتا چلا کہ چھتری تپ کے پاس نہیں ہے؟" بیگم نے دلچسپی سے پوچھا۔

"جب بارش بند ہونے کے بعد میں نے چھتری بند کرنے کے لیے ہاتھ بند کیا تو۔" پرو فیسر صاحب نے جواب دیا۔

شاہزیہ عکمل۔ نیف ٹین

شوگر کوڈ

میچ سے پہلے ایک نیم کا پتلن اسپاٹ سے باتیں کر رہا تھا۔

"دیکھئے جناب! میں چاہتا ہوں کہ اسپاٹنگ فیلڈ فور قوانین کے مطابق ہو۔ لیکن میں آپ کو یہ بھی بتا دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ اس گرنوڈ کے ایک طرف اسپتال ہے۔ دوسری طرف قبرستان ہے۔ عتب میں سرسبز رہی ہے اور ہم نے اس بیڑن میں اب تک کوئی بیج نہیں بارا ہے۔"

مریم ثناء۔ لاہور

قراں خلی

اسکاٹ لینڈ کے باشندے ضرورت سے زیادہ سنبھوس مشہور ہیں۔ پچھلے دنوں اسکاٹ لینڈ کی فٹ بال ٹیم کے مینبر نے سینٹر فارورڈ کو اپنے دفتر میں طلب کیا

"آپ کا تصور یہ ہے کہ آپ اسی کلو میٹر کی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہے تھے جبکہ اس سڑک پر پچاس کلو میٹر فی گھنٹہ کی رفتار سے زیادہ تیز گاڑی نہیں چلائی جاسکتی۔" ٹریفک سار جنٹ نے خوبصورت جواب دیا۔

"مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" سوار نے احتجاجی لہجے میں کہا۔

"میں اسی کلو میٹر کی گھنٹہ کی رفتار سے گاڑی کیسے چلا سکتا ہوں جبکہ مجھے تو گھر سے نکلے ہوئے صرف نو گھنٹہ ہی ہوا ہے ابھی۔"

کار سوار کی بات سن کر ٹریفک سار جنٹ نے کیپ اتار کر سر کھینچا۔ پھر کچھ دیر سوچا اور پھر کار سوار کو جانے دیا۔

نازش کمال۔ کھاریاں

مطلوبہ کتاب

لندن میں ایک خاتون نے ایک کتاب فروش سے موبیٹا کم کرنے کے طریقے پورے دواؤں والی کتاب دھونڈنے کے لئے کو کہا۔ کچھ عرصے بعد وہ خاتون اسی دکان میں دواؤں کی کتابیں تو کتب فروش خوش ہو کر کہنے لگا۔

"یہ لیجئے تپ کی مطلوبہ کتاب مگر آپ تو پہلے ہی خاصی دلی نظر آ رہی ہیں۔"

"جی ہاں۔" خاتون بولیں۔ "دراصل میرے شوہر گم ہو گئے ہیں۔ میں اسی پریشانی میں دلی ہوئی ہوں۔"

"لوگ! پھر آپ نے پولیس کو اطلاع دی؟" دکان دار نے فکر مند کچے میں پوچھا۔

"نہیں! ابھی نہیں۔" خاتون اصل میں چاہ رہی تھی۔ میں اپنا میں پونڈ دکان مزید کم کروں تو پھر پولیس کو اطلاع دوں۔" خاتون نے سمجھ داری سے جواب دیا۔

نوبہ فیصل۔ ڈی ایچ اے

چیلہ چیلہ

جو شخص اتنا ست ہو جائے کہ وہ سوچ بھی نہ سکے تو اس شخص کو فوراً "شادی کر لینی چاہیے۔"

نیاں "تمہارا کوئی وکیل نہیں ہے؟"

اور اس سے کہا۔
 "وہیم! اس میزین میں تم نے اتنے اچھے کھیل کا
 مظاہرہ کیا ہے کہ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہیں
 اس کھیل کو کس دیا جائے یہ لوہم تمہیں سو پونڈ کا چیک
 دیتے ہیں۔"

مرزا صاحب نے بے ساختہ کہا۔ "میں صاحبہ
 باہر سے آجاتے ہیں۔" مولانا فیض الحسن فیض
 سہارنپوری جینپ کر خاموش ہو گئے۔
 حوا قریشی۔ لیکن

ابھی تک۔
 "دیکھو۔ وہ آدمی جو ڈانس کر رہا ہے۔" پارل میں
 بیوی نے اپنے شوہر سے کہا۔
 "ہاں۔ لیکن بے دیا۔" شوہر نے پوچھا۔
 "اس سہلی پہلے اس نے مجھے پروپوز کیا تھا۔" بیوی
 نے شوخی سے کہا۔ "مگر میں نے اسے رد کر دیا
 تھا۔"

"بہت بہت شکریہ۔" کھلاڑی نے کہا۔ "میں بورڈ
 کا دل سے ممنون ہوں۔"
 ٹیم کے فیصلے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔
 "اور اگر تم اگلے میزین میں بھی اتنے ہی اچھے کھیل
 کا مظاہرہ کرتے رہے تو جیترین صاحب نے وعدہ کیا
 ہے کہ اس چیک پر دو سٹاکا بھی کر دیں گے۔"
 نازیہ نجم۔ تین ہٹی

"لوہ ہٹی گا۔" شوہر نے حیرت سے سر پر ہاتھ
 مارا۔ "یہ ابھی تک خوشی میں مانج رہا ہے؟"
 صندل ٹمس۔ اسلام آباد

پرستار۔
 ایک تقریب میں ایک مشہور مصنف کا تعارف
 ایک خاتون سے کرایا گیا تو وہ انہیں متاثر کرنے کے
 لیے بولیں۔

سوامیر۔
 بیوی نے مجھے کے عظم میں اپنے شوہر سے کہا۔
 "مجھے ایسے لوگوں سے کوئی ہمدردی نہیں جو روز
 رات کو شراب کے نشے میں دھت ہو کر گھبراتے
 ہیں۔"
 شوہر نے اخبار پڑھتے پڑھتے مرائیا لور سنجیدگی
 سے بولا۔
 "جو لوگ رات کو نشے میں دھت ہو کر گھبراتے ہیں
 وہ کسی کی ہمدردی کی ضرورت محسوس کرتے بھی نہیں
 ہیں۔"
 رشیدہ بٹول۔ اور گل ناؤن

"ارے ہاں۔ تب تو بہت مشہور شخصیت ہیں۔
 مجھے آپ کے سب ناول بے حد پسند آئے۔ خاص طور
 پر وہ ناول تو بہت ہی اچھا تھا۔ کیا نام تھا اس کا۔ یاد
 نہیں آتا۔" کہانی بھی یاد نہیں آتی۔ بہت اچھا
 بات تھا مگر اس وقت ذہن میں نہیں آ رہا۔ ارے
 بھی وہی ناول جس کے ماسٹل پر لڑکی نے گلاب رنگ
 کی لیس پس رہی تھی پور اس کے کانوں میں ڈانڈ
 کے جھمکے تھے۔"

قائمہ سلطان الدین۔ میٹروپولی
 گدھے۔
 ایک بار علی میں رات گئے کسی مشاعرے سے مرزا
 صاحب مولانا فیض الحسن فیض سہارنپوری کے ہمراہ
 واپس آ رہے تھے راستے میں ایک تنگ و تاریک گلی
 سے گزر رہے تھے کہ آگے ایک گدھا کھڑا تھا۔ مولانا
 فیض نے یہ دیکھ کر کہا۔
 "مرزا صاحب ابلی میں گدھے بہت ہیں۔"





رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
"برتن ڈھانپ دیا کرو، مشکینے کا منہ باندھ دیا کرو،
ہوا کا بھجھا دیا کرو اور دھوازا بند کر دیا کرو کیونکہ شیطان
(منہ بند) مشک کر نہیں کھولتا، دھوازا نہیں کھولتا اور
(ڈھانپے ہوئے) برتن کو نہیں کھولتا۔ اگر کسی کو برتن پر
دکھنے کے لیے کڑی اور سخت کی جتنی شراب وغیرہ کے ہوا
کہہ نہ سکتا ہے، ہی اللہ کا نام لے کر دکھ دے (چراغ بجھ
دیا کرو) اس لیے کہ نخی شراب پر ہوا گھر کو آگ لگا کر (گھر
کو) یا گھر والوں کو، جلا دیتی ہے۔

(صحیح مسلم)

فوائد و مسائل

- ۱۔ شریعت اسلامیہ اس قدر کامل ہے کہ اس کی
رود مرہ مکان معاملات میں بھی رہنمائی دی گئی ہے
جن کی طرف تمام قوم پر توجہ نہیں دی جاتی۔
- ۲۔ آیات سنت کو سستے وقت مل گئے کے لیے
دی گئی ہیں۔
- ۳۔ دھوازا بند کیسے وقت، برتن ڈھانکنے وقت
اور مشک کا منہ باندھنے وقت بسم اللہ کہنا چاہیے
اس کی بہت سے شیطان کی شرارت سے حفاظت
دیتی ہے۔
- ۴۔ چراغ جل کر رہے ہیں، نمکیت ہے کہ جو بیاضی ہو
لے کر چھت میں ملی جاتی ہے جن سے نکڑی کی چھت
کو آگ لگ جاتی ہے اس لیے تیس کے چراغ
یا لوم جی وغیرہ کو بجھ کر ماضی زندگی سے، البتہ
بھل کا ہلکے روطنی والا طبیب روشن رکھا جاسکتا
ہے کیونکہ اس میں یہ خطرہ نہیں۔

چند باتیں شاید آپ کے لیے

- ۱۔ آنکھ والا وہ ہے جو اپنے آپ کو دیکھے۔
(کنفیو شس)
- ۲۔ عزیز جیسوں کے بندھن سے جو آزاد ہے اس
میں نہ خوف کیونکہ عزیز جیسوں سے ہی فریاد
ہوتا ہے اور عزیز جیسوں سے ہی خوف۔
(توتم بدہ)
- ۳۔ خاموشی اغلب بغیرت کا بہترین طریقہ ہے۔
(برنارڈ شا)
- ۴۔ پہلے گناہ چھٹک معلوم ہوتا ہے، پھر وہ
آسلان ہو جاتا ہے، پھر اس سے سترت بھنے
لگتی ہے۔ پھر بار بار کیا جاتا ہے۔ پھر وہ عادت
بن جاتی ہے۔ پھر آدمی گستاخ بن جاتا ہے
اور کہیں نہ بچتا ہے کا تہیت کر لیتا ہے اور پھر وہ
تباہ ہو جاتا ہے۔
(جان مشن)

- ۵۔ اچھی سیرت برائیوں سے بچنے کا نام نہیں بلکہ ذہن
میں برائی نہ کرنے کی خواہش پیدا ہونے کا نام
ہے۔
(برنارڈ شا)
- ۶۔ زندگی کیا ہے؟ صرف وقت۔ پس اگر تم وقت
ضائع کرتے ہیں تو تم کو یا زندگی پر یاد کرتے ہیں۔
(ہربرٹ اسپنسر)
- ۷۔ غصے کی مقدار بات چیت میں اتنی ہونی چاہیے
جیسے کہ نے میں نمک کر جب تک انداز پر رہتا ہے
تو باہم ویرہ قائم رہے۔
(افلاطون)
- ۸۔ آپ خواہ کوئی اور کچھ بھی ہوں اس جیسے فرد
اتفاق کر رہی گئے کہ جہاں ہر شخص پر ظلم خود کچھ
ہوتا ہے وہاں دوسرا کوئی کچھ نہیں ہوتا۔
(گبرگٹ)

ایسا فرمان ہے جس کی تعمیل سے رعایا کو کسی طرح کا فائدہ پہنچتا ہو تو اس کی فوراً تعمیل کر دیا اور جو فرمان ایسا ہو کہ اس کی تعمیل سے رعایا کو کسی قسم کے نقصان پہنچے گا نہ پیش ہو تو اس کی تعمیل میں جلدی نہ کیا کر۔
تکڑے پٹے کے ایک دفعہ توجہ دلا یا کر۔ کیونکہ دل اللہ کے حکم کے تابع ہے۔ شاید دوسرے وقت کسی اور جوا میں ہو اور اس فرمان کو پہل دیا جائے!

گنگنے

- ۱۔ کوئی شخص روزی اپنی بیعت اور طاعت سے حاصل نہیں کرتا۔ اللہ سب کا مالک ہے۔
- ۲۔ بڑے بڑے حکمرانوں اور سرکشوں کو بھی اللہ کے سامنے جگہ بیکسر چل رہی ہیں۔
- ۳۔ خداوند تعالیٰ شعل بھی ہے اور رحیم و کریم بھی۔ وہ گناہ گاروں کو توبہ کے لیے سہلت دیتا ہے اور توبہ کرنے والوں کو دامن رحمت میں ڈھال دیتا ہے۔
- ۴۔ جب تو اللہ سے مغفرت و عطا کا طالب ہے تو جن لوگوں کی امیدیں تیری ذات سے وابستہ ہیں تو انہیں بھی محروم و مایوس نہ کر۔
- ۵۔ جیسا سلوک تو مخلوق خدا سے کرے گا ویسا ہی سلوک اللہ تیرے ساتھ کرے گا۔
- ۶۔ حقیقی بڑا نوروہ ہے جو اپنے ہر چہ سے گریز پھرتا ہوا داس کی ہر ضرورت یا ست کا خیال دھتکا ہو۔
- ۷۔ جس مظلوم کو بادشاہ سے انصاف نہ مل سکے اسے خدا انصاف دلاتا ہے۔

حواقریشی۔ ملتان

سردار کی شخصیت	
ذیل	قریب
میک اپ	روز پونی پارہ
نور گردن	موتی رشتا

۱۔ دلاور کا ہر ایک پتھر خواہ وہ کتنا ہی چوڑا ہو اپنی قیمت لگتا ہے۔ (لامک خیلو)

۲۔ کوئی آئینہ انسان کی اپنی حقیقی تصویر نہیں پیش کر سکتا جتنی اس کی بات جیت۔ (جونس)

۳۔ گرد پاں ایک ایک جلاؤ تو دھواں دیتی ہیں۔ اکٹھی جلاؤ تو روشنی پیدا ہوتی ہے۔ (کا. بلن)

حکمرانی کا راز

امیر المومنین معاویہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا: آپ ہیں امیر (گورنر) کے عہدے پر فائز رہتے ہیں آپ کو غلط ہونے بھی ہیں بریں ہونے کو بھی؟
انتہا لیا عرض آپ نے: توں پر حکومت کی۔ اسی کا راز آخر کیا ہے؟ وہ کیا طریقہ ہے جسے اپنا کر آپ اپنے بریں حکمران رہے؟

وہ کہنے لگے: میرے اور رعایا کے درمیان ایک رشتہ ہے جس کا ایک سر میرے ہاتھ میں اور دوسرا ان کے ہاتھ میں ہے۔ جب وہاں دوسرے رشتے کیلئے ہیں تو میں ادھر سے ڈھیل کر دیتا ہوں تاکہ مٹاؤ نہ پائے اور جب ادھر سے ڈھیل دیتے ہیں تو میں ادھر سے رشتہ کھینچ دیتا ہوں۔

معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ طریقہ واقعی جواب حق۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ دو مشعل میزاج میاں بھری کہیں پر سکون زندگی نہیں گزار سکتے۔ اسی طرح یہ بھی ممکن نہیں کہ دو مغلوب العقب آدمیوں کی دوستی زیادہ دیر قائم رہ سکے۔

متوکل کا ایک حکم

احمد مدبولی کہتا ہے کہ امیر المومنین متوکل نے اپنے حکم دے رکھا تھا کہ جس دولت تیرے پاس میرا کوئی



غیر بن صابر فیصل آباد

عید آئی ہے تو آنکھوں میں اتر آئے ہیں
جھبھڑکی اوس میں بھیجے ہوئے پنچھی کتنے
شاعر ریحان کراچی

نظر کا چین دلی کا سرور ہوتے ہیں
جہاں میں لوگ کچھ ایسے مزور ہوتے ہیں
سدا چمکتا رہے ان کی عید کا تہولہ
قرب رہ کے بھی جو ہم سے دور ہوتے ہیں

والدہ نور مکمل چاند ہو بہو تم جیسا تھا محسن
وہی حسن، وہی عزور، وہی دودی سکھ

ملیہ سلیم انشکار یار بھی بنے خوشیوں کا نہوار بھی ہے
پچھڑنے کا غم بھی ہے نکلنے کی امید بھی ہے
خوابوں کی اے لہرائیں بگر تبسیر مل جائے تبھی
تمہاری دید بھی ہے اور بہاری عید بھی ہے

مناظرہ تر اسی عید پر بھی نہ مل سکے ہم تو کیا ہوا
بذلوں میں جو غلوں تو عیدیں ہزار ہیں

نسرین انور عید کا چاند دیکھ کر ہم نے
تیرے دیدار کی دُعا مانگی

سلطان جاوید عید آئی، تم آئے، کیا مزاجید کا
عید بھی تو نام ہے اک درہر کی ویدکا

آمنہ ولیہ ہنسی خوشی تیرے تیوں کا ہر سفر گزرتے
میری دُعا ہے کہ تیری عید خوب تر گزرتے

حافظ ادرق شکار پور

ہر کسی کے لیے کہاں ہوتی ہیں عید کی خوشیاں
نستون لاتا ہے کہاں صبح کے لیے عید کا پھندہ
نجمت امین پورے والا

سنو انعام ای اور تمنا میں ہزاروں ہیں
مبارک ہو میری جانب سے تم کو عید کی خوشین

شہد افضل شام تک ان کے لیے دروازہ کھلا رکھا
شاید وہ کہنے آجائیں عید مبارک

عالیہ عرفان روبری میں نے جا ہا کہ تجھے عید پر کچھ پیش کروں
جس میں تائید مستاروں کی جھبھ شامل ہو
جس میں گزرتے ہوئے لحات کی تصویریں ہوں
جس میں انجمن جزیروں کی مہک شامل ہو

حفیس فرید عید کی جانب سے بھی عید مبارک ہو تمہیں
لوگ کہنے ہیں عید آئی ہے

عابدہ پروین رحیم یار خان تمہارے ساتھ گزارا ہے ہر عید غم میں نہ
تجھے بھی عید کی خوشیوں میں یاد کر لیت

سویا مہین تری دُوری و حضور کی کاسے پر عجیب عالم
ابھن زندگی حقیقت، ابھن زندگی فسانہ

کوثر دھیمان



پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی ویب سائٹ

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

مجموعہ خاص کیوں نہیں؟

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شہنشاہ اسلام قائم پور

ہما طر زلیست پہ گھو میری ہی شکست ہے
میں بھی نا پرست ہوں، وہ بھی نا پرست ہے

منزلِ رمل سکی، یہ مقتدر کی بات ہے

صد شکر ہم سے ذوقِ سفر تو نہیں گیا
زعامِ بخاری

دوستوں پر نہ گھٹا تھا، وہ درگیا تھا
نام لکھا تھا جس پر میرا، وہ گھر گیا تھا

ہما لوب سنگ عارفِ خانا

جو کہ رہا ہمارا دشمنی سے زندگی میری
وہ شخص اپنے گھر کے چائوں سے ڈگیا

ماہِ فرخان فیصل آباد

جو بات کرتے ہیں کم اور مختصر سی قسم
وہ لوگ کتنے قرینے کی بات کرتے ہیں

ایمن انور کراچی

جن کی خاطر شہر بھی چھوڑا، جن کیلئے ہذا ہوئے
آج رہی ہم سے بچنے بچانے رہتے ہیں

حیرا عروشی کراچی

لاکھ پتھر ہوں، مگر لو کی ہوں
پھول ہی پھول ہیں اند میرے

انعم علی کراچی

جب ہو کے تو عجب دنیا بخش دلی کی
کہ بھڑکی کا اصول ہیں مد گزیر کرنا

تیرے طرزِ اغاغل سے مجھ تو نہیں
ہیں آتا نہ تھا دیوں میں گھر کرنا

آمنہا جانا ڈھیر کی

کوئی نئی جہت کھاؤ، پھر سے آداس لوگو
کہا کس نے کہ مسکراؤ آداس لوگو

کہاں تک بامِ دہر چراغاں کیسے کھوئے
پھر نے والوں کو بھول جاؤ آداس لوگو

افشاں خاں شاہ پور چاکر

جن کی نظروں میں ہم نہیں اچھے
کہہ لو وہ لوگ بھی برے ہوں تھے

سعید حمید جنگ صدر

پھول خوشبو کے لئے ہی میں کھر جائے ہیں
لوگ پہچان ملتے ہوئے مرتبے ہیں

ہم ہواؤں میں بھی ملتے ہیں چراغوں کی طرح
اور آگ بھی بھی ہر اک راہ میں دھڑکتے ہیں

علیہ حق نواز شاہ پور چاکر

جنہیں فرصت نہیں ملتی ذرا بھی یاد کرنے کی
انہیں کہہ دو ہم ان کی یاد میں فرصت پہنچے ہیں

نمرہ افسر کراچی

عزت نفس جس سے ذہنی ہو
وہ خوب بہتر ہے ایسی چھاؤں سے

علیہ نواز ایک

جو بات میں کہہ نہیں سکتا وہ بات میں فری کرتا ہوں
پلوں میں فری کرتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے

حزینہ بھول

میں ہستیاں کا عروج تھا
میرا کیا خلق تھا شام سے

تو خدا ہوا فوت چلا
میرا نام تھا تیرے نام سے

فوزیہ سعید کراچی

روئے سے ملال ٹھٹ گیا ہے
بلوں تھا بری کے چھٹ گیا ہے

شازیہ ہاشم قصور

کتابِ مادہ ہے کی کس تک کہیں تو آغا زباب ہو گا
جہول نے بستی اجاڑ ڈالی کہیں تو ان کا حساب ہو گا

مکوتِ محرا میں بسے والوں، ذرا زقوں کا مزاج کھو
جو آج کا موسم سکوں سے گزرا تو کس کا موسم خراب ہو گا

فائزہ عباسی شیخ لیاری کراچی

اے شخص تیسری جہت سے
بے زاد نہیں، تنگ گیا ہوں

منقرا یعقوب کراچی

اس قدمِ عشق جنوں خیز کہاں ہوتا ہے
کہ اثرِ موسمِ غم کا بھی ہے دلپازوں پر

کراچی

ہیں۔ ان کی مرضی عمر میں میرا کو خود سے بہت الگ اور
آگے بڑھتی ہوں۔

اور دوسرے میرا حق کا طرز تحریر قلم کا قلم ہے

لب مجھے "کساری کا گھر" بہت اچھی لگی۔ اہل رضا
کی "جھوک روپ" میں نے سانس روک کر پڑھی۔ اسے
سارے اچھے بنے اور شبہات سے دل خوش اور میل

ڈائجسٹ میں غیر ناز۔ شینہ قلمت عالیہ بخاری
عائشہ فیاض کے نام ہوں تو میری جلد از جلد پڑھ لینے کی
بے گینی حدت سوا دلی ہے۔

کاش میں کسی دن پر پا کھوں اور اس میں رفعت شاہد
چار کاغذ ہوں۔

نمروا کے لئے ناہی نے مجھے پکڑ لیا ہے۔ اگر آگے
بھی اتنا شہینہ اور باتو تو پھر بکڑ لیا۔

رخسانہ نگار آج کل میرا سانس خشک کرنے کا کام کر
رہی ہیں۔ بس یہ بتا دیں میرا پڑھتے وقت ہتھالی دکھانا
ہے۔ بلکہ ہمارا ہند ہونے لگتا ہے کیا آپ کو لگتے ہوئے
ایسا ہوتا ہے؟

عنبیزہ سید کے مامور اور مدد کی صاف شخصی محبت
مجھے بے حد پسند ہے۔ دراصل خفا کرتے ہیں مصوفوں پر
بیشک یہ وہ میرا سانس کے چ سینٹی فیڈ کی موندگی میرے

نزدیک از حد ضروری ہے۔ باوجود کاچھوٹا اور مجھے ہنسنے نہ
مجھے اپنی ذات کے حوالے سے پسند ہیں اور نہ ہی گمراہوں
کے لیے سو یہ اچھا چھٹا انداز۔ لفظ اور روایات کا پاس
عنبیزہ خوب لگتی ہیں۔

گزشتہ مہینوں میں کچھ لڑکیوں نے لکھا کہ وہ بے جاہریاں
طوالت کے باعث مجھے پڑھتی ہی نہیں۔ یا رب آپ
لوگ ایسا تو نہ کریں گاں۔ خود اٹھوڑا کر کے پڑھتی
جائیں۔ کبھی نہ کبھی تو پورا ہو گا۔

نہ یقین کریں۔ "محبت دل کی صورت" کے
صفحات دب سے لور گئے تو مجھے فوراً یہ ہمیں یاد آ
گئیں کہ بی بی سائے باغیوں کی تو خبر نہیں ان چادر سے تو
تھیں اب پڑھنا ہی نہیں ہے۔

صحافت پڑھتے تھے تو مجھے ایڈیٹر کے بجائے آپ لوگ
عنیا آتی رہیں۔

ہاں بہت مشکل کی تعریف بھی کروں گی۔ دیری گنہ گار

خاند۔

ہر بار پڑھ لینے کے بعد میں لعل کو فون کرتی ہوں
یا مہر سچ کرتی ہوں۔ تعریف اور تنقید دونوں۔ مہر ساہد
کو پڑھ کر میں نے لعل سے کہا سچی ذہن دست تحریر۔

لعل پکڑ لیں مہر کو "جاسنہ پائے"۔
اور پلیز مہر بخاری ایک بڑا سا طویل کچھ مزاحیہ کچھ
دکھی ڈال لکھ دیں اگر آپ پڑھتے ہیں تو ہالی سب کا مہر
بعد میں آگاہ ہے۔

مددۃ المنتہی کی تعریف پسند ہیں۔ اسے میں فون پر
راے دست دیتی ہوں۔ خصوصاً "بیک نو بیک" مکالمے۔

میرے خیال میں مجھ میں یہ مہر نہیں ہے۔
آندہ زہریں کے کتاؤں پر مہر مجھے مہسوت کر دیتے
ہیں۔ اگر میرے پاس اسے لفظ کا لٹیرہ ہو تو آج میں کیا
سے کیا ہوتی۔ ہار ہار پڑھنے پر بھی یہ فیصلہ مشکل لگتا ہے۔
کتاب کے حوالے خوب صورت ہیں یا آندہ کے لکھے
مہر کے جملے۔

سہیل! ہم تو پہلے ہی اعتراف کر چکے ہیں کہ آپ
"باکمال" ہیں۔ آپ نے یہ کمال بھی کر رکھا تو یہ آپ ہی
کر رہی تھیں کمال کی بات تو یہ بھی ہے کہ آپ لکھنے کے
ساتھ ساتھ ہر بار پڑھنے کی تمام عمر میں پڑھتی ہیں۔ ان پر
تبصرہ کرتی ہیں "تنقید کرتی ہیں اور پھر انہیں یاد بھی رکھتی
ہیں۔ آپ کا خط شائع کر رہے ہیں کچھ مصنفین کو شکایت

ہو گی کہ سارا نے ان کا نام نہیں لکھا۔ تو ایسی بات ہرگز
نہیں۔ ہر بار پڑھتے کے بعد جب سائے سے بات ہوتی
ہے تو وہ ہر اچھی تحریر کا ذکر ضرور کرتی ہیں اور اپنے بہترین
مشغولوں سے بھی فوازتی ہیں۔ اسی طرح رخصت لکھ کر جب
سے لی رہی پر مصوف ہوتی ہیں اس سے کم بات ہوتی ہے
لیکن وہ بھی نئی مصنفین کے بارے میں ضرور رائے دیتی
ہیں۔ جو نیک مہر ساہد کے بارے میں سارا نے کئے تھے وہ
مہر احمد کے لیے رخسانہ نگار نے کئے تھے۔ سینئر
مصنفین کی یہ فراخ دلی اپنی جگہ قابل تعریف ہے۔

اہل رضا کی یہ دوسری تحریر تھی۔ ہمیں بھی ان سے
بہت توقعات ہیں۔ عالیہ بخاری تو نی کی کو بخاری اور چکی
ہیں۔ امید ہے کہ شاید کبھی پر اسے دو سٹوں کو بھی یاد کر
لیں۔

صفیہ عباس کثور لعل عیسیٰ لید سے نکلتی ہیں
کلی عرصہ بعد شعاع میں خط لکھ رہی ہوں۔ لیکن ہم
جینے غیر ہم لوگوں کی کئی کون محسوس کرتا ہے جس سے
پہلے تو میری طرف سے تمام مصنفین "قادر مین" اور شعاع
کے اشعار کو اور مضامین اور شعاع کی سالگرہ بہت بہت
مبارک ہو۔

اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو خوشیوں و مسرتوں کا گہوارہ
بنائے (آمین)

جولائی کے شعاع کا ناسل اچھا تھا، بلکہ سے یکساں
اور سر پہ پٹے کے ساتھ ہائی اچھی لگی۔ ماہ مبارک کے
حوالے سے پیارے نبی کی پیاری باتیں اچھی لگیں۔ مگر
ادب کے حوالے سے کوئی بات شامل نہیں کی گئی۔
تاریخ کے مجموعے بہت خوب صورت سلسلہ ہے۔

ایک نئی مثال پہلے سے اچھا ہو گیا ہے مگر آخری سیریا
بڑھ کے ہل ڈوب گیا۔ پلیز رخصانہ تی مٹھن پہلے ہی بہت
مشکل زندگی گزار رہی ہے اس کے ساتھ اور کچھ برانہ
ہونے دیجئے گا۔ پلیز ہمیں مکمل بھی بہت خوب صورت
سے آگے بڑھ رہا ہے۔ منہ سے ہر تک میں دیا کے ساتھ
بہت برا ہوا۔ اسے نئی محبت کرنے کی اتنی بڑی سزا کیوں
دی گئی؟ اس کے والدین نے جو کچھ کیا اس میں حیا کا کوئی
قدور نہیں تھا؟ صدف آصف کے باؤٹ نے ثابت کیا کہ
مسد کرنے والے کبھی خوش نہیں رہتے۔ عائشہ نسیم کا
ناول بھی اچھا تھا۔ "یارم" پر تبھی محفوظ ہے۔ انسانوں

میں نیلہ القدر اور ہارش کے بعد اچھا ہے۔ فوریہ مراد کا
شعر اچھا لگا۔ مگر ترائی کی طرفیں درست تھی۔

ج : صفیہ! آپ بالکل غیر اہم نہیں ہیں آپ کا شمار
ہماری ان قادر مین میں ہوتا ہے جو ہر لمحہ کی سے خط لکھتی
ہیں تو پھر ہمیں آپ کی کئی کئی محسوس ہوتی ہیں اپنی
تمام قادر مین بہت عزیز ہیں اور خصوصاً وہ جو ہمیں خط لکھ
کر ہماری حوصلہ افزائی کرتی ہیں۔ ہماری غلطیوں کی نشان
دہی کرتی ہیں۔ آپ کو بھی ہماری جانب سے عید مبارک ہو
اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی عافیت میں رکھے۔ آمین
شعاع کی پسندیدگی کے لیے تمہارے شکر ہے۔

شادیہ ہاشم کھنیاں خاص خلع تصور سے شریک محفل
ہیں لکھا ہے

پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیاری باتیں کو دیکھا
در نقیان المبارک کی فضیلت پڑھ کر یک گونہ سکون ہوا
کہ تمام اسلامی بہنیں ان افادت کو پڑھ کر رمضان
المبارک کی قدر کے بارے میں جان سکیں گی۔ اس کے بعد
سب سے پہلے "منہ سے ہر" تک اور ڈنگالی۔ جب پڑھا تو
آنکھوں میں بے اختیار آنسو آ گئے۔ "دیا حسین" کا میر
دیکھ کر بے حد حیران ہوئی "نیزبوی" سب سے منفرد اثر
لگتی ہیں۔ مجھے اس میں کچھ فقرات بہت پسند آئے جن
میں سے ایک لکھ رہی ہوں۔

"اللہ کی محبت کے حوالہ پڑھو بھی نہیں۔"

"جو بقائی طرف دوڑا وہ کامیاب ہو نا کی طرف دوڑا وہ
نا کام دنیا میں بھی پور آخرت میں بھی۔"

اللہ ہمارے اللہ تعالیٰ کتنی بڑی کو خوش رکھے۔

اس کے بعد اصل کیا جبر کاٹن صدف آصف نے اچھا
لکھا تھا۔ پھر سلسلہ دار ہونے پر جس میں "ایک نئی
مثلی" بہت سے رشتہ دار نے ہل رہا ہے۔ براہ مہربانی
اس کو جلد از جلد واپس آ کر لیں کیونکہ ایک سی بات چل
رہی ہے۔ جس سے قادر مین کی "نیزبوی" کی پیاری ہے۔
اس دفعہ کچھ نیا آیا ہے۔ خیالہ عزیز کا "نیل پہل پڑھا
جس میں ملکہ کا کردار ہے حد اچھا لکھا ہے۔ سیرانید کا

"یارم" پڑھا تو یہ مجھے بہت حد منفرد لگا۔ اس میں امرت اور
اس کے دوا جان ہے حد اچھے لکے رائٹر نے بڑے چمکے
طرز سے وہم پرستی اور لحاظ عقائد پر روشنی ڈالی ہے۔
اسد علی نے اعلیٰ قسط میں کیا ہونا ہے۔ قاتلہ رابعہ کا افسانہ
ایلیٹ القدر "پڑھ کر مل کو روحانی تقویت ملی۔" ہارٹ کے
بعد "اس سے یہ سبق ملتا ہے کہ ہر انسان کی ہمت کی وجہ سے
جھوٹوں کے درمیان کتنی نہیں ڈالنی چاہئیں" پھر یوں
ہوا "لوہ ایک ستر افسانے بھی اتنے تھے ہارٹ عائشہ نسیم
احمد کا "کوئی نہ جانے بات" پڑھا تو آخر کا چپکے چپکے پیار
بھرے جذبات رکھنا اچھا لگا۔ ہلنی سارے سلسلے بھی
پڑھے۔ تاریخ کے مجموعے ہر بار کی طرح چل چسپن تھا۔

ایک شعر کے ساتھ اجازت۔

اک لہو ملتا تھا کہنے کو
زندگی بھر کی کیا بات کرتے
ج : پیاری شادیہ! ایک خط میں زندگی بھر کی باتیں ہو بھی

مجھ اس کو حفظ کرنا اور اس پر عمل کرنا بہت بڑی خوش نصیبی ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو علم کے ساتھ عمل کی توفیق بھی عطا کرے۔ شعاع کی پسندیدگی کے لیے تمہارے لیے شکریہ۔ آپ کہانیاں لکھنا چاہتی ہیں۔ ضرور لکھیں۔ ہماری رائے اور اجازت کی قطعاً ضرورت نہیں۔ ابھی ہوئیں تو ضرور شائع ہوں گی۔

کوثر تازہ نے حیدر آباد سے لکھا ہے

ایک بات کہوں کوئی بھوت نہیں ہے فریب نہیں ہے اور بات یہ ہے کہ آپ مجھے اتنی اپنی سی لکھنے لگی ہیں۔ ہوں تو آتے ہیں شادیت کی سمت سہجن میں لایہ خانہ کابیت شکنی ختم ہو، لایہ میں نے آپ کو شاید پہلی بار پڑھا ہے مگر امیرنگ بالائے۔ کمال کا لکھتی ہیں آپ۔ میرا حیدر کمال لکھتی ہیں آپ بھی۔ سلسلے دار ناول اس، ابھی اتنے تھے۔

ج: پیاری کوثر! آپ ہلکی اپنی ہی ہیں غیر نہیں ہیں اور اپنا پتہ لکھنا۔ رشتہ ہلکی ہر قادی کے ساتھ ہے ہلکی تار میں اتنی محبت سے خط لکھتی ہیں اتنی مشکل سے پاسٹ کر دیتی ہیں۔ ہمارے دن میں ان محبتوں کی ہلکی قدر ہے۔ آپ کی کہانیاں ابھی پڑھی نہیں ہیں۔ پڑھ کر رائے دلاؤ گی۔

عظمیٰ مشتق نے جہلم سے لکھا ہے

اس دفعہ بھی شعاع اے دن تھا۔ میرے خط لکھنے کی وجہ میرا حیدر کا ناول بارم ہے۔ اگلی قسط کا شدت سے انتظار ہے۔ میرا کے ناول انسانوں کے نام بہت منفرد ہوتے ہیں اور اسٹوری کی نوکیلائی بات ہوتی ہے۔ باقی ناول افسانے بھی ذرا بہت تھے۔

ج: بہت شکریہ عظمیٰ!

سارہ اود اور فرحہ محبوب نے چاہ مجھ کو ملا جو سہبت سے شرکت کی ہے لکھتی ہیں

ماڈل موش پنک ٹکر کے لپٹے سر اور اڑھے ستا بھی

نہیں سنتیں! آپ ہمیں ہر مدد لکھیں۔ آپ کا تفصیلی تجربہ بہت اچھا تھا۔ آپ جو قرآن پاک کی تفسیر کا فنک کام انجام دے رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس میں برکت عطا فرمائے اور علم کے ساتھ ساتھ عمل کی بھی توفیق عطا کرے۔ آمین شعاع پر تفصیلی تبصرے کے لیے تمہارے لیے شکریہ۔

زر نقشاں انصاری۔ کراچی

ماڈل دیکھ کر روح افزا اور روح کے شربت کی یاد آتی۔ افسانے سب ہی اچھے تھے پر رنگ حبیب اور قاتلہ راجہ کے افسانے بہت تھے۔ صدف آصف کے ناول میں راحت کا کردار بہت اچھا تھا۔ کنیز نبوی صاحبہ لف جیا کی اتنی ہی محبت اور بدلہ لڑا لٹ۔ رخسانہ آلی! آپ نے تو سارے شکوت ایک ہی قسط میں دور کر دیے مزا آگیا پڑھ کر خیلہ تلی پلیر تھوڑی اسپینڈ پکڑیں۔

ج: زر نقشاں! آپ کی تعریف اور تنقید متعلقہ مستفین تک پہنچائی جا رہی ہے۔ چاکو کی محبت کا بہت اچھا اصل ملا اسے خالق حقیقی کی محبت نصیب ہوئی اس سے بڑھ کر کیا بہت ہو سکتی ہے۔

حافظہ نور احمد نے گلشن اقبال رحیمپور خان سے لکھا ہے

ماڈل لاہور قادیانک یہ فکر میرا نور ہے ایک قسط میں کی طرف چھلانگ ماری۔ بہت اچھی جا رہی ہے صدف آصف کی کہانی بھی بہت اچھی میرا حیدر چھانکس۔ انسانوں میں یلت اقتدر اور پارش کے بعد باہری کے نہیں۔ کنیز نبوی کی یہ پہلی اسٹوری میں نے پڑھی ہے جیسا پڑھا تھا اس سے زیادہ لا جواب انداز ہے ان کا اسٹوری لکھنے کا۔ واقعات کی جوڑنے کا۔

میرا تعلق حلقوں کے خاندان میں سے ہے۔ ہم اپنے گھر میں 3 حلقہ ہیں لیکن میں بنانا اب سے پڑھنا لکھنا سکھانا تھا شروع کی کلاسز ٹیوشن سے پڑھیں 8th سے باقاعدہ اسکول میں پڑھا اور ساتھ حفظ کا امتحان بھی دیا اب 10th سے ایم اے ایجوکیشن کی اسٹوڈنٹ۔

ج: حافظہ نور احمد! آپ نے قرآن پاک حفظ کرنے کی سعادت حاصل کی اور اب ایم اے ایجوکیشن کی طالب علم ہیں یہ جان کر بہت خوش ہوئی۔ قرآن پاک پڑھنا اس کو

نگ رہی تھی۔ سب سے پہلے کنیز نبوی کو بہت مبارک باد جنوں نے اتنا خوب صورت بلبل (قسم سے صبر تک) لکھ کر دل خوش کر دیا۔ لیڈ بہت اچھا تھا۔ میرا حید کا نابل بارم بہت اچھا لگا ویلڈن میرا تلی اٹایا مچھن کا افسانہ بھی اچھا تھا۔ واقعی شرک بہت چارنگلہ ہے۔ میں فی الحال بنگا قبر میں پر مگی ہیں پھپھ چھپ کے پڑھنا پڑا ہے۔ ہم دونوں کی ماں یہ سب سمجھتی ہیں کہ سولہ سال کی عمر ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے بہت چھوٹی ہے لیکن ہم بھی اپنے نام کی ایک ہیں۔ جب بھی موقع ملتا ہے کورس کی کتابوں میں بلبل پھا کر پڑھ لیتی ہیں یا پھر چھت پر جا کر پڑھتی ہیں سحر انصاری کی غزل دل چاہیں بہت پسند لگی۔ بھارتی نوکارہ مونیکا کے مسلمان ہونے کی خبر پڑھ کر کتنا خوشی ہوئی۔ لفظوں میں بیان نہیں ہو سکتی۔ ویسے ہماری بھی سب سے بڑی خواہش یہ ہے کہ ہم بھی کسی نان مسلم کو اپنی باتوں سے متاثر کر کے مسلمان بنائیں۔

ج : سائہ لور فریج! آپ نے خط لکھا بہت خوشی ہوئی۔ ڈائجسٹ پڑھنے کے لیے عمر کا تعین ضروری نہیں "اے" ہے۔ "ب" کی غلطی کی تیز ہوئی جا رہی ہے۔ بہت سے لوگ بڑی عمر میں بھی اچھالی برائی میں تیز نہیں کرتے اور کچھ لوگوں میں غلطی طور پر یہ صلاحیت پائی جاتی ہے۔ ویسے میں اس کی فکر کے مائل اور تربیت کا بھی بڑا رول ہوتا ہے۔ ہمیں تو اب بہت سمجھ دار لگتی ہیں ڈائجسٹ پڑھیں لیکن اپنی تعلیم کو نظر انداز نہ کریں اور گھر کے کاموں میں اپنی دلی کوشاکیت کا موقع نہ دیں پھر وہ آپ کو منع نہیں کریں گی۔ غیر مسلموں کو مسلمان بنانے میں میں پہلے مسلمان تو آپس کے اختلافات ختم کر کے ایک ہو جائیں۔

فری گل نے سونے سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں اس بلو کا شعاع زبردست تھا۔ کنیز نبوی کا نابل پڑا بہترین تھا۔ میرا حید کا نابل از بہت پسند آیا۔ بانی کے سارے افسانے بھی بہت اچھے تھے۔ بہت شکریہ فری! آپ نے ہماری محفل میں شرکت کی بہت خوشی ہوئی۔

قد سید خالد نے سرگودھا سے لکھا ہے اسلام و عہد میں 94 تا 993 سے نوامین اور شعاع

بڑھ رہی ہوں اور اب دس سال سے ایک مقامی کانج میں انگریزی کی استاد ہوں۔ ان دونوں رسالوں کی ایک مستقل قاری گستاخو زیادتی ہوئی۔ لیکن منتخب کہانیاں پڑھتی ہوں۔ کہانی "قسم سے صبر تک" پڑھی اور خوشی ہوئی کہ کنیز نبوی نے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی پہلی کردار تو کھلے گناہگار مگر حیا کا غلط بھی واضح کر دیا۔ کہ حیا (بیرو میں) نے زبردستی کسی کو اپنا بنانے کی کوشش کی اور اس سے تو بھی انکالی۔ جذبات میں اتنا بھی نہیں بسنا چاہیے کہ خود بھی اور اگلے کو بھی گناہ گار بنایا جائے۔ اسی طرح ایک کہانی پرانی جس میں یہودی کی بیوی "بیرو اور اس کی ماں کے رشتے کو غلط سمجھتی ہے۔ کیونکہ وہ نہیں جانتی "اصل رشتہ" کون ہے؟ انہوں نے کہا کہ یہ اور ہے ہی کہیں اسے بتاؤ۔ اور میں حیران رہ گئی کہ میری کزن نے اس کی بیوی کو برا بھلا کہا ہے۔ اصل رشتہ نہ بتانا بھی گناہ۔ شک پیدا کرنا بھی گناہ۔ خاص طور پر رشتوں سے جیسے ماں باپ بیٹا، بہن بھائی میاں بیوی۔ اگر کوئی بھی بے شک دوسرے سے زیادہ کر آئے مگر اپنی بھائی کو صحیح نہ بتائے۔ تو کیا میں یا بھائی کو شک نہیں کرنا چاہیے۔ ہر چیز اس (بے شک دشواری پیش آئے) ہوئی کہ اسے یہ غلط بھی غلط اور شک پیدا کرنا اس سے بھی غلط اور غلط بیوی کا رشتہ تو ویسے ہی اعتبار اور سچ کا ہوتا ہے۔ جو چھانے کا وہ غلط ہو گا۔ اور ہاں مجھے کھان میں شاکر ہے کہ کہا کہ اس نے آپ کے دھماکے میں پڑھا کہ غینہ ہے بغیر تحید نہیں ہوتی تو میں یہ بتانا چاہتی ہوں کہ اگر پریشانی کی زیادتی کی وجہ سے غینہ نہ آئے یا بیماری کی وجہ سے تو وہ نتیجہ

پڑھ سکتی ہیں، پانچ عام حالات میں غینہ ضرور لیں اور اس کو عادت مت بنائیں۔ اگر کسی کو انسوسینیا کی بیماری ہے۔ تو اس کا مطلب ہے وہ ساری زندگی تحید سے غروم ہو گیا۔ (فدا انوار سے) مگر کسی کے قریبی رشتہ دار کا بیچ آ کر یہ سن ہے نور پریشانی سے غینہ نہیں آ رہی، شجہ اللہ اللہ تعالیٰ قبول ہوگی بس جیسے بھی حالات ہوں۔ اللہ سے دور نہ ہوں اور نہ غم و سوگواری میں زیادہ رہیں۔

ج : پیارنی قد سید! ہم نے تھکی تعریف کھیں تھی کہ تم دونوں ہی غینہ کے گرا نہیں پھر پڑھیں لیکن جس قسم کے حالات آپ نے لکھے ہیں ان میں دورست ہے جیسے نماز کے لیے وضو شرط ہے لیکن پانی نہ ملے تو قہر سے اسی نماز ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اگر کچھ لوگوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے

ایک بات اپنے تجربے سے ہم بھی تب کو بتا دیں کہ قاعدہ اور نقصان قسمت سے ہوتا ہے۔ کہیں بڑے نقصان میں رہتے ہیں اور کہیں چھوٹوں کو نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔

آپ کی اس بات سے ہم متفق نہیں ہیں کہ ہمارے ہاں وراثتی کمائیاں ہوتی ہیں۔ بڑی بڑی صنعتیں بہت اچھے اور نئے انداز سے لکھ رہی ہیں۔ میرا حمید کی کمائیاں ان کے موضوعات بہت مختلف اور ہٹ کر ہوتے ہیں۔ ساتھ رہا بھی ہمارے موضوع کا انتخاب کرتی ہیں۔

انہما مسکن سعید نے قلعہ دیدار سنگھ سے لکھا ہے

میرا ملازم صرف اور صرف شعلہ کی مدد تک محدود ہے جو کچھ سیکھا جانا اور پڑھا صرف اور صرف شعلہ سے ہی سیکھتا ہے۔ لے کر اب تک سبھی ہم بولی کی طرح قلم مقلد ہیں میرے ساتھ چلی کر رہی تھی کہ اب سے میں نے نیا شعلہ کی نظر سے ہی وہ سب سیکھتا ہے۔ میں نے اونچ نیچ اسی رسالے سے سیکھی ہے۔

اپنی مشکلیں چار سو ہیں۔ چیریں خود بخود ہی بگڑ رہی ہیں۔ حالات سدھارت کی کوشش میں اپنی ہی ذات بکھر رہی ہے۔ امیدوں کا مرکز صرف اور صرف کمائیاں ہیں۔ ڈولائش ہے زندگی کے کسی موڑ پر اپنی کامیاب ہو جاؤں کہ رسالہ ہی تک جا پہنچے۔

مریم عزیز فوریٹ رائٹر ہیں لیکن یہ شہر بخاری کہہ رہی ہیں؟ انہیں کیا نامی یاد نہیں آتی۔ انہیں کہیں جولوہی اور شعلہ کی حاضری گواہیں۔ بٹے ہوئے کالی عرصہ بیت گیا ہے۔ قاترہ اور عمیدہ تپتی تپتی میں ناراض ہوں وہی وہی کی ہو کر رہ گئی ہیں۔

راجہ پیاری ایسا مشکل کے بعد آسانی ہے۔ ملاقات سدھار جائیں گے بس ہمت نہ ہاریں بخاری رعنا میں آپ کے ساتھ ہیں آپ رائٹر ضرور بنیں گی۔ کوشش کرتی رہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کی کوششوں کو راہنما نہیں کرتا۔ شعلہ کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔ شہر بخاری کی تحریر اس بلہ شامل ہے۔

شمن و جمن دونوں منڈی گجرات سے تشریف لائی ہیں

ہمارے نئی کہیم کی پیاری باتیں خاص کر تراویح کے

تو وہ تھوڑا کر سکتے ہیں۔ آپ نے بہت اچھی بات لکھی جیسے بھی حالات ہوں بس اللہ سے دور نہ ہوں اصل بات یہی ہے۔ ایک بات کی وضاحت کر دیں 'حیا' لے شکر کو زبردستی اپنا بنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ شکر اس کے باپ کا ملازم تھا۔ وہ اسے پسند کرتی تھی۔ اس کے باپ کو اس کی پسند کا پتا چلا تو انہوں نے شادی کر دی کیونکہ وہ جانتے تھے۔ شکر ان کا بھتیجا ہے شکر نے بھی اپنی مرضی سے حیا شادی کی تھی۔ بعد میں جب اسے حالات پتا چلے تو وہ حیا سے بدظن ہو گیا۔ حیا نے اپنے شوہر سے محبت اور وفا بھائی ہو گیا۔ اس کی فطرت تھی؟

قدیرہ آپ نے بہت اچھا خط لکھا آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے کا اظہار کرتی رہیے گا۔

اصبح منہاس نے ڈیرہ غازی خان سے شرکت کی ہے' لکھتی ہیں

میں رائٹر بننا چاہتی ہوں یہ بات ڈیرہ سنان پہلے پتا چلی اور میں حیران ہوں کہ ابھی تک اسی پر قائم ہوں۔ ویسے میں PSC کر رہی ہوں فائنل لیئر کے پیپر دیے ہیں۔ دنا کیجئے گا کہ فرسٹ ڈویژن آجائے۔ ہم لوگ پانچ برس بھرتی ہیں اور میرا نمبر لا مرا ہے۔ دوسرے نمبر کے جو تفصیلات ہیں ان پر اب تک سے تبصرہ گزرا ہے اس کے خط میں ان شاء اللہ۔

اس بار کے رسالے میں سب کمائیاں اچھی تھیں سب سے اچھی تھی رشک حبیب کی ایک تیر ایک تیر میں بتائی ہوں کہیں۔ بات تو انہوں نے Typical کی مکران کا

انداز اپنا تھا۔ ذرا ہٹ کے تو مجھے بہت اچھا لگا۔ نرج کل کی سوچ بدلتی گئی ہے۔ مگر جو کمائیاں ہوتی ہیں مدد کو منیب کل کی منیب کل مطلب یہ کہ تھوڑا الگ انداز اپنا میں تو اچھا ہو گا۔

میں نے کمائیاں اس لیے نہیں بھیجیں کیونکہ آپ دی جواب دیں گی کہ "انسانوں کے لیے معذرت کی الحال صرف مطالعہ پر توجہ دیں"

راج : اصحاب! ضروری نہیں سب کو ایک جیسا جواب ملے۔ تب کمائیاں بھیجوا دیں۔ ویسے خط سے اندازہ ہوتا ہے آپ میں لکھنے کی صلاحیت ہے۔ آئندہ خط لکھیں تو دوسرے نمبر پر ہونے کے نقصانات ضرور بتائیں۔ ویسے

بارے میں پڑھ کر بہت اچھا لگا۔ "رخص بھل" بھول پڑھ کر اس واقعہ ذہن کے ورثے میں کئی سوال برآمد ہوئے ہیں۔ "ایک مٹی مثل" میں علیحدہ کی نشیمن تو دور ہوئی انیسویں کی شاہی کی "مستم سے صدمہ تک" بھول گئے کا حق کثیر نبوی پر اپورالوا کر دی ہیں۔ اصل کیا ہجر کا دن مکمل بھول صدف آصف کا پڑھ کر بہت مزا آیا۔ اپنی ساری کہانیاں بھی بہت ہی بہت تھیں۔

ج: پیاری ترین! شعاع کی پسندیدگی کے لیے تمہارا سے ممنون ہیں۔ امید ہے آئندہ بھی خط لکھ کر اپنی رائے سے آگاہ کر رہی گی۔

طلوبی سلیم ملک سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

دھنسان کے لحاظ سے نا مثیل بہت اچھا لگا۔ سب سے پہلے رقص بھل پڑھا بہت خوب صورتی سے نبیلہ عزیز آگے بڑھا رہی ہیں پھر مستم سے صدمہ تک کثیر نبوی نے کیا خوب لکھا ہے کہ تعریف کے لیے الفاظ نہیں ہیں۔ لفظوں کا چناؤ بہت اعلیٰ تھا۔ میرا حید نے اس دفعہ "یارم" میں مختلف موضوع کا چناؤ کیا ہے صدف آصف نے بھی بہت اچھا لکھا ہے۔ میں تقریباً "نوسال" سے ان تمام ڈائجسٹ کی قاری ہوں اور یہ ڈائجسٹ ہمارے لیے بڑی کام کرتے ہیں۔ ایسی باتیں بھی سمجھ میں آتی ہیں جو شاید عام میں نہ سمجھا سکتے۔

ج: پیاری طلوبی! شعاع کی محفل میں خوش آمدید اور دعا میں۔ آپ کی تعریف اور تحقیر "مستمنجنگ" پہنچائی جا رہی ہے۔

آبرو ملک نے جو حوالہ سے لکھا ہے

سب سے پہلے ایک مٹی مثل کو پڑھا۔ آلی اب نال صحیح عنوان پر آیا ہے۔ اب تو مٹن کا امتحان ہی ختم ہو جاتا چاہیے۔ میرے خط لکھنے کی اصل وجہ کثیر نبوی کا بھول مستم سے صدمہ "نکسہ ہے۔ اپنی! حیات و محبت کی دیوی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ برائیاں بھی ہو آئے مجھے سب سے زیادہ نفرت مانم سے ہوئی اور ماموں حید سے۔ وہی تھے شکر کو بھٹکانے والے۔ یہ ناول ہیٹھ یاد ہے جگہ "اصل گیا ہجر کا دن" ایک اچھا ناول تھا۔ مگر موضوع وہی پرانا تھا۔ "تدین کے" انصاف کے میں حضرت لیا علیہ السلام کے بارے میں پڑھ کر بہت زیادہ اچھا لگا۔ یہ سب سے زیادہ اچھا سلسلہ

ج: پیاری آبرو! زندگی میں ہر طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ کچھ لوگ صرف اپنے لیے جیتے ہیں اور کچھ دوسروں کے لیے اپنی ہستی منادیتے ہیں۔ باہم کی فطرت میں خود غرضی اور حیا کی فطرت میں محبت تھی۔ "وہ سرپا محبت تھا" ایک اچھی مٹی۔ ایک اچھی دیوی انسانیت سے محبت کرنے والی۔ اس نے محبت کے ہر روپ کو بھجا باور پھر اسے حقیقی محبت نصیب ہوئی۔ جو بہت ہی سعادت تھی۔ اور جن لوگوں نے اس کے ساتھ بھرا کیا وہ ضمیر کی خلش اور بچھڑکے کا شکار ہوئے خصوصاً مسکھڑ مسکین۔

دثر کوثر چک نمبر 632 TDA/چوک سرود شہید سے لکھتی ہیں

میں شعاع کی دس سالہ خاموش قاری ہوں۔ اصل میں میری اپنی دس سالہ پڑھا کرتی تھیں تب میں شاید دس سال کی تھی۔ تب سیکڑا چوک کے پھر دس بچن ہوں۔ مجھے اچھے تر بننے کا بہت شوق تھا مگر اجازت نہ ملی۔ ہم گاؤں میں رہتے ہیں اور وہ زمانہ شرم جاتے ہیں پڑھنے کے لیے۔ بظاہر میں نایک یا اپنی ہی لڑکی ہوں مگر میری سوچ ہنست ہے اور یہ سب ان غریبوں نے مجھے دیا ہے جو میں بڑھتی ہوں۔ نمبر اندر کا میں شعاع کے ذریعے شکر یہ لوار کرنا چاہوں گی کیونکہ ان کے ناول "بنت کے" سے "ایک بدلت" مجھے پردہ کرنے کی تلقین ملی ہے۔ انیس استاد گورجہ دیتی ہوں۔ شعاع میں مجھے بھی پردہ کرنے میں حیا سلیمان کی طرف کئی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا مگر اب سب کچھ ٹھیک ہے۔

تمام قارئین سے التجا ہے کہ یہ میرے لیے دعا کریں کہ میرے گھر والے مجھے آگے بڑھنے دیں۔

ج: پیاری دثر! ہماری دعا میں تب کے ساتھ ہیں۔ آپ کو پڑھنے کا شوق ہے تو آپ کے گھر والوں کو آپ کا ساتھ دینا چاہیے لیکن اگر یہ ممکن نہیں ہے تو آپ سب بڑا شہ نہ ہوں پڑا میوٹ تعلیم جاری رکھ سکتی ہیں۔ آپ کے گھر والے آپ کو امتحان دینے کی اجازت تو دے ہی دیں گے۔ ویسے بھی ہماری نظر میں علم و گریاں حاصل کرنے کا ہم نہیں ہے۔ جو 15 کہانیاں آپ نے لکھی ہیں ہمیں بھجوا دیں۔ کمال اشاعت ہو میں تو ضرور شائع ہوں گی۔

محنت علی اور علیرا حسین راولپنڈی سے شریک محفل ہیں لکھا ہے

ایک شاعر اگست 2014

بہت اچھی رہنمائی کی طور ایک تیز ایک شہر تک جیب کی قاتل تقلید ہے۔ تاریخ کے مجموعے میں بہت زبردست سلسلہ ہے آپ سے درخواست ہے کہ اس میں زیادہ تر مسئلوں اور لغویاء کرام و علماء کے بارے میں بتا کر کریں



میں آپ کے تینوں بچوں کی پرانی قاری ہوں۔ 1991ء سے پڑھنا شروع کیا۔ پڑھنے کا سفر جاری رہا۔ جو کہ مایہ نسی سے "کوہِ گراں تھے ہم" تک آ پہنچا۔ شعلہ اور خواتین نے زندگی کے سب موسموں میں میرا اور میری بانی کا ساتھ دیا۔ ہم کمانیوں سے لطف اندوز ہونے کے ساتھ ساتھ "جینا" بہت کچھ سیکھنے بھی رہے۔ "جنت کے پتے" پر کمال "صحف" اور بھی بے شمار ہونے بہت سے لوگوں خاص طور پر نوجوان بچیوں کے ذہنوں پر بہت اچھے تاثرات چھوڑے "جنت کے پتے" پڑھ کر بہت سی بچیوں نے باقاعدہ حجاب کرنا شروع کر دیا۔

اس میں یقیناً "نمو احمد اور تب کے ادارے کی کامیابی ہے۔ (جزاک اللہ) آپ سے پوچھنا ہے کہ گنت سیمکا ڈائل (زمین کے آئسو) کتنا فی ٹکٹ میں آٹھ پانچ بیس؟ ج : عفت اور عذر ایک طویل عرصہ سے آپ ادارے پر پتہ پڑھ رہی ہیں تو خط لکھنے میں اتنی تاخیر کیوں؟ نمو احمد کا نیا ڈائل عمل خواتین میں شروع ہوا ہے۔ گنت سیمکا ڈائل ٹکٹن کے آٹھ شائع ہو چکا ہے۔ آپ اس کے بارے میں 021-32735021 پر فون کر کے پتہ کر لیں۔

عالیہ عثمان نے چکرال سے لکھا ہے

مبارق کے بارے میں ادارے انفاذ نکل سہا ہے ہیں انفاذ باراکہ رنگ گالی ہر سو چھایا۔ پیل شعلہ نے دل جکڑا اور کسی حد تک عمل یہ بھی آگیا۔ جہد نعت نے دل اثر چھوڑا اور سید علی جہادنگ ناکلی "منعم سے مہرنگ" یعنی کنیز آبی کے ہونے پر۔ اقل انسان منعم حکم کرنا کھائے میں ہے اور اگر بچاں کے لیے رب کہیم کی ذات کو تو یہی معراج ہے اس کی تمام ایک بھی مثال اس کے بعد داخل کیا اگر کاہن کوئی نہ جائے بات پڑھا صرف آصف کی ویڈیو بہت اچھا ہے آتے ہیں جنابین لینڈ ادنی میرا عید یارم کی جانب یہ تحریر میرا مئی کی بانی تحریروں سے متفق تھی۔ جانی جہادینڈر انہوں نے نامیوسی نالیدی کو بہت اچھے طریقے سے ختم ہوتے دکھایا۔ افسانوں میں نکتہ راہیہ جی نے

- تاریخین متوجہ ہوں!**
- 1 شعلہ ڈائجسٹ کے لیے تمام سلسلے ایک ہی الفاظ میں بھجوانے چاہتے ہیں۔ تاہم ہر سلسلے کے لیے الگ کلا استعمال کریں۔
 - 2 افسانے یا ناول لکھنے کے لیے کوئی بھی کاغذ استعمال کر سکتے ہیں۔
 - 3 ایک سطر چھوڑ کر خوش خط لکھیں اور صفحے کی پشت پر یعنی ٹھیک دسوی طرف ہرگز نہ لکھیں۔
 - 4 کہانی کے شروع میں اپنا نام اور کہانی کا نام لکھیں اور اختتام پر اپنا مکمل ایڈریس اور فون نمبر ضرور لکھیں۔
 - 5 سودے کی ایک کہانی اپنے پاس ضرور رکھیں۔ ناقابل اشاعت صورت میں تحریر کی وہ بھی ممکن نہیں ہوگی۔
 - 6 تحریر روانہ کرنے کے دو ماہ بعد صرف پانچ تاریخ کو اپنی کہانی کے بارے میں معلومات حاصل کریں۔
 - 7 شعلہ ڈائجسٹ کے لیے افسانے خط یا سلسلوں کے لیے انتخاب "شعارد غیور" میں قذیل پتے پر رجسٹری کروائیں۔
- بہنامہ شعلہ۔ 37 اور بازار کراچی۔

بہنامہ ذرا تین ڈائجسٹ اور لوہا ڈائجسٹ کا نعت کے تحت شائع ہونے والے بچوں بہنامہ شعلہ اور بہنامہ کرن میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و عمل بچوں کو محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی تبدیلی چھپیں۔ اور لاڈل ڈائجسٹ اور شعلہ ڈائجسٹ کے کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے پبلشر سے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر لوہا ڈائجسٹ اور شعلہ ڈائجسٹ کے

مہندی کے ڈیزائن

ادارہ

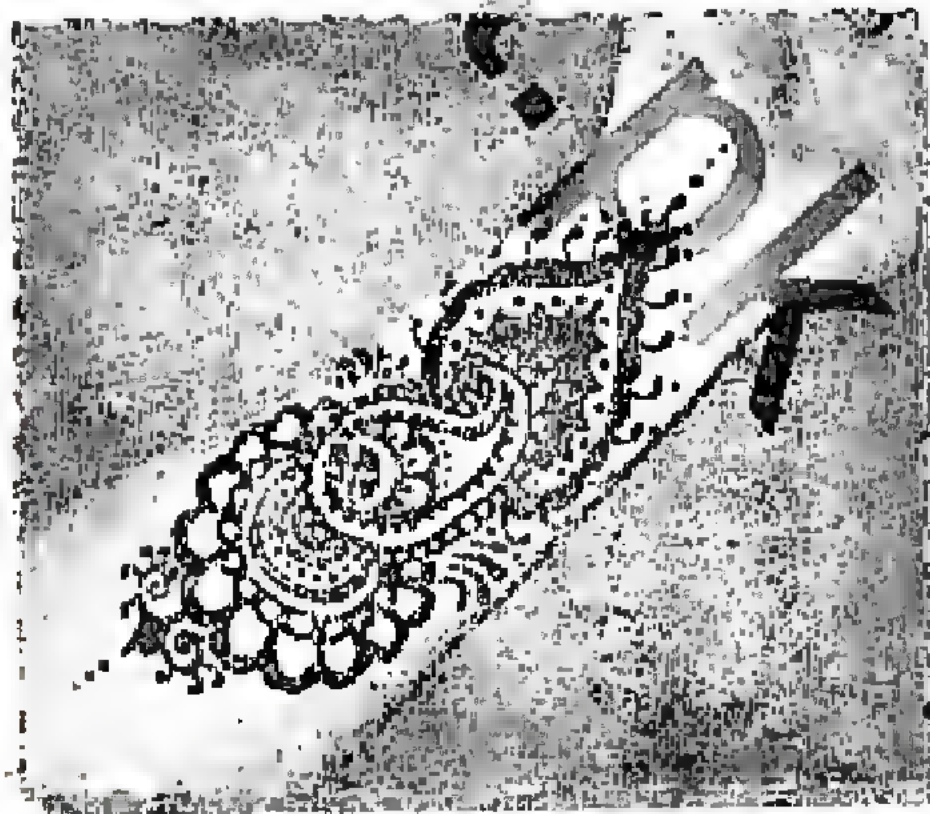
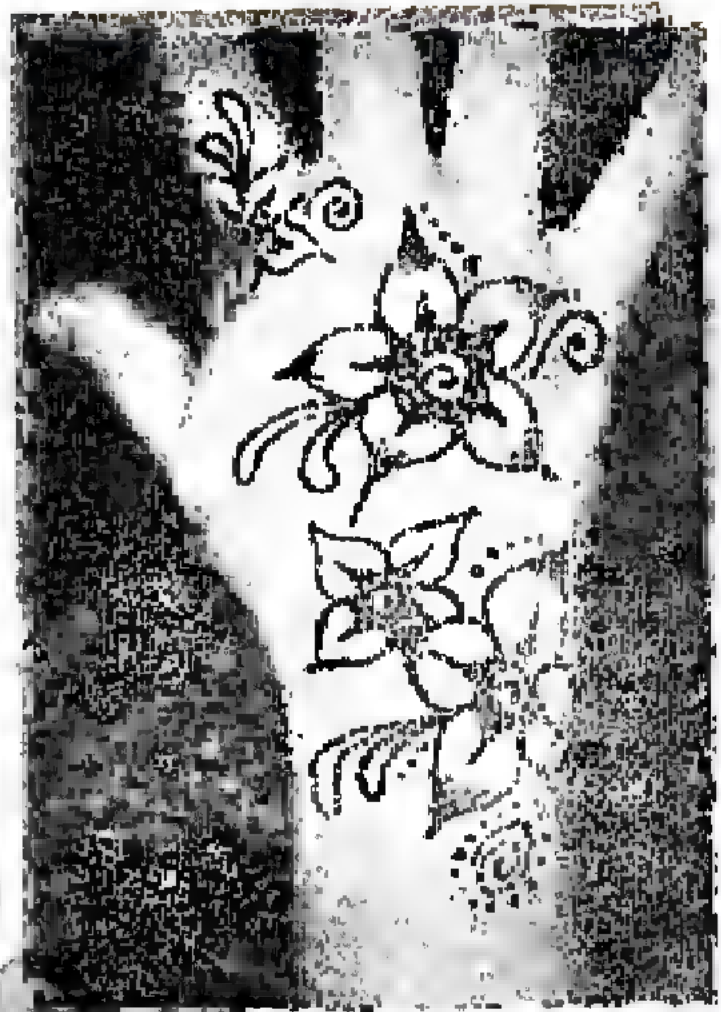
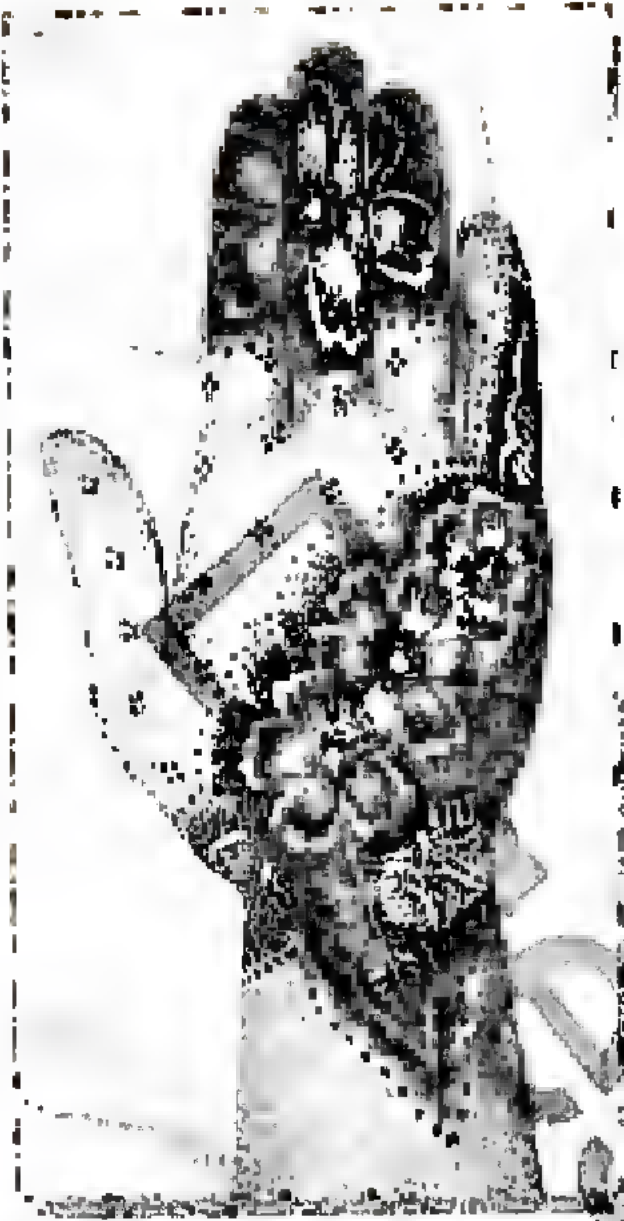


چند چوبی
وہابی اہلیت

278 2014 اگست



279 2014 اگست



اپریل 2014



مشعل راہ

شاعرہ لویب پروفسر ڈاکٹر شیخ محمد اقبال آٹھ سال کی عمر میں پاپیٹا ہوئے تھے۔ ان کے بعد ان کی ایک بہن اور دو بھائی بھی بصارت کھو بیٹھے تھے۔ جو ان ہمت پروفسر شیخ محمد اقبال لے بتایا۔

”میرے والد خوشامب میں پھر تھے۔ جب میرے بعد میرے دو اور بھائی اور ایک بہن بھی پیتل سے محروم ہوئے تو انہوں نے گھبرا کر دریائے سندھ میں کودنا چاہا۔ لوگوں نے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا۔ میں نے کہا کہ جس اللہ نے بصارت سے محروم کیا ہے اس نے ہمت بھی عطا فرمائی ہے۔ انہوں نے نئے ادھور میں شیراں والے ٹینٹ کے تار پتھوں کے اسکول میں داخل کرادیا۔ جہاں سے میں نے بیرونی سیکھی۔“



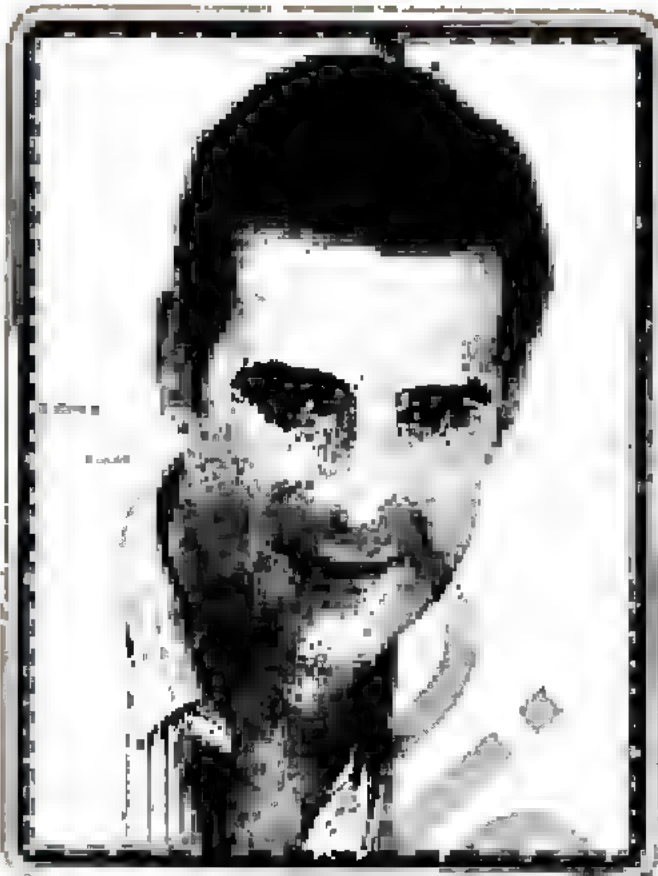
ڈاکٹر صاحب نے مزید بتایا کہ بی اے کے بعد جب میں نے انگلش لٹریچر میں ماسٹرز کرنا چاہا تو میرے پیپرز نے مجھے سمجھلایا کہ یہ خاصا مشکل مضمون ہے، پھر بھی اللہ کی مہربانی سے میری پوزیشن آئی، ایم فل میں ٹاپ کیا، آئی ایچ ڈی کیا۔ پاکستان بھر میں پاپیٹا پھر منتخب ہونے والا سب سے پہلا فرد ہوں۔ میرے بعد میرا چھوٹا بھائی بھی انگریزی کا پھر منتخب ہوا۔

ڈاکٹر شیخ محمد اقبال نے کہا ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ لوگ ترس کھا کر ملنے نکلیں، پاپیٹا دس روپے کی خیرات نہ دیں، انہیں بھکاری نہ بنائیں، بلکہ انہیں ان کے پیروں پر کھڑے ہونے میں مدد کریں۔

ڈاکٹر اقبال جیسے لوگوں کو سامنے لانے کی ضرورت ہے تاکہ عزم و ہمت کی اس مشل سے دوسروں کو بھی حوصلہ مل سکے، لیکن ہمارے میڈیا کو مخصوص جب زبان جیسے مادی اچھے لگتے ہیں جو اسکرین پر اپنی خوش حالی کو دیکھ کر زبان سے تمنا لگاتے ہیں۔

عروق

ماضی کی خوب صورت لوانا کارہ باہر اشراف نے لکھا ہے کہ ”ظلم اندھیری میں آکر پرواہیں سلزم آجائے تو کوئی وجہ نہیں کہ ہماری اندھیری دوبارہ عروق ماحصل نہ کر سکے۔ (کون سا عروق؟) اور ظلم اندھیری میں یہ زوال ہمیں باہر سے نہیں آیا، بلکہ اندھیری سے وابستہ لوگ ہی اس کے ذمہ دار ہیں۔ (جی جیسے آپ! کیونکہ اسی اندھیری نے آپ کو عروق دیا تھا اگر آپ اس وقت اسے نہ چھوڑتیں تو ہو سکتا ہے کہ آج اس کا یہ حال نہ ہوتا۔) بد قسمتی سے ہماری کسی حکومت نے ظلم اندھیری کی جانب سنجیدگی سے توجہ نہیں دی، تو کیا کسی



ہمارے پاکستانی بھائی بہن ہیں لورڈ لن کی مدد کرنا ہمارا اولین فرض ہے (کاش نہ رسم جیسی سوچ ہماری اینڈسٹری میں عام ہو جائے) ویسے ریشم ان دنوں مختلف ڈراما سپرل میں اہم کردار نبھا رہی ہیں۔ ہمیں نہیں خبر ہے ریشم نے فلم اینڈسٹری چھوڑی نہیں، بلکہ وہ کہتی ہیں کہ معیاری فلموں میں تو بھی وہ فلم کرنے کے لیے تیار ہیں۔

مشکل

مکوکارہ فریجہ پرویز نے کہا ہے کہ نور جہاں کے گائے ہوئے گانوں کو گاتے ہوئے زیادہ مزہ آتا ہے (جی ہاں بکلی اچکی جو مل جاتی ہے) میری کامیابی میں میرے والدین کی دعا میں اور حوصلہ افزائی کا اہم کردار ہے (بھئی کس کے ماں باپ اولاد کو بددعا دیتے ہیں؟) جب میں نے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا تو اس وقت جدید جمشید علی حیدر اور جنوں گروپ جیسے لوگ اینڈسٹری میں موجود تھے (والہ اللہ آپ اتنی پرمل ہیں؟) فنکاروں کے درمیان اپنے آپ کو منوانا بہت مشکل تھا، لیکن میرے والد نے مجھے بھرپور سپورٹ کیا۔ سنے فنکاروں کو بھی چاہیے کہ جب وہ کام کرنے کے لیے نکلیں تو

لورڈ اینڈسٹری کی طرف دی ہے؟) یوں حالات بد سے بدتر ہوتے گئے۔ لیکن میں اینڈسٹری سے ہاوس نہیں ہوں مجھے نہیں ہے کہ ایک دن اینڈسٹری اپنا گھویا ہوا مقام ضرور حاصل کرے گی۔ اور اس کی مدد لیں پھر سے بحال ہو سکیں گی۔ (ہاں نہیں سب یہی کہتے ہیں لیکن؟)

اکیلا

معمر رانا نے اپورنچو اسٹوڈیو میں ایک فلم کی شوٹنگ کے بعد انتقال کر گئے ہوئے کہا کہ انہیں اسٹوڈیو کی حالت دیکھ کر بہت افسوس ہے یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ جب وہ اسٹوڈیو تیار کرتے تھے تو یہاں پر بہت مدد لیں ہوا کرتی تھیں مختلف فلورز پر مختلف فلموں کی شوٹنگز ہوا کرتی تھیں (معمر! وقت بھی ایک سا نہیں رہتا) لیکن آج یہاں ایک آدھ فلم کی ہی شوٹنگ ہوتی ہے۔ میں نے اس فلم کو اس لیے کیا ہے کہ ان لوگ جنہیں اسٹوڈیو اور ہنرمندوں کے گھروں کے چوڑے جل سکیں جو غامی بحران کی زد میں آچکے ہیں (واد بھی اسے کہتے ہیں کہ رادی فلم میں کچھ بیان نہیں ہے اسی لیے ہمارے ہیرو نے یہ بیان دیا ہے کہ۔۔۔) اسی اسٹوڈیو سے بڑے بڑے لوگوں نے اپنے محلات اور کونویں بنائیں۔ (ویسے آپ کا گھر بھی کسی محل سے کم نہیں ہے) اور آج انہوں نے فلم اینڈسٹری کو اکیلا چھوڑ دیا ہے (آپ نے کہا اپنے معاذ خاں میں کی کردی؟) ویسے معمر رانا ایک فلم بنا رہے ہیں جس کو ڈائریکٹ بھی وہ خود کریں گے اس کا ہیرو ورگ تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔

فرض

لورڈ ریشم نے شمال وزیرستان آپریشن کے متاثرین کی مدد کا فیصلہ کیا ہے (بہت اچھا فیصلہ ہے ریشم) اس سلسلے میں ریشم ڈسٹرکٹس میں کھانے پینے کی اشیاء ملبوسات لورڈ اور بات کے پیکٹ تیار کر کے متاثرین کو بھجوائیں گی۔ (کاش یہ جذبہ اور لوگوں میں بھی پیدا ہو جائے) ریشم کا کہنا تھا کہ وزیرستان کے متاثرین

ایک دوسرے کو گراتے بھاگتے نظر آتے ہیں) میں اللہ کے فضل سے ان خوش نصیبوں میں سے ہوں جنہیں عزت و دولت اور شہرت تیوں سے نوازا گیا ہے۔ (شاید جہیں آپ نمبر بڑی بوڑھو برا سمجھتے ہیں)

کچھ اوھر لوھر سے

ہر ماخذ قرآن عالم نامہ تعلیم انگریزی عربی فارسی فرانسیسی ہسپانوی پانچ زبانوں میں مہارت غلطیت ایسی غیر معمولی کہ میں کہ قوالی شہرت یافتہ دانش ور مفکر فلاسفر میں ان تکثرت بدندان نہ بنائیں۔ بقول عالمی شہرت یافتہ مفکر قوم چوسکی "عالمیہ کے اندر اتنی صلاحیتیں ہیں کہ ہمارے اور سسٹم کو بدل سکتی ہے"

امریکا پر سرچ اسٹار اسٹیفن لینڈمین کا کہنا ہے۔
"عالمیہ سے غلط وقت میں غلط جگہ راست گوئی کے بیج بونے چاہیے۔" اسے "شرف نے امریکہ کے حوالے کر دیا۔ ٹائمز صدر نے اپنی کتاب میں رقم کیا۔ میں نے سینکڑوں افراد کو قتل کر کے امریکہ بھادو کی خدمت میں پیش کیے۔

(حفیظ اللہ نیازی۔ جنگ)



پہلے اپنے اہل خانہ کو مطمئن کریں۔ (محترمہ سارے لئے فنکار اپنے والدین کی سپورٹ پر ہی آتے ہیں۔)

فکرمانی

عابد علی کا نام کسی تعارف کا محتاج نہیں ہے وہ اپنے کرداروں کے ذریعے لوگوں کے دلوں پر ہر دور میں راج کرتے رہے ہیں جبکہ کر رہے ہیں۔ عابد علی کہتے ہیں کہ "شوہر اس کی دنیا میں فنکار کو صرف اپنے کردار کے ذریعے پر ستاروں کے دلوں پر فکرمانی کرنی چاہیے۔"

(یہ ان کا پہلا کردار ہوا یا پھر اسے کاکروارنا) فنکار جس قدر اپنے کردار میں خوب گراؤ نگاری کرتا ہے اسی قدر لوگ اس کو پسند کرتے ہیں۔ (عابد علی کی یہ باتیں سننے آنے والے فنکاروں کے لیے شہرے مولیٰ ہیں کاش وہ اس کو سمجھ لیں تو۔۔)

عابد علی صاحب کہتے ہیں کہ شوہر میں کوئی دھیس نہیں ہے نہ آرٹ کی ایک قسم ہے۔ کچھ لوگ انکاروں کو نمبر بڑی دوز میں تقسیم کرتے ہیں تو کسی بھی طرح درست نہیں (اپنی ہمارے فنکار اب نمبر بڑی دوز میں

ایڈیٹر شعلہ انست 2014



مگے کیا ہی اچھا ہو کہ ہر سب کے سب آپ کے پاس
آجائیں اور آپ انہیں یہاں چھوڑیں۔
گور نزل میں کہنے لگا کہ ایک آدمی کی جگہ میں آدمی
کل ہونے کو مل رہے ہیں تو کیا وجہ ہے کہ میں انکار
کروں چنانچہ اس نے فوراً ہائی بھرلی اور کہنے لگا۔

”آپ اپنے بچا زاد بھائیوں کو بھیجنا اور رہن کو
کھلا بھیجنا“ انہیں جانے دو۔“
حضرت عمو بن عاص رضی اللہ عنہ محل سے نکلے
اور جب خطرے کے علاقے سے نکل گئے تو فرمایا۔
”آج کا ایسا خدا کا دن ہے کہ پاس نہیں آؤں گا۔“ چند روز
کے بعد گور نزل نے صلح کی اور خواست کی خود مسلمانوں
کے پاس آیا اور جب عمو بن عاص رضی اللہ عنہ کے
خیمے میں داخل ہو کر انہیں امیر لشکر کی حیثیت سے
بیٹھا پایا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور بولکھلا کر
پوچھا۔

”کیا آپ وہی ہیں؟“ حضرت عمو رضی اللہ عنہ
نے جواب دیا ”جی ہاں میں تمہاری بند لڑی کے پادشہ
زندہ ہوں۔“

حکمرانوں کا بعد الہی استغنا

عنین بن برکت کرتے ہیں کہ وہ اموی خلیفہ ہشام بن
عبد الملک کے قاضی کے پاس بیٹھے ہوئے تھے۔ تھوڑے
میں ان کی عدالت میں دو آدمی حاضر ہوئے۔ ایک
ابراہیم بن محمد تھا اور دوسرا خلیفہ ہشام کا دربار خلیفہ
سیاحی۔ دونوں عدالت میں پہنچ کر قاضی کے سامنے بیٹھ
گئے۔ درباری سیاحی بولا۔ ”قاضی صاحب! امیر
المومنین اور ابراہیم کے درمیان ایک تنازعہ ہے۔ امیر
المومنین نے مجھے اپنی نیابت کے لیے بھیجا ہے۔“
قاضی نے کہا۔ ”تمہاری نیابت پر وہ گواہ مطلوب
ہیں۔“ درباری سیاحی بولا۔ ”کیا آپ سمجھتے ہیں کہ میں
امیر المومنین کی طرف سے کچھ بھوٹ بولوں گا؟“
حالانکہ میرے لور ان کے درمیان کوئی دور کا واسطہ
نہیں ہے میں ان کا قریبی سیاحی ہوں۔“ قاضی نے

فرست

جب حضرت عمو بن عاص رضی اللہ عنہ نے
لیکھاریہ کو فتح کیا اور ایک علاقے کا محاصرو کر لیا تو وہاں
کے گور نزل نے ان کے پاس پیغام بھیجا۔
”آپ لشکر کے لیے کوئی آدمی میرے پاس بھیجیں۔“
حضرت خود ہی ایک عالم آدمی کی حیثیت سے تشریف
لے گئے اور گفتگو شروع کی۔ گور نزل کی حکیمانہ گفتگو
لور جرات دے پاکی سے متاثر ہوا چنانچہ اس نے
پوچھا۔
”کیا تمہارے لوگوں میں اور لوگ بھی تمہاری
طرح مہرور ہیں؟“

حضرت عمو نے جواب دیا ”میں تو ان سب سے کتر
آدمی ہوں تب ہی تو انہوں نے مجھے آپ کے پاس
بھیجا ہے۔“

گور نزل نے یہ سن کر انہیں کچھ چھوڑے دینے کا حکم دیا
اور ساتھ ہی دربان کے پاس حکم لکھ کر بھیجا۔
”جب یہ شخص تمہارے قریب سے گزرے تو
اسے قتل کر کے اس کا سر لے آؤ۔“

حضرت عمو رضی اللہ عنہ جب وہاں جانے کے
لیے مڑے تو راستے میں گھسان نامی قبیلے کا ایک شخص
آپ سے ملا اور اس نے آپ کو پہچان لیا کہ جو تکہ اس
علاقے کی بنداری سے واقف تھا اس لیے کہنے لگا۔
”حضرت! آپ اس محفل میں اچھی طرح جواطل
ہوئے تھے اچھی طرح جھی لگنا۔“

حضرت عمو بن عاص نہ ٹھنک گئے۔ فوراً مڑے
اور گور نزل کے پاس آکر کہنے لگے۔
”آپ نے مجھے جو تحفے دیے اسے دیکھ کر اندازہ
ہوگا کہ یہ میرے بچا زاد بھائیوں کے لیے کافی نہیں ہوں

ہے اس کے باشندوں کو اللہ تعالیٰ نے ہماری وجہ سے
کفر و شرک سے محفوظ کیا ہے اور اسے مسلمانوں کی
وراثت اور ملکیت میں دے دیا ہے۔

قاضی کیا تم نے حملے سے پہلے اہل سمرقند کو اسلام
کی دعوت دی تھی یا جزیہ دینے پر آمادہ کیا تھا یا دونوں
صورتوں سے انکار پر جنگ کا اعلان کیا تھا؟
امیر لشکر نہیں ایسے تو نہیں ہوا۔

قاضی تو گویا آپ نے اپنے قصور کا اعتراف
کر لیا۔

اس کے بعد قاضی نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے
ہمت کی بدواس لیے کی ہے کہ اس نے اپنی کتابوں کی
اور دھوکا دہی کے اعتبار سے اللہ کی قسم! ہم اپنے
گھروں سے جہاد کی جنگ لڑنے کے لیے نکلے ہیں۔ ہمارا
مقصود نہیں پر جنت جہان میں کورنہ حق کے بغیر وہاں
حکومت برپا ہے۔ میں تم لوگوں کے مسلمان اس شہر
کے اہل علم میں اور شہر اس کے اصل باشندوں کے
میں سے ہوں۔ پھر ان کو دعوت اسلام دیں انہیں
جنگ سے روک دیں اور ان سے لڑائی کا اعلان کریں۔

اہل سمرقند نے: دوسرا اور دیکھا اس پر انہیں یقین
نہیں آ رہا تھا۔ توڑی ہی دیر میں قاضی کے فیصلے پر
عملدر آمد شروع ہو چکا تھا اور فوجیں واپس جاری
تھیں۔ وہ ان لوگوں جن کے سامنے مدینہ سے لے کر سر
قند تک کوئی چیز رکاوٹ نہ بن سکی جنہوں نے یسرو
کسری اور خاقان کی قوتوں کو پاش کر کے رکھ دیا: بو
رکاوٹ بھی راستے میں آئی اسے خس و خاشاک کی
طرح جہاں لے گئے مگر آج جو ایک کمزور، نحیف جسم کے
ملک قاضی کے فیصلے کے سامنے بے دست و پا
ہو گئیں۔ اس علوانہ فیصلے کو دیکھ کر اہل سمرقند نے
اسلامی فوج کے راستے روک لیے ان کے گھوڑوں کی
پاؤں پکڑ لیں کہ ہمارے ملک سے واپس نہ جائیں۔
ہمیں اسلامی عدل و انصاف کی ضرورت ہے۔ پھر وہم
فلک لے کر منظر بھی دیکھا کہ سمرقند کی گلیاں لوہو جھک
اللہ اکبر کے نعروں سے گونج اٹھے تو گرجوں و جوق ورجوق
مسلمان ہونے لگے۔

کہا۔ "شہادت کے بغیر نہ تمہارے حق میں مقدمہ
ہو سکتا ہے اور نہ تمہارے خلاف۔" قاضی کا دھوکہ
فیصلہ سن کر درباری سپاہی عدالت سے نکل گیا اور
خلیفہ کی خدمت میں پہنچ کر پوری داستان سنائی۔ خلیفہ
اٹھ کھڑا ہوا اور توڑی ہی دیر کے بعد عدالت کے باہر
نکلے۔ عدالت کا دروازہ کھلتے ہی درباری سپاہی
آگے بڑھا اور بولا۔ "قاضی صاحب! یہ دیکھیے امیر
المومنین حاضر ہیں۔" خلیفہ ہشام کو دیکھتے ہی قاضی
صاحب استقبل کے لیے کھڑے ہو گئے مگر خلیفہ نے
انہیں بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر قاضی نے ایک مصلیٰ پھیلایا
اس پر خلیفہ اور اس کا فریق مخالف امیر ایم بن محمد بیٹھ
گئے۔ راوی کہتے ہیں کہ ہم حاضرین اس نصیب سے
متعلق ہوئے والی گفتگو صاف صاف نہیں سن رہے
تھے، البتہ کچھ باتیں ہمیں سمجھ میں آ رہی تھیں۔
فریقین نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔ قاضی نے
منطقی استدلال کے بعد خلیفہ ہشام کے خلاف فیصلہ
دے دیا۔

ایک موقع پر اہل سمرقند نے اسلامی لشکر کے
سارادہ قتیبہ بن مسلم کے خلاف اسلامی عدالت میں
مقدمہ دائر کر دیا۔ قاضی نے مسجد کے ایک کونے میں
اپنی نشست سنبھالی اور کارروائی کا آغاز کر دیا۔ قاضی کا
غایم اس کے سر پر کھڑا تھا۔ بغیر کسی لقب کے امیر لشکر
کا نام لے کر بلایا جا رہا ہے کہ وہ حاضر ہو۔ امیر لشکر نے
سمرقند قتیبہ بن مسلم حاضر ہوا۔ عدالت کے سامنے
بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ پھر اہل سمرقند کے سردار کاہن کو بلوایا
اور قتیبہ بن مسلم کے ساتھ بٹھالوا۔ عدالت نے اپنی
کارروائی شروع کی۔

قاضی اپنی نہایت پست آواز میں کاہن سے مخاطب
ہوئے "جہاں تم کیا کہتے ہو؟"
کاہن: آپ کا کمانڈر قتیبہ بن مسلم ہمارے ملک
میں دھوکے سے داخل ہوا ہے۔ اعلان جنگ نہیں کیا
اور نہ ہمیں اسلام کی دعوت دی ہے۔
قاضی نے امیر کی طرف دیکھا اور پوچھا "تم کیا کہتے
ہو؟"

"امیر لشکر الزوالی تو دھوکا دہی ہے یہ ملک بہت بڑا



عید کے پکوان

خالد جیلانی

پیونٹ میں کہ تمیز مکھن کی طرف ہو جائے عید
پالے میں سفیدی میں ایک چٹکی نمک ڈال کر اتنا پھینیں
کہ آمیزہ ہمال دار ہو جائے بقید آئسنگ شوگر ڈال کر
پھر خوب پھینیں۔ اس کے بعد زردی والا آمیزہ ڈال کر ایک
بار پھر خوب پھینیں۔ میدہ (دو تین دفعہ چھان لیں) ڈال کر
ایک بار پھر اتنا پھینیں کہ آمیزہ گاڑھا اور بکجان دو جائے۔
سائے میں مکھن کا کرہ بند بیچ بچھائیں۔ اس پر بھی تھوڑا
ساکھن لگائیں پھر آمیزہ بھیا دیں۔ پلے سے خوب گرم
تے پر ساڑھے دو گھنٹہ کر آٹھ گھنٹہ کریں۔ بیس منٹ بعد
چھری ڈال کر چیک کریں۔ چھری صرف اٹل آئے تو
بھیں ایک ایک پک گیا اور مزید پانچ منٹ کے لیے رکھ

کیک
نہرونی اجزا :
اندازہ
آئسنگ شوگر
میدہ
فریش کریم
اسٹرابیری ایسنس
مکھن اسٹرابیری زردی
ترکیب :
ایک چائے میں انڈوں کی زردی 'تومی آئسنگ
شوگر اور اسٹرابیری ایسنس ڈال کر خوب اچھی طرح

ہری بھری دھواں

آدھا کلو	گوشت
آدھا کلو	چاول
آدھا کلو	پیاز
سب ضرورت	حببت گرم مسالا
ایک کپ	زرد رنگ
ایک کپ	نہی
سب ذائقہ	نمک
سب ضرورت	تیل
	ترکیب :

پیاز سنہری اور کھانے کے اوزن پست بھون لیں۔ گوشت چال کر کے لال مرغ ذی نمک پیلو ضیا ہلکی حببت گرم مسالا ذریہ شمال کر کے بھون لیں۔ پیاز ڈال کر پکا لیں۔ گوشت گل جائے تو بھون کر چھلنے سے اٹار لیں۔

چال لیں اس طرح لہائیں کہ ایک کپی رو جائے۔ لنگ چھنی میں گوشت کی تہ لگا کر چاولوں کی ایک تہ لگائیں۔

پھر ہر ادھیا پورہ اور ہری مرغیں لال کر لوہہ دہارہ چاولوں کی تہ لگادیں۔ تھوڑے سے دھواں میں زرد رنگ گھول کر چاولوں پر ڈال کر پھر رو کے لیے منت دم پر رکھ دیں۔ دانتے کے ساتھ گرم گرم پیش کریں۔

دس مالی

ایک کلو	دھواں
ایک کپ	چٹنی خشک دھواں
ایک ہائے کاچو	پیکنگ پاؤڈر
ایک عدد	لہذا
ایک ہائے کاچو	کھلی
	ترکیب :

دھواں میں چٹنی مالوئی اور بادام پست ڈال کر بال لیں۔ خشک دھواں میں پیکنگ پاؤڈر اندھو اور کھلی ملا کر کھلی اگر جامہ سخت ہو تو زیادہ اچھا ہے (گوندہ لیں)۔ تھ چکنا کر کے چھوٹی پھوٹی کلیہ بنائیں۔ جب دھواں میں خوش آجائے

دھواں پک جائے تو اٹار کر ٹھنڈا کریں پھر چم میں سے چھری کی مدد سے دھواں میں گات لیں۔ ایک حصے پر تھوڑی سی گرم اور اسٹرا بری پیوری ڈال کر دھواں چھلکیں۔ گرم سے ٹیک کو چاروں طرف اچھی طرح گور کریں۔ آدھ اسٹرا بری سے اس کی سجاوٹ کریں اور فریق میں ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

بادامی چاکلیٹ ٹیک

بجور	بجور عدد
بادام	ایک پیال
گوشت چاکلیٹ	آدھی پیال
	ترکیب :

گوشت چاکلیٹ کو بھالیں۔ بجور سے مٹھلیاں نکال کر اس کی جگہ بادام رکھ دیں۔ ہائی بادام ہر ایک کات لیں۔ اب بجور جس میں بادام رکھا ہے گوشت چاکلیٹ میں لپیٹ دیں۔ کتے ہوئے بادام اوپر چھڑک کر پیش کریں۔ (دراقتہا۔ مٹھلیاں)

مزے دار سالم چکن

چکن سالم	ایک عدد
برقونڈ پیاز ذی	توہا آدھا کلو
لیموں کا رس	پیاز کھلے کے
سرخ مرغ ضیا	ایک کپ کھلے کاچو
نمک	سب ذائقہ
تیل	سب ضرورت
	ترکیب :

بڑے پیالے میں دھواں 'برقونڈ کی ہوئی پیاز لال مرغ' ادھیا گرم مسالا نمک اور لورک لسن پیٹ ڈال کر پھینٹ لیں۔ تیز چھری سے چکن کو کٹ لگا کر آہستہ آہستہ طرح لیں دیں۔ اور ریلو ٹیگر میں رکھ دیں۔ دھواں بھون کر لہی میں تیل گرم کر کے چکن ڈال کر اٹھک لیں۔ ایک طرف سے سرخ ہو جائے تو لپیٹ دیں۔ آدھی چکن رکھیں۔ چکن گل جائے تو چھلکا بند کر دیں۔ لیموں چھڑک کر چالی اور چٹنی کے ساتھ پیش کریں۔

تو درمیانی تریج کر کے ساری گلیہ ڈال دیں اور دو تھے ہفتے سے پٹنی ہلاتی رہیں۔ دس منٹ بعد یہ پھول جائیں گی۔
دودھ گاڑھا دو جائے تو آمار لیں اور ٹھنڈا کر کے پیش کریں۔

چکن ٹکڑے مسالا

اجزاء :
چکن بون لیس

دیر پاؤ
ایک کپ
ایک چائے کا چمچ
دو ٹوکڑے
دو کھانے کے چمچے
ایک کپ
حسب ذائقہ
حسب ضرورت

دی
پیارا گرم مسالا
پیارا نمنا
ٹکڑے مسالا
کریم
نمک
تیل

ترکیب :

دی میں دو کھانے کے چمچے لیموں کا رس ہل کر گرم مسالا ٹکڑے مسالا لیس اور ک پیسٹ اور نمک ملا کر اچھی طرح پوٹیوں پر لگائیں اور دو گھنٹے کے لیے فریج میں رکھ دیں۔ پھر دھیمی میں ڈال کر تلی تریج پر تھوڑی دیر پکا میں اور الگ روک

دی ہاں ہاں ہاں ہاں کر تیل میں بھونیں پھر اس میں چاہت مرغ توڑ کر ڈالیں۔ نمنا ہارک کٹ کر ڈالیں اور اچھا پکائیں کہ پیسٹ بن جائے۔ چکن شامل کر کے تھوڑا سا بھونیں اور روغن آنے تک پکائیں پھر پانی منٹ کے لیے دم پر رکھ دیں۔ پیش کرتے وقت گرم ہڈی ڈال دیں۔

رنگین سبزی کباب

اجزاء :
چکن قیر

دیر پاؤ
دو ٹوکڑے
ایک چم تیل کپ
چھ ٹوکڑے
دو ٹوکڑے
حسب ذائقہ
حسب ضرورت

انڈے
نیر
ہری پوا
لال ٹکڑے مرغ
نمک
کامین تیل

ترکیب :

قیر میں انڈے سفید مرچ 'چاٹ مسالا' گرم مسالا لیس جس 'زیرہ بھون کر اور ہری مرچ ہارک کٹر کر ملائیں۔ لاد چمچ تیل بھی ملا دیں۔ پھر ہری پوا 'ٹکڑے' اور ہرا دھیا ہارک کٹ لیں۔ نیچے کے سبزی کباب بنا کر ہارک کٹی سبزیاں میں بدل کریں۔ اچھی طرح ہاتھ سے چمکائیں۔ پھر فرن کو یا تو کوٹلوں پر سینک لیں۔ ایون میں بیگ بھی کر سکتی ہیں اور کٹے تیل میں فرائی بھی کر سکتی ہیں۔ درمیان میں ٹکڑے کا پریش بھی پھیرتی رہیں۔ سپے دار پیرا اور چھنی کے ساتھ پیش کریں۔

سب قیریں

اجزاء :

ایک لیٹر
آدھا کپ
دو کھانے کے چمچے
حسب ذائقہ
ایک کپ
چار ٹوکڑے
دو ٹوکڑے
آٹھ ٹوکڑے

ترکیب :

دودھ کو جو لیے پر اٹھنے کے لیے روک دیں۔ جیلی کو الگ الگ پکا کر جھا کر جو کو روک کٹ لیں۔ دودھ گاڑھا ہونے لگے تو سویاں ڈال دیں۔ سویاں نرم ہو جائیں تو کھانے ٹوکڑے اور چھنی ڈال دیں۔ چمچہ ہلاتے رہیں۔ کھانا ڈال کر پندرہ منٹ تک پکا میں اور چمچے سے آمار کر ٹھنڈا کریں۔ ٹھنڈا ہونے کے بعد جیلی اور کیویز میں کٹے پھل اور کٹرے ہوئے پلاٹم چھڑک کر فریج میں رکھ دیں۔ ٹھنڈا اچھا جائے تو پیش کریں

(البتہ دقت۔ ایران آباد)



کر ہم روزانہ صبحیں جوس اور عرق کاغذ کے ساتھ اسکرپ کرنے کے بعد فوراً کے طور پر لگائیے۔

پوہنے کو اس کرپائی پائیں۔ رتھت نگار نے اپہت کے مساکل اور کیل مساکوں کے لیے بے حد مفید ہے۔ ہندو جوں کو بیس کر پیست بنا کر رات کو لگائیں انھیں دن دھولیں۔

ہفتے میں دو ٹھنڈے ضرور کھائیں۔ ابا دوا کھائیں تو زیادہ بہتر ہے۔ کو اسٹراپ کا مسالہ دو تو صرف سفیدی استعمال کریں۔ انڈس کی سفیدی بہترین مانگ ہے۔ ہر فیشل با مساج کے بعد ایک چچی شمد اور ایک چچی لیوڈ کا رس لکھ کر ہرے رنگ میں ہندو ٹھنڈا بعد ٹھنڈا ہونے پر دھو لیں۔

ان کو لکھو ٹھنڈوں پر لکھ کر ہرے بعد جب صبح کے دن آپ لکھ کر مسکاپ کریں کی تو چھوڑ دیا اٹھ جائے گا۔

ان غیدہ موسم نرم گرم رہے گا۔ خاتون خانہ ہونے کی خشیت سے بچنے کی رات دوا لیں ابھی خاتون ہوں گی آپ پر لکھ کر اٹھ جائیں آپ کریں جو اٹھنے والے کو ہلوارن ہونے سے اور آپ بھی انھیں محسوس نہ کریں۔

دیشنگ کریم کا کر فیس ڈاؤر کا ایک کوٹ لگائیں۔ ڈاؤر فیشل ہر روز استعمال نہ کریں۔ ڈاؤر کی فیشل میں غی فیشل تین اور تین شیڈو لگائیں مگر اس کا بھی صرف ایک کوٹ۔ سکارا اور تکی ڈائنڈ سے پابیز کرنا بہتر ہو گا۔ تکی فیشل البتہ لکھ سکتی ہیں۔ آپ اسٹک انٹ پر ڈاؤر با رنگ شیڈو لگائیں۔

البتہ رات با شام میں نیارنی کے وقت آپ کمرے شیڈو استعمال کر سکتی ہیں۔ اور ڈاؤر کا بھی کھل میک اپ کر سکتی ہیں۔ لیکن میک اپ با کار کھیں۔ تکی شیڈو اپنے لباس کے مناسب سے منتخب کریں۔ کاجل لکھیں اور مسکارا بھی لکھ سکتی ہیں۔

لباس کے انتخاب میں بھی سب سے اہم چیز موسم ہے چونکہ گرمی ہوگی تو دن میں لان کے خوش رنگ سوٹ کا انتخاب کریں البتہ شام میں آپ بھاری کپڑے بھی پہن سکتی ہیں۔

ایک خاتون خانہ کے میک اپ کی ڈوپل یہ ہے کہ یہ محسوس نہ ہو کہ اس نے میک اپ کر رکھا ہے اس کا حسن ڈھلکی اور قدرتی نظر آئے بنگ میک اپ سے چمکتا چہرہ اور دلکش مسکراہٹ آپ کو ڈھلکی دلکشی اور حسن عطا کرے گی۔



خوب صورتی کی پہلی شرط دقتی بولی کشش اور ترو آواز جلد ہے۔ اس اصل خوب صورتی کو آپ تھوڑی سی توجہ اور تھوڑی سی محنت سے نہ صرف قائم رکھ سکتی ہیں بلکہ مزید نکھار بھی سکتی ہیں۔ اس کے لیے سب سے پہلے تو اس بات کا خیال رکھیے کہ آپ متوازن اور صحت بخش غذا میں استعمال کریں۔ آپ کی غذا نہ صرف جلد پر اثر انداز ہوتی ہے بلکہ آپ کا دل بھی متوازن رہتی ہے جلد کے نکھار کے لیے آپ کے چہرے سے بھی بہت سی چیزیں مل سکتی ہیں۔

ایک دوا دھو چھوڑ دو۔ میں نہیں کر پیست بنالیں۔ رات کو بنگے باٹھوں سے مساج کریں۔ بہترین اسکرپ ہے۔ صبح نہ دھولیں۔ دوا میں نمک ملا کر مساج کرنے سے بھی جلد ملائم ہوگی ہے۔ اس سے غیر ضروری مرواں بھی تھم جاتا ہے۔ اسی کو اسٹ سے بھلا پاور سے آتا ہے۔ دہی میں چند قطرات سفید سرکہ ملا کر مساج کریں۔ خشک ہونے پر دھولیں۔ ہفتے میں کم از کم تین بار یہ عمل کریں۔ مالٹھ اور شالائی لائی ہے۔

روزانہ ایک کرپا کھائیے۔ ٹوانائی کے لوری حصول میں آسیر ہے۔ کیلے کو دہی یا دوا کے ساتھ مسل کر مساج کریں۔ تھوڑی دیر بعد ٹھنڈے پانی سے نہ دھولیں۔ روزانہ ایک کھیرا کھائیے اور ایک کھیرے کار میں لکھ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بُک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ ہر ای بُک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بُک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسج کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب فورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

← ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

← ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1